بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ
بِسمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِ اللّٰہِ
نعت اکادمی جموں وکشمیر (سری نگر) کے زیر اہتمام شائع ہونے والا
حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کے لیے وقف ادبی وتحقیقی مجلّہ
Jahan-e-Hamd-o-Naat
جہانِ حمد ونعت
{ ریاستِ جموں وکشمیر میں حمدیہ ونعتیہ شعروادب کا اوّلین کتابی سلسلہ }
سرپرست پروفیسر مرغوب بانہالی
مُدیر ڈاکٹر جوہر قدوسی
نعت اکادمی جموں وکشمیر صدر دفتر : مدینہ چوک، سرینگر-190001 (کشمیر)

مجلس مشاورت (ادارتی)

مُدیر : ڈاکٹر جوہر قدوسی

Price : Rs. 300/ | Vol. : 01 No : 01 | ISSN : 2231-1122

جہانِ حمد ونعت

(حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کے لیے وقف ادبی وتحقیقی مجلّہ)

● جلد : 1 ● شمارہ : 1 ● رمضان المبارک 1440ھ (مئی۔جون 2019ء)

جنرل منیجر : اے۔جی۔قدوسی

نگراں : پیر جی۔ایم۔شاہ ● منتظم : آصف مسعود

● تزئین کار : پرویز احمد میر ● سرورق : ای۔قدوسی

ناشر

نعت اکادمی (جموں وکشمیر)

1st Floor, Khan Complex, Madeena Chowk,
Gaw Kadal, SRINAGAR-190001 - Kashmir (J&K)

Tel. : 0194-2473818 Cell : 9906662404, 9419403126 Email : hamdonaatjk@gmail.com

Printed and Published by: N. Quddusi ● Printed at: *Al-Hayat Printographers* Sgr.

جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جلّ جلالہٗ – صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ڈاکٹر ریاض مجید

سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی

ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری

پروفیسر اقبال عظیم مرحوم

پروفیسر مرغوب بانہالی

مشتاق کاشمیری

اور

مشتاق فریدی

کی حمد و نعت شناسی کے نام

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ
أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

(سورہ لقمان 31: آیت 27)

ترجمہ:" اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے، اُس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں، (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں) تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔"

یا صاحب الجمال وسیّد البشر
من وجهك المنير لقد نور القمر

لا یمکن ثناء کما کان حقه
بعد از خدا بزرگ توی قصّه مختصر

جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

لمعاتِ ثنا

تفہیمات

حمد ونعت: اِنتقادِ سخن، احتسابِ اسلوب

[حمدیہ ونعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات]

تصوّرات

حمد ونعت: اقوالِ زرّیں، افکارِ روشن

[حمد ونعت سے متعلق اصحابِ فکر ودانش کے منتخب اقوال]

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ○
بِسۡمِ اللّٰہِ وَالصَّلَاۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُوۡلِ اللّٰہِ ○
نعت اکادمی جموں و کشمیر (سری نگر) کے زیر اہتمام شائع ہونے والا
حمدیہ و نعتیہ ادب کے فروغ و اشاعت کے لیے وقف ادبی و تحقیقی مجلّہ
Jahan-e-Hamd-o-Naat
جہانِ حمد و نعت
{ریاستِ جموں و کشمیر میں حمدیہ و نعتیہ شعر و ادب کا اوّلین کتابی سلسلہ}
سرپرست پروفیسر مرغوب بانہالی
مُدیر ڈاکٹر جوہر قدّوسی
نعت اکادمی جموں و کشمیر صدر دفتر: مدینہ چوک، سرینگر-190001 (کشمیر)

مجلس مشاورت (ادارتی)

Price : Rs. 300/ | Vol. : 01 No : 01 | ISSN : 2231-1122

جہانِ حمد ونعت

(حمدیہ ونعتیہ ادب کے فروغ واشاعت کے لیے وقف ادبی وتحقیقی مجلّہ)

● جلد : 1 ● شمارہ : 1 ● رَمَضَان المبارک 1440ھ (مئی-جون 2019ء)

جنرل مینجر : اے-جی-قدوسی

نگراں : پیر جی-ایم-شاہ ● منتظم : آصف مسعود

● تزئین کار : پرویز احمد میر ● سرورق : ای-قدوسی

ناشِر

نعت اکادمی (جموں وکشمیر)

1st Floor, Khan Complex, Madeena Chowk,
Gaw Kadal, SRINAGAR-190001 - Kashmir (J&K)

Tel. : 0194-2473818 Cell : 9906662404, 9419403126 Email : hamdonaatjk@gmail.com

Printed and Published by: N. Quddusi ● Printed at: *Al-Hayat Printographers* Sgr.

جل جلالہ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ – صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ڈاکٹر ریاض مجید
سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی
ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری
پروفیسر اقبال عظیم مرحوم
پروفیسر مرغوب بانہالی
مشتاق کاشمیری

اور

مشتاق فریدی
کی حمد و نعت شناسی کے نام

وَلَوْ أَنَّمَا فِي الْأَرْضِ مِن شَجَرَةٍ أَقْلَامٌ وَالْبَحْرُ يَمُدُّهُ مِن بَعْدِهِ سَبْعَةُ أَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمَاتُ اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ عَزِيزٌ حَكِيمٌ ○

(سورہ لقمان 31: آیت 27)

ترجمہ:" اور زمین میں جتنے درخت ہیں، اگر وہ قلم بن جائیں، اور یہ جو سمندر ہے، اُس کے علاوہ سات سمندر اس کے ساتھ اور مل جائیں، (اور وہ روشنائی بن کر اللہ کی صفات لکھیں) تب بھی اللہ کی باتیں ختم نہیں ہوں گی۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ اقتدار کا بھی مالک ہے، حکمت کا بھی مالک۔"

یا صاحب الجمال وسیّد البشر
من وجهك المنير لقد نور القمر

لا یمكن ثناء كما كان حقه
بعد از خدا بزرگ توی قصّہ مختصر

لمعاتِ ثنا

تفکرّات

حمد ونعت: اِکتشافِ فکر، اِقتضائے فن

[حمد ونعت گوئی کے فن اور آداب واسلوب پر مضامین]

تدبّرات

حمد ونعت: عکسِ تحقیق، نقشِ تنقید

[حمدیہ ونعتیہ شاعری پر تحقیقی وتنقیدی مضامین]

تفہیمات

حمد و نعت: اِنتقادِ سخن، احتسابِ اسلوب

[حمدیہ و نعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات]

تصوّرات

حمد ونعت: اقوالِ زرّیں، افکارِ روشن

[حمد ونعت سے متعلق اصحابِ فکر ودانش کے منتخب اقوال]

جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

تخیّلات

تاثرات

متفرقات

(اداریہ)

حرفِ آغاز

یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ حمد نگاری اور نعت گوئی کو ماضی قریب میں محض رسمی اہمیت و حیثیت حاصل تھی اور ان کے تاریخی، فکری، جمالیاتی اور فنی پہلوؤں کے بارے میں تدبر و تفکر کرنا کسی بھی طور کسی صاحبِ فکر کو گوارہ نہیں تھا۔ اُردو شاعری کی ابتداء سے لے کر بیسویں صدی کے نصف آخر عشروں تک شعرائے کرام اپنے اپنے شعری مجموعوں کے آغاز میں از راہِ تبریک دو تین حمدیہ و نعتیہ اشعار درج کر کے گویا بزعم خود حمد و نعت کی حق ادائی کرتے تھے۔ اس سے آگے بڑھ کر حمد و نعت کو دو الگ اصناف کی حیثیت عطا کرنے پر اہلِ سخن میں سے کوئی بھی تیار نہ تھا اور ان دونوں کی تعریف اور پہچان محدود تھی۔

حمد نگاری اور نعت گوئی کو اس تنگ دائرے سے باہر نکالنا اور ان کو جداگانہ صنفی وجود، تشخص اور شناخت سے روشناس کرنا نہ صرف یہ کہ وقت کی اشد ضرورت تھی، بلکہ اردو میں حمد و نعت کے روز افزوں اثاثے کی قدو قدر افزائی کے پیشِ نظر اس کام کی انجام دہی میں مزید تاخیر نا قابل برداشت تھی۔

اس منظر نامے کو تبدیل کرنے کے لیے حمد نگاری اور نعت گوئی کو چند ایسے اولوالعزم نفوسِ قدسیہ کی خدماتِ عالیہ کی ضرورت تھی، جو ہواؤں کا رُخ موڑنے کی صلاحیت رکھتے ہوں۔ اللہ کا شکر ہے کہ گزشتہ صدی کی آخری دہائیوں میں ایسے صاحبانِ عزم و ہمت کا ظہور ہوا اور انہوں نے حمد نگاری اور نعت گوئی کے بارے میں روایتی سوچ اور رسمی اپروچ کو بدل دینے کی ٹھان لی۔ چنانچہ نعیم صدیقی، سیّد صبیح الدین صبیح رحمانی، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر عزیز احسن، ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق، ڈاکٹر طلحہ رضوی برق، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری، پروفیسر حفیظ تائب، مظفر وارثی، راجہ رشید محمود، ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی، پروفیسر شفقت رضوی، ڈاکٹر عاصی کرنالی، ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی، رشید وارثی، حنیف اسعدی، ڈاکٹر تحسین فراقی، ڈاکٹر اسلم فرخی، تابش دہلوی، سید آلِ احمد رضوی، سعید بدر، سحر انصاری، ڈاکٹر معین الدین عقیل، ڈاکٹر شبیر احمد قادری، شبنم رومانی، ریاض حسین چودھری، ڈاکٹر ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، پروفیسر محمد اقبال جاوید، ڈاکٹر وقار احمد رضوی، ڈاکٹر طفیل احمد مدنی، ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی، ڈاکٹر سید وحید اشرف کچھوچھوی، ڈاکٹر شہزاد احمد، ظہیر غازی پوری، پروفیسر واصل عثمانی، پروفیسر علی محسن صدیقی، احمد صغیر صدیقی، پروفیسر محمد اکرم رضا، پروفیسر قیصر نجفی، پروفیسر عبدالنعیم زبیری، ڈاکٹر غفور شاہ

قاسم، ڈاکٹر عبدالرحمان عبد، حفیظ الرحمان احسن، ڈاکٹر دوست محمد خان، سید افتخار حیدر، ڈاکٹر خورشید رضوی، ڈاکٹر سراج احمد قادری، ڈاکٹر ابوسلمان شاہ جہان پوری، نور احمد میرٹھی، ڈاکٹر تقی عابدی، ڈاکٹر امجد رضا خان، ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی، گوہر ملسیانی، حسن محمود جعفری، محمد شہزاد مجددی، ڈاکٹر صابر سنبھلی، سلیم شہزاد، پروفیسر افضال احمد انجم، پروفیسر انوار احمد زئی، مبین مرزا، کاشف عرفان، ڈاکٹر محمد طاہر قریشی، ڈاکٹر اشفاق انجم، منظر عارفی، ڈاکٹر داؤد عثمانی، قمر وارثی، جلیل عالی، ڈاکٹر فتح محمد ملک، ڈاکٹر حبیب الرحمان نعیمی، ڈاکٹر زاہد منیر عامر، ڈاکٹر محمد سہیل شفیق، جہاں آرا ءلطفی اور بہت سارے دیگر اصحابِ فکر و فن اور اربابِ علم و دانش نے حمد و نعت کی ہر دو اصناف کو فکری و معنوی سطح پر نئی جہات، نئے ابعاد اور نئی وسعتوں سے ہم کنار کیا۔ اِس ضمن میں جس شخصیت کا کردار مشعل بردار اور قافلہ سالار کے طور پر لیا جاتا ہے، اُن کا نامِ نامی سید صبیح الدین صبیح رحمانی ہے۔ حمد و نعت کو علاحدہ اور مستقل اصناف کا درجہ دلوانے اور بالخصوص نعت کی ممتاز و منفرد ادبی و شعری حیثیت تسلیم کروانے میں رحمانی صاحب کی کوششیں اور کاوشیں سب سے بڑھ کر قابلِ تحسین ہیں۔ 1995ء میں اُن کے جاری کردہ اَدبی و تحقیقی مجلّے "نعت رنگ" نے نعتیہ ادب کی تاریخ میں وہ کارنامے انجام دیے، جو صرف اُسی کا حصّہ ہیں۔ اِس مجلّے نے ایک مشن اور ایک تحریک کی حیثیت اختیار کر لی اور پہلی بار نعت نگاری کے لیے شجرِ ممنوعہ سمجھی جانے والی شے یعنی تنقید کے بند دروازے وا کیے۔ "نعت رنگ" کی کامیاب اشاعت سے تحریک و ترغیب اور عزم و حوصلہ پا کر بہت سارے دوسرے لوگ بھی نعتیہ ادبی صحافت کے میدان میں آ گئے اور یوں اِس رجحان نے ایک توانا ادبی تحریک کی شکل اختیار کر لی، یہاں تک کہ رفتہ رفتہ صفِ اوّل کے ناقدین اور ادباء و شعراء بھی اپنے آپ کو اِس کاروان میں شامل کرانے پر مجبور پائے گئے۔

''نعت رنگ'' کے اِن تحریکی اثرات کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر سیّد محمد ابوالخیر کشفی رقمطراز ہیں:

''نعت رنگ'' نے نعت کی توسیع، تفہیم اور تنقید میں رجحان ساز کردار ادا کیا ہے۔ پڑھنے والوں کا ایک حلقہ نعت کے ادبی معیار کے بارے میں سنجیدگی سے سوچنے لگا ہے۔ اس سے پہلے لوگ سمجھتے تھے کہ نعت کے مطالعے میں اچھی اور بُری نعت کی تقسیم ''گناہ'' ہے۔ ''نعت رنگ'' میں چھپنے والے خطوط میں لوگ اب مضامین اور نعتوں کے بارے میں سنجیدہ اور گہری تنقیدی فکر کا اظہار کر رہے ہیں {خط سے اقتباس: ''نعت رنگ'' شمارہ نمبر ۱۲، ص ۱۳}.......آج سے پندرہ بیس سال پہلے نعت کی تعریف کرنے والے نقاد اور اہلِ ادب بھی نعت کو ایک مستقل ادبی صنف قرار دینے کے باب میں تذبذب کا شکار تھے لیکن آج نعت کی یہ حیثیت مسلّم ہو چکی ہے۔ فضا کی یہ تبدیلی اچانک اور بے سبب نہیں ہے۔ چند اہلِ قلم نے اس مسئلے کو چھیڑا ہے اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فیض سے انھیں کامیابی نصیب ہوئی ہے۔ ''نعت رنگ'' اس راستے کا پہلا مسافر تھا

اور اب ایک قافلہ نعت شناسی ہمیں ادب کی بلند ترین منزل کی طرف بڑھتا ہوا نظر آتا ہے۔{فلیپ سے اقتباس: ''نعت کی تخلیقی سچائیاں'' مصنف عزیز احسن، مطبوعہ مارچ ۲۰۰۳ء}

نعتیہ ادب کی مقدار و معیار میں وقیع اضافہ کرنے کا سہرا ''نعت رنگ'' کے سر باندھتے ہوئے ڈاکٹر خورشید رضوی نے لکھا ہے :

''نعت رنگ'' نے نعت اور نواحِ نعت کو موضوع بنا کر نظم، نثر، تحقیق، تنقید، تخلیق، سب زاویوں سے ایک علمی سطح قائم کرنے میں بھرپور کردار ادا کیا۔ اس عمل میں بہت سے لکھنے والوں کی مجموعی کاوشوں کو دخل ہے مگر اس نوع کے عمل کو تحریک مہیا کرنے والا بالعموم کوئی ایک فرد ہوتا ہے، جس کے جذبے کی صداقت، اخلاص کی حرارت اور عزم کی قوت، دلوں میں مضمر امکانات کو بیدار کر کے، مقناطیس کی طرح ایک عالم کو ایک مقصد کی طرف کھینچ لاتی ہے۔ ''نعت رنگ'' کے پیچھے یہ مقناطیسی طاقت صبیح رحمانی کی فعال شخصیت تھی۔ انھوں نے نہ صرف اپنی تمام صلاحیتوں کو ایک نقطے پر مرتکز کیا بلکہ یہ ولولہ اوروں کے دلوں میں بھی منتقل کر دیا۔ چناں چہ ''نعت رنگ'' کی تحریک لسانی اور جغرافیائی حدود سے ماورا ہو کر دُور دُور تک پھیل گئی اور اطراف و اکناف کے اہلِ قلم نے اردو کے علاوہ عربی اور فارسی کے نعتیہ ادب کو بھی اپنی نگارشات کا موضوع بنایا اور نئے نئے زاویوں سے اسے دیکھا اور دکھایا۔ ''نعت رنگ'' نے نعتیہ ادب میں صحت و استناد اور اعتدال و احتیاط کی اہمیت اُجاگر کر کے یہ شعور دلوں میں جاگزیں کیا کہ سوزِ دروں کو بھی تہذیب کی ضرورت ہے اور حسنِ عقیدت کے بھی اوامر و نواہی ہوتے ہیں۔ الغرض نعتیہ ادب کی روز افزوں توانائی میں ''نعت رنگ'' کا حصہ بہت نمایاں ہے اور اس ضمن میں صبیح رحمانی تہنیت و تبریک کے مستحق ہیں۔''

الحمدللہ ''نعت رنگ'' اور اس نوعیت کے دیگر اداروں، نیز نعتیہ ادب سے وابستہ شخصیات کی مسلسل سعی و جہد کے نتیجے میں عہدِ حاضر نعت کے زرّیں دور اور بے بہا فروغ سے عبارت ہے۔ بقولِ ایک نعت نگار: اکیسویں صدی نعت کے لیے وقف ہو چکی ہے اور اس صدی کو نعت کی صدی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ نعتیہ ادب کے حوالے سے بے مثال، لازوال، اور فقید المثال تاریخی، تہذیبی، تحقیقی، تنقیدی اور تدوینی کام سامنے آ رہے ہیں۔ غرض کہ نعتیہ ادب کا ہر شعبہ اپنے اپنے باب میں ایک نیا عہد رقم کر رہا ہے۔ اِس کے ساتھ ہی اُردو میں ادبی و مجلّاتی صحافت کے زمرے میں ''نعتیہ صحافت'' ایک عرصہ قبل شامل ہو چکی ہے، جو مجلّاتی صحافت ہی کی ایک قسم ہے۔ اگرچہ اُردو میں ''نعتیہ صحافت'' کی روایت ابھی ارتقاء پذیر ہے، اس کے باوجود اس میدان میں (پاکستان میں) نعتیہ ماہنامے، نعتیہ سہ ماہی مجلّے، نعتیہ ششماہی مجلّے اور سالانہ کتابی سلسلے نئی آب و تاب کے ساتھ پرمنظرِ عام پر آتے جا رہے ہیں اور نعت پر تحقیقی، تنقیدی اور فنی اسالیب پر معیاری مواد فراہم کر رہے ہیں۔ دیارِ ہند میں بھی اس کام کا آغاز ہو چکا ہے اور "دَبستانِ نعت" سمیت کئی نعتیہ مجلّے شائع ہو رہے ہیں۔ ان رسائل اور جرائد نے اپنے اپنے کام کی نوعیت کے لیے

دائرہ کار اور حدود کار متعین کر رکھی ہیں اور ہر ایک کی خدمات قابلِ قدر اور قابلِ تحسین ہیں۔

زیرِ نظر ادبی و تحقیقی مجلہ" جہانِ حمد و نعت" کا تصور و تخیل اگر چہ" نعت اکادمی" جموں و کشمیر (قیام: 12 ربیع الاوّل 1419ھ/ 7 جولائی 1998ء) کے اساسی اغراض و مقاصد میں بہت پہلے پیش کیا گیا تھا، لیکن اِس کو عملی جامہ پہنانے میں ''نعت رنگ'' ہی سے تحریک و ترغیب ملی ہے۔ ہم (ادارہ) نے کوشش کی ہے کہ زیرِ نظر اوّلین شمارے کو صوری و معنوی ہر دو اعتبار سے بہتر صورت میں پیش کیا جائے۔ ہمیں اپنی اِس کوشش میں کہاں تک کامیابی ملی ہے، اِس کا فیصلہ قارئین کرام پر چھوڑتے ہوئے یہاں پر یہ عرض کرنا مطلوب ہے کہ جنتِ ارضی کشمیر کی سرزمین ''حمد و نعت'' کے لیے نہایت سازگار ہے۔ جیسا کہ عرض کیا گیا،" نعت اکادمی" جموں و کشمیر کی یہ شدت سے (اور مدت سے) خواہش و کوشش تھی کہ فروغِ حمد و نعت کے لیے ایک مجلہ شائع کیا جائے۔ الحمد للہ بفضلہٖ تعالیٰ وہ مبارک گھڑی آن پہنچی ہے اور ریاست جموں و کشمیر میں اُردو نعتیہ صحافت کا نقشِ اوّلین:" جہانِ حمد و نعت" کی شکل میں منظرِ عام پر آ گیا ہے، جو اِس وقت آپ کے ہاتھوں میں ہے، الحمد للہ۔

نعت اکادمی، جموں و کشمیر کے زیرِ اہتمام اُردو نعتیہ صحافت کے اُفق پر" جہانِ حمد و نعت" کا پہلا شمارہ بفضل اللہ ماہِ رمضان المبارک 1440ھ (مئی۔ جون 2019ء) میں شائع ہو رہا ہے۔ اِن شاء اللہ یہ سلسلہ آئندہ بھی جاری رہے گا۔ ابتداً اگر چہ اِس مجلّے کو ششماہی شائع کرنے کا خیال تھا اور اِس بابت اعلان بھی ہوا تھا، مگر عملی سطح پر کام کا آغاز کرنے کے بعد پتہ چلا کہ متوقع قلمی معاونین بشمول حمد و نعت گو شعراء و ادباء کی سرد مہری (الا ماشاء اللہ) کے پیشِ نظر ششماہی مجلہ ممکن نہیں ہے۔

ادارہ" جہانِ حمد و نعت" دُنیائے اُردو، بالخصوص برِّ صغیر پاک و ہند، کے اُن تمام اہلِ قلم حضرات و خواتین کا خلوص و احترام کے انتہائی جذبے کے ساتھ سپاس گزار ہے، جنھوں نے ستم رسیدہ وادیٔ کشمیر سے حمد و نعت کی آبیاری کے لیے بلند ہونے والی ہماری آواز پر لبیک کہتے ہوئے" جہانِ حمد و نعت" کو اپنی گراں قدر منثور و منظوم نگارشات سے نوازا۔ اللہ ان سب کو اجرِ عظیم اور جزائے خیر عطا فرمائے، آمین۔ ایسے حضرات کا بھی شکریہ، جو وعدہ کرنے کے باوجود اپنا وعدہ نبھا نہ سکے۔ مجلّے کو حسبِ اعلان ذولسانی رکھا گیا ہے، جس میں اُردو کے ساتھ کشمیری کے چند صفحات بھی شامل کر دئے گئے ہیں۔

ادارہ" جہانِ حمد و نعت" کو اِس مجلّے کے معیار کو بہتر سے بہتر بنانے کے لیے آپ کی قیمتی آراء کا انتظار رہے گا۔ اُمید ہے کہ آپ اپنے تاثرات و محسوسات سے ضرور آگاہ فرمائیں گے۔ ○❖○

مُدیر hamdonaatjk@gmail.com

مظفر وارثیؒ

ہدیہ حمد

کوئی تو ہے جو نظامِ ہستی چلا رہا ہے ، وہی خدا ہے
دکھائی بھی جو نہ دے ، نظر بھی جو آ رہا ہے وہی خدا ہے

تلاش اُس کو نہ کر بتوں میں ، وہ ہے بدلتی ہوئی رُتوں میں
جو دن کو رات اور رات کو دن بنا رہا ہے ، وہی خدا ہے

وہی ہے مشرق وہی ہے مغرب ، سفر کریں سب اُسی کی جانب
ہر آئینے میں جو عکس اپنا دکھا رہا ہے ، وہی خدا ہے

کسی کو سوچوں نے کب سراہا ، وہی ہوا جو خدا نے چاہا
جو اختیارِ بشر پہ پہرے بٹھا رہا ہے ، وہی خدا ہے

نظر بھی رکھے ،سماعتیں بھی ، وہ جان لیتا ہے نیّتیں بھی
جو خانہء لاشعور میں جگمگا رہا ہے ، وہی خدا ہے

کسی کو تاجِ وقار بخشے ، کسی کو ذِلت کے غار بخشے
جو سب کے ماتھے پہ مہرِ قدرت لگا رہا ہے ، وہی خدا ہے

سفید اُس کا سیاہ اُس کا ، نفس نفس ہے گواہ اُس کا
جو شعلہء جاں جلا رہا ہے ، بجُھا رہا ہے ، وہی خدا ہے

نعیم صدیقیؒ

ندائے نعت

ہے مضطرب سی تمنّا کہ ایک نعت کہوں!
میں اپنے زخموں کے گلشن سے تازہ پھول چنوں
پھر اُن پہ شبنمِ اشکِ سحر گہی چھڑکوں
پھر ان سے شعر کی لڑیاں پرو کے نعت کہوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

کھڑا ہوں صدیوں کی دوری پہ خستہ و حیراں!
یہ میرا ٹوٹا ہوا دل، یہ دیدہ گِریاں
یہ مُنفَعِل سے ارادے، یہ مضمحل ایماں
یہ اپنی نسبتِ عالی یہ قسمتِ واژوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

یہ تیرے عشق کے دعوے، یہ جذبہ بیمار
یہ اپنی گرمئ گفتار، پستئ کردار
رَواں زبانوں پہ اشعار، کھوگئی تلوار
حسین لفظوں کے انبار، اُڑ گیا مضموں!
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

نہ سامنے کوئی منزل، نہ راستہ معلوم
نہ رہزنوں کی خبر ہے، نہ رہنما معلوم
یہ کیا مقام ہے، اپنا نہیں پتا معلوم
یہ کیا زمین ہے، آخر یہ کون سا گردوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

پہن کے تاج بھی غیروں کے ہم غلام رہے
فلک پہ اُڑ کے بھی شاہیں اسیرِ دام رہے
بنے تھے ساقی مگر پھر شکستہ جام رہے
دِل و نگاہ پہ طاری فرنگیوں کا فسوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

ترےؐ مقام کی عظمت بھلا کے بیٹھے ہیں
ترےؐ پیام کی شمعیں بُجھا کے بیٹھے ہیں
ترےؐ نظام کا خاکہ اُڑا کے بیٹھے ہیں
ضمیر شرم سے پُر داغ ، قلب ہے محزوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

عقیدتیں ترےؐ ساتھ ، اور کافری بھی پسند
قبول نکتہ توحید ، بُت گری بھی پسند
ترےؐ عدو کی گلی میں گداگری بھی پسند
نہ کارساز خرد ہے ، نہ حشرخیز جنوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

یہاں کہاں سے مجھے رفعتِ خیال ملے؟
کہاں سے شعر کو اخلاص کا جمال ملے؟
کہاں سے ''قال'' کو گم گشتہ ''رنگِ حال'' ملے؟
حضورؐ! ایک ہی مصرع یہ ہوسکا موزوں
''میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں''!

صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ماہنامہ **الحیات** کے چند خاص نمبر (سال 2014 تا 2018)

شمار	نام کتاب / خاص نمبر / خاص اشاعت	مرتب	صفحات	ہدیہ
01	مشرق و مغرب میں قبولِ اسلام کی لہر (قبولِ اسلام نمبر)	مدیر 'الحیاۃ'	528	150.00
02	داعیِ قرآن، داعیِ خلافت: ڈاکٹر اسرار احمدؒ (ڈاکٹر اسرار احمدؒ نمبر)	" "	432	120.00
03	مشرق و مغرب کی خواتین میں قبولِ اسلام کی لہر (قبولِ اسلام نمبر)	مدیر 'البنات'	224	128.00
04	ڈاکٹر محمود احمد غازیؒ: حیات، افکار، افادات	مدیر 'الحیاۃ'	608	400.00
05	'نبی مہربان ﷺ نمبر' -- 'الحیاۃ' (جنوری 2014ء)	" "	84	020.00
06	'ماہِ صیام نمبر' -- 'الحیاۃ' (جولائی - اگست 2014ء)	" "	132	025.00
07	'محسنِ انسانیت ﷺ نمبر' -- 'الحیاۃ' (جنوری 2015ء)	" "	84	020.00
08	'اِصلاحِ قلب نمبر' -- 'الحیاۃ' (مئی 2015ء)	" "	84	020.00
09	'روزہ نمبر' -- 'الحیاۃ' (جون 2015ء)	" "	84	020.00
10	'تعلیماتِ نبوی ﷺ نمبر' -- 'الحیاۃ' (دسمبر 2015ء)	" "	84	020.00
11	'جدید فقہی مسائل نمبر' -- 'الحیاۃ' (مئی 2016ء)	" "	84	020.00
12	'روزہ: فضائل و مسائل نمبر' -- 'الحیاۃ' (جون 2016ء)	" "	84	020.00
13	'میلاد النبی ﷺ نمبر' -- 'الحیاۃ' (اگست - دسمبر 2016ء)	" "	100	020.00
14	'نماز نمبر' -- 'الحیاۃ' (جنوری 2017ء)	" "	84	020.00
15	'مطالعہ نمبر' -- 'الحیاۃ' (فروری 2017ء)	" "	84	020.00
16	'دینی مدارس نمبر' -- 'الحیاۃ' (مارچ 2017ء)	" "	92	020.00
17	'ماہِ رحمت و مغفرت نمبر' -- 'الحیاۃ' (جون 2017ء)	" "	100	020.00
18	'حج و عمرہ نمبر' -- 'الحیاۃ' (جولائی 2017ء)	" "	68	020.00
19	'تعمیرِ شخصیت نمبر' -- 'الحیاۃ' (ستمبر 2017ء)	" "	84	020.00
20	'مطالعہ احادیث نمبر' -- 'الحیاۃ' (اکتوبر 2017ء)	" "	84	020.00
21	'سیرۃ النبی ﷺ نمبر' -- 'الحیاۃ' (دسمبر 2017ء)	" "	100	020.00
22	'قرآنی تعلیمات نمبر' -- 'الحیاۃ' (جنوری 2018ء)	" "	84	020.00
23	'مضامینِ قرآن نمبر' -- 'الحیاۃ' (فروری 2018ء)	" "	84	020.00
24	'ماہِ قرآن و غفران نمبر' -- 'الحیاۃ' (مئی 2018ء)	" "	84	020.00
25	'علامہ انور شاہ کشمیریؒ نمبر' -- 'الحیاۃ' (جولائی 2018ء)	" "	84	020.00
26	'علامہ احمد رضا بریلویؒ نمبر' -- 'الحیاۃ' (اگست 2018ء)	" "	84	020.00
27	'علامہ سیّد مودودیؒ نمبر' -- 'الحیاۃ' (ستمبر 2018ء)	" "	116	030.00
28	'علامہ محمد ناصر البانیؒ نمبر' -- 'الحیاۃ' (اکتوبر 2018ء)	" "	84	020.00
29	'محسنِ انسانیت ﷺ نمبر' -- 'الحیاۃ' (نومبر 2018ء)	" "	84	020.00

تفکّرات

حمد و نعت: اِکتشافِ فکر، اِقتضائے فن

[حمد و نعت گوئی کے فن اور آداب و اسلوب پر مضامین]

سمیّہ اسلام: پوسٹ باکس نمبر 1194، سرینگر

حمد نگاری : اوّلین صنفِ شاعری

شاعری کی مختلف اصناف میں سے پہلی صنف جس کا یہاں ذکر کیا جا رہا ہے ''حمد'' کہلاتی ہے۔ حمد ایک عربی لفظ ہے، جس کے معنی ''تعریف'' کے ہیں۔ حمد باری تعالیٰ، کئی زبانوں میں لکھی جاتی رہی ہے۔ عربی، فارسی اور اردو زبان میں اکثر دیکھی جا سکتی ہے۔ رب کی تعریف ہر زبان میں اور ہر مذہب میں پائی جاتی ہے۔ وہ نظم جس میں اللہ تعالیٰ کی تعریف کی جائے اللہ کی صفات اس کی عظمت کا ذکر کیا گیا ہو۔ یہ نظم کسی بھی ہیت میں ہو سکتی ہے۔ ارشادِ الٰہی ہے:

وَلَوْ اَنَّمَا فِی الْاَرْضِ مِنْ شَجَرَةٍ اَقْلَامٌ وَّالْبَحْرُ يَمُدُّهٗ مِنْۢ بَعْدِهٖ سَبْعَةُ اَبْحُرٍ مَّا نَفِدَتْ كَلِمٰتُ اللّٰهِ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ قَدِيْرٌ ○ سورہ لقمان:27

''زمین میں جتنے درخت ہیں اگر وہ قلم بن جائیں اور سمندر اور اس کے بعد سات سمندروں کا پانی سیاہی ہو جائے تب بھی اللہ کی باتیں (حمد و ثنا) ختم نہ ہوں گی۔''

اللہ کی تعریف و توصیف ہر زمانے میں ہوتی رہی ہے۔ یہ ایک لامتناہی سلسلہ ہے۔ عربی کا لفظ ''حمد'' اللہ تعالیٰ کی تحمید و تمجید کے لیے مختص ہو گیا ہے۔ جس کے لیے حمدیہ شاعری نے ایک مستقل صنف سخن کی صورت اختیار کر لی ہے۔ صرف عربی، فارسی ہی نہیں دیگر زبانوں میں بھی اس کا ذخیرہ موجود ہے۔

حمد کی دینی و ادبی قدر و قیمت

دنیا کی ہر زبان کے شاعروں نے اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کو پیش نظر رکھا ہے اور اسے یاد کیا ہے۔ اردو زبان میں جب سے شاعری کا آغاز ہوا تبھی سے حمد لکھی گئی لیکن حمد سے زیادہ توجہ نعت پر دی گئی ہے۔ حمد کی دینی اور ادبی قدر و قیمت کی وجہ سے یہ صرف ہمارے مضطرب جذبات کی تسکین کا سامان، تفنن طبع، احساس جمال، انفرادی لذت کوشی، خوف خدا، بصیرت و بصارت کی توثیق یا شاعری برائے شاعری نہیں ہے بلکہ ادب میں اس کی مستقل صنفی حیثیت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عروض و بلاغت اور اصناف سخن کی قواعد کی کتابوں میں حمد و مناجات کی صنفی حیثیت کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غزل گو، مرثیہ گو، رباعی گو یا

مثنوی وقصیدہ نگار شعرانے حمد پر باضابطہ یا خصوصی توجہ نہیں دی بلکہ عقیدت اور بسم اللہ کے طور پر رسم پوری کرتے رہے ہیں حالانکہ حمد و مناجات کے لئے والہانہ عشقیہ جذبے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اظہار وافعال واعمال اس سے وابستہ ہیں۔مہارت ومحاربت،متانت وسنجیدگی اور جوش ربانی کی فراوانی کے بغیر کوئی بھی شاعر حمد میں اظہار عقیدت نہیں کرسکتا۔

مختلف ادوار میں حمد کے فکری اور اسلوبیاتی تجربے یقیناً ہوتے ہیں اور اسلوبیاتی تغیر بھی محسوس کیے جاسکتے ہیں۔مثلاً حمد کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا//// باقی ہے ابد تک وہ ہے جلال تیرا: حالی

حرف آغاز تو حرف آخر بھی تو//// دو جہاں تیری قدرت ہیں قادر بھی تو: (ابراہیم اشک)

حمد سے بے توجہی کی وجہ ماحول بھی رہا ہے۔اردو میں حمد یہ شاعری کا پہلا مجموعہ غلام سرور لاہوری کا ہے جو''دیوان حمد ایزدی'' کے نام سے 1881ء میں مطبع نول کشور،لکھنو سے شائع ہوا۔

زباں پر ذکر حمد ایزدی ہر دم رواں رکھنا
فقط یاد الٰہی سے غرض اے مری جاں رکھنا

حمد یہ شاعری کا دوسرا مجموعہ مضطر خیر آبادی کا''نذر خدا'' 1291ھ میں شائع ہوا۔سرورق پر یہ شعر درج ہے:

مبارک اے زباں دنیا میں جو کچھ بھی کہا تو نے
وہ میں نے لکھ لیا اور کر دیا نذر خدا تو نے

حمد باعث تسکین قلب ہے۔اس سے فرحت اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔آفاقی اور ابدی حقیقتوں کی آگہی سے بھرپور اس صنف کی طرف نعت کے مقابلے میں توجہ کم دی گئی ہے اور اس کا مواد بکھرا پڑا ہے۔

قدیم حمد یہ شاعری میں شعری محاسن

''حمد ثنائے جمیل ہے'' اس ذات محمود کی جو خالق سماوات والارض ہے۔جس کی کارفرمائی کے ہر گوشے میں رحمت وفیضان کا ظہور اور حسن وکمال کا نور ہے۔پس اس مبدءِ فیض کی خوبی وکمال اور اس کی بخشش وفیضان کے اعتراف میں جو بھی تحمیدی وتمجیدی نغمے گائے جائیں گے ان سب کا شمار حمد میں ہوگا۔

حمد دراصل خدا کے اوصاف حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ کی تعریف ہے۔

اردو شعراء نے اپنی عقیدت و ایمان کے گل ہائے معطر حمد یہ اشعار کی لڑیوں میں پرو کر باری تعالیٰ کے اوصاف حمیدہ اور اسمائے حسنیٰ کے گیسو ہائے معتبر سجائے ہیں۔ خدائے عز وجل کی تحمید و تمجید کے یہ نقش ہائے دل پذیر اور ثنا و توصیف کے یہ دریائے بے نظیر شعری پیکر میں ڈھل کر ادبی سرمائے میں اضافہ کرتے رہے ہیں۔ دیگر اصنافِ سخن کے ساتھ ساتھ حمد یہ شاعری کے سلسلے میں بھی اردو شعرا نے ایرانی شعراء کے اس قبیل کے نمونوں کو اپنے سامنے رکھا لیکن قابل غور امر یہ ہے کہ ان کے خلاق تخیل نے دیگر اصناف کی طرح اس صنف میں بھی اپنے ہی دلی جذبات کی اپنے مخصوص انداز میں ترجمانی کی ہے۔

میرے لب پہ ورد ہے لا الٰہ///یہی ورد ہے جو عظیم ہے
تو غفور ہے تو رحیم ہے///تیری رحمتوں کی حدیں نہیں
تیری کائنات کے درمیاں///میں تھا ایک نقطۂ نا تمام
مرے مہرباں! ترا شکریہ///مجھے دے کے وصفِ الٰہیہ
تو نے کیا سے کیا ہے بنا دیا///تو نے بندگی مجھے کی عطا
مری بندگی بڑی بات ہے///یہ تو عکس ہے تری ذات کا
تری ذات سے مری ذات ہے///ترے در پہ سر بسجود ہوں
مجھے آگہی سے نواز دے///مجھے رنگ فقرو نیاز دے

حمد گوئی کی روایت کو آگے بڑھانے اور اس کی ترویج و ترقی کے لیے اس بات کی ضرورت ہے کہ کثرت سے حمد تخلیق کی جائے، تزک و احتشام کے ساتھ حمد یہ محفلیں منعقد کی جائیں اور اخبارات و رسائل کے مدیران معتبر قلم کاروں سے حمد یہ مضامین و مقالے بھی لکھوائے جائیں۔ تا کہ ہمارا حمد یہ ادب بھی دوسرے ادب پاروں کے بالمقابل ابھرا ابھرا دکھائی دے۔ ○❖○

ڈاکٹر حاجی ابوالکلام (ناگپور-مہاراشٹر)

حمد ومناجات اور قرآن کا اسلوبِ بیان

جب کوئی لفظ اصطلاحی معنوں میں استعمال ہونے لگتا ہے تو اس کے لغوی معنی کی اہمیت نہ صرف ختم ہوجاتی ہے بلکہ اس کا اس معنی میں استعمال بھی متروک ہوجاتا ہے۔ اردو زبان میں دو الفاظ ''مدح'' اور ''منت ساجت'' مستعمل ہیں۔ مدح کے لغوی معنی تعریف، توصیف، ستائش اور منت ساجت بمعنی عرض معروض، خوشامد اور درخواست وغیرہ۔ اوّل الذکر سے ''حمد'' اور ثانی الذکر سے ''مناجات'' کی اصطلاحیں مشتق اور مستعمل ہیں۔ یہ اصطلاحیں ذات باری تعالیٰ کے لئے مخصوص قرار دی جاچکی ہیں۔ لہٰذا حمد اور مناجات کا اطلاق خدائے وحدہ لاشریک کے علاوہ کسی اور کے لئے درست نہیں۔ مولانا ابوالکلام آزاد الحمد کی تشریح میں حمد کی تعریف کرتے ہوئے رقم طراز ہیں:

> ''عربی میں حمد کے معنی ثنائے جمیل کے ہیں یعنی اچھی صفتیں بیان کرنا۔ اگر کسی کی بری صفتیں بیان کی جائیں تو وہ حمد نہ ہوگی۔''

(ترجمان القرآن، جلد اول، ص:۳۱)

قرآن ایک ایسا مخزن علم ہے جس سے ہر مسئلہ کا حل نکالا جاسکتا ہے۔ یہ ایک ایسا بحر بیکراں ہے جس میں سے ہر قسم کے موتی کھنگالے جاسکتے ہیں سوال غوطہ لگانے کا ہے۔ جوینده پائندہ۔ جو تلاشتا ہے وہ پاتا ہے۔ خدائے تعالیٰ نے اپنے بندوں کو طریقۂ زندگی سکھانے کے لئے زندگی کے ہر پہلو پر اجمالی روشنی ڈالی ہے جس کی جیتی جاگتی تصویر حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی تیئس سالہ عملی زندگی ہے۔ آپ کی زبان ترجمان سے قرآن تلاوت فرماکر زندگی کے ہر پہلو کو روشن کردیا تاکہ کوئی گوشہ تشنہ نہ رہے۔

قرآن پاک کی کئی سورتیں اسی مفہوم سے شروع ہوتی ہیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے وہ اللہ کی پاکی بیان کرتے ہیں۔ یہ ترغیب ہے بنی نوع انسان کے لئے کہ وہ بھی اللہ کی پاکی بیان کرے۔ یہاں اس بات کو ذہن نشین کرلینا چاہئے کہ خدائے لم یزل کی پاکی بیان کرنا، اس کی ذات وصفات کی تعریف کرنا حمد کے زمرہ میں آتا ہے۔ یہ قرآن کا اپنا ایک

منفرد اسلوب بیان ہے۔

''سورۃ الحشر'' اور ''الصّف'' اس آیت سے شروع ہوتی ہیں۔'' سبح للہ مافی السمٰوٰت ومافی الارض'' پاکی بیان کرتے ہیں اللہ کی جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ اسی طرح ''سورۃ الجمعہ'' اور ''التغابن'' کی ابتدا بھی اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔''یسبح للہ مافی السمٰوٰت وما فی الارض'' اللہ کی بیان کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں میں ہے اور جو کچھ زمین میں ہے۔ قرآن پاک میں ایسی بھی آیتیں ہیں جن میں اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کرے۔ چہ جائے کہ یہ حکم لزومی نہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہے:

''سبح اسم ربك الاعلیٰ'' (سورۂ الاعلیٰ، آیت نمبر ۱) پاکی بیان کرو اپنے رب کی جو سب سے بلند ہے۔''وللہ الاسماء الحسنیٰ فادعوبھا'' (سورۂ الاعراف، آیت نمبر ۱۸۰) اور اللہ کے لئے حسن وخوبی کے نام ہیں (یعنی صفتیں ہیں) پس چاہئے کہ انہیں ان صفتوں سے پکارو۔ اسی طرح قرآن پاک میں للہ ملك السمٰوٰت والارض ومافیھن کہہ کر فیصلہ کر دیا کہ جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے سب پر اللہ ہی کی حکمرانی ہے۔ اسی مفہوم کو علامہ اقبال نے یوں ادا کیا ہے:

درس او، اللہ بس، باقی ہوس
تا نہ فتد مرد حق در بند کس

حکمرانی اور فرمانروائی صرف خدا کے لئے ہے۔ اس کے سوا کسی کو حق حاصل نہیں۔

خدائے پاک اپنی ذات وصفات میں لامحدود ہے۔ اس کی ذات وصفات کا احاطہ نہیں کیا جا سکتا۔ اس لئے اللہ تعالیٰ کی تعریف وتوصیف میں ہر مبالغہ نہیں بلکہ حقیقت ہے۔ جہاں تک ذات کا سوال ہے تو وہ نور السمٰوٰات والارض ہے۔

حمد مدح رب العالمین ہے، تو مناجات اس سے مانگنے کا ایک مخصوص انداز ہے۔ یہ وہ طریقہ دعا ہے جس میں بندہ اپنے رب کے حضور اپنے آپ کو کمتر، حقیر اور گناہ گار ہو کر پیش کرتے ہوئے التجا کرتا ہے۔ اس لئے ہر مناجات دعا ہو سکتی ہے لیکن ہر دعا مناجات کا درجہ حاصل نہیں کر سکتی۔ دعا تو ہر کوئی کرتا ہے لیکن مناجات کا تعلق ایمان سے ہے۔ ایک صاحب ایمان کو ہی یہ کیفیت حاصل ہو سکتی ہے۔

میری دانست میں دیباچۂ سورۂ فاتحہ جہاں بے شمار فضائل کی حامل ہے، وہیں حمد ومناجات کی بہترین مثال ہے، نیز اس سورۂ مبارکہ کے کل بیس اسما ہیں، جن میں ''سورۃ الحمد'' اور ''سورۃ المناجاۃ'' بھی ہیں۔ سورۂ فاتحہ سے حمد ومناجات کا انداز بھی ملتا ہے۔ انسان اس کی بلندی کو تو نہیں چھو سکتا لیکن نقل

تو کر سکتا ہے۔ یہ نقل بھی عنداللہ ماجور ہے۔ سورۂ فاتحہ سات آیتوں پر مشتمل ہے جس کی پہلی تین آیتیں:

الحمد للہ رب العالمین: تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں

الرحمن الرحیم: وہ مہربان اور رحم والا ہے

مالك یوم الدین: یوم جزا کا مالک ہے

حمد کی ہیں جن میں خدائے تعالیٰ کی صفات بیان کی گئی ہیں۔ یہی نہیں بلکہ یہ سورہ بھی ''حمد'' کے لفظ سے شروع ہوتی ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اس کے ساتھ ال کا اضافہ فرما کر اسے مختص بالذات کر دیا۔ چوتھی آیت ''ایاك نعبد وایاك نستعین'' (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد چاہتے ہیں) میں اظہار عبودیت اور استعانت ہے اور یہ کیفیت مناجات کے لئے ضروری ہے۔ آخری تین آیتیں مناجات کی بہترین مثالیں ہیں:

اھدنا الصراط المستقیم: چلا ہمیں سیدھے راستے پر

صراط الذین انعمت علیھم: ان لوگوں کا راستہ جن پر تو نے انعام فرمایا ہے۔

غیر المغضوب علیھم ولا الضالین: نہ کہ ان لوگوں کا راستہ جن پر تیرا غضب نازل ہوا اور نہ ہی گمراہوں کا۔

علامہ اقبال نے اسی کو ترانۂ وحدت کے نام سے قلم بند کیا ہے۔ علامہ اقبال نے بعینہٖ ترجمہ کا حق تو ادا نہیں کیا۔ یہ ان کی شاعرانہ مجبوری تھی لیکن اس کے مفہوم کو پوری طرح سمونے کی کوشش کی ہے:

سب حمد تجھے ہی زیبا ہے تو رب ہے سارے جہانوں کا

سب سورج چاند ستاروں کا سب جانوں کا بے جانوں کا

یہ سبع من المثانی ہر نماز کا جزو لاینفک ہے۔ کاش کہ نمازی سورۂ فاتحہ کا مفہوم ہی سمجھ لیتا تو اس کی نماز کی کیفیت ہی بدل جاتی۔ قرآن پاک میں حمد کے مفہوم کی بے شمار آیتیں موجود ہیں جن میں سے چند نمونہ از خروارے پیش کی جاتی ہیں۔ خدائے پاک کی اس سے بہتر حمد کیا ہو سکتی ہے کہ وہ خود فرمائے کہ اس کی حمد اس طرح بیان کی جائے۔

سورۃ الانعام کی ابتدا اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے: الحمد اللہ الذی خلق السمٰوٰت والارض تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا۔ سورۃ الحشر کی آخری آیتیں جن میں اللہ تعالیٰ کے صفات بیان کی گئی ہیں:

ھواللہ الذی لا الٰہ الا ھو، عالم الغیب والشھادہ ھو الرحمن الرحیم۔

وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں، ہر نہاں اور عیاں کا جاننے والا۔ وہی ہے بڑا مہربان اور رحمت والا

هوالله الذی لا اله الاهو الملك القدوس السلام المؤمن المهیمن العزیز الجبار المتکبر سبحٰن الله عما یشر کون۔

وہی ہے اللہ جس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ بادشاہ، نہایت پاک، سلامتی دینے والا، امن بخشنے والا، حفاظت فرمانے والا، عزت والا، عظمت والا، تکبر والا۔ اللہ کو پاکی ہے ان کے شرک سے۔

هوالله الخالق البارئ المصورله الاسماء الحسنیٰ یسبح له مافی السمٰوت والارض وهوالعزیز الحکیم۔

وہی ہے اللہ بنانے والا، پیدا کرنے والا، ہر ایک کو صورت دینے والا اسی کے ہیں سب اچھے نام، اس کی پاکی بیان کرتے ہیں جو کچھ آسمانوں اور زمین میں ہے اور وہ ہی عزت والا حکمت والا ہے۔

اسی طرح آیت الکرسی حمد کی بہترین مثال ہے۔ یہ آیت اکثر لوگوں کو یاد ہوتی ہے اس لئے اسی پر اکتفا کیا جاتا ہے۔

ایسی تمام دعائیں جس میں بندہ اپنے رب کے حضور اپنے گناہوں کا اعتراف کرتے ہوئے دعا مانگتا ہے یا جس کے پڑھنے سے خود بخود رقت کی کیفیت طاری ہو جائے اور اسے اپنے گناہ یاد آنے لگیں مناجات کے زمرہ میں آتی ہیں۔ قرآن میں اس مفہوم کے لئے ایک بہت ہی جامع لفظ ''ظلم'' استعمال کیا گیا ہے۔ ہر وہ عمل بدنی ہو یا روحانی جو انسان کے لئے ممنوع یا مضر ہے، کیا جانا اپنے اوپر ظلم کرنے کے مترادف ہے۔ ذیل میں اس مفہوم کی چند دعائیں تحریر کی جارہی ہیں:

ربنا ظلمنا انفسنا وان لم تغفرلنا وترحمنا لنکونن من الخاسرین

(سورۃ الاعراف، آیت نمبر ۲۳)

اے ہمارے رب ہم نے اپنی جانوں پر ظلم کیا اور اگر ہمیں معاف نہ کرے اور ہم پر رحم نہ کرے تو ہم خسارہ پانے والوں میں سے ہو جائیں گے۔

ربنالاتواخذنا ان نسینا اواخطأنا ربنا ولاتحمل علینا اصراً کما حملته علی الذین من قبلنا ربنا ولاتحملنامالا طاقتلنا به وعف عنا وغفرلنا والرحمنا

انت مولانا فانصرنا علی القوم الکافرین (سورۂ البقرہ، آیت نمبر ۲۶۸)
اے ہمارے رب نہ پکڑ کر ہماری اگر ہم بھولیں یا کوئی غلطی کریں۔ اے ہمارے رب ہم پر بھاری بوجھ نہ ڈال جیسا کہ تو نے ہم سے اگلوں پر رکھا تھا۔ اے ہمارے رب اور ہم پر وہ بوجھ نہ ڈال جس کی ہمیں طاقت نہ ہو اور ہمیں معاف فرمادے اور بخش دے ہمیں اور ہم پر رحم فرما۔ تو ہمارا مولیٰ ہے اور کافروں پر ہماری مدد فرما۔

نوٹ: مضمون کی طوالت کے مدنظر انہی آیات پر اکتفا کیا جاتا ہے۔ ○❖○

///

حمد سے مراد اللہ تبارک وتعالیٰ کی تعریف، حمد وثنا کا مطلب بھی خدا کی تعریف، حمد صرف اور صرف خدا کے لیے مخصوص ہے جب کہ ثنا انسان کی بھی ہوسکتی ہے۔ حمدِ باری تعالیٰ کی ابتدا تخلیق کائنات کے آغاز سے ہی ہوئی۔ زمین وآسمان کی ہر ہر چیز اللہ کی پیدا کردہ اور اس کے تابع اور فرمانبردار مخلوق ہے۔ ابتدائے آفرینش سے اللہ کی یہ مخلوق اپنے رب کی حمد اور پاکیزگی بیان کررہی ہے اور کرتی رہے گی۔ اللہ کی ہر مخلوق اپنے مالک کی حمد کرتی ہے۔ شاعری کی یہ صنف یعنی حمد خالق کائنات کی مدح وثنا کے لیے مخصوص ہے۔ خواجہ حسن نظامی نے ادب کی اس صنف کو 'روح ادب' قرار دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے از خود اپنی حمد قرآن کریم میں بیان کی۔ متعدد قرآنی آیات مثال کے طور پر سورۂ فاتحہ، سورۂ اخلاص، سورۂ البقرہ میں موجود آیۃ لکرسی اور دیگر کئی سورتوں میں حمد باری تعالیٰ بیان کی گئی ہے۔ حمد ابتدا ہے ہر چیز اور ہر کام کی۔ شاعر ہو یا نثر نگار وہ حمد باری تعالیٰ کو اپنی تخلیق کا نقطۂ آغاز تصور کرتا ہے اس عمل کو وہ اپنا فرض اولین خیال کرتا ہے اور نثر یا نظم کے صورت میں اپنی تخلیق بیان کرکے اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور توبہ واستغفار کرتا ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام اور اماں حوا کی توبہ بھی اپنے مالک کی حمد و استغفار کے نتیجے میں قبول ہوئی۔ مخلوق کا کام اللہ کی حمد وثنا بیان کرنا اور توبہ واستغفار کرنا ہے اسے قبول کرنا اسی مالک کائنات کا کام ہے انسان اس کی بندگی کا حق کسی طور ادا نہیں کرسکتا۔ اس میں اتنی سکت، ہمت، صلاحیت ہی نہیں، حمد ایک وسیع تر موضوع ہے انسان کوشش تو کرسکتا ہے لیکن اس کی سچائی اور پاکیزگی کا حق ادا کرنا اس کے بس کی بات نہیں۔ (ڈاکٹر رئیس احمد صمدانی)

///

ڈاکٹر مناظر عاشق ہرگانوی (بھاگلپور۔ بہار)

حمد کی دینی وادبی قدر و قیمت

خدا سارے جہانوں کا معبود ہے۔ وہ وحدہ لاشریک ہے۔ زندگی اور موت اسی کے ہاتھ میں ہے۔ اسی لئے اس کی بندگی کی جاتی ہے۔ ''لا الہ الا اللہ'' یعنی سوائے اللہ کے کوئی معبود نہیں۔ اللہ کی اطاعت غیر مشروط کی جاتی ہے۔ اللہ کے سوا دوسرے تمام اللہ باطل ہیں۔ اللہ کی ذات و صفات اور احکام کو ہر ذی روح مانتا ہے اور تمام بندے اللہ کو پکارتے ہیں کیونکہ وہی حقیقی معبود ہے، وہی ادب کا ہنر بھی عطا کرتا ہے۔

حضرت شہاب الدین سہروردی ''عوارف المعارف'' میں لکھتے ہیں کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت ہے کہ میرے پروردگار نے مجھے ادب دیا ہے۔ دراصل ادب ظاہر اور باطن کی تہذیب اور آراستگی ہے۔ لیکن بندے میں ادب کامل نہیں ہوتا۔ کمال، مکارم اخلاق سے اور مکارم اخلاق، تحسین اور تہذیب خلق سے ہے۔ دنیا کی ہر زبان کے شاعروں نے اللہ کو پیش نظر رکھا ہے اور اسے یاد کیا ہے۔ اللہ کے سبھی محتاج ہیں۔ اردو زبان میں جب سے شاعری کا تجربہ ہوا تبھی سے حمد لکھی گئی۔ لیکن حمد سے زیادہ نعت پر توجہ دی گئی ہے۔

حمد کی دینی اور ادبی قدر و قیمت کی وجہ سے یہ صرف ہمارے مضطرب جذبات کی تسکین کا سامان، تفنن طبع، احساس جمال، انفرادی لذت کوشی، خوف خدا، بصیرت و بصارت کی توثیق یا شاعری برائے شاعری نہیں ہے بلکہ ادب میں اس کی مستقل صنفی حیثیت ہے۔ یہ صحیح ہے کہ عروض و بلاغت اور اصناف سخن کی قواعد کی کتابوں میں حمد و مناجات کی صنفی حیثیت کا ذکر نہیں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ غزل گو، مرثیہ گو، رباعی گو یا مثنوی وقصیدہ نگار شعرا نے حمد پر باضابطہ یا خصوصی توجہ نہیں دی۔ بلکہ عقیدت اور بسم اللہ کے طور پر رسم پوری کرتے رہے ہیں۔ حالانکہ حمد و مناجات کے لئے والہانہ عشقیہ جذبے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ اظہار وافعال واعمال اس سے وابستہ ہیں۔ مہارت ومحاربت، متانت وسنجیدگی اور جوش ربانی کی فراوانی کے بغیر کوئی بھی شاعر حمد میں اظہار عقیدت نہیں کرسکتا۔

الہام، القا، گیان اور دھیان کے تصور سے مملو یہ صنف سخن، ماورائی، داخلی اور ذہنی قوت کی دین ہے۔ شعری روایت کے معنوی تسلسل میں حمد تصور و تفکر، عبقریت، ذہنی رفعت اور جذبات وحواس کے ذریعے سے ذخیل ہے۔ سیموئل ٹیلر کولرج نے کہا تھا:

''میں متخیلہ کو بنیادی اور ذیلی سمجھتا ہوں۔ بنیادی متخیلہ وہ ہے جو تمام انسانی ادراک کا محرک ہے اور وہ خارجی تخلیق کاری میں دماغ کے محدود حصہ کی نمائندگی کرتا ہے۔ جبکہ لامحدود حصہ اس کی ذات "I am" ہوتی ہے۔ ذیلی تصور بنیادی تصور ہی کی بازگشت ہوتا ہے اور وہ شعوری ارادے کے ساتھ منسلک ہوتا ہے۔ لیکن وہ تقریباً بنیادی تصور کی طرح تخلیق کا محرک ہوتا ہے۔''

''میں ہوں'' کی طرف سے موضوعی تخلیق کا یہ لائحہ عمل داخلی آواز ہے جو Objective Co-relatives میں ضم ہو کر شعری روایت کے داخلی اور خارجی عناصر کی Pure Subjectivity کی طرح حمد یہ شاعری کے معنوی تسلسل کو جنم دیتی ہے یا تابع بناتی ہے۔

ابھی تک ادب کی وابستگی (Commitment) واضح نہیں ہے۔ کوئی مذہب کا عقیدت مند ہے، کوئی سیاست کا وفادار ہے، کوئی دھرتی اور وطن کا پورا ڈھانچہ صراحت چاہتا ہے کیونکہ ذہنی کیفیت ہمیشہ متغیر رہتی ہے۔ آج کا شاعر اور ادیب اپنا ذہنی اور جذباتی رشتہ زندگی کی سچائیوں کے بجائے مجرد تصورات سے قائم کرنے میں لگا ہوا ہے اور ذاتی مسائل کا ادب تخلیق کر رہا ہے۔ ایسے میں دوسری اصناف کی طرح حمد کی فکری وفنی عظمت ایسی ہی ہے یعنی علم انسانی کی جان اور لطیف ترین روح یہ صنف سخن مقام محمود کی بلند ترین مسند پر ہے اور اردو شاعری کی دھڑکنوں کا آہنگ ہے۔

مختلف ادوار میں حمد کے فکری اور اسلوبیاتی تجربے یقیناً ہوتے ہیں اور اسلوبیاتی تغیر بھی محسوس کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً حمد کے یہ اشعار ملاحظہ کیجئے:

خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ
تن سیر و من پیو کو دو، وبھے ایک رنگ

(امیر خسرو)

چندر سوں تیرے نور کے نس دن کوں نورانی کیا
تیری صفت کن کر سکے توں آپی میرا ہے جیا

(محمد قلی قطب شاہ)

مقدور کسے ہے ترے وصفوں کے رقم کا
حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا

(میر درد)

نقش فریادی ہے کس کی شوخی تحریر کا
کاغذی ہے پیرہن ہر پیکر تصویر کا

(غالب)

کامل ہے جو ازل سے وہ ہے کمال تیرا
باقی ہے ابد تک وہ ہے جلال تیرا

(حالی)

ہوا حمد خدا میں دل جو مصروف رقم میرا
الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا

(شیخ ابراہیم ذوق)

یہاں بھی تو وہاں بھی تو زمیں تیری فلک تیرا
کہیں ہم نے پتہ پایا نہ ہر گز آج تک تیرا

(داغ دہلوی)

اے عشق مجھے شاہد اصلی کو دکھا لا
قم خذ بیدی وفقک اللہ تعالیٰ

(انشاءاللہ خاں انشاء)

کروں پہلے توحید یزداں رقم
جھکا جس کے سجدے کو اول قلم

(میر حسن)

ہر شاخ میں ہے شگوفہ کاری
ثمرہ ہے قلم کا حمد باری

(دیا شنکر نسیم)

خدایا! نہیں کوئی جائے پناہ///مگر تیرا در اور تری بارگاہ: (اسمٰعیل میرٹھی)

تو ہی بھروسہ تو ہی سہارا/// پروردگارا پروردگارا:(حفیظ جالندھری)
الٰہی تو فیاض ہے اور کریم/// الٰہی تو غفار ہے اور رحیم:(منزہ عظیم)
نہ تیرا شریک اور نہ تیرا سہیم/// تیری ذات والا ہے یکتا قدیم:(نظیر اکبرآبادی)

میں اس دنیا کی ہر ہستی کا ہوں سرمایۂ ہستی
مری ہی ذات سے سب ہیں یہاں نشو و نما پائے

(فراق گورکھپوری)

مٹی کو یہ تنویر شرر کس نے عطا کی
تجھ کو یہ چمک موج گہر کس نے عطا کی

(جگن ناتھ آزاد)

موسم موسم منظر منظر ترا روپ، روپ انوپ
خاک کو لوچ صبا کو خوشبو دینے والا تو

(ظفر گورکھپوری)

یقیں یہی ہے کہ ظاہر بھی ہے عیاں بھی وہی
نظر سے دور بھی ہے وہ قریب جاں بھی وہی

(شارق جمال)

وہ چاہے ذرے کو ماہ کر دے///گدا کو عالم پناہ کر دے:(بیکل اتساہی)
موسم کی سوغات لٹانے والا تو///شاخ حرا میں پھول کھلانے والا تو:(فضا ابن فیضی)
کار فرمائے کائنات خدا!///دو جہاں کی تجلیات خدا!:(نادم بلخی)
چراغِ حرم کے اجالے میں تو/// برہمن کے اونچے شوالے میں تو:(مظفر حنفی)
چھپائے رکھنا حقیقت کمال ہے اسکا/// ہے انتہا کہ تصور محال ہے اس کا:(غلام مرتضیٰ راہی)
تو ہر ایک سمت ہے جلوہ گر/// تیری شان جل جلالہ:(علیم صبا نویدی)
تو منتہائے معانی سراپئے اظہار/// میں لوح زیست پہ حرف فضول کی مانند:(عبدالاحد ساز)

جو ہم مشک قیاس گاں اور جہل میں ہے
تسبیح اس کی دشت و دیار و جبل میں ہے

(سلیم شہزاد)

حرف آغاز تو حرف آخر بھی تو/// دو جہاں تیری قدرت ہیں قادر بھی تو: (ابراہیم اشک)

اسی کی نیند تھی پلکوں پہ خواب اسی کے تھے
کہ سوتے جاگتے سب انتخاب اسی کے تھے

(نذیر فتح پوری)

ہوں میں بھی اس کا مرا بست و در بھی اس کا ہے
سفر بھی اس کا ہے زاد سفر بھی اس کا ہے

(کرشن کمار طور)

یہ کائنات یہ رنگ بہار تیرا ہے/// فلک کا روپ زمیں کا نکھار تیرا ہے: (مناظر عاشق ہرگانوی)

فکری اور اسلوبیاتی فرق نمایاں ہے، مثالیں بھری پڑی ہیں۔ حالی اور اقبال کا اب زمانہ نہیں رہا۔ اسلامی ادب کو بھی ادب سے خارج کرنے کی ہوا چلی۔ اس طرح اخلاقی قدروں میں فرق ضرور آیا۔ فن کی تخلیق انسان کے کسی بھی بے ساختہ عمل سے مختلف ہوتی ہے۔ یہ تخلیق دماغ کی عمیق اور متواتر سوچ، دل کے گہرے احساس اور ضمیر کے بھرپور ردعمل کے بغیر ممکن نہیں ہوتی۔

نظریہ فکری ضبط، مخصوص عقیدہ، طرز عمل اور ثقافتی ارتباط کا نام ہے۔ یہ صحیح ہے کہ انسان عاقل کم، غیر عاقل زیادہ ہے۔ اس کی ذہانت میں جذبات کی ملاوٹ ہے۔ اس کی عقل کرۂ جذبات میں چاروں طرف سے گھری ہوئی ہے۔ جانب حق الیقین عقل کی پرواز میں کوتاہی اور نارسائی مسلمہ امر ہے۔ جذبات غالب عقل کو سو قالب بدلنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔ لیکن اہل فکر ونظر اور صاحب نور حکمت وبصیرت، مجتہد جو شئے کی حقیقت کو سمجھنے اور پھول میں خوشبو دیکھنے والی نورانی بصیرت بیرون شرع سے اندرون کی خبر لانے والی ایکس ریزی ذہنی قوت اور حکم ظاہر کے باطن میں خفیف جھٹکوں اور ضعیف آہٹوں کو محسوس کرنے اور خوب سننے والی حساس روحانی سماعت رکھتا ہے اور اللہ کی رحمت سے عقل کو جذبات سے کوسوں میل دور رکھتا ہے۔ سماج کا یہ چلن ہو گیا ہے۔ ادب میں بھی کچھ اس کی دھمک ملتی ہے۔ شاید تحریکوں کا بھی اثر ہے جب کہ ادب کے فیوڈل دور میں بھی مذہب ہے۔ مگر شریعت کی بجائے تصوف کے رنگ میں ہے۔ حالانکہ عبودیت کی جگہ وحدت الوجود اور اس سے وابستہ جذبات میں تغیر نہیں آیا ہے۔ اس کی وجہ تلاش مدام تلاش ہے اور Articulation کی منطق اور دلیل ہے کہ نشانیاتی عمل کے ذریعے معبود حقیقی ہر پل قریب ہے اور یہی وجہ ہے کہ حمدیہ شاعری نے تحریکوں کا اثر کم لیا ہے۔

اردو میں ابتدا سے ۱۹۳۷ء تک ادب اور مذہب کو ہم الگ الگ خانوں میں منقسم نہیں دیکھتے ہیں۔ اگر زیریں لہر ہے بھی تو اس میں شدت نہیں ہے۔ لیکن ترقی پسند تحریک اور روسی اشتراکیت کے نظریے سے متاثر ہونے والوں نے ادب اور مذہب کو خانوں میں تقسیم کرنے کی شعوری کوشش کی تھی جس کا منفی اثر سرمایۂ ادب پر ضرور پڑا۔ لیکن ۱۹۶۰ء اور ۱۹۸۰ء کے بعد کے شعرا نے اس فیشن سے جان چھڑا کر حقیقت کے Perception کو سمجھ لیا ہے اور متعین طرز اظہار ''حمد'' کو بلا جھجک اپنایا ہے۔ قرآن کریم کے سولھویں پارہ میں سورۃ الکہف کی تیسری رکوع کی آخری آیت ہے کہ:

قل لو كان البحر مدادا لكلمت ربي لنفد البحر قبل ان تنفد كلمت ربي ولو جئنا بمثله مددا

لیکن قرآن کریم میں سورۃ الشعراء (۲۶: ۲۲۴-۲۲۷) میں بیان کیا گیا ہے کہ:

☆ ''اور شاعروں کی پیروی گمراہ لوگ کیا کرتے ہیں۔''

☆ ''کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ (شاعر) ہر وادی میں سر مارتے ہیں۔''

☆ ''اور کہتے وہ ہیں جو کرتے نہیں۔''

واضح اشارہ ہے کہ شعرا قابل اتباع نہیں ہیں اور شاعری ربط، پیغام دہی اور سنجیدگی کے عناصر سے خالی ہے۔ حالانکہ شاعر نیک، ذہین، دانا اور خدا ترس ہوتے ہیں، عصر حاضر ایک نظریاتی دور ہے اور ہم جانتے ہیں کہ ذہنی و عملی ارتقا کی نسبت سے عروج و زوال ہوتا ہے۔

حمد سے بے توجہی کی وجہ Anthroposphere ماحول بھی رہا ہے۔ ویسے سچائی یہ بھی ہے کہ اردو میں حمدیہ شاعری کا پہلا مجموعہ غلام سرور لاہوری کا ہے جو ''دیوان حمد ایزدی'' کے نام سے ۱۸۸۱ء میں مطبع نول کشور، لکھنو سے شائع ہوا۔ مثال دیکھئے:

زباں پر ذکر حمد ایزدی ہر دم رواں رکھنا
فقط یاد الٰہی سے غرض اے مری جاں رکھنا

اس مجموعہ میں دو فارسی حمد بھی ہیں:

بحمد ایزدی تر کن زبان گوہر افشاں را
چو ابر آذری کن گو ہر افشاں چشم گریاں را
زچشم خوں فشاں بے آبرو کن ابر گریاں را
ز جوش دیدۂ گریاں بگریاں برق خنداں را

حمد یہ شاعری کا دوسرا مجموعہ مضطر خیر آبادی کا ''نذر خدا'' ۱۹۲۱ء میں شائع ہوا۔ سرورق پر یہ شعر درج ہے:

مبارک اے زباں دنیا میں جو کچھ بھی کہا تو نے
وہ میں نے لکھ لیا اور کر دیا نذر خدا تو نے

حمد باعث تسکین قلب ہے۔ اس سے فرحت اور روحانی سکون حاصل ہوتا ہے۔ آفاقی اور ابدی حقیقتوں کی آگہی سے بھرپور اس صنف کی طرف نعت کے مقابلے میں توجہ کم دی گی ہے حالانکہ مواد بکھرا پڑا ہے۔ ○❖○

//

''**اُردو میں حمد ومناجات**'' ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کا ایک ایسا منفرد تحقیقی کارنامہ ہے، جس کے سبب آپ کی شخصیت دنیائے اردو ادب میں حمدیہ و مناجاتی شاعری کے اوّلین، باضابطہ محقق و ناقد کے روپ میں سامنے آئی ہے۔ ڈاکٹر یحییٰ نشیط نے اپنے اس جائزے میں بڑی عرق ریزی اور جاں فشانی کا مظاہرہ کیا ہے۔ موصوف کی یہ کوشش یقیناً لائقِ تحسین ہے۔ کتاب میں: (۱) اردو میں حمدیہ شاعری: تاریخ وارتقاء (۲) اردو کی حمدیہ شاعری میں فلسفیانہ رجحان (۳) اردو کی متصوفانہ حمدیہ شاعری (۴) قرآن کا اثر اردو کی حمدیہ شاعری پر (۵) اردو کی مناجاتی شاعری -- جیسے ابواب کے توسط سے سید یحییٰ نشیط نے اردو کے قدیم وجدید شعرا کے کلام پر ناقدانہ نظر ڈالتے ہوئے ان میں موجود ادبی وفنی اور دینی وعلمی خوبیوں کو تلاش کیا ہے۔ ''اردو میں حمدیہ شاعری: تاریخ وارتقا'' باب میں انھوں نے مذاہبِ عالم میں خدا کے تصور پر بحث کی ہے اور بتایا ہے کہ ہر مذہب میں کسی نہ کسی طور پر خدا کے تصور کے ساتھ اس کی حمد وثنا کا تصور بھی موجود ہے۔ روم و یونان، عراق و مصر، ہندوستان اور کالڈیا کے علاوہ عیسائیت اور اسلام میں خدا کے تصور اور خدا کی تعریف وتوصیف کی توضیح کے ساتھ موصوف نے اس بات کا بھرپور خیال رکھا ہے کہ اردو میں حمدیہ شاعری کا ارتقا قارئین کی نظروں میں آجائے۔ ادب میں اس صنف کا تعین کرنے اور سمت ورفتار کا جائزہ لگانے کے لیے موصوف نے عربی وفارسی ادب میں حمدیہ شاعری کا اجمالی جائزہ بھی پیش کیا ہے۔

//

پروفیسر ڈاکٹر عاصی کرنالی

حمد یہ شاعری پر تنقید

حمد یہ شاعری پر تنقید اپنے اندر بے حد نزاکتیں اور قباحتیں رکھتی ہے۔ ہم کسی حمد کو اچھے یا برے خانوں میں تقسیم نہیں کر سکتے۔ ایک حمد نگار کے ذہن و دل کی تمام تر صداقتیں اس کی کہی ہوئی حمد میں اپنی بسی ہوتی ہیں۔ اس لیے ہم حمد کی تحسین ہی کریں گے۔ البتہ فن کے تلازمات کو سامنے رکھ کر یا مضامین و خیالات کی نوعیتوں کے پیش نظر ہم اس پر تنقید کر سکتے ہیں۔ اس میں خیالات، زبان و بیان، مواد اور اسلوب کے معیار کی سطحوں پر گفتگو کریں گے، نیز یہ کہ توحید خالص کے جو مسلمات و معتقدات ہیں، کیا زیر تنقید حمد ان تقاضوں سے انحراف تو نہیں کرتی۔

حمد یہ شاعری پر تنقید میں سب سے بڑی قباحت یہ ہے کہ ہم کسی کی عقیدت اور اس کے دین و ایمان کو کسی پیمانے سے نہیں ناپ سکتے۔ ایک شخص جس نے کلمہ پڑھ لیا اور توحید و رسالت کا اقرار لسان و قلب سے کر لیا، وہ لاریب مسلمان ہے اور اللہ کی توحید اور اس کی ذات وصفات پر بدرجۂ کامل اعتقاد رکھتا ہے۔ سو جو حمد اس کی زبان و قلم سے نکلے گی، وہ اس کی صداقتِ ایمانی کا مظہر ہوگی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ اس نے کن مضامین و خیالات اور افکار و معتقدات کو پیراہن شعر میں ادا کیا ہے۔ سب سے پہلے اس امر پر نظر ڈالنی ہوگی کہ کیا اس کے یہاں توحید خالص کا پورا ادراک و عرفان ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ کسی خیال کے بہاؤ میں یا کسی بے احتیاطی کے سبب یا اتفاقاً اس سے ایسی بات ادا ہوئی ہو جو توحید خالص کے منافی ہے۔ مثلاً اللہ کی قوت و اختیار میں کسی کو شریک کرنا اور اللہ کے ساتھ ساتھ کسی اور ہستی سے استمداد طلبی۔ ایک شخص جو حمد کہتا ہے اور ایاك نعبد و ایاك نستعین کے تحت عبودیت اور استعانت میں صرف اللہ سے حاجت طلبی کا پابند ہے، اسی حمد میں یا کسی منقبت و مدحت میں کسی عبد یا بشر سے بھی طالب امداد ہوتا ہے اور گویا اسے صفاتِ الٰہی میں شریک گردانتا ہے۔ ہمیں کسی حمد نگار کے ذخیرۂ حمدِ الٰہی کے علاوہ مجموعی طور پر اس کی تمام شاعری اور اس کے مجموعی معتقدات و مسلمات کو نظر میں رکھنا ہوگا۔ گویا توحید میں وحدہٗ لاشریک کے عقیدے کا شعری اظہار حمد کی شرطِ اوّلین ہے اور اسی مقام سے تنقید کا منصب اور فریضہ شروع ہو جاتا ہے۔ غیر مسلموں، خصوصاً ہندوؤں نے بھی حمد یہ شاعری کی ہے اور ان کے حمد یہ اشعار میں بظاہر توحید الٰہی

کی صفات ومظاہر کا بیان ہوتا ہے لیکن کیا اصل میں ایسا ہے؟ کیا وہ عملاً اصنام پرستی اور مظاہر پرستی کے زناری نہیں ہیں اور کیا وہ اللہ تک رسائی کے لیے دوسری طاقتوں کی شرکت وتوسل سے وابستہ نہیں ہیں؟ مشرکینِ عرب ارض وسما اور ہمہ کائنات ومخلوقات کا خالق اللہ ہی کو مانتے تھے لیکن وہ بتوں کو وسیلۂ حاجت روائی اور اللہ تک رسائی کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ چنانچہ اگر کوئی مسلمان شاعر توحید خالص میں عقائد کی ایسی آمیزش روا رکھتا ہے تو کیا یہ محلِ تنقید نہیں ہے؟

اللہ کے پلڑے میں وحدت کے سوا کیا ہے
جو کچھ ہمیں لینا ہے لے لیں گے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے

کیا اس شعر میں بیان کردہ جوشِ عقیدت کو ہم خالص توحید پرستی کے منافی قرار نہیں دیں گے؟ اللہ کی ذات وصفات میں جہاں بھی استخفاف کا پہلو نکلتا ہو، تنقید کا جواز ضرور پیدا ہوگا۔ اصل میں مسلکِ اعتدال یہ ہے کہ ہم اللہ، انبیاء علیہم السلام، اولیائے کرام اور بزرگانِ دین کی عقیدتوں کو مختلف خانوں میں تقسیم کردیں اور ان خانوں اور حدود کو نہ توڑیں بلکہ یوں کہنا زیادہ درست ہوگا کہ اللہ کو اختیارات اور قدرتوں کے کسی دائرے اور حد میں محدود نہ کریں کیونکہ وہ بے حد ہے اور تمام حدوں سے ماورا ہے۔ دوسری ہستیوں کو ان کے ان اختیارات کے دائروں میں دیکھیں جو عبدیت کا تقاضا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کوئی شخص اپنے مراتبِ روحانی کے ارفع مقامات پر ہو، اس کے باوجود وہ اپنی حد توڑ کر اللہ کے بے حد و بے کراں ذات وصفات میں دخیل وشریک نہیں ہوسکتا۔ حتیٰ کہ انبیاء علیہم السلام جو بشری اور روحانی صفات کی انتہائی رفعتوں پر ہوتے ہیں، ان کی بھی ایک حدِ قدرت و اختیار ہے۔ اس لیے عبدیت واستعانت میں ان کی بھی شرکت باللہ کا وجود اور جواز نہیں ملتا۔

بے تکلفی، جرات اور استہزائی لہجہ نہایت نامناسب اور قابل مواخذہ ہے۔ ہم مثالوں سے احتراز کرتے ہوئے یا ناموں سے گریز کرتے ہوئے ایسے لہجے کی نشان دہی کریں گے۔ ایسا لہجہ اختیار کرتے ہوئے جہاں بندہ دائرہ عبودیت اور حدادب سے تجاوز کرتا ہے، وہیں ایسے خیالات باندھتا ہے کہ حمد نعوذ باللہ ہجو بن جاتی ہے۔ مثلاً:

- قبر میں جب میرے منہ سے بادۂ دوشینہ کی بو آئے گی تو نکیرین بھاگ جائیں گے۔
- صوفی گوشہ نشین کا درجہ شہید سے بڑھ کر ہے کہ آں کشتۂ دشمن است وایں کشتۂ دوست۔
- ارکانِ دین کی ادائی خصوصاً ادائے نماز کی کیا ضرورت ہے کہ وجودِ عاشقاں کلی نماز است۔
- دیر وحرم کو ایک ہی سطح پر شمار کرتے ہوئے حرمت وتقدیس حرم کی تخفیف۔

- کہاں کے دیر وحرم گھر کا راستہ نہ ملا۔ اس لیے کہ اس امید وہم نے مجھے دوراہے پر مارا۔ یہ اللہ کی رحمت سے ناامیدی کا مضمون ہے۔
- رحمت کے بھروسے پر گناہ کئے جانا کہ وہ ذات غفور الرحیم ہے اور اس کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم شفیع المذنبین ہے۔ اس مضمون میں گناہ پر دیدہ دلیری اور استقامت نیز توبہ وانابت سے گریز ہے۔
- خدا کے ہر جگہ جلوہ گر ہونے کے سبب حرم و بت کدہ ایک ہی شمع توحید کی دو روشنیاں ہیں۔
- راہرو جادۂ ہمراہ پر چلتا ہے اس لیے زنار باندھ لے اور سبحہ توڑ ڈال۔ (سبحہ، تسبیح، سبحان اللہ کے ورد کا ذریعہ) زمزم پر مے پی (دینی شعائر کی حرمت سے بے نیازی)۔
- احد اور احمد میں میم کا پردہ حائل ہے۔ (احدیت وبشریت کا ادغام)۔
- اعظم ماشانی اور اناالحق کے بارے میں صوفیانہ تعبیر میں جذب اور مغلوب الحال کے نعرہ ہائے مستانہ۔ اقبال کی رائے میں: ''اگر فردے بگوید سرزنش بہ''۔
- حمد یا شکر ہو یا دعا ومناجات، اللہ سے شکوہ شکایت کا کیا جواز؟ پھر شکایت میں حد سے تجاوز؟ براہ راست اسے ہرجائی کہنا۔ نیز تو بھی تو دلدار نہیں تک کہہ جانا، اُس کی شانِ رزاقی کو کسی سیاق میں بخیلی میں بدل دینا۔ شکوہ بے جا بھی کرے کوئی تو لازم ہے شعور۔
- جورِ فلک، گردش تقدیر اور ستم روزگار کا شکوہ، جو اصل میں اللہ ہی کی بلواسطہ شکایت ہے کیونکہ فلک، تقدیر، زمانے اور وقت کا وہی خالق ہے۔ خصوصاً تقدیر وقسمت کی ناسازگاری پر اللہ سے شکوہ سنجی، جو شکر وصبر اور توکل کی اعلیٰ صفات کے منافی ہے۔
- تمام شادمانیوں، کامرانیوں اور ظفرمندیوں کو اپنے عزم وہمت کے نتائج قرار دینا اور تمام ناکامیوں کو منجاب اللہ سمجھنا اللہ کی حکمتوں سے ناواقفیت اور کوتاہی عقل کی دلیل ہے۔
- اللہ کو مادی صورت میں محسوس کرنا یا صفاتِ بشری کو اس سے منسوب کرنے کی جسارت اس کی توحید کے برعکس ہے اور ایک طرح سے شرک کی تعریف میں آتی ہے۔ مثلاً کعبے کو کالا کوٹھا قرار دے کر اللہ کو اس کے اندر سے حاجیوں کی کاروباری مصروفیات واشغال میں دیکھ کر کڑھنا (اللہ کی تحدید و تقید اور انسانی سطح پر اس کے حواس کا عمل)۔

ولی محمد رازی کی تحریر کا ایک اقتباس یہاں بے محل نہ ہوگا:

''میرے خیال میں حمد گوئی کا سب سے بڑا ادب یہی ہے کہ ہم خالق کائنات کی تعریف کرتے وقت ذات وصفات کی اسی تعریف تک محدود رہیں جو قرآن وسنت نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ اگر

ہم اپنے ناقص علم اور محدود عقل کی روشنی میں ان صفات کی تعریف کریں جو ان دونوں کی حدود سے ماورا ہیں تو ہماری مثال اس گنوار کی سی ہوگی جو اپنی جھونپڑی میں بیٹھا ہوا کہہ رہا تھا کہ اللہ اگر تو میری جھونپڑی میں آجائے تو میں تجھے حقہ پلاؤں گا۔ تیرے پاؤں دباؤں گا۔ تیرے سر پر تیل لگاؤں گا۔ اور تجھے سامنے بٹھا کر پنکھا جھلوں گا۔ ان تمام تعریفوں کے پیچھے جذبہ وہی ہے جس کا نام حبِ الٰہی ہے مگر اس جذبے کے اظہار کے لیے اس سادہ لوح شخص نے محض اپنی محدود عقل اور ناقص علم پر اعتبار کیا''۔ (محمد ولی رازی، ص ۱۴، خزینۂ حمد)۔

- ❖ من بد کنم و تو بد مکافات دہی۔ پس فرق میانِ من و تو چیست بگو؟ (اللہ کو انسان بلکہ گناہ گار انسان کے ہم سطح بنانے کی جسارت)۔
- ❖ مستانہ طے کروں یوں رہِ وادیٔ خیال۔ لیکن اس مستانہ روی کی جرأت ان خیالات میں نہیں ہونی چاہیے جو بالواسطہ یا بلاواسطہ اللہ کی ذات وصفات تک پہنچتے ہوں اور اس کی الوہیت، قدرت، حکمت اور شان وعظمت کا استخفاف ہوتا ہو۔

''باخدا دیوانہ باش'' کا نعرہ بھی خیال کی مستانہ روی اور لغزش ہی ہے۔

بارگاہِ احدیت ہو یا دربارِ رسالت صلی اللہ علیہ وسلم، دونوں ہی انتہائی حزم واحتیاط اور ادب واحترام کا تقاضا کرتے ہیں اور خیال یا زبان وبیان کی ذرا سی لغزش بھی انسان کو بطش شدید کی گرفت میں لاسکتی ہے۔

نئے نئے علوم وفنون اور انسان کے عقلی تجربوں کے ثمرات سامنے آرہے ہیں۔ وقت کی رفتار آگے کی طرف بڑھ رہی ہے۔ ہمارا عہد ادوارِ قدیم کے احوال ومسائل سے مختلف ہے۔ سائنسی طرزِ احساس کے سبب آج کے لوگوں کا اندازِ فکر قدما سے تمام تر یکساں نہیں۔ بہت سے افکار ومعاملات بدل چکے ہیں۔ ادب بھی ارتقاء پذیر ہے۔ نئی سوچ اپنے اظہار کے لیے نئے نئے سانچے مرتب کررہی ہے۔ ضروری ہے کہ حمد بھی اپنی روایت کے عطر وانتخاب کے ساتھ عہدِ نو کے جدید مسائل اور موضوعات کا احاطہ بلحاظ فکر وفن کرے۔ آج جو حمد گزار پرانے انداز و اسلوب کو لے کر چلے گا اور ان مسائل و مقتضیات کی تکرار کرے گا، جو اب عہدِ کہن کے قصہ ہائے پارینہ بن چکے ہیں، وہ اپنے لیے حلقۂ قارئین پیدا نہ کرسکے گا۔ سو حمد میں فکر وفن کے ارتقاء کا پرتو آنا چاہیے۔

ہم نے اس گفتگو میں جو مثالیں پریشاں خیالی اور ذہنی کج روی کی دی ہیں، ان میں سے کئی باتیں کہی ہوئی حمدوں سے پیش نہیں کی گئیں۔ ہمارا موقف یہ ہے کہ ایک مسلمان شاعر کے اجتماعی معتقدات درست ہونے چاہئیں۔ اگر وہ غزل میں راہِ استقامت سے ہٹ کر گمراہ کن خیالات لاتا ہے تو

قدرتی بات ہے کہ اس کی حمد میں بھی اس فکری سمجھ کی جھلک آسکتی ہے۔ شخصیت اور شاعر کا تعلق آئینہ و عکس جیسا ہے۔ اس لیے وہ جن بھی اصناف میں بشمول حمد، اشعار کہے، اس کی شخصیت ریزہ ریزہ ہو کر نہیں بلکہ مجتمع ہو کر عکس پذیر ہو۔

جو بے احتیاطیاں اور بے اعتدالیاں ہم نے اوپر ذکر کی ہیں، وہی کسی حمد کی نوعیت اور قدر و قیمت کو جانچنے اور پرکھنے کے لیے معیار کے خطوط متعین کرتی ہیں۔ قرآن وحدیث سے بے خبری نہ ہو، حمد گزار قرآنی احکام اور حدیث وشرع کے خلاف کوئی بات نہ کہے۔ حمد کہتے ہوئے نہایت دینی بصیرت کی ضرورت ہے۔ مبادا بے خبری میں کسی حکم کی خلاف ورزی ہو جائے۔ ایسی تاویلات سے بھی بچنا چاہیے جو قرآنی مزاج سے متصادم ہوں۔ اس سلسلے میں عربی زبان کی لغت وقواعد سے آشنائی بھی حمد گزار کو معنوی اغلاط سے بچاتی ہے۔ قرآن کی کسی آیت یا حدیث کو شعر میں استعمال کرتے وقت سلامتی وزن کا خیال رہے۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی لفظ یا حرف زیر استعمال بحر میں پوری طرح نہ آئے اور معنوی تحریف واقع ہو جائے۔ مثلاً کان، وزن میں کانا آئے یا قل ھو اللہ احد میں اللہ کے بعد ضمہ (ھو) کی صورت میں ادا ہو رہا ہو۔

- عجز و تضرع بے حد لازم ہے۔ اس کی کبریائی کے سامنے ہم نقطۂ موہوم بلکہ شئے معدوم ہیں۔ حمد کسی نمود، تعلّی یا قد افزائی کا مقام نہیں ہے۔ حد درجے کی عاجزی اپنے لہجے، اپنے مضمون اور اپنی دعا میں برتنی چاہیے۔ وہ خالق ہم مخلوق، وہ رازق ہم مرزوق، وہ قادر ہم مجبور، وہ باقی ہم فانی، سو نمودِ ذات چہ معنی دارد۔ اپنی کہی ہوئی حمد پر افتخار و نازش بھی موزوں نہیں بلکہ مقام شکر ہے کہ اس نے ایک عاجز اور ہیچ مقدار کو توفیق ستائش عطا فرمائی۔
- حمد و ثنائے الٰہی محض اخلاص نیت اور سچائی کی بنیاد پر ہونی چاہیے۔ ستائش اور صلے سے بے نیاز۔ یہ نہیں کہ وسائل ابلاغ سے شہرت طلبی کی نیت سے (حمد) کہی جائے یا انعامی مقابلے میں شامل کی جائے تاکہ کوئی ایوارڈ یا انعام ملے یا مشاعرے میں اس لیے پڑھی جائے کہ داد و تحسین کے ڈونگرے برسیں اور غرورِ نفس یا احساس تفاخر پیدا ہو۔ حمد تقاضائے عبدیت ہے۔ اللہ کی ستائش، ذکر، ثناء، مناجات، دعا ہمارا منشائے بشریت ہے۔ اللہ اسے قبول فرمائے۔ صرف یہی صدقِ نیت حمد میں تاثیر و برکت پیدا کرتا ہے۔

❖ فنی اعتبار سے اپنی تمام تر استعداد ولیاقت کو کام میں لا کر حمد کی تخلیق کرنی چاہیے۔ سوچنا چاہیے کہ اللہ تمام علوم وفنون، آگاہی وخبر اور شعور وآگاہی کا خالق ہے۔ اس کا کلام قرآن، فصاحت وبلاغت اور ادب وانشا کی اس منتہا پر ہے جس کی کوئی نظیر ممکن نہیں۔ تمام فصحائے عرب سورۃ الکوثر کے جواب میں اس پایے کا ایک جملہ نہ لکھ سکے اور ماھذا البشر کہہ کر اپنے عجز علمی کا اعتراف کرلیا۔ ایسی ذات اقدس کے لیے حمد کہنے میں زبان، بیان، پیرایہ، اظہار کی ممکن لطافتوں اور خوبیوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ جذبے کی تقدیس، خیال کا علو، مضمون کی رفعت اور لفظ سے معنی تک جمالیات فن و ادب کے تمام تر تلازمات کو بقدر استعداد اور بقدر صلاحیت برتنا چاہیے۔ جب ایک شاعر ایک محبوب مجازی کے لیے غزل کہتے ہوئے اور کسی سلطان وامیر کے لیے قصیدہ کہتے ہوئے سارے کمالات صرف کر دیتا ہے تو اللہ کی اعلیٰ وارفع ہستی تو اس امر کی سزاوار ہے کہ اس کی بارگاہ علا میں جو نذرانہ عقیدت پیش کیا جائے، وہ کمالات وجمالات کا ایک مرقع کامل ہو۔ ○❖○

مقصود احمد ضیائی (پونچھ۔جموں وکشمیر)

حمد ونعت کا تحلیلی مطالعہ

حمد کے مضامین اور موضوعات کا اصل مآخذ اور مصادر خود قرآن مجید ہے، جس کی ابتداء سورہ فاتحہ کی سات جامع اور بلیغ آیات سے ہوتی ہے ان سات آیات میں ابتدائی تین آیات حمد کا مفہوم ادا کرتی ہیں، بالکل ابتدائی آیت ہے، الحمد للہ رب العالمین، تمام تعریفیں تمام کمالات تمام خوبیاں اور محاسن تمام فضیلتیں اور عظمتیں تمام اوصاف حسنہ وصفات حمیدہ صرف اور صرف اللہ عزوجل کے لئے ثابت ہیں، جو دونوں جہاں کا پالنہار اور پروردگار ہے، اور جو سینہ چٹان میں بھی ایک کیڑے کو رزق پہنچاتا ہے، جو تاریک رات میں گھنے جنگل لق ودق صحرا کے دامن میں سیاہ چیونٹی کے لئے قوت لا یموت کا انتظام کرتا ہے جو بحر وبر کی لاتعدو ولاتحصی مخلوقات کی زندگی کا سامان کرتا ہے، جو زندگی کی پہلی سانس سے لے کر عمر کے آخری پائیدان تک ہر متنفس اور ذی حیات کی جملہ ضروریات کی تکمیل کرتا ہے، جو طفولیت، بلوغت، شباب، کہولت اور شیخوخت ہر عہد، ہر دور، ہر مرحلہ اور ہر پڑاؤ کے عین مطابق اپنی شان ربوبیت اور صفت رب العالمینی کا پوری طرح مظاہرہ کرتا ہے، جس کی ہر شان بالائے وہم وگمان جس کی ہر آن نرنگی قدر کی ترجمان اس کے بعد اس کی صفت رحمت کا بیان ہے جو بظاہر سادہ اور سہل اسلوب میں ہے، مگر حقیقت میں رحمت کا ایک بحر بیکراں ہے، جو رحمت خداوندی کی جملہ اصناف جملہ انواع اور جزو کل سب کو شامل سب کو محیط اور سب پر مشتمل ہے ایک ضعیف ونحیف پرندہ اپنے گھونسلے سے میلوں دور نکل کر آندھی اور طوفان کی پرواہ کیلئے بغیر دن میں کم از کم ستر بار اپنے ننھے منے بچوں کو چوگ دینے کی نگرانی کرتا ہے، تو یہ فکر اس کے ذرا سے دل میں محبوب ماں کی ممتا پیدا کرتی ہے، مگر سوال یہ کہ ماں کے دل میں ممتا کا جوش وجذبہ کیا چیز پیدا کرتی ہے، حقیقت میں وہ رحمن ورحیم کی صفت رحمت پیدا کرتی ہے، حتی کہ اونٹنی اپنے بچے کو دودھ پلاتے وقت اپنی پچھلی ٹانگوں کو کشادہ کرتی ہے، تو اپنی سمجھ اور قوت و ادراک کے مطالبہ پر نہیں، بلکہ اس کی صفت رحمت کے تقاضے سے جس سے ہر ماں کا دل ہر وقت اپنے بچے کے حق میں معمور ومسحور رہتا ہے، تیسری آیت میں اللہ تعالٰی نے اپنی ایک اور عظیم الشان صفت بیان فرمائی ''مالك یوم الدین'' کہ وہ بدلہ کے دن کا مالک ہے، یوں تو معلوم ہے کہ وہ اس وسیع کائنات

اور اس کے اندر جو کچھ بھی ہے، سب کا مالک ہے، مگر اس عالم آب وگل اور چمنستان رنگ میں یقینیات اور مسلمات پر شکوک واوہام کا اکثر غلبہ رہتا ہے، جس کا طبعی اثر یہ رہتا ہے کہ خطرات بعیدہ کا جلدی سے یقین نہیں ہوتا اس کارخانہ قدرت میں روزانہ ہر آن اور ہر لحہ کیسے کیسے انقلابات اور کیسی کیسی تبدیلیاں رونما ہوتی رہتی ہیں، تخریب وتعمیر، شکست و ریخت اور موت وحیات کا جو سلسلہ آفرینش آدم وحوا سے شروع ہوا تھا، اور رکنے کا نام نہیں لیتا، زندگی کیا ہے، اور اس کی حقیقت کیا ہے، اس سے قطع نظر موت وہ حقیقت ہے، جس کو حق اور یقین کا نام بھی دیا گیا ہے، مگر انسانی ضمیر کا مطمع شکوک واوہام کے بادلوں کی گرفت میں رہتا ہے کاش! کہ یہ بادل چھٹ جائیں اور انسان صاف صاف دیکھ سکے تو وہ قلب وضمیر اور ذہن ودماغ کے متفقہ فیصلوں کے ساتھ اس نتیجہ پر پہنچ سکتا ہے کہ اس عالم مجاز کی ہر شئی مجاز ہے، یہاں اگر کوئی شئی حقیقت ہے، تو وہ موت ہے، انسانی ذہن چونکہ خطرات بعیدہ کی نہ تو فکر کرتا ہے اور نہ اس سے بچنے کا اہتمام، اس لیے وہ جب دوسروں کو لقمہ اجل بنتے دیکھتا ہے تو اس کے طرز عمل سے معلوم ہوتا ہے، کہ شاید اسے مرنا نہیں ہے، انسان کی اسی نفسیات کو سامنے رکھ کر اللہ تعالیٰ نے نہ صرف بدلہ کے دن بلکہ اس دن اپنی شہنشاہیت اور بادشاہت کا ذکر نہایت پرزور اسلوب میں فرمایا کہ عارضی طور پر اس کارخانہ کو چلانے کے لیے دنیا میں تو اس نے انسانوں کو بھی چھوٹی موٹی ذمہ داریاں منصب اور حکومتیں عطا فرمائیں، مگر آخرت میں حکومت اور بادشاہت صرف اور صرف اسی کی ہوگی ایسی چشم کشا حقیقت ہے کہ بیان کے لئے انداز وپرواز وہ اختیار کیا گیا جس میں راست طور پر حمد وثنا کی تعلیم وترغیب اور ضمنا اس پیرایہ بیان کی معنویت پر غور وفکر کی راہیں کھولیں گئیں، بہر حال! حمد کے مضمون کی ابتداء ان آیات سے ہوتی ہے، اور اس کے بعد پورے قران کریم میں مختلف صیغوں سے حمد کا مفہوم ادا ہوا، جس کے احاطہ کے لئے ایک ضخیم دفتر بھی ناکافی ہے۔

نعت کی ابتداء بھی خود قرآن کریم فرقان حمید سے ہوتی ہے، چنانچہ قرآن کریم کی وہ تمام آیات جن میں سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی مبارک وصف کسی پسندیدہ صفت کسی پاکیزہ عادت کسی اعلی خلق اور کسی ایمان افروز ادا کا ذکر ہوا ہے، وہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا اصل ماخذ ہے، یہ ایک مسلم حقیقت ہے کہ قرآن وحدیث میں جو کچھ بھی بیان کیا گیا ہے اس میں ذرہ برابر بھی مبالغہ سے کام نہیں لیا گیا ہے، ہر چیز کو اعتدال اور توازن کے معیار اور حدود میں بیان کیا گیا ہے، اس لئے حمد اور نعت گوئی کا بنیادی اصول بھی یہی ہوگا کہ اس میں قرآن وحدیث کی پوری پوری رعایت ہو کوئی ایسی چیز نہ آئے جو اللہ عز وجل اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان سے فروتر ہو یا جس کا وقوع عقلاً یا فطرتاً

یا عادتاً ممکن یا حقیقتاً اللہ و رسول کی شان کے خلاف ہو، اسی طرح حمد و نعت کے مضمون اور مشمولات میں بھی وہ حقیقی فرق اور فاصلہ موجود ہو جو خود اللہ جل شانہ اور اس کے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کے درمیان موجو د ہے، ان اصولوں سے تجاوز کے جو خوفناک نتائج مرتب ہو سکتے ہیں، اہل نظر سے مخفی نہیں ہیں، احادیث رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے ذخیرہ کو چھانٹ جایئے صحیح ہو یا جامع، سنن ہو مسند یا پھر مستدرک، ہر ایک میں آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے نکلی ہوئی جامع دعاؤں کا ایک باب ملے گا، او رصحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کے بیان کردہ ان اوصاف صفات اخلاق و عادات اور فضائل و شمائل کا بھی جوانہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت کیمیا اثر میں رہ کر آپ کو خوب برت پر کھ اور سمجھ کر بیان کئے، جس طرح آپ کو دعاؤں کے باب میں اللہ جل شانہ کی حمد و ثنا میں کوئی افراط و تفریط ہر گز نہیں ملے گی، ٹھیک اسی طرح حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں صحابہ کرام رضوان علیہم اجمعین کی بیان کردہ مدح یا تعریف میں بھی کوئی مبالغہ اور افراط و تفریط نہیں ملے گی، یہ اس امر کی زندہ شہادت ہے کہ نعت اور حمد کے مضامین کا عین شریعت کے معیار کے مطابق ہونا ضروری ہے، اسی لئے کہا جاتا ہے، کہ یہ دو اصناف کلام بہت مشکل اور انتہائی نازک ہیں، اس منزل کا ہر مسافر ہر قدم پر انتہائی نازک مراحل سے گذرتا ہوا اپنی منزل کی جانب گامزن رہتا ہے، ایسا بھی ممکن ہے کہ تخیل کی نادرہ کاری اور مبالغہ کی رنگ آمیزی اسے راہ صواب سے منحرف کردے، اور کہیں افراط کا شکار ہو کر الہٰ اور عبد کے درمیان فرق کو نظر انداز کردے، جو انتہائی خطرناک راستہ ہے، اس لئے کہ نبوت اور عبدیت کا کمال اس میں نہیں کہ بندے کو خدائی اختیارات سونپ دیئے جائیں، بلکہ اس کا اصل کمال یہ ہے کہ نبی جامہ بشریت میں رہتے ہوئے عبدیت اور نبوت کا ایک ایسا کامل نمونہ ہو کہ اس کے بعد کوئی درجہ تصور میں نہ آسکے مضمون نعت میں غلو کے جو مفاسد ہو سکتے ہیں، ان میں سب سے برا مفسدہ عقیدہ کا ہے، کہ نعت گو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی کو نبوت و رسالت کے منصب اور مرتبہ پر رکھ کر اس کے شایان شان اوصاف و مناقب اور کمالات کا ذکر کر رہا ہے، یا پھر الوہیت کے مقام پر رکھ کر اس کے مناسب کمالات اور صفات کا؟ اس کی مثالیں جاہل اور گمراہ شاعروں کے کلام میں تو اکثر مل جاتی ہیں، مگر خوش عقیدہ اور متوازن فکر رکھنے والے شاعروں کے کلام میں بھی کچھ نہ کچھ مل ہی جاتا ہے، جیسے علامہ محمد اقبال علیہ الرحمہ کہ جن کی پیغامی والہامی اور فلسفیانہ شاعری کا حوالہ وہ بھی دیتے ہیں، جو نہ شاعری کی ابجد سے واقف نہ شعر کی حقیقت سے آشنا، اور بحیثیت شاعر، خود علامہ کی شخصیت ایسی مسلم اور معتبر کہ بقول شورش کاشمیری اگر شیکسپیر ہندوستان میں ہوتے تو علامہ اقبال ہوتے، اور علامہ

اقبال اگر یورپ میں ہوتے تو شکسپئر ہوتے جاننے والے جانتے ہیں، کہ نعت کی صنف میں بھی علامہ اقبال علیہ الرحمہ کا مقام اتنا ہی بلند ہے، جتنا کہ دیگر اصناف میں ان کی زبان سے نکلے ہوئے نعتیہ اشعار ضرب المثل اور اسٹیجوں کی زینت بنے رہتے ہیں، دیکھئے یہ شعر تو اتنا مشہور ہے، کہ سیرت کی تقریروں میں عوام وخواص سبھی اس کو پڑھتے ہیں

وہ دانائے سبل ختم الرسل مولائے کل جس نے
غبار راہ کو بخشا فروغ وادیٔ سینا

بظاہر آپ کو اس شعر میں کوئی جھول یا جھل نظر نہیں آتا ہوگا، اور سچ یہ ہے کہ ہم اور آپ تو کیا! بڑوں بڑوں کو بھی نظر نہیں آتا، جھوم جھوم کر اور گھوم گھوم کر پڑھتے ہوئے سنتے رہتے ہیں، مگر حقیقت یہ ہے کہ اس کے پہلے مصرعہ کا آخری لفظ ''مولائے کل'' یہ صفت الوہیت کے مناسبات میں سے ہے، نہ کہ رسالت کے یہ ایک ایسی دیو قامت شخصیت کے نعتیہ کلام کے صرف ایک مصرعہ سے مثال دی گئی ہے، جس کے کلام پر جلدی سے انگشت نمائی ہمالیہ سے ٹکر لینے سے کسی طرح نہیں سمجھی جاتی، دنیائے شعر وادب پر سولہ آنہ اجارہ داری رکھنے والے بھی علامہ کا نام سنتے ہی دوزانو ہو کر بیٹھ جاتے ہیں، پھر سوچئے کہ علامہ سے کم رتبہ شعراء کا کیا حال ہوگا؟ رہے گمراہ اور مبتذل شعراء تو ان کی شاعری، الامان! اور ان کی نعت گوئی، الحفیظ! ذیل کے تین اشعار ملاحظہ کیجئے اور دیانت کیساتھ بتائیے کہ کیا یہ اشعار نعت جیسی پاکیزہ صنف کی آخری صف میں بھی جگہ پانے کے مستحق ہو سکتے ہیں؟

طواف کعبہ، مشتاق زیارت کو بہانہ ہے
کوئی ڈھب چاہئے آخر رقیبوں کی خوشامد کا

نعوذ باللہ کفریہ کلام ہے، بیت اللہ کو غیر مقصود اور رقیب بتا دیا ہے، کہ سفر مدینہ میں مزاحم نہ ہو دوسرا شعر ہے۔

پئے تسکین خاطر صورت پیراہن یوسف
محمد کو جو بھیجا حق نے سایہ رکھ لیا قد کا

استغفر اللہ! حق تعالیٰ شانہ کو حضرت یعقوب علیہ السلام پر قیاس کر کے یہ کہنے کی جسارت کی ہے، کہ جس طرح یعقوب علیہ السلام سے یوسف علیہ السلام جدا ہوئے اور بھائیوں نے کچھ عرصہ کے بعد ان کا کرتا پیش کیا، تو انہیں کرتے سے تسلی ہوئی اور صبر آ گیا، جب بھی یوسف علیہ السلام یاد آتے ان کے کرتے سے وہ تسلی حاصل کر لیتے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے جب اپنے حبیب صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے سے

جدا کر کے زمین پر بھیج دیا، تو تسلی اور صبر حاصل کرنے کے لئے آپ کا سایہ اپنے پاس رکھ لیا، اس شعر کا فساد اہل شعور سے مخفی نہیں۔ تیسرا شعر ہے

بر آسمان چہارم مسیح بیمار است
تبسم تو برائے علاج درکار است

یعنی عیسیٰ علیہ السلام چوتھے آسمان پر بیمار ہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا تبسم بطور علاج درکار ہے، اس شعر میں جو دوسری خرابیاں ہیں انہیں تو جانے ہی دیجئے، صرف ایک چیز دیکھئے کہ کیا یہ احمق شاعر ساتویں آسمان پر دیکھنے گیا تھا کہ مسیح علیہ السلام بیمار ہیں؟ وہی علامہ اقبالؒ جن کا ایک مخصوص زاویہ نگاہ سے گذشتہ سطور میں ذکر ہوا سچ یہ ہے، ایسے جزوی نقد سے ان کی شخصیت کسی بھی طرح سے داغدار نہیں ہوتی، کیونکہ نعت کے باب میں ان کا وہ کلام بھی ہمارے علم میں ہے، جو معتبر بھی ہے اور شاہکار بھی یہاں ان کے ایک قطعہ کو پیش کرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے سو ملاحظہ کیجئے ۔

فرشتے پڑھتے ہیں جس کو وہ نام ہے تیرا
بڑی جناب تری فیض عام ہے تیرا تری لحد کی زیارت ہے

زندگی دل کی مسیح و خضر سے اونچا مقام ہے تیرا غالب سے کون واقف نہیں، ان کی شاعری ساحری، ان کا تخیل کہکشاں، ان کا اسلوب بیاں ندرت مآب، ان کے افکار گنجینہ اسرار، ان کی نکتہ آفرینی گوہر تابدار، ان کے اشعار ان کی شاعرانہ عظمت کے گواہ نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں بھی معاصروں سے منفرد اور الگ ان کے دیوان سے تعرض کئے بغیر فارسی کلام سے ایک شعر ملاحظہ کیجئے غالب ثنائے خواجہ بایزداں گذاشتیم کاں ذات پاک مرتبہ دان محمد است کہنا چاہئے کہ درود شریف کا منظومہ، بار بار پڑھئے سمجھئے اور حظ حاصل کیجئے حفیظ جالندھری علیہ الرحمہ ایک جانی پہچانی شعراء کی صف کی پر بہار شخصیت ''شاہنامہ اسلام'' ان کی شاہکار تخلیق، بچوں کی معصوم زبانوں سے لے کر بوڑھوں کے کانپتے ہونٹوں تک جس کے زمزمے، اہل اسلام کے سینوں کو گرمانے اور دلوں کو برمانے والا یہ ''شاہنامہ اسلام'' حفیظ جالندھری کی شاعرانہ فتوحات کا پرچم، ان کی زبان نعت رسولؐ کے لئے کھلی تو جاننے والوں نے جانا کہ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک چمنستان صد رنگ کھل گیا ۔

محمدؐ کی محبت آن ملت شان ملت ہے
محمدؐ کی محبت روح ملت جان ملت ہے

محمد ؐ کی محبت خون کے رشتوں سے بالا ہے
یہ رشتہ دنیا کے رشتوں سے بالا ہے

وقت کی تنگدامنی دامنگیر نہ ہوتی تو اس داستان لذیذ کو مزید دراز کیا جاتا ۔

یہ جو روش روش جو چمن چمن جو کلی کلی پہ بہار ہے
بہ طفیل سرور انبیاء یہ چہار سمت بہار ہے

بلکہ جوئے شیر لانے کے مترادف ہے، اس لئے کہ یہ وہ راستہ ہے، کہ جس کا راہی کہیں بھی پھسل کر بجائے اپنی عاقبت کے سنوارنے کے دارین کی محرومیوں کا شکار ہوسکتا ہے۔ ❍❖❍

ڈاکٹر جوہر قدوسی (مدیر)

حمد،نعت اور منقبت: ایک تقابلی جائزہ

اس سے قبل کہ ہم حمد،نعت اور منقبت میں پائے جانے والے فرق کا جائزہ لیں،مناسب معلوم ہوتا ہے کہ عربی،فارسی اور اردو لغات میں ان لفظوں کے لغوی واصطلاحی معنی ومفہوم پر نظر ڈالی جائے۔

حمد:

عربی کے مشہور لغت ''المنجد'' (عربی-اردو) میں لفظ ''حمد'' اور اس کی مختلف نحوی صورتوں کو یوں بیان کیا گیا ہے:

"حَمَّدَ-اللہ-خدا تعالیٰ کی بار بار تعریف کرنا اور الحمدللہ زبان پر لانا۔

اَلْحَمْدُ (مصدر) تعریف،تعریف کیا ہوا۔کہا جاتا ہے: رجل حمدٌ و امراۃٌ حَمْدَۃ (تعریف کیا ہوا مرد اور تعریف کی ہوئی عورت)

اَحْمَدَ: قابلِ تعریف وستائش کام کرنا،کسی کا مستحق تعریف ظاہر ہونا۔

اَلْمُحَمَّد۔ بہت عمدہ خصلتوں والا۔

حَمِدَہ: الشیئ۔تعریف والا ہونا،کہا جاتا ہے حمدت الیك الله یعنی تمہارے ساتھ اللہ کی تعریف کرتا ہوں یا تمہارا شکریہ ادا کرتا ہوں اور ساتھ ہی ساتھ اللہ کی نعمتوں پر بھی شکر بجالاتا ہوں"۔1

عربی کے ایک اور معروف لغت ''المعجم الوسیط'' میں ''اَلْحَمْدُ'' کے لغوی معنی ''الثنا بالجمیل و یوصف به فیقال رجل حمدٌ'' لکھے ہیں۔2

''فیروز اللغات'' (عربی اردو) کے صفحہ ۱۳۳ پر حمد کے معنی ''تعریف،شکر،قابل تعریف'' درج ہیں۔

فارسی کے معتبر لغت ''غیاث اللغات'' میں لفظ ''حمد'' کے مطلب ومفہوم پر تفصیلی بحث ملتی ہے۔اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی معنی بیان کرتے ہوئے لغت کے مصنف ملا غیاث الدین رامپوری رقمطراز ہیں:

''حمد۔ستودن وستائش از منتخب و باصطلاح خاص بیان کبریا وجلال وعظمت حق سبحانہ وتعالیٰ را گویند وبعضی از محققین چنین نوشتہ اند کہ حمد در نعت ثنا کردنست بزبان خوبی اختیارے کسی بری تعظیم دے چنانچہ گوئی زید خوشنویس است وکتاب خوب میخواند ودر اصطلاح فعلکیہ آگاہی دیداز تعظیم

منعم خواہ بزبان باشد خواہ بدل وخواہ بدست و مدح آنست کہ ثنا بزبان باشد بزخوبی کسی کہ آں خوبی باختیار او نباشد چنانچہ گوئی زید کمال حسیں است ونہایت ذہین ونزد بعضے حمد و مدح مترادف اند اختیارے وغیر اختیارے شرط نیست:''3۔

اردو کے اکثر لغات میں لفظ''حمد'' کے معنی براہِ راست خدا کی تعریف لکھے گئے ہیں مثلاً چند لُغات میں مندرج اس لفظ کے معنی حسب ذیل ہیں:

''حمد۔ع۔اسم مونث۔خدا کی تعریف''4۔

''حمد۔(ع) تعریف، اصطلاح میں خدا کی عظمت و بزرگی بیان کرنا''5۔

''حمد (ع۔مونث) تعریف، ستائش علی الخصوص خدا کی تعریف''6۔

''حمد (ع مونث) خدا کی تعریف''7۔

''حمد (مونث) خدا کی تعریف''8۔

''جامع اللغات'' جلد دوم میں''حمد'' کے معنی بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حمد اور ثنا میں پائے جانے والے فرق کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ملاحظہ ہو لفظ''حمد'' کا مفہوم:

''حمد (ع مونث) خدا کی تعریف (کرنا ہونا کے ساتھ) حمد وثناء (مونث) خدا کی تعریف۔ حمد صرف خدا کے لئے مخصوص ہے اور ثناء انسان کی بھی ہو سکتی ہے''۔9۔

''حمد'' کے معنی و مفہوم پر بحث کرتے ہوئے ممتاز سیرت نگار قاضی محمد سلمان منصور پوری لکھتے ہیں:

''جب صفات میں کمال اور نعوت میں جلال اور فطرت میں احسان برغیر اور فیضان عالم کے فضائل جمع ہو جائیں تو اس مجموعی کیفیت کا نام''حمد'' ہوگا۔ثناء وتکریم، رفعت شان و رفعت ذکر اور استلزام جود وعطا کا مجموعہ حمد کہلاتا ہے۔حمد کی یہ جملہ صفات بدرجہ کامل ذات پاک سبحانی میں پائی جاتی ہیں۔اَلْحَمْدُ لِلّٰہ کا حرف لام یہی بتلا رہا ہے اور اسم پاک حَمِیْد بھی اسی راز کا انکشاف کرتا ہے''10۔

غرض لفظ''حمد'' اپنے تمام تر مفاہیم اور مطالب کے ساتھ اللہ سبحانہٗ وتعالیٰ کی ذات بابرکات کے ساتھ مختص ہے۔شاید یہی وجہ ہے کہ عربی اور فارسی سے ہوتے ہوئے یہ لفظ اردو میں پہنچ کر ہر ایسی منظوم کاوش کا نام پڑ گیا، جس میں اللہ تعالیٰ کی ذات، صفات، اختیارات اور حقوق کی تعریف و توصیف اور حمد وثناء کی جائے۔اس میں ہیئت اور صنف کی کوئی قید نہیں۔کسی بھی صنفِ سخن کے پیرایہ میں حمدیہ مضامین نظم کئے جا سکتے ہیں۔

حمد لکھنے کے لئے نعت کی طرح زیادہ کڑی شرائط بھی نہیں۔ بس اتنا ضروری ہے کہ شاعر خالق کائنات کی ذات وصفات کا کماحقہٗ عرفان رکھتا ہو۔ اس میں تعریف کی کوئی حد وانتہا نہیں۔ شاعر اپنی بساط اور وسعتِ علم کے مطابق کلمات حمد کہتا چلا جائے، کہیں بھی گرفت نہیں۔ والہانہ پن کے ساتھ دیوانہ پن کا جس قدر بھی اظہار کرتا جائے کوئی مضائقہ نہیں۔ اس کے برعکس نعت پر ہر چہار جانب پابندی ہے۔ فنی پابندی اپنی جگہ تو ہے ہی لیکن اس پابندی سے زیادہ اور سخت ترین پابندی شانِ نبوت اور عظمتِ رسالت کی پابندی ہے۔ علامہ احمد رضا خانؒ بریلوی کے بقول:

''حقیقت میں نعت شریف لکھنا نہایت مشکل ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔ اس میں تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ اگر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے۔ البتہ حمد آسان ہے کہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ غرض حمد میں ایک جانب اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت شریف میں دونوں جانب سخت حد بندی ہے''۔ 11؎

''نعت'' جو اصطلاحاً اردو میں صرف نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح وستائش کے لئے مخصوص ہے، حقیقت میں ایک نہایت دشوار اور مشکل صنفِ سخن ہے۔ دراصل نعت کہنا پل صراط پر سے گزرنے کے مترادف ہے۔ اس میں سرور کائناتؐ کے مراتب ومناصب کا قدم قدم پر خیال رکھنا اور قرآن و حدیث کی روشنی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کے بیان کرنے میں مبالغہ آرائی سے احتیاط برتنا انتہائی لازمی ہے۔ ذرا سی چوک اور شاعرانہ مبالغہ شاعر کے تمام تر معتقدات اور کلام کو غارت کرکے رکھ دیتا ہے۔ اس کے برعکس حمد میں بمصداق ''با خدا دیوانہ باش'' بعض بے احتیاطیاں بھی قابل درگزر ہیں، جبکہ نعت گوئی کے لئے ''با محمدؐ ہوشیار'' کا قاعدہ کلیہ نافذ العمل ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت گوئی کے پورے لوازم وشرائط سے عہدہ برآ ہونا بہت مشکل ہے۔ اس میں حبِ رسولؐ کے ساتھ ساتھ نبوت کے اصلی کمالات اور کارناموں، اسلام کی صحیح روح، توحید و رسالت کے فرق، عہد رسالت کے واقعات اور آیاتِ قرآنی واحادیثِ نبویؐ سے مکمل واقفیت ضروری ہے۔ اس کے بغیر صحیح نعت گوئی ممکن نہیں۔ بقول شاہ معین الدین ندوی:

''نعت کا راستہ بہت نازک ہے۔ اس میں ادنیٰ سی لغزش سے نیکی برباد، گناہ لازم آجاتا ہے۔ اس پل صراط کو عبور کرنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ یہ وہ بارگاہِ قدس ہے جہاں بڑے بڑے قدسیوں کے پاؤں لرز جاتے ہیں''۔ 12؎

حمد ونعت کے بعد صنفِ سوم "منقبت" کا جہاں تک تعلق ہے، اس میں نعت ہی کی طرح

شاعر کو بعض کڑی پابندیوں کے ساتھ گزرنا پڑتا ہے۔منقبت نام ہے ایسے کلام کا جس میں اہل بیتِ اطہار، صحابہ کرام، خلفائے راشدین، ائمہ کبار اور اولیائے عظام کے فضائل بیان کئے گئے ہوں۔لُغت میں اس کے بھی لغوی معنی حمد اور نعت کی طرح تعریف وتوصیف اور مدح وثناء کے ہی ہیں۔تاہم اکثر لغات میں اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی دونوں معنی درج ہیں۔مثلاً فارسی کے مشہور''غیاث اللغات''میں لکھا ہے :

''منقبت (بفتح میم وسکون نون وفتح قاف) ہنر وستودگی و باصطلاح محامد وثنای اہل بیت و اصحاب کبار رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین''۔13؎

اسی طرح اکثر اردو لغات میں بھی اس لفظ کے لغوی و اصطلاحی دونوں قسم کے مطالب نظر آتے ہیں۔مثال کے طور پر''فرہنگِ آصفیہ''کے مصنف سید احمد دہلوی لکھتے ہیں :

''منقبت۔ع۔اسم مونث، ہنر، ستودگی، صنف وثناء، محامد وثناء، بزرگان دین کی تعریف، مدح ائمہ کبار واصحاب رسول صلی اللہ علیہ وسلم''۔14؎

نسیم امروہی مصنف''رئیس اللغات''نے لفظ منقبت کے معنی یوں بیان کئے ہیں:

''منقبت (م۔ق۔ب مفتوح، مونث) تعریف، فضیلت، اہل بیت اطہار کی مدح کے اشعار، جمع مناقب''۔15؎

''جامع اللغات''میں اس لفظ کے دو معنی درج ہیں، جن میں پہلے معنی دوسرے لغات کے مقابلے میں کسی قدر مختلف ہیں۔مثلاً اس لغت میں لکھا ہے:

''منقبت (ع۔مونث) (۱) کوئی چیز جس پر انسان فخر کرے یا جو اسے ممتاز بنائے۔
(۲) تعریف، توصیف، صفت، ثناء خصوصاً اہل بیت اور صحابہ کی''۔16؎

''اردو ادب کی تاریخ''میں عظیم الحق جنیدی نے اصنافِ سخن کے ذیل میں منقبت کی تعریف یہ لکھی ہے:

''ائمہ معصومین بالخصوص حضرت علیؓ کی شان میں کہی جانے والی نظموں کو منقبت کہتے ہیں لیکن خلفائے راشدین اور دیگر بزرگان دین کی مدح میں بھی منقبت کہی گئی ہیں''۔17؎

منقبت چاہے کسی صحابی کی شان میں ہو یا امام اور ولی کی شان میں نعت کی طرح یہ بھی ایک ایسی صنف ہے جس میں شاعر اس بات کا پابند ہے کہ وہ حدود سے تجاوز نہ کرے۔اس کے لئے ضروری ہے کہ جس صحابی، امام یا ولی کی شان میں وہ منقبت کہتا ہے، اسے اپنے مرتبے سے نہ

بڑھائے، نہ گھٹائے۔ ایسا نہ ہو کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے کسی بزرگ امتی کی شان میں شاعر بلندی تخیل اور مبالغہ آرائی کے عالم میں اتنا دور نکل جائے کہ امتی کو رسول صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی بڑھ کر درجہ دے بیٹھے، غرض یہاں بھی نعت کی طرح حفظِ مراتب کا خاص خیال رکھنا ضروری ہے اور ایک برگزیدہ امتی، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور خالق کائنات کے مابین جو حدِ فاصل ہے اور فضائل و مراتب کا جو واضح اور عیاں فرق ہے، اسے بھی ملحوظ رکھنا لازمی ہے۔ ایسا نہ ہو کہ رسول برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی امت کے ایک برگزیدہ شخص کی شان میں شاعر اس طرح رطب اللسان ہو جائے کہ امتی نبی نظر آنے لگے اور ایسا بھی نہ ہو کہ نبی کی شان میں اس طرح مدحت طرازی کے جوہر دکھائے جائیں کہ نبی خدا بن جائے۔ ان تینوں اصناف میں طبع آزمائی کے وقت شاعر کے لئے بے حد احتیاط برتنا لازمی ہے۔ تینوں اصناف میں ایک قدر مشترک پائی جاتی ہے اور وہ ہے تعریف اور مدح و ستائش۔ حمد میں اللہ کی تعریف مقصود ہے، جس میں شاعر بڑی حد تک آزاد ہے کہ وہ چاہے تو فکر کی جولانیاں دکھائے۔ نعت میں اس پر دو دھاری تلوار لٹکتی رہتی ہے۔ ایک طرف سے اس کے لئے لازم ہے کہ رسالت کے ڈانڈے توحید سے نہ ملائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خدا کا درجہ نہ دے اور دوسری طرف اس کے لئے یہ قید بھی ہے کہ کوئی بات شانِ رسالت مآبؐ سے فروتر قلمبند نہ ہو جائے۔ ظاہر ہے کہ نعت گوئی کو انہی دو حدوں کے اندر محدود رکھنا اور ان حدود سے متجاوز نہ ہونا بہت ہی مشکل کام ہے اور بہت کم شعراء اس پل صراط پر سے صحیح وسلامت گزر سکے ہیں۔

اردو میں حمد، نعت اور منقبت کہنے والے یوں تو ان گنت شعراء نظر آتے ہیں لیکن لوازمات فن کے ساتھ انصاف کرنے والے بہت ہی کم ہیں۔ اکثر شعراء نے نعتیہ مضامین میں اس قدر غلو سے کام لیا ہے کہ نعت گوئی کے بنیادی لوازمات ہی پامال ہو کر رہ گئے ہیں۔ چند مثالیں پیش کی جا رہی ہیں جن میں بعض شعراء نے حمد، نعت اور منقبت کے مضامین ایک ہی جگہ اور ایک ہی پیرایہ میں اس خوبی سے بیان کئے ہیں کہ تینوں اصناف کے اشعار میں آمیزش کے باوجود تمیز کرنا ذرا بھی مشکل نہیں۔

ناوکؔ حمزہ پوری کے درج ذیل تین اشعار میں سے پہلے دو شعروں میں حمد اور مناجات کے بعد تیسرے شعر میں نعت کا مضمون اس انداز سے در آیا ہے کہ قاری کو یہ محسوس کرنے میں دیر نہیں لگتی کہ حمد یہ شعر آزادی سے کہنے والا شاعر جب نعت کی طرف رجوع کرتا ہے تو ایک دم کتنا حساس اور محتاط ہو جاتا ہے۔ تینوں اشعار میں حمد اور نعت کے مضامین کا ایک خوبصورت امتزاج نظر آتا ہے۔ جس میں نہ کوئی مبالغہ ہے اور نہ غلو۔ ملاحظہ ہوں ناوکؔ کی ایک غزل کے یہ شعر ؎

ترے خیال سے ہے شوق میں نمو اللہ
ترے جمال سے ہے فکر سرخرو اللہ
عطا وہ منزل عرفان کر اپنے ناوک کو
جہاں بس ایک وہ ہو اور ایک تو اللہ
ترے حبیبؐ ہیں موضوعِ گفتگو اس کا
لگی ہے داؤں پر شاعر کی آبرو اللہ[18]

سلیم شہزادؔ کی ایک غزل میں مناجات کے ساتھ نعت کا مضمون کس خوبی سے بیان ہوا ہے، ملاحظہ کیجئے ؎

کشور دست دعا عطا کر
مجھے لب التجا عطا کر
زباں کو حرف دعا عطا کر
دعا کو وصف رسا عطا کر
طلسم شب تار تار کردے
سیاہیوں میں دیا عطا کر
دیا جلے نام مصطفیٰؐ کا
مجھے غم مصطفیٰؐ عطا کر
لکھوں تو بس ان کی مدح لکھوں
بیاں کو رنگ ثنا عطا کر
میرے قصیدے کو طرز یا رب
جناب حسانؓ کا عطا کر
نواؤں کو دے کلام اپنا
نوا نوا خوش نوا عطا کر
کہ تیری تحمید و وصفِ احمدؐ
بنے، وہ طرز ادا عطا کر[19]

صاف ظاہر ہے کہ شاعر ایک ایسے طرز ادا کے لئے دست بدعا ہیں جس میں حمد وثنائے رب جلیل

میں ہی وصف و نعت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ادا ہو۔

یوں تو حمد و نعت کی آمیزش ابتدائے اردو شاعری ہی سے متعدد شعراء کے یہاں نظر آتی ہے، لیکن شمالی ہند میں اردو شاعری کے دورِ اوّلین (ولی کے دیوان کی دہلی میں آمد کے بعد) میں صوفیائے کرام کی شاعری میں اس طرح کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید:

''صوفیائے کرام اور اس دور کے صوفیانہ ذہن رکھنے والے شاعروں کے نعتیہ کلام میں حمد اور حمد نگاری میں نعتیہ عناصر گھل مل گئے ہیں۔ صوفیانہ مزاج اور اسلوب کا یہ پہلو اس عہد کی شاعری میں عام ہے''۔20۔

داغؔ دہلوی کی عشقیہ مثنوی ''فریاد داغ'' کے آغاز میں رسمی طور پر حمد و نعت کے جو اشعار قلمبند کئے گئے ہیں، ان میں یہ پہلا ہی شعر حمد اور نعت دونوں کے مضامین ادا کرتا ہے ؎

حمد ہے عشق آفرین کے لئے
نعت ہے ختم مرسلین کے لئے 21۔

حمد یہ اشعار میں نعتیہ عناصر اور نعتیہ کلام میں حمد نگاری کے ساتھ ساتھ شاعری میں ایسی بھی مثالیں ملتی ہیں، جن میں نعت کے پیکر میں منقبتِ صحابہ وائمہ لکھی گئی ہے۔ پیکرِ نعت میں منقبتِ صحابہؓ کی اوّلین مثال دربارِ رسالتؐ کے شاعر حضرت حسان بن ثابتؓ کے یہاں ملتی ہے۔ حضرت حسانؓ کے نعتیہ کلام کی خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ انہوں نے دینِ حق کی مدد کرنے والوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قوتِ تخلیق کا شاہکار خیال کرتے ہوئے ان کی تعریف کو بھی نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں شامل کر لیا اور یوں صحابہ کرامؓ کی منقبت بھی نعتیہ مضامین میں شامل ہو گئی۔ چنانچہ نعت میں منقبتِ صحابہ کے اوّلین نمونے حضرت حسانؓ ہی کے کلام میں ملتے ہیں۔ بعد میں تابعین کے دور میں مشہور شاعر فرزوقؔ نے اہل بیت کی منقبت کو نعت میں شامل کر کے موضوعِ نعت میں جدت کے ساتھ ساتھ کربلا کے حوالے سے دلسوزی اور رثائی جذبات داخل کئے۔

اردو شاعری میں قطب شاہی دور کے فرمانروا اور شاعر عبداللہ قطب شاہ نے نعت میں منقبت کہنے کی ایک نئی روایت قائم کی۔ یوں تو ان سے قبل بھی اردوئے قدیم کی نعت گوئی میں اہل بیت اور ائمہ معصومین کی مدح کا اظہار ہوا ہے اور دکنی شعراء کی نعتوں میں جا بجا منقبت کے عناصر نظر آتے ہیں، لیکن عبداللہ قطب شاہ نے نعت کے پیکر میں جس طرح اثنا عشری عقائد کا اظہار کیا، اس کی مثال دوسروں کے

یہاں کم ہی نظر آتی ہے۔ درج ذیل اشعار میں ''بارہ اماماں'' اور پنج تن'' کا حوالہ عبداللہ قطب شاہ کی اس نئی نعتیہ روایت کا عکاس ہے۔ عبداللہ کہتے ہیں ؎

صدقے نبی عبد اللہ، شہ کون ہے مدد اللہ
پنج تن ہیں گوا باللہ دن دین محمدؐ کا
جو بارہ اماماں ہیں، لاکھ ان پہ سلاماں ہیں
ہم ان کے غلاماں ہیں دنِ دین محمدؐ کا22؎

نعت کے پیکر میں منقبت گوئی کی یہ روایت صدیاں گزر جانے کے باوجود آج بھی اردو شاعری میں موجود ہے اور عصر حاضر کے معروف اور منفرد نعت گو عبدالعزیز خالدؔ کے یہاں ایک نئی آن بان کے ساتھ جلوہ گر ہے۔ بقول ڈاکٹر ریاض مجید: ''خالدؔ کی نعت (دیگر موضوعات کے ساتھ) حمد باری تعالیٰ اور منقبت صحابہؓ تک کے موضوعات کو محیط ہے''۔ یہی حال عصر حاضر کے دیگر کئی شعراء کا بھی ہے، جن میں سیفؔ زلفی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ سیفؔ کی نعتوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت کے ساتھ اہل بیت کی ستائش خصوصاً حضرت علیؓ کی منقبت کا بیان بھی ملتا ہے۔ ان کے اس رنگِ خاص کو ان کے حسن تشبیہہ و استعارہ اور رنگِ تغزل نے کیف آور بنا دیا ہے۔ سیفؔ کے حسن ادا اور منقبت کا انداز ملاحظہ ہو ؎

جب اندھیرے سازشیں کرنے لگے شب خون کی
اپنے بستر پر سلادی مصطفےؐ نے روشنی
کونین میں تکمیل رسالت کے مدارج
شبیر کے احسان شہادت سے لکھوں گا

اس طرح اردو کی نعتیہ شاعری کے ہر دور میں جہاں ایک طرف پیکر نعت میں حمد نگاری کی روایت نظر آتی ہے، وہاں نعتوں میں منقبت گوئی کا رجحان بھی کہیں کہیں دیکھنے میں آتا ہے۔ مجموعی طور پر بیشتر شعراء نے ایک ہی پیرایۂ اظہار میں حمد، نعت اور منقبت کہتے وقت ان تینوں اصناف کے لوازم کا خیال رکھا ہے اور اشہبِ قلم کو بے لگام چھوڑ دینے سے احتراز کیا ہے۔

حواشی

1۔ المنجد، عربی اردو ص ۲۸۱
2۔ المعجم الوسیط، الجزالاول ص ۱۹۶
3۔ غیاث اللغات ص ۱۶۷
4۔ فرہنگ آصفیہ، جلد دوم ص ۱۷۰
5۔ جدید عصری لغت اردو ص ۲۶۶
6۔ سعیدی ڈکشنری ص ۵۰۲
7۔ فیروز اللغات اردو حصہ اول ص ۵۵۲
8۔ رئیس اللغات ص ۴۸۲
9۔ جامع اللغات، جلد دوم ص ۵۵۶
10۔ رحمۃ للعالمینؐ، جلد سوم ص ۱۴۔۱۵
11۔ الملفوظ، حصہ دوم، مولانا احمد رضا خان ص ۴
12۔ ادبی نقوش ص ۲۸۴
13۔ غیاث اللغات ص ۴۶۶
14۔ فرہنگ آصفیہ، جلد چہارم ص ۴۲۷
15۔ رئیس اللغات ص ۹۷۷
16۔ جامع اللغات، جلد چہارم ص ۶۰۶
17۔ اردو ادب کی تاریخ ص ۴۶
18۔ انتشار غزل، ناوک حمزہ پوری ص ۱۷
19۔ نمائندہ نئی نسلیں، علی گڑھ اکتوبر ۱۹۸۵ء ص ۹
20۔ اردو میں نعت گوئی، ریاض مجید ص ۲۷۱
21۔ مثنوی فریاد داغ مرتبہ تمکین کاظمی ص ۹۳
22۔ تاریخ ادب اردو، جلد اول، ڈاکٹر جمیل جالبی ص ۴۶۹

○❖○

علی محمد عاجزؔ (ماگام۔کشمیر)

حمد نگاری و نعت گوئی : چند معروضات

الحمد للہ رب العالمین والصلوٰۃ والسلام علی سیدنا محمدﷺ و علیٰ آلہٖ و اصحابہٖ اجمعین۔

''حمد'' ایک مشہور و معروف لفظ ہے جو زمانہ قدیم سے دنیا کی مختلف اقوام، مذاہب اور لسانیات میں صرف اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات بے ہمتا کی تعریف و توصیف کے لیے بولا جاتا ہے۔ یہ مروجہ اصناف سخن کی اصطلاحات اور فنی اسالیب سے بالاتر ہے جو ادب اور مذہب کے رشتے کو ماننے اور نہ ماننے والوں کی بحث وتمحیص کا محتاج نہیں۔ ساری کائنات اور ارض و سماوات کے اندر پائی جانے والی مخلوق مسلم ہے، احکام الٰہی کی پابند ہے اور خالق و مالک رب ذوالجلال کی تسبیح و تحمید میں محو اور مصروف ہے۔ شب و روز اس کی پاکی بیان کرتے ہوئے شکر و ثنا کر رہی ہے۔ ہر زبان پر سبحان اللہ و بحمدہٖ سبحان اللہ العظیم کے مقدس کلمات جاری ہیں جو تسبیح خلق کے نام سے موسوم ہیں۔ پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ یہ دو کلمے اللہ کے محبوب کلمے ہیں زبان پر لیتے ہوئے ہلکے لگتے ہیں مگر میزان میں بھاری ہیں۔

انسان روئے زمین پر اللہ پاک کا خلیفہ ہے، مسجود ملائکہ ہے، اُم الکتاب قرآن مجید کا موضوع ہے اور اشرف المخلوق ہے جس کے لیے زمین و آسمان مسخر کئے گئے ہیں تاکہ اللہ کی زمین پر اللہ کا نظام قائم کرنے کے لیے جدوجہد کرتا رہے۔ کتاب ہدیٰ کا افتتاح اللہ پاک کے حمد و ثنا سے ہوا ہے اور اختتام جنّ و انس کے شر سے پناہ مانگنے پر کیا گیا ہے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے: افضل الدعا الحمد للہ۔ سب سے بہترین دعا الحمد للہ ہے۔ رب فرماتا ہے الحمد للہ رب العالمین۔ تمام تر حمد و ثنا عالموں کے رب کے لیے ہے جو پیدا کرنے والا ہے، پرورش اور تربیت کرنے والا ہے۔ محافظ و نگراں ہے اور ضروریات کو پوری کرنے والا ہے۔ الرحمٰن الرحیم۔ جو سب سے بڑھ کر مہربان اور نہایت رحم کرنے والا ہے۔ مالک یوم الدین۔ جو قیامت کے دن کا مالک ہے۔ یہ تین بڑے وجوہات صرف اللہ کی ذات سے متعلق اور مخصوص ہیں جن کی بدولت وہ اکیلے بلا شرکت غیرے تمام تعریفوں کا سزاوار ہے۔ وہ ذات اپنی تعریف آپ ہے مخلوق اس کی کیا تعریف کر سکتی ہے۔ لا احصی ثناء علیك انت کما اثنیت

علیٰ نفسك۔ وہ بے مثال اپنی مثال آپ ہے جس کو کسی مخلوق سے تشبیہ نہیں دی جا سکتی۔ لیس له ضدٌ ولا ندٌ ولا شبه ولا شریك۔ لیس كمثله شیئ وهو السمیع البصیر۔ پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہر خطبہ کے آغاز میں ان الحمد للہ اور نحمدہٗ فرما کر اس کی تعریف کرتے۔ نماز کی ہر رکعت میں، ہر رکعت کے قومہ میں ربنا لک الحمد کے علاوہ ہر دعا کے شروع اور آخر میں حمد بیان کرتے۔ ابن ماجہ اور ابوداؤد میں حدیث قدسی العظیمة ازاری والكبریاء ردائی فمن نازعنی واحداً منهما القیته فی النار کے مطابق عظمت اور کبریائی صرف اللہ کے لیے ہے جسے کوئی گستاخ چھین لینے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ ہر انسان میں مختلف صلاحیتیں اور قابلیتیں فطری طور ودیعت کی گئی ہیں جو اس کی ذاتی نہیں بلکہ خداداد ہوتی ہیں۔ اسی نے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت کے پیغام کے ساتھ معلم اخلاق اور رحمت عالم بنا کر بھیجا۔ اور اپنے بندوں پر بہت بڑا احسان فرمایا۔ اور ان گنت نعمتوں سے مالا مال کر کے لئن شکرتم لازیدنکم کا وعدہ بھی سچا کر دکھایا لیکن ان نعمتوں سے بہرہ ور ہونے کے باوجود اکثریت کفران نعمت اور ناشکری کی مرتکب ہوتی رہی۔ ان الانسان لربه لکنود۔ بے شک انسان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے جو احسان فراموش بن کر کبھی لظلومٌ کفار ٹھہرا تو کبھی ظلوماً جھولا بن گیا۔ اور قلیلاً ما تشکرون کا سہرا اپنے سر باندھا۔ اس صریح نافرمانی اور ناشکری کے بعد بھی رب کریم نے رزق کے دروازے بند نہ کئے ؎

ولیکن خداوند بالا و پست
بعصیاں در رزق برکس نہ بست

آیت ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسهم واموالهم بأن لهم الجنة سے واضح ہے کہ اہل ایمان اپنے آقا و مولا کے زرخرید غلام ہیں جو جنت کے عوض اپنی جان و مال کا سودا کر چکے ہیں۔ اور اپنے خالق و مالک کے ہاتھوں بک چکے ہیں۔ وہ اپنی خواہشات اور تمام اختیارات سے اپنے اللہ کے حق میں دست بردار ہو چکے ہیں اور مالک ان کی زبان و عمل سے شکر و ثنا سننا اور دیکھنا چاہتا ہے اور ہر حال میں رضا بقضا رہنے کا تقاضا فرماتا ہے۔ وہ اپنے غلاموں کی زبان و عمل سے کسی اور مخلوق کی تعریف و توصیف نہیں چاہتا۔ لیکن اکثر لوگ حقیقت حال سے بے خبر اپنے علماء و مشائخ، استاد اور مرشدوں، درویشوں اور فقیروں کو الوہیت کے روپ میں پیش کرتے ہیں اور اپنے رب کو بھول جاتے ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے جب تم تعریف کرنے والوں کو (اللہ کے سوا) کسی کی تعریف کرتے دیکھو تو ان کے منہ میں خاک جھونک دو۔ (مسلم عن مقدادؓ) ابو بکرہؓ کی ایک متفق علیہ روایت میں ہے کہ

آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک شخص نے دوسرے شخص کی تعریف کی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ویلك قطعت عنق اخیك۔ تجھے افسوس ہو کہ تو نے اپنے بھائی کی گردن کاٹ ڈالی۔ یہ الفاظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار متواتر بطور تاکید فرمائے۔ آخر پر فرمایا تعریف کرنی ہی ہے تو یوں کہو کہ میں فلاں شخص کو ایسا خیال کرتا ہوں اور باقی اللہ ہی جانتا ہے۔ اللہ کے مقابلے میں کسی شخص کی تعریف نہ کرو۔

ہر دور میں حمدیہ شاعری میں ادباء اور شعراء نے نثر و نظم میں اللہ کی تعریف بیان فرمائی ہے۔ اپنے کلام میں اس کی تخلیقات، انعامات و احسانات کا ذکر کیا ہے اور قدرت کے بے پناہ خزانوں میں سے انمول موتی تلاش کر کے منظر عام پر لائے ہیں۔ علم و ادب کی ترقی اور اشاعت کے ساتھ ساتھ دینی علوم کی تحقیقات و تصنیفات میں بھی اضافہ ہوتا رہا۔ جس کی بدولت حمدیہ اور نعتیہ شاعری بھی روز افزوں پرواں چڑھتی رہی۔ اللہ پاک کی نوازشات کے بوجھ تلے انسان کی گردن دب گئی اور قلب و ذہن سے شکر و سپاس کے سوتے پھوٹے۔

حمدیہ کلام کے معنیٰ اور بیان بحر بیکراں ہے جس کا احاطہ کرنا انسان کے بس کی بات نہیں۔ اگر دنیا کے سمندر سیاہی بن جائیں اور شجر قلم بن جائیں یہ دونوں لکھ لکھ کے ختم ہو جائیں گے اور رب کا کلام پھر بھی باقی رہ جائے گا۔ حمد خالق کے لیے ہے اور مدح مخلوق کے لیے، تعریف رب کے لیے ہے اور تعارف بندوں کے لیے۔ اسی طرح عقیدہ خالص اللہ کے لیے ہے اور عقیدت مخلوق کے واسطے ہے۔ ایک عربی شاعر کا شعر ہے:

الرب ربٌ ولو تنزل
والعبد عبد ولو ترقیٰ

رب تو رب ہی ہے بلند و برتر اور اعلیٰ و بالا ہے چاہے وہ کتنا ہی نیچے اُتر آئے یا نزول فرمائے۔ اور بندہ بندہ ہی ہے اللہ کا محتاج اور نیاز مند ہے۔ چاہے کتنی ہی ترقی کرے اور بلندی پر پہنچ جائے۔ یہ شعر درجہ بندی کی بہترین مثال ہے۔

عرف عام میں جس طرح لفظ حمد اپنے معنی و مفہوم کے لحاظ سے صرف اللہ پاک کے لیے ہے۔ اسی طرح نعت کا لفظ پیارے رسول حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے لیے مخصوص ہے۔ اس طرح دونوں معبود اور عبدۂ تعریف و تعارف میں بالترتیب لاثانی لاشریک اور بے نظیر ہیں۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی خداداخوبیوں اور صلاحیتوں کو نظم میں تحریراً محفوظ کرنے کو نعت کہتے ہیں۔ نعت کی روح اخلاص اور عشق رسول ہے جس میں عشق و محبت، جذب و کیف، درد فرقت اور سوز و گداز کا اظہار ہوتا ہے۔ غزل کے معنی

اگر عورتوں کے متعلق باتیں کرنا ہے تو نعت کے معنی سید المرسلین امام المتقین شفیع المذنبین خاتم النبیین اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے متعلق کلام کرنا ہے۔ اصناف سخن کی وسعتیں لامحدود ہوسکتی ہیں لیکن نعت کی صنف شریعت کے دائرے میں محدود اور محفوظ ہے۔ نعت گوئی بال سے باریک اور تیغ سے تیز پل صراط پر گذرنے کی مانند ہے۔ جہاں معمولی سی لغزش اور پھسلاہٹ نعت گو کو گستاخوں کی صف میں کھڑا کر سکتی ہے۔ گر فرق مراتب نہ کنی زندیق۔ جب کہ کچھ لوگوں کا خیال اس کے برعکس ہے۔

نعت گوئی کی تاریخ اور روایت بہت قدیم ہے۔ رب ذوالجلال نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تعارف اور ذکر جمیل آسمانی کُتب و صحائف میں فرمایا۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے تذکرہ سے واقف اور متاثر ہو کر سابقہ انبیاء کرام و صالحین آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اُمتی ہونے کی آرزو کرتے رہے۔ سیرت ابن ہشامؒ میں چچا ابو طالب کا ایک قصیدہ درج ہے جس میں انہوں نے قریش، عبد مناف، بنو ہاشم اور پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح بیان کی ہے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے مشہور ادیب و شاعر مولانا عبداللہ عباس ندوی نے اس مدح کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اولین نعت قرار دیا ہے۔

اس کے چند شعر ملاحظہ کیجئے:

(۱) حلیمٌ رشیدٌ عادلٌ غیر طائش　　یوالی الیھا لیس عنه بغافل

وہ (محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بردبار ہے سیدھی راہ چلنے والا ہے عدل کرنے والا ہے جذباتی اور شرارتی نہیں ہے۔ اس کا تعلق ایسے معبود سے ہے جو اس سے بے خبر اور غافل نہیں۔

(۲) لقد علموا ان ابننا لا مکذب　　لدینا ولا یعنی بقول الباطل

تمام لوگوں کو معلوم ہے کہ ہمارا بیٹا ہمارے نزدیک جھوٹا اور کذاب نہیں اور نہ ہی بے معنی اور جھوٹی باتوں پر توجہ دیتا ہے۔

(۳) فأیده رب العباد بنصره　　واظهر دینا حقه غیر باطل

پس رب العباد نے اس کی نصرت اور مدد فرمائی اور اس دین کی حقیقت ظاہر کر لی جو دین حق ہے باطل نہیں ہے۔

شیخ محمد تونجی سعودی عرب کی تحقیق کے مطابق دادا عبدالمطلب نے اس دنیا سے رحلت کرنے سے پہلے اپنے بیٹے ابو طالب کو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حق میں وصیت فرمائی تھی:

اوصیك یا عبد مناف بعدی　　بموحدٍ بعد ابیه فرد

فارقه وهو ضجیع المهد　　فکنت کالاُمّ له فی الوجد

اے عبد مناف میں اپنے دنیا سے جانے کے بعد تمہیں وصیت کرتا ہوں اس بچے کے بارے میں جو اپنے باپ کو اکلوتا بیٹا ہے اور منفرد و ممتاز ہے پس میں اس کی دیکھ بھال کرتا رہا۔ جب یہ گہوارہ میں چیختا چلاتا اور اس کے لیے ماں کی طرح بے قرار رہتا۔

آگے چلتے ہیں جب جبل حرا میں جبرئیلؑ کی آمد کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر خوف طاری ہوا تھا تو گھر آکر حضرت خدیجہؓ نے تسلی دی اور اپنے بھائی ورقہ بن نوفل کے پاس لے چلی۔ وہ تورات اور عیسائیت کے بہت بڑے عالم تھے۔ اس نے بتایا کہ یہ وہی ناموس اکبرؑ ہے جو سابقہ انبیاء و رسل پر وحی الٰہی لاتے تھے۔ کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو قوم وطن سے نکال دے گی تو میں آپ کا ساتھ دیتا۔ پھر ورقہ نے نعتیہ اشعار سنائے:

فیلقی من یحاربه خسارا و یلقی من یسلمه فلوجا

پس جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے جنگ و جدل کرے گا نقصان اٹھائے گا اور جو تسلیم کرے گا پُر سکون ہوگا۔

فیالیتنی اذا ما کان ذاکم شهدت و کنت اکثرهم ولوجا

کاش میں اس وقت تک زندہ رہتا جب تمہارے سامنے یہ واقعات ظاہر ہوں گے اور میں اس میں داخل ہونے والوں میں شامل ہوں۔

ولوجا فی الذی کرهت قریش ولو عجت بمکتها عجیبا

اور میں اس دین میں داخل ہو جاؤں جس سے قریش کو نفرت ہو گی اگر چہ وہ اپنے مکہ میں بہت چیخ و پکار کریں۔

ہجرت کے موقع پر جب پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم ابو بکرؓ کے ہمراہ مدینہ طیبہ پہنچے تو انصار کی معصوم ننھی منی بچیاں دف پر یہ اشعار گا رہی تھیں جن کی گونج آج بھی مدینہ کی فضا میں سنائی دیتی ہے:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعی لله داعٍ

ہم پر چودھویں کا چاند طلوع ہوا، وداع کی گھاٹیوں سے۔ ہم پر اللہ کا شکر واجب ہے اس دعوت کے لیے جو اللہ کے داعی نے دی ہے۔

عرب کے جاہلی دور میں ہجو گوئی عام تھی جس میں کسی فرد خاندان یا قبیلے کی برائیاں اُچھالی جاتی تھیں اور اچھائیاں چھپائی جاتی تھیں۔ پہلے پہلے اس میں مذاق اور تمسخر اڑایا جاتا لیکن بعد میں فحش کلامی

اور بے ہودہ گوئی اس میں شامل ہوئی۔ ہجرت کے بعد کفار قریش اور مشرکین نے غیض و غضب کی انتہا میں دین اور سالار دین کے خلاف ہجو گوئی میں شدّت اختیار کی تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا جن لوگوں نے اللہ اور رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدد ہتھیاروں سے کی ہے۔ انہیں اپنی زبانوں سے مدد کرنے کے لیے کون سی رکاوٹ حائل ہے۔ یہ سن کر حسانؓ بن ثابت کھڑے ہوئے اور جواب دیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں اس خدمت کے لیے تیار ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے پوچھا تم کیوں کر قریش کی ہجو کا جواب دو گے جب کہ میں بھی ان ہی میں سے ہوں۔ حسانؓ یہ سن کر بولے کہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس طرح سے نکال باہر کروں گا جس طرح گندھے ہوئے آٹے سے بال باہر نکالا جاتا ہے۔

حافظ ابن عبدالبرؒ کا بیان ہے کہ مشرکین کی ہجو گوئی کا منہ توڑ جواب دینا حسانؓ بن ثابت، کعبؓ بن مالک اور عبداللہؓ بن رواحہ نے اپنے ذمہ لیا۔ یہ تینوں حضرات انصار مدینہ کے قبیلہ خزرج سے تھے۔ انہوں نے بخوبی یہ کام انجام دیا اور جھوٹ کا جواب سچائی سے دیا۔ پتھر کے جواب میں پھول برسائے مسجد نبوی میں حسانؓ بن ثابت کے لیے مخصوص جگہ تھی جہاں وہ نعت سنایا کرتے۔ رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی: اللّٰھم ایدہ بروح القدس۔ اس کے نتیجے میں حسانؓ اپنی ہجو میں مشرکین پر کاری ضرب لگاتے کہ وہ سر پیٹ کر رہ جاتے۔ ابوسفیان کی ہجو گوئی کا جواب حسانؓ کی زبان سنیے جو رہتی دنیا تک اخلاق و ادب کا اعلیٰ نمونہ ہے:

اتہجوہ ولست لھو یکفوا فشر کما والخیر کما فداء

کیا تم اس کی ہجو کرتے ہو جب کہ تم ان کے برابر کے نہیں ہو تم شر ہی شر ہو وہ سراپا خیر ہیں تم کو ان پر فدا ہونا چاہیے۔ ظاہر ہے کہ حسانؓ برائی کا جواب برائی سے نہیں بھلائی اور وعظ و نصیحت سے دیا کرتا تھا۔

غزوۂ احزاب میں خندق کھودنے اور پتھر توڑنے کے دوران رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مجاہدین کی حوصلہ افزائی کرتے رہے اور عبداللہؓ بن رواحہ کے نعتیہ اشعار بلند آواز سے پڑھتے جاتے تھے۔

صدر اسلام میں نعت گوئی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مبارک قیادت میں ابھرتی رہی جو ہر طرح کی امکانی مبالغہ آمیزی، ہرزہ سرائی اور دروغ بیانی سے پاک تھی۔ لیکن بعد میں زمانہ گذرنے کے ساتھ ساتھ اس میں جذبہ و کیف کے سبب مدّ و جزر کے آثار نمودار ہوئے۔ دودھ میں پانی کی ملاوٹ ہو گئی اور اس فن پارہ کو تنقیدی دائرے میں لانے کی راہ ہموار ہوئی تا کہ عقیدہ اور عقیدت میں فرق واضح ہو جائے اور دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی نکل آئے۔ آج نعت اور قوالی کی چلن عام ہے جو بہت غلو آمیز ہیں اور جن کو شرعی ممانعت کے باوجود ساز و آواز کی صورت میں آلات موسیقی سے زینت دی جاتی ہے۔ مروجہ

تصوف میں صوفیائے کرام کی درگاہوں پر نعتیہ قوالیاں اور صوفیانہ موسیقی کی محفلیں منعقد کی جاتی ہیں جن میں بلالحاظ مذہب وملت لوگوں کی بھیڑ رہتی ہے اور رقص وسرور ہوتا ہے۔ ڈاکٹر آنسہ سلطانہ کے مطابق گیت کی شکل میں نعت کا ظہور خالص ہندوستانی چیز ہے اور نعتوں میں ہندوستان کی اوتار وادیت ظاہر ہے کہیں میم سے پردہ اٹھا کر، کہیں عرب کے عین کو ہٹا کر احمد اور احد وغیرہ کو رب کی شان میں جلوہ گر کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ حضور ﷺ کی مدح خوانی ہند میں آ کر اصنام یا دیوتاؤں کی مدح سرائی سے کافی متاثر ہوئی جن کے گیت بھجنوں میں گائے جاتے ہیں۔

شاہ اجمل فاروق ندوی نعت کی تنقید پر رقم طراز ہیں: ''اس سچائی کا کون انکار کرسکتا ہے کہ نعت کے نام پر نہ جانے کیا کیا چیزیں نعت کے ذخیرے میں شامل کردی گئی ہیں۔ ایسا اس لیے ہے کہ ہم نے چھان پھٹک کا دروازہ کھولا ہی نہیں جانچ اور پرکھ کی روایت قائم ہی نہیں کی ناپ تول کے لیے میزان وضع ہی نہیں کیا۔ نتیجہ سب کے سامنے ہے اگر نعت کے سلسلے میں ایک مستحکم تنقیدی روایت وجود پذیر ہوجائے اور وہ پوری دیانتداری سے کام کرنے لگے تو بہت جلد مثبت نتائج سامنے آنے لگیں گے''۔

ڈاکٹر راہی فدائی بنگلوری لکھتے ہیں نعت گوئی کے لیے حضور ﷺ سے عشق ومحبت شرط اول نہیں بلکہ شاعر کوفن شاعری پر دسترس حاصل ہو اور اپنے ممدوح کے اوصاف وکمالات کا بخوبی علم وادراک رکھتا ہو پھر اس علم کو جذبہ میں اور جذبہ کو شعر میں تبدیل کرسکتا ہو۔ تو اس کی نعتوں میں دلکشی اور اثرانگیزی پیدا ہوگی۔ وہ کہتے ہیں کہ محبت کا اعلیٰ درجہ عشق ہے اور ادنیٰ درجہ احترام ہے۔ اسی احترام کو ملحوظ رکھتے ہوئے بہت سے شعراء نے نعتیں لکھی ہیں ان میں غیر مسلموں کی خاصی تعداد ہے جو حضور ﷺ کو انسان کامل سمجھ کر احترام کرتے ہیں آپ کے اسوہ حسنہ اور اخلاق عظیمہ سے تمام اہل سخن متاثر ومرغوب ہیں۔ مہندر سنگھ بیدی سحر کا جذبہ احترام دیکھو ان کا مشہور شعر ہے ؎

عشق ہو جائے کسی سے کوئی چارہ تو نہیں
کچھ مسلمان کا محمدؐ پر اجارہ تو نہیں

کرشن بہاری نور کہتے ہیں ؎

تیری معراج محمدؐ تو خدا ہی جانے
میری معراج کہ میں تیرے قدم تک پہنچا

ڈاکٹر راہی لکھتے ہیں غیر مسلموں کے اس جذبہ واحساس کو عشق ومحبت کا نام دینا اور اسے عشقیہ شاعری کہنا جیسا کہ عام نقادوں کا خیال ہے غیر حقیقی رویہ بھی ہے اور بعید از قیاس رجحان بھی۔ اگر واقعی

ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے سچا اور پکا عشق ہو تو ضرور انہیں حلقہ بگوش اسلام ہونے کی توفیق مل جاتی۔ غیر مسلم جس سے متاثر ہوتے ہیں اس کی پوجا شروع کرتے ہیں (اس لیے ان کے معبود بھی لاتعداد ہیں)۔ آندھرا پردیش کے ڈاکٹر سید میر محی الدین قادری لکھتے ہیں:

نعت وہ صنف سخن ہے جس کو مقررہ حدود میں قید کرنا یا اس کے لیے اصول وضوابطہ طے کرنا عام انسانوں کے بس کی بات نہیں اس طرح نعت پاک کو صنف سخن جیسے حدود میں قید کرنا اس کی شان کے خلاف ہے جس طرح خدا کی ذات لامحدود ہے اسی طرح لباس بشریت میں پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکت بھی لامحدود ہے نعت کو کسی بھی صنف سخن میں نعت کہہ سکتا ہے۔ ڈاکٹر ابوسفیان اصلاحی علیگ اپنے مقالہ میں لکھتے ہیں:

آج رفاقت محمدی کے حوالے سے سیرت شہرت اور دولت کمائی جارہی ہے گویا نعت گوئی اور نعت خوانی حصول مادیت کا ذریعہ بن چکی ہیں۔ پاکستانی خواتین اس نعت خوانی کے توسط سے اپنے حسن و جمال کا مظاہرہ کرتی ہیں (اور نام کے ساتھ دام بھی وصول کرتی ہیں)۔ ڈاکٹر قریشہ کے مطابق تقسیم ہند کے بعد پاکستان میں مرحوم جنرل ضیاء الحق نے پہلی بار تلاوت کلام پاک کے بعد نعت کو التزاماً شامل کر دیا تھا اس دور میں نعتیں بکثرت لکھی اور پڑھی جانے لگی تھیں اور ریڈیو ٹی وی پر نعتیہ کلام کو فروغ ملا۔ درحقیقت عہد حاضر عہد نعت ہے۔ ع یہ عہد عہد رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہے۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ کہتے ہیں ''سب سے بہتر اور مؤثر نعتیں فارسی کے بعد اُردو میں ملتی ہیں۔ نعت گوئی میں عشق رسول اور شوق مدینہ ہندوستانی شعراء کا محبوب موضوع رہا ہے''۔ فارسی کے مشہور نعت گو شعراء میں سعدیؔ شیرازی، حافظؔ شیرازی، عبدالرحمٰن جامیؔ، عرفیؔ شیرازی، جان محمد قدسیؔ، مولانا رومیؔ وغیرہ قابل ذکر ہیں۔ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ شیخ معین الدین چشتیؒ، شیخ بہاوالدین نقشبندیؒ، نظام الدین اولیاءؒ، خواجہ محمد گیسودرازؒ، امیر خسروؒ وغیرہ کی نعتوں کو فارسی ادب میں خاصی اہمیت حاصل ہے۔ مرزا رفیع سوداؔ، میر تقی میرؔ، نظیر اکبر آبادی، مولانا اسماعیل شہید، میر انیس، مرزا دبیر، شیخ ابراہیم ذوقؔ وغیرہ قدیم اردو نعت میں طبع آزمائی کر چکے ہیں جب کہ الطاف حسین حالی، اسماعیل میرٹھی، شبلی نعمانی، اکبرالہ آبادی، احمد رضا خان، حسن رضا، ظفر علی خان، محمد علی جوہر، ڈاکٹر اقبال، سیماب اکبر آبادی، امجد حیدر آبادی، مناظر احسن گیلانی، سید سلیمان ندوی، عزیز الحسن مجذوب وغیرہ جدید اردو نعت کے سرخیل ہیں۔ عصر حاضر میں بہزاد لکھنوی، حفیظ جالندھری، ماہر القادری، عامر عثمانی، شوکت تھانوی، قتیل شفائی، حاجی امداد اللہ مہاجر مکیؒ، والی آسی، ظفر وارثی،

حفیظ میرٹھی، ساجد صدیقی وغیرہم نے اردو نعتیہ شاعری کو چار چاند لگوائے ہیں۔ جن کی شاعری میں سید، سردار، بحر جود و سخا، خیر البشر، خیر الوریٰ، شافع محشر، ساقی کوثر، کملی والا، دُرِ یتیم، شہ بطحا، سرور عالم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ حرمین شریفین کے مقدس مقامات مکہ، منیٰ، مزدلفہ، عرفات، غار حرا، غار ثور وغیرہ کا ذکر کثرت سے ملتا ہے اور جو درخشندہ عہد رفتہ کی یادیں تازہ کرتی ہیں۔ ہماری وادیٔ گلپوش میں بھی کشمیری زبان میں نعتوں کا اچھا خاصا ذخیرہ پایا جاتا ہے اور وادی کے ابھرتے شعراء میں نعت گوئی کی طرف حد درجہ میلان نظر آتا ہے۔ اردو فارسی اور کشمیری زبان میں مساجد، خانقاہوں، مدرسوں اور سیرتی اجتماعات میں تلاوت کلام اللہ کے بعد نعتوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ سکول سطح سے لے کر یونیورسٹی سطح تک اور اَن پڑھ طبقہ سے لے کر اعلیٰ ڈگری یافتہ طبقہ تک ہر عام و خاص نعت نویسی، نعت گوئی اور نعت خوانی میں کافی دلچسپی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نعتیہ مقابلوں میں شریک ہوتے ہیں۔ جو اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ ہر نام لیوا کی رگ و پے میں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت بدرجۂ اتم سرایت کر چکی ہے۔ اگرچہ ملت اسلامیہ امتداد زمانہ کے ہاتھوں ٹکڑیوں اور ٹولیوں میں بٹ چکی ہے۔ جیسا کہ پہلے ذکر ہوا ہے کہ غیر مسلم شعراء نے بھی پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے تئیں اپنی عقیدت کا خراج پیش کیا ہے جو لائق صد تحسین ہے۔ ان کی جادو بیانی ہوش ربا اور چشم کشا ہے ملاحظہ فرمائیں ؎

مومن جو نہیں ہوں تو میں کافر بھی نہیں شادؔ
اس زمرے سے آگاہ ہیں سلطان مدینہ
(سرکرشن پرشاد شادؔ)

کس نے ذرّوں کو اٹھایا اور صحرا کر دیا
کس نے قطروں کو ملایا اور دریا کر دیا
(ہری چند اخترؔ)

مری خواہش ہے جب میں خاک میں تبدیل ہو جاؤں
ہوا کے دوش پر طیبہ نگر ترسیل ہو جاؤں
مقدّر میں لکھا ہوگا مدینہ جاؤں گا پارسؔ
وہاں جا کر خاکِ پاک میں تحلیل ہو جاؤں
(تلک راج پارسؔ)

غلامانِ حضرت کو کیا تشنہ کامی
وہاں جامِ کوثر یہاں چاہِ زمزم
کلیمؑ و حبیبِ ؐ خدا اللہ اللہ
وہاں طورِ سینا یہاں عرشِ اعظم
(رگھوناتھ خطیب)

یہ چند عقیدت کے پھول ان لوگوں کے جذب دروں کی ترجمانی کرتے ہیں اور ان کے عقیدہ میں اک واضح تغیّر کی خاموش عکاسی کرتے ہیں۔

بت پرستی اور مورتی پوجا کے ہوتے ہوئے غیر مسلموں کے یہاں نعت گوئی میں کافی احتیاط اور تخیل میں عمیق گہرائی پائی جاتی ہے۔ جہاں جہاں بھی اسلام کا پیغام پہنچا توحید و رسالت کی دعوت پہنچی وہاں وہاں پیارے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے مخلص شیدائی پیدا ہوئے جو اس حقیقت کا بیّن ثبوت ہے کہ پیغمبر رحمت ساری دنیا کے لیے ہادی اور داعی بن کر آئے تھے۔ ہدایت کا پیغام اور دین کی دعوت لے کر وہ خود نہیں آئے تھے بلکہ رب ذوالجلال نے اس مقصد کے لیے انہیں مبعوث فرمایا اور تاکید فرمائی کہ اے رسول! جو پیغام تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل کیا گیا ہے اس کو لوگوں تک پہنچاؤ اور اگر تم ایسا نہ کرو گے تو تم نے اللہ کا پیغام نہیں پہنچایا۔ اور اللہ تمہیں لوگوں سے حفاظت کرے گا (المائدہ)۔

عام طور پر نسلی مسلمان علم دین کی طلب تڑپ تحقیق اور تجسس سے عاری نظر آتے ہیں جب کہ دشمنانِ اسلام کے متعصّبانہ رویہ اور تنقیدی زاویہ نگاہ نے ان کو اسلامی علم و ادب کے سرچشمے تک پہنچا دیا۔ انہوں نے خود اپنی آنکھوں سے حقائق کا مشاہدہ کیا جن کے آگے ان کا فہم و ادراک ماند پڑ گیا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے شعوری طور اسلام قبول کر لیا۔ وہ جو شکار کرنے نکلے تھے خود شکار ہو گئے۔ جسے بھسم کرنے والی آگ سمجھ بیٹھے تھے وہ ان کے لیے نور اور مشعلِ ہدایت ثابت ہوئی۔ وہ اپنے مولائے حقیقی کو پہچان گئے اور ماسوائے اللہ سے کٹ گئے۔ یہاں تک کہ کتاب و سنت کے مفسرین و محدثین اور دین کے داعی بن گئے ؏ پاسباں مل گئے کعبے کو صنم خانے سے۔

اس کے برعکس موروثی اور نسلی مسلمانوں میں اکثریت کے افکار تعطل اور جمود کے شکار ہو گئے۔ یہ زعم خویش قبلہ کو اپنا سمجھتے ہوئے اس قدر جری اور بیباک ہو گئے کہ دین کے تقاضوں سے غافل ہوئے۔ اپنے بیگانے ہو کر رہے اور اجنبی اپنے بن گئے ؎

چوں شمع از پئے علم باید گداخت
کہ بے علم نا تواں خدا را شناخت

یہ مشہور فارسی شعر فرمان الٰہی انما یخشی اللہ من عبادہ العلماء کی ترجمانی کرتا ہے کہ علم کی برکت سے انسان خدا کو پہچان سکتا ہے اور اس کے احکامات کی تعمیل کر سکتا ہے جب کہ بے علم اگر ظاہری طور پر مسلمان بھی ہو تو اللہ تک پہنچ نہیں سکتا جب تک وہ کتاب وسنت سے مطلوبہ واقفیت حاصل نہ کرے۔ یہی وجہ ہے کہ بسا اوقات غیر مسلم علم دوست حضرات دینِ حق سے بے علم مسلمانوں پر بازی لے جاتے ہیں اور ان کا بیان چاہے نثر میں ہو یا نظم میں، حمدیہ ہو یا نعتیہ علم و عرفان میں ڈوبا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ ہمارے اکثر نعت گو بے علمی یا بے خودی اور مستی کے عالم میں اللہ کے حقوق واختیارات اور صفات کو مخلوق کی طرف منسوب کرتے ہیں اور رنج وغم میں اللہ کو بھول کر اس کے محتاج بندوں کو دوہائی دیتے ہیں۔ ان کو حاجت روا، مشکل کشا، مستعان و مستغاث سمجھتے ہیں۔ درگاہوں اور خانقاہوں میں نعت خوانی اور منقبت خوانی کی مجلسوں میں ایسی نعتیں اور منقبتیں بڑی شہرت حاصل کر چکی ہیں۔ تعجب ہوتا ہے کہ بعض معروف علماء ومشائخ سن سن کر خوب سراہتے ہیں اور اصلاح و درستی کی جرأت نہیں کرتے۔ بلکہ واہ واہ کر کے نقد و جرح کے بجائے الٹا جواز فراہم کرنے میں فرحت محسوس کرتے ہیں۔ دین اسلام حق ہے اور حق بات کڑوی ہوتی ہے جب کہ باطل جھوٹ ہے اور جھوٹی بات میٹھی لگتی ہے۔ کڑوا پن ہر کسی کے لیے مرغوب نہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حق بات کہنے والے ہمیشہ ہدف تنقید بنتے آئے ہیں اور وہ حدیث نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قل الحق وان قتلت او حرقت کی روشنی میں کبھی خوف زدہ نہیں ہوتے ؎

گفت فرعونے انا الحق گشت پست
گفت منصورے انا الحق او براست
آں انا بے وقت گفتن لعنت است
آں انا در وقت گفتن رحمت است

(مولانا رومیؒ)

مغرور اور متکبر اَنَا رَبُّکُمُ الاعلیٰ کا مدعی فرعون مصر بے وقت اپنی شاہانہ غفلت اور جہالت کی وجہ سے ذلّت اور لعنت کا مرتکب ٹھہرا جب کہ عجز وانکساری کا پیکر منصورؒ یقین وتوکل اور علم وعرفان سے معمور وقت پر عزت واحترام سربلندی اور رحمت الٰہی سے ہمکنار ہوا۔ پھر نبیٔ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا یہ فرمان بھی

ملحوظ رہے کہ اللہ پاک علم کے بغیر کوئی عمل قبول نہیں فرماتا نہ ہی عمل بغیر علم قبول کرتا ہے۔فرعون جہالت میں خدائی کا دعویٰ کرتا رہا ہے اور انا الحق کہہ کر لوگوں کو پھسلاتا رہا کہ میں ہی خدا ہوں لیکن منصورؒ کی انا الحق کہنے سے مراد یہ تھی کہ میں اللہ کی طرف سے ہوں اس کی تخلیق کی ایک علامت ہوں اس کے مقابلہ میں ہیچ ہوں۔میں جو کچھ بھی ہوں اللہ کے فضل سے ہوں میرے پاس جو کچھ ہے اسی کا ہے میرا اپنا کچھ نہیں ہے۔گویا اس کی فکر اور سوچ من عرف نفسہٗ فقد عرف ربہٗ کی آئینہ دار تھی۔اپنے نفس کو پہچان کر ہی اللہ کی ربوبیت سمجھ میں آسکتی ہے۔یہ سب علم کے کرشمے ہیں کوئی قریب ہو کر مہجور ہوتا ہے اور کوئی دور ہو کر قریب آجاتا ہے چاہے وہ کوئی نعت گو ہی کیوں نہ ہو ؎

حمد وہ ہے کہ جس میں اللہ کی یاد ہو
نعت وہ ہے کہ جس میں ذکر صادؐ ہو

○❖○

علیم صبؔا نویدی، (چینئی۔تامل ناڈو)

نعتیہ شاعری کا تاریخی پس منظر

لفظ ''نعت'' کے لغوی معنی تعریف کے ہیں۔ مگر اصطلاح شاعری میں حضور اکرم سرور کائنات ﷺ کی مدح سرائی یا آپ ﷺ کے اوصافِ حمیدہ کو بصد خلوص وعقیدت نذرانہ پیش کرنے کا نام ''نعت'' ہے۔ مشہور محقق اور نقاد مولانا نیاز فتح پوری کے خیال میں حضور اکرم ﷺ کی ایسی ثناخوانی ہے جو آپ ﷺ کی ذاتی خصوصیات پر مشتمل ہو:

''اگر شاعر اپنی کسی تکلیف یا زبوں حالی کا ذکر حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ میں برائے توجہ والتفات کر رہا ہو تو وہ ''نعت''، نہیں ہو سکتی''۔ بعض اساتذہ نے اس کی بڑی سختی کے ساتھ پابندی کی مگر ہم عہدِ نبویؐ کے نعت گو شعراء مثلاً حضرت حسانؓ بن ثابت اور حضرت کعبؓ ابن زہیر، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی نعتوں کا مطالعہ کریں تو پتہ چلے گا کہ ان نعتوں میں شاعر کی حالتِ زار کا ذکر بھی ہے اور حضور اکرم ﷺ سے استعانت کی درخواست بھی۔ قصیدۂ بانت سعاد (کعبؓ ابن زہیر) ہی کو لیجئے۔ (اس معرکتہ الآراء قصیدے میں، جو حضور اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ پر کہا گیا ہے۔ جس کو سننے کے بعد حضور اکرم ﷺ نے اپنی چادرِ مبارک شاعر کو عطا کی تھی)۔ جس میں شاعر نے جہاں اپنی زبوں حالی، خرماں نصیبی، چاک دامنی اور مفلوک الحالی کا نقشہ کھینچا ہے وہیں حضور اکرم ﷺ کی ارفع واعلیٰ صفات اور خصوصیات کے روشن نقوش بھی پیش کئے ہیں۔ علاوہ ازیں اُسی روایت کا تسلسل ''قصیدہ بردہ'' (از شیخ محمد بن سعید البوصیریؒ، المتوفی ۶۹۴ھ) میں بھی نظر آتا ہے۔ اس قصیدہ میں شاعر نے حضور اکرم ﷺ کی مدح خوانی کرنے سے پیشتر اپنی حالت زار اور خستہ زندگی کا اظہار حضور اکرم کی بارگاہِ رسالت مآب میں کیا ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ نعت شریف میں خصوصیاتِ سرور کونین ﷺ کے ساتھ شاعر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں بطورِ استعانت اپنی بے کسی اور پریشانی حالی کا اظہار کرے تو غلط نہ ہوگا۔ بہر حال یہ تسلیم شدہ اور حقیقت پر مبنی بات ہے کہ سب سے پہلا نعت گو اللہ تعالیٰ ہی ہے جس نے اپنے کلام پاک میں حضور اکرم ﷺ کی تعریف وتوصیف بیان کی ہے۔ یہ اور بات ہے کہ کلام اللہ کو شاعری ہرگز نہیں کہا جا سکتا مگر یہ شاعری سے کہیں بڑھ کر ہی اونچا اور اعلیٰ فصاحت وبلاغت سے مزین اور

مملو کلام ربانی ہے۔ ہمارے بعض جدید اور قدیم نقادوں (مثلاً مولانا الطاف حسین حالی اور ڈاکٹر علیم اللہ حالی) کے نزدیک شاعری میں بحر شرطِ داخلی نہیں ہے بلکہ اس کی حیثیت خارجی اور فروعی ہے۔ ہر کلام میں کچھ نہ کچھ وزن ضرور ہوتا ہے جس کی وجہ سے کلام موثر و متداول ہوتا ہے۔ راقم الحروف کی رائے میں نثری نظم کے جواز کا سبب بھی یہی ہے، مگر قرآن پاک کی زبان پر نثری شاعری کا اطلاق بھی نہیں ہوتا۔ اس لیے کہ خالق کائنات نے اس کی تردید کردی ہے۔

عربی میں سب سے پہلے نعت حضرت ابوطالب (المتوفیٰ ۴ قبل از ہجرت ۶۲۰ء) نے کہی تھی۔

"وابیض لیستقسقی الغمام بوجهه
ثمال الیتمیٰ عضمه للارامل"

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا پُرنور چہرہ کہ جس کے وسیلہ سے بادلوں سے پانی طلب کیا جاتا ہے اور آپ یتیموں کے لیے سہارا اور بیوؤں کے لیے نگہبان ہیں۔

حضرت ابوطالب بن عبدالمطلب ہی کی ایک نظم (جو کہ نعت ہی کے زمرے میں رکھی جاسکتی ہے) کا پہلا شعر ملاحظہ کیجیے ؎

وَاللهِ لَنْ يَصِلُوْا اِلَيْكَ بِجَمْعِهِمْ
حَتّٰى اُوَسَّدَ فِي التُّرَابِ دَفِيْنَا

(خدا کی قسم وہ اپنی جمعیت کے ساتھ تجھ تک ہرگز پہنچ نہیں سکتے، جب تک مجھے دفن کر کے مٹی میں ٹیک لگا کر لٹا نہ دیا جائے)۔

اسی طرح حضرت حمزہؓ بن عبدالمطلب بن ہاشم (الشہید ۳ھ/ ۶۳۵ء) حضرت عبداللہ بن رواحہؓ الشہید ۸ھ/ ۶۳۹ء) حضرت عباسؓ بن عبدالمطلب بن ہاشم (الشہید ۳ھ/ ۶۵۳ء) حضرت ابوبکر صدیقؓ (المتوفیٰ ۱۳ھ/ ۶۳۲ء) حضرت عمر فاروقؓ (الشہید ۲۳ھ/ ۶۴۴ء) حضرت عثمان غنیؓ (الشہید ۳۵ھ/ ۶۵۰ء) حضرت علی کرم اللہ وجہہ (الشہید ۴۰ھ/ ۶۶۱ء)، حضرت فاطمۃ الزہراؓ (المتوفیہ ۱۱ھ/ ۶۳۳ء) حضرت کعب بن زہیر (المتوفیٰ ۴۲ھ/ ۶۶۲ء)، ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ (المتوفیہ ۵۸ھ/ ۶۷۷ء)، امام زین العابدینؓ علی السجاد بن حسینؓ (المتوفیٰ ۹۴ھ/ ۷۱۲ء) حضرت حسانؓ بن ثابت (المتوفیٰ ۶۸ھ/ ۶۸۷ء) امام اعظم ابوحنیفہ کوفی نعمان بن ثابتؒ (المتوفیٰ ۱۵۰ھ/ ۷۶۷ء) علامہ محمد بن سعید البوصیریؒ وغیرہم کے علاوہ مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلوی (المتوفیٰ ۱۱۷۶ھ/ ۱۷۶۳ء) نے اپنی نعت گوئی سے نہ صرف اپنی روحانی تسکین کا سامان کیا ہے بلکہ آنے والے ہر دور کو اپنی نعتوں کی

نورانی گونج سے عاشقانِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں اضافہ کیا ہے۔ نعت گوئی اس طرح حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی ہی میں شروع ہوچکی تھی اور حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ثناخوانی کو گوارا کیا۔ یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت حسان بن ثابتؓ کو منبر پر بٹھا کر اُن سے اپنی مدح خوانی سنی تھی۔

ان شعراء کے علاوہ خاندانِ انصار کی لڑکیوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ہجرت کر کے مدینے میں تشریف لانے کے موقعہ پر جو استقبالیہ اشعار پڑھے تھے وہ تاریخ اسلام میں بڑے فخر سے پیش کئے گئے ہیں۔ یہ اشعار یوں شروع ہوتے ہیں ؎

طَلَعَ الْبَدْرُ عَلَيْنَا فَاخْتَفَتْ مِنْهُ الْبُدُوْرُ
ہمارے سروں پر مہتاب طلوع ہوا اس مہتاب سے سب مہتاب چھپ گئے
وَجَبَ الشُّكْرُ عَلَيْنَا مَا دَعَا لِلّٰهِ دَاعٍ
ہم پر شُکر واجب ہوگیا جوں جوں دعا کرنے والا دعا کرتا ہے

اب مذکورۂ بالا صحابہ کرامؓ اور تابعین و تبع تابعین رضوان اللہ تعالیٰ اجمعین کی نعتوں سے نمونتاً چند اشعار ذیل میں پیش کئے جاتے ہیں ؎

حَمِدْتُ اللّٰهَ حِينَ هُدٰى فُؤَادِيْ إِلَى الْإِسْلَامِ وَالدِّيْنِ الْمُنِيْفِ
میں نے خدا کا شکر ادا کیا جب اس نے میرے دل کو اسلام اور بلند مرتبہ دین کی توفیق بخشی
رَسَائِلُ جَاءَ أَحْمَدُ مِنْ هُدَاهَا بِاٰيَاتٍ مُّبَيَّنَةِ الْحُرُوْفِ
وہ ہدایات جن کی ہدایتوں کو احمدؐ لے کر آئے واضح الفاظ و حروف والی آیتوں میں
وَ أَحْمَدُ مُصْطَفًى فِيْنَا مُطَاعاً فَلَا تَغْشَوْهُ بِالْقَوْلِ الْعَنِيْفِ
اور احمدؐ ہم میں برگزیدہ ہیں جن کی اطاعت کی جاتی ہے لہٰذا تم اُن کے سامنے نا ملائم لفظ بھی منہ سے نہ نکالنا

حضرت عبداللہ بن رواحہؓ ؎

رُوْحِي الْفِدَاءُ لِمَنْ أَخْلَاقُهُ شَهِدَتْ بِأَنَّهُ خَيْرُ مَوْلُوْدٍ مِنَ الْبَشَرِ
میری جان اُن پر فدا جن کے اخلاق شاہد ہیں کہ وہ بنی نوع انسان میں افضل ترین ہیں
عَمَّتْ فَضَائِلُهُ كُلَّ الْعِبَادِ كَمَا عَمَّ الْبَرِيَّةَ ضَوْءُ الشَّمْسِ وَالْقَمَرِ
ان کے فضائل بلا امتیاز سب بندوں کے لیے عام ہیں جس طرح سورج اور چاند ساری مخلوق کے لیے عام ہے
لَوْ لَمْ يَكُنْ فِيْهِ اٰيَاتٌ مُّبَيِّنَةٌ كَانَتْ بَدِيْهَتُهُ تَكْفِيْ عَنِ الْخَبَرِ

اگر ان کی صداقت پر مہرِ تصدیق ثبت کرنے والی نشانیاں نہ ہوتیں تو خود اُن کی واضح شخصیت اُن کی صداقت کے لیے کافی تھی۔

حضرت عباس بن عبدالمطلبؓ:

وَ اَنۡتَ لَمَّا وَلِدۡتَّ اَشۡرَقَتِ   الۡاَرۡضُ وَ ضَاءَتۡ بِنُوۡرِكَ الۡاُفُقُ

اور آپؐ جب پیدا ہوئے تو چمک اٹھی زمین   اور روشن ہو گئے آفاقِ سماوی آپؐ کے نور سے

فَنَحۡنُ فِي ذَالِكَ الضِّيَآءِ فِي النّ   وُرِوَ سُبُلَ الرَّشَادِ نَخۡتَرِقُ

تو اب ہم لوگ اسی روشنی اور اسی نور سے   ہیں اور ہدایت و استقامت کی راہیں نکال رہے ہیں

حضرت ابوبکر صدیقؓ:

يَا عَيۡنُ فَابۡكِیۡ وَلَا تَسۡأَمِیۡ   وَ حَقِّ الۡبُكَاءِ عَلَى السَّيِّدِ

اے آنکھ تو خوب رو اور نہ تھک   قسم ہے سرورؐ عالم پر رونے کی حق کی!

عَلَى خَيۡرِ خِنۡدَفٍ عِنۡدَ الۡبَلَاءِ   اَمۡسٰى يُغَيَّبُ فِي الۡمَلۡحَدِ

خندف کے بہترین فرزند پر (آنسو بہا)   جو مصیبت میں شام کو قبر میں چھپا دیا گیا

فَصَلَّى الۡمَلِيۡكُ وَلِيُّ الۡعِبَادِ   وَ رَبُّ الۡعِبَادِ عَلَى اَحۡمَدِ

مالک الملک بادشاہِ عالم، بندوں کے والی   اور پروردگار نے احمد مجتبیٰ پر درود بھیجا

حضرت عمر فاروقؓ ؎

وَ اَسۡلَبَهُ مِّنۡ اَهۡلِ مَكَّةَ بَعۡدَمَا   تَدَاعُوۡا اِلٰى اَمۡرٍ مِنَ الۡغَيِّ فَاسِدِ

اور اللہ نے اہلِ مکہ کو محروم کر دیا حضورؐ سے، اُن لوگوں نے گمراہی کے خیالِ فاسد (یعنی قتل) پر کمر باندھی

غَدَاةَ اَجَالَ الۡخَيۡلُ فِي عَرَصَاتِهَا   مُسَوَّمَةً بَيۡنَ الزُّبَيۡرِ وَ خَالِدِ

اور پھر اُس صبح جب آپؐ نے میدانوں میں گھوڑے دوڑائے، نشان زدہ زبیر و خالد کے درمیان

فَاَمۡسٰى رَسُوۡلُ اللهِ قَدۡ عَزَّزَ نَصۡرُهٗ   وَ اَمۡسٰى عِدَاهُ مِنۡ قَتِيۡلٍ وَّ شَارِدِ

پس رسول اللہ کو اللہ کی نصرت نے غلبہ بخشا، اور اُن کے دشمن مقتول ہوئے اور بھگوڑے بن گئے۔

حضرت عثمان غنیؓ ؎

فَیَاعَیْنِیْ ابْکِیْ وَلَا تَسْأَمِی وَ حُقَّ الْبُکَآءُ عَلَی السَّیِّدِ

تو اے میری آنکھ آنسو بہا اور نہ تھک اُس سردار پر آنسو بہانا تو لازم آچکا

حضرت علی مرتضیٰؓ ؎

وَ کُنَّا بِمَرْاٰۃٍ نَرَی النُّوْرَ وَالْھُدیٰ صَبَاحاً مَسَاءً رَاحَ فِیْنَا اَوِاغْتَدیٰ

ہم جب اُن کو دیکھتے تو سراپا نور و ہدایت کو دیکھتے، صبح بھی اور شام بھی، جب وہ ہم میں چلتے پھرتے یا صبح کو بھر سے نکلتے۔

لَقَدْ غَشِیْتُنَا ظُلْمَۃٌ بَعْدَ مَوْتِہٖ نَھَاراً فَقَدْ زَادَتْ عَلیٰ ظُلْمَۃِ الدُّجیٰ

اُنؐ کی موت کے بعد ہم پر ایسی تاریکی چھا گئی، جس میں دن کالی رات سے زیادہ تاریک ہوگیا

حضرت فاطمۃ الزہراءؓ ؎

مَا ذَا عَلیٰ مَنْ شَمَّ تُرْبَۃَ اَحْمَدَ اَلَّا یَشُمَّ ھُدَی الزَّمَانِ غَوَالِیَا

جس نے ایک مرتبہ بھی احمد مجتبیٰؐ کی قبر سونگھ لی مضائقہ نہیں ہے، اگر وہ ساری عمر کوئی اور خوشبو نہ سونگھے

صُبَّتْ عَلَیَّ مَصَائِبٌ لَو اَنَّھَا صُبَّتْ عَلَی الْاَیَّامِ صِرْفَ لیَالِیَا

(حضورؐ کی جدائی میں) وہ مصیبتیں مجھ پر ٹوٹی ہیں کہ اگر یہ مصیبتیں ''دنوں'' پر ٹوٹیں تو دن راتوں میں تبدیل ہوجاتے۔

یَا خَاتَمَ الرُّسُلِ الْمُبَارَکِ صِنْوَۃً صَلّٰی عَلَیْکَ مُنَزِّلُ الْقُرْاٰنِ

اے رسولوں کی آخری بابرکت شاخ آپؐ پر تو قرآن نازل کرنے والے نے بھی درود بھیجا ہے

حضرت کعب بن زہیرؓ ؎

فَقَدْ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللہِ مُعْتَذِراً وَالْعَفْوُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللہِ مَقْبُوْلُ

میں اللہ کے رسولؐ کی خدمت میں عذر خواہ ہوکر پہنچا، اور معافی و درگزر تو اللہ کے نزدیک پسندیدہ ہے

اِنَّ الرَّسُوْلَ لِسَیْفٌ یُّسْتَضَاءُ بِہٖ مُھَنَّدٌ مِنْ سُیُوْفِ اللہِ مَسْلُوْلُ

بے شک رسول اللہ وہ سیف ہیں جس سے روشنی حاصل کی جاتی ہے وہ اللہ کی تلواروں میں سے ایک کھینچی ہوئی تلوار ہیں

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہؓ سے

فَمَنْ كَانَ اَوْمَنْ قَدْ يَكُوْنُ كَاحْمَدَ نِظَامٌ لِّحَقِّ اَوْ نَكَالٌ لِّمُلْحِدٖ

احمد مجتبیٰ کے جیسا کون تھا اور کون ہوگا حق کا نظام قائم کرنے والا اور ملحدوں کو سراپا عبرت بنا دینے والا

امام زین العابدین علی السجاد بن الحسینؓ سے

مَنْ وَّجْهُهٗ شَمْسُ الضُّحٰی مَنْ خَدهٗ بَدْرُ الدُّجٰی

مَنْ ذَاتُهٗ نُوْرُ الْهُدٰی مَنْ كَفُّهٗ بَحْرُ الْهِمَمْ

وہ جن کا چہرۂ انور مہرِ نیم روز ہے اور جن کے رخسارِ تاباں ماہِ کامل

جن کی ذات نورِ ہدایت ہے، جن کی ہتھیلی سخاوت میں دریا

يَا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِيْنَ اَدْرِكْ لِزَيْنِ الْعَابِدِيْنَ

مَحْبُوْسُ اَيْدِی الظَّالِمِيْنَ فِی الْمَرَاكِبِ وَالْمُزْدَحَمْ

اے رحمتؐ عالم زین العابدین کو سنبھالیے

وہ ظالموں کے ہاتھوں میں گرفتار حیرانی و پریشانی میں ہے

حضرت حسان بن ثابتؓ سے

وَ شَقَّ لَهٗ مِنَ اسْمِهٖ لِيُجِلَّهٗ فَذُو الْعَرْشِ مَحْمُوْدٌ وَ هٰذَا مُحَمَّدٌ

اللہ نے ان کا نام ان کے اعزاز کے لیے اپنے نام سے مشتاق کیا ہے۔ صاحب عرش محمود ہیں اور یہ محمد ہیں

نَبِيٌّ اَتَانَا بَعْدَ بَاْسٍ وَ فَتْرَةٍ مِنَ الرُّسُلِ وَالْاَوْثَانُ فِی الْاَرْضِ تُعْبَدُ

یہ ایسے نبی ہیں جو ہمارے پاس ایک خوف اور طویل وقفہ کے بعد آئے ہیں اور حال یہ تھا کہ زمین میں بت پوجے جا رہے تھے۔

امام اعظم ابو حنیفہ کوفی نعمان بن ثابتؒ ؎

اَنْتَ الَّذِیْ لَوْلَاكَ مَا خُلِقَ امْرُءٌ کَلَّا وَلَا خُلِقَ الْوَرٰی لَوْلَاكَ

آپؐ وہ ہیں کہ جب حضرت آدمؑ نے آپؐ کا توسل اختیار کیا۔ اپنی لغزش پر تو کامیاب ہوئے حالانکہ آپ آپؐ کے جدِ امجد ہیں

اَنْتَ الَّذِیْ لَمَّا تَوَسَّلَ اٰدَمُ مَنْ زَلَّةٍ بِكَ فَازَوَ هُوَ اَبَاكَ

آپؐ اگر نہ ہوتے تو پھر کوئی شخص ہرگز پیدا نہ کیا جاتا اور اگر آپ مقصود نہ ہوتے تو یہ مخلوقات پیدا نہ ہوتیں

صَلّٰی عَلَیْكَ اللّٰهُ یَا عَلَمَ الْهُدٰی مَاحَنَّ مُشْتَاقٌ اِلٰی مَثْوَاكَ

اے ہدایت کے علم سربلند! متاقانِ زیارت کے شوقِ بے حد کے مطابق قیامت تک اللہ کا درود و سلام آپؐ پر نازل ہوتا رہے

علامہ محمد بن سعید البوصیریؒ[1] ؎

اَلصُّبْحُ بَدَا مِنْ طَلْعَتِهٖ وَاللَّیْلُ وَجَا مِنْ وَّفْرَتِهٖ

صبح حضور سرورِ کونینؐ کے چہرۂ نورین سے نمودار ہوئی اور رات نے ان کے گیسوؤں کی سیاہی سے اکتساب رنگ کیا

فَاقَ الرُّسُلَا فَضْلاً وَّ عُلَا اَهْدَی السُّبْلَا لِدَلَالَتِهٖ

آپؐ فضیلت اور بلندی میں تمام رسولوں سے بڑھ گئے اور آپؐ نے اپنی قیادت میں راستے دکھائے

نَالَا لشَّرَفَا وَاللّٰهُ عَفَا عَمَّا سَلَفَا مِنْ اُمَّتِهٖ

آپؐ کو وہ عز و شرف حاصل ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی اُمت سے سرزد ہونے والے گناہوں کو یکسر معاف کر دیا

فَمُحَمَّدُ نَا هُوَ سَیِّدُنَا فَالْعِزُّ لَنَا لِاَجَابَتِهٖ

ہمارے محمدؐ ہمارے آقا و مولا ہیں اُن کے حکم پر لبیک کہنا ہمارے لیے باعثِ عزت ہے

۱: بعض لوگ اس نعت کو حضرت حسان بن ثابتؓ سے منسوب کرتے ہیں مگر حقیقت میں یہ نعت علامہ محمد بن سعید البوصیری (مصنف قصیدۂ بردہ) کی ہے۔

مولانا شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ

فَلَسْتُ اَرٰی اِلَّا الْحَبِیْبَ مُحَمَّداً رَسُوْلُ اِلٰہِ الْخَلْقِ جَمُّ الْمَنَاقِبِ
میں بجز محمدؐ کے کسی اور کو محبوب نہیں پاتا وہ خداوندِ مخلوقات کے رسول ہیں تمام مناقب کے جامع
وَ مُعْتَصِمُ الْمَکْرُوْبِ فِیْ کُلِّ غَمْرَۃٍ وَ مُنْتَجِعُ الْغُفْرَانِ مِنْ کُلِّ تَائِبِ
ہر مصیبت میں مصیبت زدوں کا سہارا ہیں اور ہر توبہ کرنے والے کی مغفرت چاہنے والے
مَلَاذُ عِبَادِ اللّٰہِ مَلْجَأُ خَوْفِھِمْ اِذَا جَآءَ یَوْمٌ فِیْہِ شِیْبُ الذَّوَائِبِ
خدا کے بندوں کے ماویٰ ہیں اور خوف و ہراس میں اُن کے ملجا، اس دن جب ہر جوانی پر بڑھاپا آ جائے گا۔

پورے خطۂ زمین پر ازل سے لے کر ابد تک کسی ہستئ بابرکات کی شان میں مدحت بیان کی گئی ہے اور بیان کی جانے والی ہے تو وہ صرف حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ اقدس ہے اور راقم کا یہ یقین ہے کہ مسلمان شعراء خطۂ ارض پر جہاں کہیں بھی بستے ہیں وہ ضرور اپنی اپنی زبان میں مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بیان کرنے میں کسی طرح کی کوتاہی نہیں کرتے ہوں گے۔ خالق کائنات نے خود آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدحت کی ذمہ داری لی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ وَ رَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ (اور ہم نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکر کو بلند کیا)۔ مذکورہ بالا سطور میں راقم نے عربی شعراء میں سے چند اہم ترین بابرکات شخصیتوں کی نعت گوئی کی مثالیں بیان کی ہیں۔ چونکہ اردو کا تعلق عربی اور فارسی زبانوں سے بہت گہرا ہے، اس لیے راقم کا خیال ہے کہ چند فارسی شعراء کی نعت گوئی کے رنگ و آہنگ کا بھی اجمالی جائزہ لیا جائے۔

عربی کے بعد ہمیں فارسی زبان میں بھی نعت گوئی کا ایک کثیر ذخیرہ ملتا ہے۔ فارسی شعراء کے روبرو عربی کی وہی نعتیں بطورِ مثال موجود تھیں، جن کا تذکرہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ نعت گوئی کا یہ سلسلہ قیامت تک جاری رہے گا۔ اس لیے کہ نعت گو شعراء اس صنف کو اس لیے اہم سمجھتے ہیں کہ اسے خود حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے پسند فرمایا تھا۔ حضرت شیخ سعدیؒ نے اپنی شہرۂ آفاق رباعی کے تین مصرعے مکمل کر لیے تھے مگر چوتھا مصرعہ آپ کی کوشش کے باوجود ہو نہیں پا رہا تھا اور آپ بہت پریشان ہو گئے تھے۔ خواب میں آپ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو بہ نفسِ نفیس دیکھا اور اپنی شکایت بیان کی۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سعدیؒ سے فرمایا کہ وہ تین مصرعے دہرائیں۔ حضرت سعدیؒ نے یہ مصرعے حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے گوش گزار کئے

بلغ العلیٰ بکمالہٖ کشف الدجیٰ بجمالہٖ
حسنت جمیع خصالہٖ صلوا علیہ و آلہٖ

تو حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے حضرت سعدیؒ سے فرمایا: ع

اس سے پتہ چلتا ہے کہ ملکِ شیراز میں نعت گوئی کا سلسلہ جاری رہا ہے اور فارسی شعراء نے بڑے اہتمام سے نعتیں کہی ہیں۔ان میں سے چند اہم ترین شعراء کا انتخاب کلام ذیل میں پیش کیا جاتا ہے:

فردوسی ابوالقاسم حسن بن شرف شاہ طوسی (المتوفی ۴۱۱ھ/ ۱۰۲۰ء)

بگفتار پیغمبرت راہ جوی دِل از تیر گیہا بدیں آب شوی
ترا دین و دانش رہا ند درست رہ رستگاری بباید بجست
چہ گفت آں خداوندِ تنزیل و وحی خداوندِ آمر و خداوندِ نہی
کہ خورشید بعد از رسولانِ مہ نتا بید برکس ز بوبکرؓ بہ
عمرؓ کرد اسلام را آشکار بیاد است گیتی چو باغ و بہار
پس از ہر دو آں بود عثمانؓ گزیں خداوندِ شرم و خداوندِ دیں!
چہارم علیؓ بود جفت بتول کہ اورا بخوبی ستاید رسولؐ

سیدنا محی الدین عبدالقادر جیلانی المتوفیٰ ۵۶۱ھ/ ۱۱۶۶ء

غلام حلقہ بگوش رسولؐ ساداتم زہے نجات نمودن حبیب و آیاتم
کفایت است ز روحِ رسولؐ اولادش ہمیشہ وردِ زباں جملۂ مہماتم
ز غیرِ آل نبیؐ حاجتے اگر طلبم روا مدار یکے از ہزار حاجاتم
دلم ز عشقِ محمد پُر است و آلِ مجید گواہ حال من است ایں ہمہ حکایاتم

خواجہ قطب الدین بختیار کاکیؒ (المتوفی ۶۳۶ھ/ ۱۲۳۴ء)

اے از شعارِ روئے تو خورشید تاباں راضیا آنی کہ ہستی را شرف بالا تر از عرشِ علا
گرچہ بصورت آمدی بعد از ہمہ پیغمبراں اِما بمعنی بودۂ سرخیلِ جملہ انبیاء
ہرگز نخواندی یک ورق خلقے گرفت از تو سبق انگشت مہ را کرد شق، اے خواجہ معجز نما

یارانِ تو چار آمدند، پاکیزہ کردار آمدند گل ہائے بے خار آمدند، از خویش فانی باخُدا

خواجہ معین الدین چشتی سنجری اجمیریؒ (المتوفی ۶۳۳ھ/ ۱۲۳۶ء)

در جاں چو کرد منزل جانانِ ما محمدؐ صد در کشادہ در دل، از جان ما محمدؐ
ما بلبلیم نالاں در گلستانِ احمدؐ مالو لوئیم و مرجاں، عمانِ ما محمدؐ
مستغرق گناہیم ہر چند عذر خواہیم پژمردہ چوں گیاہیم بارانِ ما محمدؐ
ما طالب خدائیم، بر دینِ مصطفائیم بر در گہش گدائیم، سلطانِ ما محمدؐ

حضرت شمس الدین تبریزؒ (المتوفی ۶۵۳ھ/ ۱۲۵۵ء)

اے طائرانِ قدس را عشقت فزودہ بالہا در حلقۂ سودائے تو روحانیاں راحالہا
اے سروراں راتو سند، بشمار ماں رازاں عدد رانی سراں راہم بود اندر تبع و نبالہا
از رحمۃ للعالمین اقباں درویشاں ببیں چوں مہ منور خرقہا چوں گل معطر شالہا

رومی، مولانا جلال الدین (المتوفی ۶۷۲ھ/ ۱۲۷۳ء)

سید و سرور محمدؐ نورِ جاں بہتر و مہتر شفیع مُذنباں
با محمدؐ نورِ عشقِ پاک جفت بہر عشقِ پاک را لولاک گفت
گرنہ بودے بہر عشق پاک را کے وجودے داد مے افلاک را
منتہی در عشق او چوں بود فرد پس مرا و راز انبیا تخصیص کرد
پس کر مہائے الٰہی بیں کہ ما آمدیم آخر زماں در انتہا
مگسل از پیغمبرؐ ایامِ خویش تکیہ کم کن برفن و بر کامِ خویش

بوعلی قلندر پانی پتیؒ، شیخ شریف الدین المتوفی ۷۲۶ھ/ ۱۳۲۴ء

اے ثنایت رحمۃ للعالمین یک گدائے فیض تو روح الامین
اے کہ نامت را خدائے ذوالجلال زد رقم بر جبہۂ عرش بریں
آستانِ عالیٔ تو بے مثل آسمانے ہست بالائے زمیں

آفریں بر عالمِ حُسنِ تو باد مبتلاے تست عالم آفریں
غیرِ صلوٰۃ و سلام و نعتِ تو بوعلی را نیست ذکر دلنشیں

خواجہ نظام الدین اولیاء بدایونی ثم الدہلویؒ المتوفی ۷۲۵ھ/ ۱۳۲۵ء

صبا بسوئے مدینہ روکن، ازیں دعا گو سلام بر خواں
بگردِ شاہ مدینہ گردو بصد تضرع پیام برخواں
بنہ بچندیں ادب طرازی، سرِ ارادت بخاک آں کو
صلوٰۃ وافر بروحِ پاک جناب خیر الانامؐ برخواں
بہ باب رحمت گہے گزر کُن، بہ باب جبرئیل گہہ حسیں سا
صلوٰۃٌ مِّنِّی عَلی لنَبِیِّ گہے بہ بابُ السلام برخواں
بہ لحنِ داؤد ہمنوا شو، بہ نالۂ ورد آشنا شو
بہ بزمِ پیغمبر ایں غزل را، ز عبدِ عاجز نظامؔ برخواں

حضرت امیر خسروؒ ابن ابی الحسن لاچین المتوفی ۷۲۵ھ/ ۱۳۱۵ء

زہے روشن ز رویت چشمِ بنیش! وجود کیمیائے آفرینش
مبارک نامۂ قرآں تو داری کہ مرغِ نامہ شد رُوح الامینش
چہ بیند مردم ار از خاکِ پایت نباشد سُرمۂ عین الیقینش
کہ دارد جز تو دستِ آنکہ باشد کلیدِ نہ فلک در آستینش
رُسل را ذاتِ تُست آں خاتم چست کہ قرآں آمدہ نقش نگینش
لبش چوں انگبین ریز و درافتد ملائک چوں مگس در انگبینش
دقائق بیختہ خسروؔ ز نعتت پس از آبِ خضر کردہ عجینش!

حافظ شیرازی شمس الدین محمد (المتوفی ۷۹۱ھ/ ۱۳۸۹ء)

يَا صَاحِبَ الْجَمَالِ وَ يَا سَيِّدَ الْبَشَرْ
مِنْ وَّجْهِكَ الْمُنِيْرِ لَقَدْ نُوِّرَ الْقَمَرْ

لَا یُمْکِنُ الثَّنَاءُ کَمَا کَانَ حَقَّهٗ
بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر

جامیؔ مولانا نورالدین عبدالرحمٰن (۸۹۸ھ/ ۱۴۹۲ء)

یا شفیع المذنبین، بار گناہ آوردہ ام — بر درت ایں بار با پشت دوتاہ آوردہ ام
چشمِ رحمت برکشا، موے سفیدِ من نگر — گرچہ از شرمندگی روے سیاہ آوردہ ام
آں نمی گویم کہ بودم سالہا در راہِ تو — ہستم آں گمرہ کہ اکنوں روبراہ آوردہ ام
دولتم ایں بس کہ بعد از محنت و رنجِ دراز — بر حریمِ آستانت می نہم روے نیاز

عرفیؔ مولانا جمال الدینؒ (المتوفی ۹۹۹ھ/ ۱۵۹۱ء)

اے جودِ تو دست و دِل سخارا — اے عزمِ تو بال و پر صبارا
گر نقشِ جمال تو نہ گیرد — از سینۂ بروں کنم صفا را
گنجے بکف آورم کہ شاید — سرمایۂ نعتِ مصطفےٰؐ را
دُرجِ گہر آورم کہ شاید — آویزۂ گوش انبیا را
دستے سخن آورم کہ شاید — مجموعۂ لطف روسیا را

قدسیؔ حاجی جان محمد (المتوفی ۱۰۵۶ھ/ ۱۶۴۶ء)

مرحبا سیّد مکّی مدنی العربی — دل و جاں باد فدایت چہ عجیب خوش لقبی
من بیدل بجمالِ تو عجب حیرانم — اللہ اللہ! چہ جمالست بدیں بوالعجبی
نسبتے نیست بذاتِ تو بنی آدم را — برتر از عالم و آدم توچہ عالی نسبی
شبِ معراج، عروج تو ز افلاک گزشت — بمقامے کہ رسیدی نرسد، ہیچ نبی
چشمِ رحمت بکشا، سوئے من انداز نظر — اے قریشی لقب و ہاشمی و مُطلبی
سیّدی انت حبیبی و طبیبِ قلبی — آمدہ سوے تو قدسیؔ پے در ماں طلبی

مذکورہ بالا فارسی کے شعراء پر نگاہ ڈالنے کے بعد یہ ضروری معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان کے سنتوں اور رشیوں میں بھی احترامِ رسول اکرم ﷺ کس لیے پایا جاتا ہے۔ یہاں کے ان

سنتوں اور رشیوں کا اولیائے کرام کے ساتھ گہرا تعلق تھا۔ بھگتی اور تصوف کی تاریخ سے کتابیں بھری پڑی ہیں۔ اس کے تذکرے کی یہاں ضرورت نہیں۔ گرونانک جی اور کبیر داس نے سکھ اور ہندو دھرم والوں کے لیے وہی کام کیا ہے جو صوفیوں اور اولیائے کرام نے نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ پوری دنیا انسانیت کے لیے کیا تھا۔ چلو اب دیکھیں کہ گرونانک جی اور کبیر داس کے پاس حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے چاہ کس درجہ اور معیار کی ہے۔

گرونانک جی آنجہانی (۹۴۵ھ/ ۱۵۳۸ء)

اٹھے پہر پھوندا پھرے کھاون سنڑے سول دوزخ پوندا کیوں رہے جاں چت نہ ہوے رسولؐ
م محمد من توں، من کتاباں چار من خدائے رسولؐ نوں سچا ای دربار

(وہ شخص آٹھوں پہر بھٹکتا پھرے اور اس کے سینے میں درد اٹھتا رہے۔ وہ دوزخ میں کیوں نہ پڑے جب اس کے دل میں رسولؐ کی چاہ نہ ہو)۔

(تو حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو مان اور چاروں کتابوں کو بھی مان تو خدا اور رسولؐ (دونوں) مان کیونکہ خدا کا دربار سچا ہے)۔ (جنم ساکھی)

کبیر داس بنارسی آنجہانی (۹۲۴ھ/ ۱۵۱۸ء)

کبیر داس نے ایک عجیب وغریب قطعہ کہا تھا۔ جس میں ایک ایسا قاعدہ بیان کیا ہے جس کی رو سے دنیا کے تمام الفاظ اور جملوں سے ''محمدؐ'' کا عدد ۹۲ برآمد ہوگا۔ یہ اس تاثر کا غماز ہے کہ دنیا جہاں کی کوئی چیز نام محمد سے خالی نہیں۔ قطعہ یہ ہے ؎

عدد نکالو ہر چیز سے چوگن کرلوو اے
دو ملا کے بچگن کرلو بیس کا بھاگ لگاے
باقی بچے کو نوگن کرلو دواس میں دو اور ملاے
کہت کبیرؔ سنو بھئی سادھو نام محمدؐ آے

اردو شاعری میں نعت نگاری سب سے پہلے دکنی زبان میں شروع ہوئی تھی۔ اور غزل کے رنگ میں نعت شریف کہنے والا پہلا شاعر محمد قلی قطب شاہ معانیؔ ہے۔ مگر قلی قطب شاہ سے پہلے نظامیؔ بیدری (جو اردو کا سب سے پہلا مثنوی نگار، مصنف کدم راؤ پدم راؤ) نے بھی نعتیہ اشعار کہے ہیں۔ اسی طرح

عہدِ قطب شاہی، عادل شاہی، عہدِ مغلیہ اور عہد والا جاہی کے تمام تر شعراء نے اپنی مثنویوں کی ابتداء میں لازمی طور پر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بارگاہ مبارک میں نذرانۂ عقیدت پیش کیا ہے۔ بہر حال شمالی ہند سے بہت پہلے دبستانِ دکن میں نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا چلن عام ہو چکا تھا۔ چنانچہ ان ادوار میں جو بھی مثنویاں کہی گئیں ان میں ''حمد'' کے بعد ''نعتِ شریف'' کا مستقل باب ضروری طور پر باندھا گیا تھا۔ اس دور کے شعراء میں نصرتیؔ، وجہیؔ، غواصیؔ، طبعیؔ، فائزؔ وغیرہ کے ہاں نعتیہ قصائد، قطعات اور ابیات بکثرت ملتے ہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ دکنی شعراء کا یہ چلن فارسی شعراء کے نقشِ قدم پر رہی ہے۔

جناب وقار خلیل ''ذوقِ نظر'' حیدرآباد کے جون ۱۹۸۵ء کے شمارے میں اپنے ایک مضمون ''اردو میں نعتیہ شاعری'' میں یوں رقمطراز ہیں:

''دکھنی محققوں نے حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی نعت کو اردو کی پہلی نعت کے نام سے یاد کیا ہے۔

اے محمدؐ جھلو جم جم جلوہ تیرا ذات تجلی ہووے گی سین سپورن سہرا
واحد آپ ہی تھا اپیں آپ نجھایا پرگٹ جلوہ کار نے الف میم ہو آیا
فاضل افضل جتے مرسل، ساجد سجود آئے اُمت، رحمت، بخشش ہدایت تشریف پائے

اور ایک جگہ لکھتے ہیں:

''ہماری زبان میں سب سے پہلے میلادناموں کا آغاز دکھنی یعنی اردوئے قدیم سے ہوا جو جنوبی ہند حیدرآباد، گول کنڈہ، بیجاپور اور گلبرگہ میں لکھے گئے میلادناموں پر برصغیر ہندو پاک جامعات میں ڈاکٹریٹ کے لیے ریسرچ کی گئی ہے''۔

اردو نعت گوئی کے تعلق سے جناب ظہیرؔ غازی پوری کے ایک مضمون ''نعتیہ شعر و ادب: ایک اجمالی جائزہ'' مطبوعہ دو ماہی ''گلبن'' (نعت نمبر) احمد آباد: جنوری تا اپریل ۱۹۹۹ء سے ہماری معلومات میں اضافہ ہوا ہے۔ اور ہمارے خیالات کی توثیق بھی ہوئی۔

''فارسی زبان و شعر سے سفر کرتے ہوئے نعت ہندوستان میں پہنچی اور اس زمانہ میں یہاں بھی فارسی زبان رائج تھی۔ لہٰذا امیر خسروؔ، حضرت نظام الدین اولیاء، بیدلؔ، غالبؔ اور اس کے بعد علامہ اقبالؔ تک فارسی زبان میں نعت گوئی کا رواج رہا۔ جن شعراء کو عربی اور فارسی زبان پر عبور حاصل ہے ان میں کچھ شعراء اب بھی فارسی اور عربی زبان میں نعت اور مدح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لکھتے رہتے ہیں۔ اردو زبان میں باقاعدہ نعت گوئی کا آغاز قطب شاہی عہد میں ہوا۔ اس زمانے میں عام طور پر نعت، مثنوی،

قصیدہ اور نظم کی بعض دوسری ہیئتوں میں کہی جاتی تھی۔ قطب شاہی عہد کے مقبول اور ممتاز شعراء میں محمد قطب شاہ، عبداللہ، محمد قلی قطب شاہ، سید بلاقیؔ، مولانا نصرتیؔ اور مولوی غلام امام شہیدؔ وغیرہ شامل تھے۔

ہمارے رسول اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے سب سے بڑا اعزاز یہ بخشا کہ انہیں شب معراج براق بھیج کر اپنے پاس بلوایا اور دو بدو اُن سے گفتگو فرمائی۔ یہ رتبہ اور ایسی فضیلت کسی رسول یا نبی کو حاصل نہیں ہوئی۔ اس حیرت انگیز واقعہ نے سارے عالمِ انسانیت کو عموماً اہل ایمان کو خصوصاً اس درجہ متاثر کیا تھا کہ اردو نعت گوئی کے دورِ اوّل میں معراج کے موضوع پر نہ صرف بے شمار اشعار کہے گئے بلکہ اس موضوع پر متعدد شعری کتب بھی تصنیف کی گئیں۔ سید بلاقیؔ نامی ایک شاعر نے ''معراج نامہ'' کے زیرِ عنوان ایک مثنوی لکھی ہے جس میں تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار شامل تھے۔ اسی زمانہ میں ایک شاعر نے جس کا تخلص مختار تھا۔ ''معراج نامہ'' ہی کے نام سے ایک اور طویل مثنوی لکھی جو تیئس ہزار اشعار پر مشتمل تھی۔ مولانا نصرتیؔ نے بھی ایک سو اکتیس اشعار پر مشتمل ایک مثنوی ''معراج نامہ'' ہی کے نام سے تخلیق کی۔ حضرت قربیؔ ویلوری کا ''معراج نامہ'' غالباً سب سے قدیم ہے۔ اس میں کم و بیش تقریباً ڈیڑھ ہزار اشعار شامل ہیں۔ حضرت ذوقی ویلوری نے ساڑھے سات ہزار فارسی اشعار پر مشتمل ایک مثنوی قلم بند کی، جو سرور کائنات ﷺ کا زندگی نامہ ہے۔ اس کا اردو ترجمہ ۱۸۳۱ء میں حاجی ملا محمود مہاجر حسرت نے کیا تھا۔ حضرت باقر آگاہ نے حضور اکرم ﷺ کی ذات، حالات اور معجزات پر ''ہشت بہشت''، لکھی جس کے جملہ اشعار کی تعداد نو ہزار ہے۔ اس عہد میں ایک بڑا کارنامہ شاہ عبدالحی احقرؔ بنگلوری نے انجام دیا تھا۔ انہوں نے سیرتِ طیبہ کو پہلی بار مبسوط طور پر اردو زبان میں نظم کیا۔ اس نظم میں تقریباً بیس ہزار اشعار شامل ہیں اس کتاب کا نام ''جنان السیر'' ہے اور اسے اردو میں مولانا رومؔ کی مثنوی کا بدل کہا جاتا ہے۔ ایسی مبسوط اور جامع منظوم کتاب نہ تو پہلے لکھی گئی تھی اور نہ مستقبل میں لکھی جانے کی امید ہے''۔

اسی ''گلبن'' کے ''نعت نمبر'' میں جناب ظفر ہاشمی جمشید پوری نے نعتیہ شاعری کے آغاز سے متعلق اظہار خیال کیا ہے۔

''اردو اور دکنی زبان و ادب کی طرح اردو کی نعتیہ شاعری کا آغاز بھی دکنی عہد سے ہوتا ہے۔ چنانچہ اسی زمانہ سے لے کر عہدِ جدید تک ہر دور اور ہر دبستان میں نعت و منقبت کہنے والے شعراء کرام کی ایک لمبی قطار ملتی ہے جس کو صفحۂ قرطاس پر لانا ممکن نہیں۔ ان میں قطب شاہ، ولی دکنی اور سراج اورنگ آبادی جیسے نامور شعراء کرام ہیں۔ کلاسیکی نعتیہ شاعری تمام اصناف میں رائج تھی۔ چاہے وہ مثنوی ہو یا

قصیدہ، مرثیہ ہو یا رباعی، یہاں تک کہ دوہوں میں بھی نعت ومنقبت کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں کیونکہ اس زمانہ میں عام مزاج اور ماحول ہی یہی تھا''۔

حضرت ناوکؔ حمزہ پوری نے بھی دکن کی نعتیہ شاعری کی ماہیت پر یوں روشنی ڈالی ہے۔

''نسبتاً زیادہ معتبر تحقیق یہ ہے کہ اردو کا انکھوا دکن میں پھوٹا اور وہاں کے بیشتر شعراء جس میں خصوصی طور پر محمد قلی قطبؔ شاہ، وجہیؔ، نصرتیؔ، نشاطیؔ، معظمؔ، فتاحیؔ، غواصیؔ اور مختار وغیرہ ہیں، نے اردو کی پرورش و پرداخت میں بھرپور حصہ لیا۔ دورِ قدیم میں دکن میں بھی، اکثر و بیشتر اصنافِ سخن میں شعراء نے جوہرِ طبع کا مظاہرہ کیا۔ لیکن نسبتاً مثنوی نویسی پر زیادہ توجہ دی اور اس دور کو مثنویوں کا دور بھی کہا جاسکتا ہے۔ رزمیہ، بزمیہ، عشقیہ، اخلاقی، مذہبی، تاریخی، شخصی موضوعات و واقعات پر مثنویاں لکھی گئیں۔ خوشی نامہ، وصیت الہادی، قطب مشتری، سیف الملوک، پھول بن، علی نامہ، دہ مجلس اور بوستانِ خیال وغیرہ قابلِ ذکر مثنویاں ہیں اور نعتیہ اشعار کے نمونے مہیا کرتی ہیں''۔

عادل شاہی اور قطب شاہی دور کے شاعر

نصرتی بیجاپوری:

زہے نام ور سیّد المرسلینؐ　　جو آخر کوں وہ شافع المذنبین
(گلشنِ عشق ۱۰۶۸ھ)

سید محمد فراقی ویلوری:

مدینہ میں اگر پیدا ہوا ہوتا تو کیا ہوتا　　محمد کی گلی بھیتر فنا ہوتا تو کیا ہوتا
نظر ہے علم منطق ہور معانی میں فراقیؔ کو　　اگر علمِ حدیث مصطفےٰ ہوا تو کیا ہوتا

عبداللہ قطب شاہ:

روشن ہوئے آسماناں، جھمکائے رتن کھاناں　　حظ لیو اے مسلماناں، دن دینِ محمد کا
صدقے نبی عبداللہ، شہ کوں ہے مدد اللہ　　پنج تن گوا باللہ، دن دینِ محمد کا

میرانؔ ہاشمی:

نبیاں میں جسے سب میں افضل کیا   تو ہے اے محمدؐ، رسول انبیاء
اول کر محمد کوں پروردگار!   بزاں سب فدائی کیا آشکار
اول نورِ ذاتی کو پیدا کیا   بزاں سب پو عالم ہویدا کیا
نبیاں کا تو دادا ہے آدم صفی   کہ روحاں کا دادا ہے خاتم نبی
(معراج نامہ)

غواصیؔ:

سچا توں محمدؐ سچا مصطفٰے   سچا توں ہے احمدؐ سچا مرتضٰی
(مثنوی سیف الملوک وبدیع الجمال: ۱۰۳۵ھ)

طبعیؔ:

محمدؐ نبیؐ تو خدا کا رسول   یو پیغمبراں باغ ہے توں سو پھول
خدا نے کیا تجھ کو اپنا حبیبؐ   یو منصب نہیں پھر کسی کو نصیب
(مثنوی بہرام وگل اندام: ۱۰۸۱ھ)

وجہیؔ:

محمد نبی ناؤں تیرا ہے   عرش کے اُپر پاؤں تیرا ہے
کہ چودہ ملک کا تو سلطان ہے   علی سا ترے گھر میں پردھان ہے
اسّی ہور اک لاکھ پیغمبر آئے   ولے مرتبہ کوئی تیرا نہ پائے
صفت کرتوں معراج کی رات کا   کہ جا گیا راہے بخت تج بات کا
اتھا اس زمیں کو عجب کوچ نور   کہ لاکھاں تھے چانداں کروروں تھے سورج
(قطب مشتری: ۱۰۱۸ھ)

مرزاؔ:

اے شاہِ عالی مقام شاہ سلام علیک　　ہر دو جہاں کے امام شاہ سلام علیک
مومن کے من تمام شاہ سلام علیک　　صدق سوں ہر دم مدام شاہ سلام علیک

فائزؔ (قطب شاہی دور کا آخری شاعر):

ہمارے نبیؐ کا ہے پایا رفیع　　مقدم شفیعاں پو سب یو شفیع
شکر اس خدا کوں جب خلقت کیا　　ہمیں کوں محمد کی اُمت کیا
(مثنوی قصۂ رضوان شاہ وروح افزا: ۱۰۹۴ھ)

سقوطِ بیجا پور و گولکنڈہ کے ساتھ جب علم وادب کا شیرازہ بکھر گیا تو اس منتشر کاروانِ ادب کے لیے آرکاٹ ہی (جو نوابان آرکاٹ کا مرکز تھا) ماویٰ وملجا بنا۔ چنانچہ نوابانِ آرکاٹ کی سرپرستی، علمی قدردانی اورادب پروری دیکھ کر نہ صرف شعرو ادباء آرکاٹ اور ویلور کی طرف کھنچے چلے آئے بلکہ اس دور کے جید علماء اور صوفیا نے دربارِ آرکاٹ کو اپنے قدوم میمنت لزوم سے زینت بخشی۔

اس عہد کے صوفی مشرب علماء اور جیّد شعراء میں شاہ سلطان ثانیؔ، ولی ویلوری، قربیؔ ویلوری، شاہ ترابؔ ترناطی، شاہ عالم شغلیؔ، فراقی ویلوری، مذنبؔ آرکاٹی، غوثیؔ آرکاٹی، حکیم شاہ عثمان سرورؔ، مولانا باقر آگاہؔ ویلوری، غوثی چنگل پیتی، غلام محی الدین معجز آرکاٹی، لطیف آرکاٹی، مستقیم جنگ نامی، شریف مدارسی، اثیمہ آرکاٹی، عاجزہؔ ترچناپلوی، نادرؔ آرکاٹی، مبشر النساء بیگم حیاؔ، مرغوبؔ ترچناپلی، عبدالغفار مسکینؔ وغیرہم کے نام قابلِ ذکر ہیں۔ مندرجۂ بالا شعراء میں بعض شعراء نے نعتِ شریف کے بے شمار اشعار شستہ وشائستہ انداز میں کہے ہیں۔

نعتیہ شاعری میں راقم الحروف 'سلام' کو بھی صنفِ نعت کا ایک جز تصور کرتا ہے۔ اس لیے کہ حضور پُرنور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام کے ساتھ درود وسلام کو ربِ کائنات نے ضروری قرار دیا ہے۔ ''سلام'' ایک صنف ہے جس کے ہر شعر میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر محض درود وسلام کا ایک اٹوٹ سلسلہ جاری رہتا ہے جیسا کہ ''حمد'' کے وصف میں یہ بات آتی ہے۔ ''سلام'' میں عقیدوں سے زیادہ احترام رسول ﷺ کا بھرپور خیال رکھا جاتا ہے۔ بغیر سلام کے نعتیہ شاعری ادھوری سمجھی جائے گی اور ہونا بھی یہی چاہیے۔ کہ نعتیہ مجموعے پیش کرنے والے شعراء مجموعہ کا آغاز نعتِ شریف سے اور اختتام ''سلام'' پر ہی کریں کیونکہ حضور پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے تعلق سے شاعری حکم الٰہی سے مبرا نہ ہو۔ ○❖○

مدیر

نعت کے لغوی واصطلاحی معانی ومفاہیم پر ایک نظر

نعت کے لغوی معنی وصف کے ہیں، لیکن اس کے اصطلاحی مفہوم میں تخصص ہے۔ سہ حرفی لفظ نعت (ن ع ت) بالفتح (مونث) عربی زبان کا ایک مصدر ہے، جو عام طور پر وصف کے مفہوم جاننے کے لئے عربی، فارسی اور اردو کے لغات کا مطالعہ کیا جائے، تو اس کے کئی معنی ومفاہیم سامنے آجاتے ہیں۔ ذیل میں اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی مفہوم اور ابعاد و جہات کا بعض، عربی، فارسی اور اردو لغات کی روشنی میں جائزہ لینے کی کوشش کی جائے گی۔

لغوی مفہوم، عربی لغات میں:

مستند عربی لغات میں نعت کا لغوی مفہوم کم وبیش ایک ہی نظر آتا ہے۔ مثلاً ''المعجم الوسیط'' میں لکھا ہے: (نَعَتَهُ۔ نَعْتاً: وصفَه يقال: نعته بالكرم۔

(نَعُتَ۔ نَعَاتَةً: صار جديراً أنْ ينعَت و يذكر۔ يقال ما كان نعتاً و لقد نَعُتَ۔

(أَنعَتَ)۔ حسن حتى يُنعَتَ۔ يقال۔ أَنعت وجهُه و أَنْعَتَتْ خصاله۔

(النَّعتُ): الصِّفَة (ج) نُعُوت۔ و يقال: شيء نعت: جيِّد بالغ۔ و۔ فرس نعت: غايت في العِتق: عتيق سباق۔ و فلان نعت: غاية في الرفعة۔ وامرأت نعتة۔ غاية في الجمال۔ [1]

''مصباح الغات'' کے مصنف مولانا ابو الفضل عبد الحفیظ بلیاوی نے لفظ نعت کی مختلف نحوی صورتوں اور ان کے معنی ومفہوم پر یوں روشنی ڈالی ہے:

نَعتَه (ف) نعتاً۔ تعریف کرنا، بیان کرنا (اکثر اس کا استعمال صفاتِ حسنہ کے لئے ہوتا ہے)

نَعتَ: بتکلف عمدہ صفات دکھانا۔

نَعُتَ (ک) نَعَاتَةً الرّجُلُ خلقتهً عمدہ صفات والا ہونا۔

اَنْعَتَ الرَجُلُ: خوبصورت چہرہ والا ہونا، عمدہ خصلتوں والا ہونا۔

اِنْتَعَتَهٗ: تعریف کرنا [2]۔

کچھ یہی انداز ''المنجد'' میں بھی نظر آتا ہے۔ ملاحظہ فرمائیں :

نَعَتَہٗ (ف) نَعْتاً۔ تعریف کرنا، بیان کرنا۔

نَعِتَ: اچھی صفات دکھانا۔

اَنْعَتُ: خوبصورت چہرے والا ہونا، اچھے اخلاق والا ہونا۔

النَعَتْ۔ (مصدر) جمع نُعُوت [۳]۔

اور ''فروز اللغات عربی اردو'' میں اس طرح لکھا ہے:

''نَعَتَ (ف) نَعْتاً وِ اِنْتَعَتَ۔ تعریف کرنا، بیان کرنا۔

نَعِتَ (س) نعتاً۔ اپنے اندر عمدہ صفات ظاہر کرنا۔

نَعُتَ (ک) نَعَاتَۃً۔ عمدہ صفات والا ہونا، گھوڑے کا تیز رفتار ہونا۔

انْعَتَ: خوبصورت چہرے والا ہونا۔

نَعَت: تعریف، بیان (ج) نُعُوت [۴]

لیکن عربی لغات میں اس لفظ پر سب سے مفصل بحث ''تاج العروس'' میں ملتی ہے، جس کے مصنف سید محمد مرتضیٰ الزبیدی نے اس مادہ کی مختلف نحوی صورتوں کو مثالوں کے ذریعے واضح یا ہے۔ ''النَعَتْ'' کے ضمن میں وہ لکھتے ہیں:

(ترجمہ): نعت صوتی اعتبار سے منع کی طرح ہے۔ یعنی اس کا کلمہ عین (درمیانی حرف) ماضی اور مضارع دونوں میں مفتوح ہوتا ہے۔ نعت کے معنی وصف کے ہیں، خصوصاً جب آپ کسی چیز کے وصف میں مبالغہ سے کام لیں تو اس وقت نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔ وصف میں جو کچھ کہا جائے، اسے بھی نعت ہی سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ وصف بیان کرنے والے کو ''ناعت'' کہتے ہیں اور اس کی جمع نعات ہے۔ جیسے کسی شاعر نے کہا ہے: انعتها انی من نعاتها (میں نے اس کی تعریف کی، میں اس کے ثناخوانوں میں ہوں)۔ سرکارِ دو عالم ﷺ کے اوصاف بیان کرنے کو بھی نعت کہتے ہیں۔ جیسے کہ آپ ﷺ کی نعت بیان کرنے والا کہتا ہے: لم ار قبله ولا بعده مثله (میں نے آپ ﷺ سے قبل اور آپ ﷺ کے بعد آپ ﷺ جیسا کوئی نہیں دیکھا)۔

ابن سیّدہ کہتے ہیں کہ ہر عمدہ اور جید چیز کو جس کے اظہار میں مبالغہ سے کام لیا جائے، نعت کہتے ہیں۔ جو چیز بہت خوب ہو، اس کے متعلق کہا جاتا ہے ''هذا نعت''۔ ازہری کہتے ہیں کہ نعت

کا لفظ اس گھوڑے کے وصف کے لئے استعمال ہوتا ہے، جو بہت ہی خوبصورت اور دوڑ میں سبقت لے جانے والا ہو۔نعت کی جمع نعوت ہے۔

ابن الاعرابی کہتے ہیں کہ نعت کا لفظ اس انسان کے لئے بھی استعمال ہوگا، جونہایت خوبرو اور حسن و جمال سے اتصاف پذیر ہو۔اسی حوالے سے" نعیت" نہایت عمدہ،معزز اور سبقت لے جانے والے کو کہتے ہیں۔۵؎

نعت کا لفظ عام طور پر وصف کا مترادف خیال کیا جاتا ہے،لیکن اہلِ لغت نے ان دونوں لفظوں کے معنوی اختلاف کی نشاندہی کی ہے۔اس سلسلے میں ابن اثیر کہتے ہیں: (ترجمہ)''نعت کسی شے کی اچھائیوں کے بیان کا نام ہے۔قبح میں اس کا استعمال نہیں ہے،سوائے اس کے کہ کوئی تکلف کرے،تو کہا جاتا ہے نعتِ سوء یعنی بری نعت؛ جبکہ وصف حسن اور قبح دونوں میں استعمال ہوتا ہے۔ ۶؎

مختصر انداز میں مفاہیم اور مطالب کو یوں بیان کیا جا سکتا ہے، جو مختلف عربی لغات ۷؎ میں لفظ نعت اور اس کی دوسری نحوی صورتوں کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں:

''کسی چیز کو بیان کرنا، اوصاف بیان کرنا خصوصاً تعریف میں، صفت، وصف، جوہر، تعریف، خاصیت، گن، کسی شے کی خوبیوں کا بیان جب کہ اس کے وصف میں مبالغہ کیا جائے۔ بہ تکلف عمدہ صفات دکھانا، خلقتاً عمدہ صفات والا ہونا، تیز رفتار ہونا۔اسی طرح صرف ونحو میں صفت کو موصوف کے ساتھ ملانا اور رسول اکرم ﷺ کی مدح وتوصیف بھی نعت کے مفاہیم میں شامل ہے''۔

عربی لغت نویسوں کے خیالات کا مطالعہ کرنے سے لفظ نعت کے مفہوم کے بارے میں جو نمایاں تاثرات ابھرتے ہیں، وہ اسے اپنے قبیل کے دوسرے الفاظ: مثلاً وصف،صفت،تعریف، ثنا، حمد، منقبت وغیرہ سے منفرد اور ممتاز ٹھہراتے ہیں۔ اولاً یہ لفظ خاص طور پر تعریف میں یعنی اوصافِ حسنہ یا وصفِ محمود کیلئے استعمال ہوتا ہے۔ثانیاً یہ لفظ اپنے اندر بہ تکلف عمدہ صفات دکھانے کا مفہوم رکھتا ہے۔ثالثاً یہ لفظ خلقتاً عمدہ صفات کے مالک کے لئے استعمال ہوتا ہے یعنی اس شخص کے لئے جو پیدائشی طور پر خوبصورت، عمدہ خصلتوں اور اچھے اخلاق والا ہو، رابعاً یہ لفظ اوصاف کے انتہائی درجے کے مفہوم میں آتا ہے۔

قرآن حکیم میں اس مادہ (نعت) کا کوئی لفظ استعمال نہیں ہوا ہے، البتہ بعض مفسرین کرام نے قرآن مجید کی تشریح وتفسیر میں اس لفظ کو وصف کے معنی میں استعمال کیا ہے۔احادیث نبویؐ میں نعت کا

لفظ اپنی مختلف صرف ونحوی صورتوں میں قریباً پچاس مقامات پر استعمال ہوا ہے۔ یہاں یہ لفظ اپنے متنوع مفاہیم اور مختلف معانی میں نظر آتا ہے۔[۸]

فارسی لغات میں لفظ نعت:

فارسی لغات میں نعت کا لفظ مطلق وصف اور ثنائے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم دونوں معنوں میں آیا ہے۔ ''منتخب اللغات'' میں اس کا مطلب ''صفت و وصف کردن''[۹] اور ''فرہنگ آموز گار'' میں ستائش، وصف، صفت''[۱۰] بیان کیا گیا ہے۔ ''غیاث اللغات'' کے مصنف ملا غیاث الدین رامپوری نے نعت کے معنی یوں بیان کئے ہیں:

''نعت بالفتح۔تعریف ووصف کردن از منتخب۔ اگرچہ لفظ نعت بمعنی مطلق وصف است لیکن اکثر استعمال ایں لفظ بمعنی مطلق ستائش وثنای رسول صلی اللہ علیہ وسلم آمدہ است وبمعنی صیغۂ اسم فاعل واسم مفعول وصیغہ صفت مشبہ نیز می آید''۔[۱۱]

اسی مفہوم کو ''فرہنگ آنندراج'' میں دہراتے ہوئے اس کے مصنف نے امیر معزّی کے درج ذیل اشعار کی مثال پیش کی ہے، جن میں لفظ نعت کا استعمال مطلق وصف کے معنی میں ملتا ہے:؎

جاوید ہمی باش بایں نعت و بایں وصف — پاکیزہ باخلاق و پسندیدہ بافعال
تا پدید آید ہمیں نعت جوانی در بہار — ہمچنان چوں وصفِ پیری ازخزاں آمد پدید
وصفش ہمہ تقدیس ز پیوند و ز فرزند — نعتش ہمہ تنزیہہ ز امثال ز اقران[۱۲]

وصف وستائش ہی کے حوالے سے نعت کا لفظ فارسی میں خدا کی حمد اور حضرت علیؓ کی منقبت کے ذیل میں بھی استعمال ہوا ہے۔

امیر معزّی (متوفی ۵۴۲ھ) ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں ؎

نہ اندر ذاتِ او تالیف و ترکیب
نہ اندر نعتِ او اعراض و جوہر[۱۳]

مرزا احسن بیگ معلوم تبریزی کے ہاں لفظ نعت منقبت کے ضمن میں مستعمل ہے۔ ان کے دو شعر ملاحظہ ہوں ؎

علی و ولی صاحبِ ذو الفقار
وصیٔ نبیٔ رحمت کرد گار

بہ نعتش بکن صد زبان خامہ ام
بہ مہر نبوت رسد نامہ ام [۱۴]

سید ضیاء الدین دہشیری کی کتاب ''نعت حضرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم در شعر فارسی'' کے دیباچے میں ان کی زیر ترتیب کتاب ''نعت امیر المومنین علیؓ در شعر فارسی'' کا ذکر بھی شامل ہے، جس سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے ذہن میں نعت کا وہ جداگانہ مفہوم نہیں، جو اردو میں رائج ہے۔ بلکہ انہوں نے نعت کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت علیؓ دونوں کے ضمن میں وصف مطلق ہی کے مفہوم میں برتا ہے۔ [۱۵]

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ فارسی میں نعت کا لفظ کسی صنفی و اصطلاحی تشخص کے بغیر بلا تخصیص (ثنائے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی کے لئے نہیں، بلکہ اپنے لغوی معنوں ''وصف کردن از منتخب'' کے لحاظ سے اولیاء ومرسلین وغیرہ کے لئے بھی) مستعمل ہے۔

اردو زبان میں لفظ نعت:

مختلف اردو لغات میں نعت کا لفظ عربی وفارسی لغات کی تقلید میں جس طرح مطلق وصف اور ثنائے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دونوں معنوں میں آیا ہے، اس کی تفصیل کچھ یوں ہے:

مولوی نور الحسن کا کوروی نے ''نور اللغات'' میں لکھا ہے: ''یہ لفظ بمعنی مطلق وصف ہے، لیکن اس کا استعمال آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ستائش وثناء کے لئے مخصوص ہے۔ [۱۶]

مولوی فیروز الدین نے ''فیروز اللغات'' میں نعت کے مفہوم میں لکھا ہے: ''(۱) مدح، ثنا، تعریف (۲) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان میں مدحیہ اشعار''۔ [۱۷]

مولوی محمد منیر لکھنوی مصنف ''سعیدی ڈکشنری'' نعت کے معنی یوں بیان کرتے ہیں: ''نعت۔ع (مصدر) تعریف، صفت، خاص کر حضور سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ثنا وصفت''۔ [۱۸]

''فرہنگِ آصفیہ'' کے مصنف مولوی سید احمد دہلوی لفظ نعت کے ضمن میں لکھتے ہیں: ''نعت۔ع۔ اسم مونث۔ صفت و ثناء، تعریف و توصیف۔ مدح، ثناء، مجازاً خاص حضرت سید المرسلین رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی توصیف''۔ [۱۹]

نعت کا لفظ اردو میں غالباً کہیں بھی مطلق وصف کے معنی میں استعمال نہیں ہوا ہے، اس کی وجہ ڈاکٹر ریاض مجید کے الفاظ میں یہ ہے کہ ''عربی سے فارسی اور پھر فارسی سے اردو شعر وادب کے آغاز تک یہ لفظ وصف مطلق کی عمومیت سے نکل کر آنحضرتؐ کی تعریف ومدح کے لئے مخصوص ہو چکا تھا اور لفظ محض کی بجائے ایک مخصوص ادبی وشعری اصطلاح کے طور پر رواج پا چکا تھا''۔ [۲۰] یہی وجہ ہے کہ اردو

کے بعض جدید لغات میں اس لفظ کے صرف اصطلاحی معنی ہی درج ہیں اور اس کا تعمیمی پہلو (وصف مطلق) غائب ہے۔ مثلاً "جدید عصری لغت اردو" میں نعت کا مطلب یوں لکھا ہے: ''نعت (ع) (جمع نعوت) تعریف۔ رسولؐ کی تعریف، نظم میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف''[۲۱]۔ اسی طرح نسیم امروہیؔ نے ''رئیس اللغات'' میں نعت کے معنی براہِ راست رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں بیان کئے ہیں۔ وہ لکھتے ہیں: نعت (ن مفتوح، ع ساکن، مونث) رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف''[۲۲]۔ ''جامع اللغات'' میں بھی نعت کے اصطلاحی معنی درج ہیں۔ ملاحظہ ہو لفظ نعت کا مطلب: ''نعت (ع۔ مونث) (۱) صفت وثنا، تعریف، مدح وثنا، (۲) خصوصاً پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کے متعلق استعمال ہوتا ہے[۲۳]۔

نعت کا اصطلاحی مفہوم:

جیسا کہ اوپر ذکر کیا گیا، نعت کا لفظ عربی اور فارسی سے اردو تک آتے آتے ایک خاص اصطلاحی مفہوم کا حامل بن گیا اور اصطلاحاً اس سے مراد اُردو میں ایک خاص قسم کی شاعری لی جانے لگی، جس میں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس اور اوصافِ حمیدہ کا بیان تعریف و توصیف کی شکل میں ہو۔ نعت کا تعلق چونکہ موضوع اور مضمون سے ہے، خارجی ہیئت و تکنیک سے نہیں، لہذا جب اس لفظ کا استعمال کیا جاتا ہے تو اس سے وہ تمام ذخیرہ مراد ہوتا ہے، جو نبیؐ برحق کے فضائل، مناقب اور شمائل پر مشتمل ہو، خواہ نثر میں ہو یا نظم میں، جیسا کہ افسر صدیقی امروہیؔ نے بھی لکھا ہے:

> ''ہر اس کلام کو جس میں پیغمبر اسلامؐ کی صفت وثناء بیان کی جائے، نعت کہتے ہیں۔ اس میں نظم کی کوئی قید نہیں ہے۔ اگر نثر بھی اس معیار پر پوری اترے، تو اسے نعت ہی کہنا چاہیے [۲۴]۔ لیکن آج کل صرف نظم ہی کو نعت کہا جاتا ہے اور اس کا رواج زیادہ ہے''۔[۲۵]۔

نعت سے متعلق ان ہی خیالات کا اظہار ڈاکٹر فرمانؔ فتحپوری نے بھی کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں:

> ''اصولاً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے متعلق نثر اور نظم کے ہر ٹکڑے کو نعت کہا جائے گا۔ لیکن اردو اور فارسی میں جب نعت کا لفظ استعمال ہوتا ہے تو اس سے عام طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منظوم مدح مراد لی جاتی ہے''۔[۲۶]۔

نعت کی کم وبیش یہی تعریف متعدد اربابِ شعر و سخن نے کی ہے جن میں سے چند ایک کے خیالات درج ذیل ہیں:

ڈاکٹر یونس حسنی کہتے ہیں: ''ایسی تمام نظمیں جن میں رسولؐ خدا سے محبت اور عقیدت کا اظہار کیا

جائے یا ان کے محاسن بیان کئے جائیں، نعت کی تعریف میں آتی ہیں۔''۲۷؎

''اردو کی نعتیہ شاعری'' کے مصنف ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ لکھتے ہیں:

''نعت اس کلامِ منظوم کو کہتے ہیں جو حضور انور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں زیب قرطاس ہو۔''۲۸؎

پروفیسر ہارون الرشیدؔ نے نعت کی تعریف کرتے ہوئے لکھا ہے:

''رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح میں جو نظم لکھی جاتی ہے، اسے نعت کہتے ہیں۔ شاعر نعت میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف وتوصیف اور اپنی محبت وعقیدت کا اظہار کرتا ہے۔ اس کے علاوہ نعت میں سیرت النبیؐ اور تعلیمات نبویؐ کی ترجمانی کر کے اس کے دائرے کو وسیع اور اسے دین کی تبلیغ واشاعت کا ذریعہ بھی بنایا جا سکتا ہے۔''۲۹؎

ڈاکٹر منظر اعظمیؔ والہانہ محبت وعقیدت کو نعت کا لازمی جز قرار دیتے ہوئے کہتے ہیں:

''نعت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف ومحامد بیان کرنے کے ساتھ ساتھ ان کے حسن وجمال اور ان کی مجسم خیز شخصیت سے والہانہ محبت وعقیدت کا اظہار کرنا ہے''۔۳۰؎

نعت کی جامع تعریف کرتے ہوئے احسان دانشؔ کہتے ہیں:

''نعت حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت وزندگی کا بیان ہے، جس میں امت سے ان کی محبت وشفقت کے علاوہ ذات وصفات کے محاسن اور ان سے والہانہ عشق کا اظہار ہوتا ہے''۔۳۱؎

ایک مخصوص اصطلاح کے طور پر نعت کی تعریف متعدد اہل قلم اور ناقدینِ نعت نے مختلف انداز میں کی ہے، مثلاً: نعیم صدیقیؔ لکھتے ہیں:

''ہر وہ شعری کاوش نعت کی تعریف میں داخل ہے، جس کا مرکزی سرچشمہ تخلیق محبتِ رسولؐ ہو۔ حتیٰ کہ آزاد نظم کی کوئی لمبی بیل ہی کیوں نہ ہو، اس کی روح بھی اگر جذبۂ عقیدت رسالتؐ ہے تو اس کا ہر پھول، اس کی ہر پتی اور ہر کونپل نعت کی تعریف میں شامل ہے۔ چاہے شاعر نعت کے مخصوص اتسامات اور اصطلاحات کو چند ہی بار استعمال کرے۔ نفس مضمون نعتیہ ہونا چاہیے۔ اس کے ساتھ میں ایسی مدحتی نظموں یا غزلوں کو نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف میں رکھنے کی کوئی گنجائش نہیں پاتا، جن کا تعلق صریحاً جناب رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم سے نہ ہو، بلکہ ان پر بآسانی ایک نام کی جگہ کوئی دوسرا نام رکھا جا سکے۔''۳۲؎

نبیؐ برحق کی ذاتِ اقدس سے عشقِ والہانہ کو نعت کی بنیادی شرط قرار دیتے ہوئے ممتاز حسن نے لکھا ہے:

''میرے نزدیک ہر وہ شعر نعت ہے جس کا تأثر ہمیں حضور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی سے قریب لائے۔ جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کیا جائے۔ صحیح معنوں میں نعت وہ ہے جس میں محض پیکر نبوت کے صوری محاسن سے لگاؤ کی بجائے مقصدِ نبوت سے دل بستگی پائی جائے، جس میں جناب رسالت مآبؐ سے صرف رسمی عقیدت کا اظہار نہ ہو بلکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی شخصیت سے ایک قلبی تعلق موجود ہو۔ وہ مدح یا خطاب بالواسطہ ہو یا بلا واسطہ اور وہ شعر نظم ہو یا غزل، قصیدہ ہو یا مثنوی، رباعی ہو یا مثلث، مخمس ہو یا مسدس۔۔اس سے نعت کی نوعیت میں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ البتہ نعتیہ کلام کی معنوی قدر و قیمت کا دارومدار اس کے نفس مضمون پر ہے۔ اگر اس کا مقصد ذاتِ رسالتؐ کی حقیقی عظمت کو واضح کرنا اور آقائے دو جہاںؐ کی بعثت کی جو اہمیت نوع انسانی اور جملہ موجودات کے لئے ہے، اسے نمایاں کرنا ہو، تو وہ صحیح طور پر نعت کہلانے کے مستحق ہے''۔ ۳۳؎

نعیمؔ صدیقی اور ممتاز حسنؔ نے نعت کی تعریف کرتے ہوئے نہ صرف یہ کہ نعت کے بنیادی شرائط اور معیار کی نشاندہی کی ہے، بلکہ اُس نازک سی حدِّ فاصل کی بھی وضاحت کردی ہے جو اخلاقی، مذہبی اور اسلامی شاعری اور نعتیہ شاعری کے درمیان موجود ہے اور جس کے بغیر مذہبی اور نعتیہ شاعری میں خطِ امتیاز کھینچنا بہت دشوار ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ نعتیہ شاعری صرف اس منظوم کلام کو کہیں گے، جس کے شعری پیکر میں نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا کوئی ایسا جلی یا خفی حوالہ موجود ہو، جس کا تاثر ہمیں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جائے۔ گویا نعت کے لئے یہ ضروری نہیں کہ اس میں نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کا اسم گرامی ظاہری طور پر لیا جائے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلقات و مناسبات کا لازمی طور پر ذکر کیا جائے۔ نعتیہ اشعار کی فضا ایسی ہونی چاہئے کہ اس کا تاثر ہمیں نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات گرامی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منصبِ نبوت، کارِ رسالت، سیرت و سوانح یا جذبۂ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف لے جائے۔ مثلاً علامہ اقبال کا یہ شعر ملاحظہ ہو ؎

شوق تیرا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب ۳۴؎

یا حنیف اسعدی کا یہ شعر ؎

پھر اس دیار کرامت اثر میں لے کے چلو
جہاں کی خاک پہ جھکتا ہے دل بھی سر کی طرح ۳۵؎

ان دو اشعار میں اگرچہ نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اسم گرامی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے متعلقات ومناسبات (مثلاً رسالت، نبوت، وحی، قرآن، حرا، حدیث، گنبدِ خضریٰ، صحابہ کرام وغیرہ) کا براہِ راست تذکرہ نہیں، مگر ان کی مجموعی فضا میں جس والہانہ شوق کا تاثر ابھرتا ہے، وہ نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی کے حوالے سے مختص ہے۔ اسی لئے ان اشعار سے متعلق یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان میں خارجی حوالوں کے بغیر بھی نعت کی فضا موجود ہے۔ چنانچہ اردو کی نعتیہ شاعری کا مطالعہ کرتے ہوئے بہت سی ایسی منظومات پر نگاہ پڑتی ہے، جن کا عنوان نعتیہ نہیں، لیکن اس کے باوجود اپنی داخلی فضا اور اجتماعی تاثر کی بناء پر یہ ''نعتیہ منظومات'' ہی کہلائیں گی، گویا غزل ہی کی طرح نعت بھی بے عنوان ہو سکتی ہے یا اس پر غیر نعتیہ عنوان بھی ہو سکتا ہے۔ مثلاً بالِ جبریل میں علامہ اقبال کی وہ نعت، جس کا پہلا شعر یہ ہے ؎

سما سکتا نہیں پہنائے فطرت میں مرا سودا
غلط تھا اے جنوں شاید ترا اندازۂ صحرا[۳۶]؎

یا نعیم صدیقی کا یہ شعر ؎

بہت دوری سے آکر ریگ زاروں میں پتہ ڈھونڈی
وہ گلشن میں نے چھوڑے ہیں، جہاں کانٹے کھٹکتے ہیں[۳۷]؎

حواشی:

۱۔ المعجم الوسیط، الجزالثانی ص ۹۳۳
۲۔ مصباح اللغات، عبدالحفیظ بلیاوی ص ۸۸۷
۳۔ المنجد، عربی اردو ص ۱۰۲۸
۴۔ فیروز اللغات، عربی اردو ص ۴۸ ۷
۵۔ تاج العروس، سید محمد مرتضیٰ الزبیدی، جلد اول ص ۵۹۳
۶۔ النہایۃ فی غریب الحدیث والاثر، ابن اثیر جلد ۵ ص ۷۶
۷۔ مثلاً تاج العروس جلد اول ص ۵۹۳، لسان العرب جلد اول ص ۴۰۵، المعجم الوسیط الجز ثانی ص ۹۳۳، المنجد ص ۱۰۲۸، مصباح اللغات ۸۸۷ اور القاموس العصری ص ۷۱۶ وغیرہ۔
۸۔ اردو میں نعت گوئی، ڈاکٹر ریاض مجید ص ۴
۹۔ منتخب اللغات، شاہجانی ص ۶۹ ۴
۱۰۔ فرہنگ آموزگار، حبیب اللہ آموزگار ص ۷۷ ۴
۱۱۔ غیاث اللغات، ملا غیاث الدین رامپوری ص ۷۴۱

۱۲۔ فرہنگ آنندراج، جلد ہفتم، محمد بادشاہ شادؔ ص ۴۳۵۶
۱۳۔ گنج سخن جلد اول، ڈاکٹر ذبیح اللہ صفاؔ ص ۲۴۱
۱۴۔ اردو میں نعتیہ شاعری، رفیع الدین اشفاق ص ۳۹
۱۵۔ نعت حضرت رسول اکرم ﷺ درشعر فارسی ص ۵
۱۶۔ نوراللغات، جلد چہارم ص ۶۸۱ ۔ ۱۷۔ فیروزاللغات ص ۶۸۳
۱۸۔ سعیدی ڈکشنری ص ۱۲۵۵ ۔ ۱۹۔ فرہنگ آصفیہ جلد چہارم ص ۵۷۹
۲۰۔ اردو میں نعت گوئی ص ۸ ۔ ۲۱۔ جدید عصری نعت، ایم اے بھٹی ص ۸۱۷
۲۲۔ رئیس اللغات ص ۷۹۷ ۔ ۲۳۔ جامع اللغات جلد چہارم ص ۲۱۶
۲۴۔ علی جواد زیدیؔ اس سے متفق نہیں ہیں، ان کے بقول نثری نعت کو اصطلاحاً محامدِ رسول ﷺ کا ایک جدا نام دے سکتے ہیں مزید تفصیل کے لئے ملاحظہ ہوان کا مضمون ''نعت نگاری اتر پردیش میں'' مطبوعہ تحریر دہلی جلد ۲ شمارہ ۲۔ ۱۹۶۱ء
۲۵۔ رسول نمبر جلد دوم سیارہ ڈائجسٹ لاہور ص ۴۶۵
۲۶۔ اردو کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر فرمان فتحپوری ص ۲۱
۲۷۔ اختر شیرانی اور جدید اردو ادب، ڈاکٹر یونس حسنی ص ۲۵۲
۲۸۔ اردو کی نعتیہ شاعری، ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ ص ۶
۲۹۔ پاکستان کے نعت گو شعراء جلد اول سید محمد قاسم ص ۷۹
۳۰۔ ہندوستان میں سلام و نعت کی روایت مطبوعہ ''پیش رفت''، دہلی، مارچ ۱۹۹۴ء ص ۲۱
۳۱۔ قاب قوسین از اقبال عظیم، تقریظ بعنوان تحسین احسان ص ۱۷
۳۲۔ نور کی ندیاں رواں، نعیمؔ صدیقی ص ۹ ۔ ۳۳۔ خیر البشرؐ کے حضور میں ص ۱۵
۳۴۔ بال جبریل ص ۱۱۳ مشمول کلیات اقبالؔ ص ۴۰۵
۳۵۔ ذکر خیر الانام حنیف اسعدی ص ۱۰۲
۳۶۔ بال جبریل ص ۲۲ مشمول کلیات اقبالؔ ص ۳۱۴
۳۷۔ نور کی ندیاں رواں، نعیم صدیقی ص ۱۱۹

○❖○

مدیر

لفظ نعت کا اوّلین استعمال: ایک تاریخی جائزہ

اگر چہ اس امر کا تعین کرنا مشکل ہے کہ نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں سب سے پہلے کس نے اور کب نعت کا لفظ استعمال کیا، تاہم سیرت اور احادیث کی امہات الکتب میں چند ایسی روایات مل جاتی ہیں، جن سے کسی حد تک اس لفظ کے اوّلین استعمال سے متعلق سراغ مل جاتا ہے۔ اس سلسلے میں ''شمائل ترمذی'' کی وہ طویل حدیث سب سے پہلے سامنے آجاتی ہے جس میں حضرت علیؓ نے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف کے لئے یہ لفظ استعمال کیا۔ اس حدیث کو بنیاد بناتے ہوئے ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاقؔ نے لکھا ہے کہ:

''غالباً اسلامی ادب میں اس معنی میں اس کا استعمال پہلی دفعہ کیا گیا ہے۔ اس حدیث میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف بیان کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے اپنے لئے بجائے وصف کے ناعت استعمال کیا ہے۔ اس طویل حدیث کا خاتمہ ان الفاظ پر ہوتا ہے۔''من راٰہ بدیہۃ حصابه ومن خالطه معرفۃً احبه یقول ناعته لم ارقبله ولا بعده مثلہٗ صلی اللہ علیه وسلم (ترجمہ: آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یکا یک جس کی نظر پڑتی ہے، ہیبت کھاتا ہے۔ جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعلقات بڑھاتا ہے، محبت کرتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصف (نعت) بیان کرنے والا کہتا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جیسا دیکھا اور نہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسا دیکھا)''1۔

اس حدیث کی زمانی اوّلیت پر بحث کرتے ہوئے ڈاکٹر ریاض مجیدؔ نے لکھا ہے:

''اگر چہ حضرت علیؓ سے منقول مذکورہ بالا روایت حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے حلیہ مبارک کا ایک خوبصورت اظہار ہے، مگر اپنی اہمیت اور بلاغت کے باوجود اسے لفظ نعت (بمعنی وصف رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم) کی اوّلین مثال کے طور پر پیش کرنا محل نظر ہے''۔

وہ مزید لکھتے ہیں کہ اس روایت کا سلسلہ اسناد حضرت علیؓ کے پوتے ابراہیم بن محمد سے جاملتا ہے، جن کا زمانہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے کئی سال بعد کا ہے۔ جبکہ اس سے پہلے نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی

حیات طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی میں یہ لفظ مختلف احادیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف و خصائل کی تعریف اور مجموعی طور پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے معنی میں استعمال ہوا ہے''۔

اپنے دعوے کے ثبوت میں ڈاکٹر ریاض مجیدؔ نے مسند ابن حنبلؒ جلد دوم و سوم، ابو داؤد جلد اول، جامع ترمذی جلد چہارم، سنن دارمی جلد اول، اور خصائص الکبریٰ (سیوطی) کی بعض احادیث کا حوالہ دیتے ہوئے لکھا ہے کہ ان میں نعت کا لفظ کئی بار حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف کے حوالے سے استعمال ہوا ہے۔ بلکہ کچھ مثالیں ان میں ایسی بھی ہیں، جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ لفظ اپنے اوصاف و خصائص کے بارے میں خود استعمال کیا ہے۔2؎

قرآن مجید کے سورہ بقرہ کی آیت ۸۹ کی تفسیر کے حوالے سے لفظ نعت کا استعمال (نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے وصف میں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت و بعثت سے ماقبل زمانے تک جا پہنچتا ہے۔ اس آیت کا درمیانی حصہ یہ ہے:

وَ کَانُوا مِن قَبلُ یَستَفتِحُونَ عَلَی الَّذِینَ کَفَرُوا فَلَمَّا جَآءَ ھُم مَّا عَرَفُوا کَفَرُوا بِہٖ

ترجمہ: باوجودیکہ اس نبی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی آمد سے پہلے وہ خود کفار کے مقابلے میں فتح و نصرت کی دعائیں مانگا کرتے تھے، مگر جب وہ چیز آ گئی جسے وہ پہچان بھی گئے تو انہوں نے اسے ماننے سے انکار کر دیا۔3؎ اس آیت کی تفسیر میں صاحب تفہیم القرآن سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ لکھتے ہیں:

''نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد سے پہلے یہودی بے چینی کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے۔ خود اہل مدینہ اس بات کے شاہد تھے کہ بعثتِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے یہودی آنے والے نبی کی امید پر جیا کرتے تھے اور ان کا آئے دن کا تکیہ کلام یہی تھا کہ اچھا اب تو جس جس کا جی چاہے، ہم پر ظلم کرے۔ جب وہ نبی آئے گا تو ہم ان سب ظالموں کو دیکھ لیں گے''۔4

دیگر کئی تفاسیر 5؎ میں لکھا ہے کہ یہودیوں سے جب مشرک لڑ پڑتے تو یہودی (نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے) آنے والے نبی کا واسطہ دیکر مشرکوں اور کافروں پر اللہ سے فتح کی دعا مانگتے۔ علامہ ابن کثیر لکھتے ہیں:

''جب کبھی یہودیوں اور عرب کے مشرکین کے درمیان لڑائی ہوئی تو یہود کہا کرتے تھے کہ عنقریب خدا کی سچی کتاب لے کر خدا کے ایک عظیم الشان پیغمبر تشریف لانے والے ہیں۔ ہم ان کے ساتھ ہو کر تمہیں ایسا قتل و غارت کریں گے کہ تمہارا نام و نشان مٹا دیں گے۔ اللہ تعالیٰ سے دعائیں کیا کرتے کہ خدایا تو اس نبی کو جلد بھیج، جس کی صفتیں ہم توراۃ میں پاتے ہیں، تا کہ

ہم ان پر ایمان لا کر ان کے ساتھ ہو کر اپنا بازو مضبوط کر کے تیرے دشمنی سے انتقام لیں‘‘۔6

حضرت عبداللہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں:

’’خیبر کے یہودیوں کی لڑائی نبی غطفان سے ہوئی اور مقابلہ میں یہودیوں نے شکست کھائی، اس پر انہوں نے نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے دعا مانگنی شروع کی۔ چنانچہ انہیں بنی غطفان پر غلبہ حاصل ہوا۔ بعد میں یہودیوں پر جب بھی برا وقت آ پڑتا اور کوئی گروہ ان سے برسرِ پیکار ہو جاتا، تو وہ سیدنا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے اور وسیلے سے فتح کی دعا مانگا کرتے اور اللہ ان کو فتح دیتا‘‘۔7

یہودیوں کی دعا کے الفاظ (معمولی لفظی اختلاف کے ساتھ) کئی تفاسیر میں نقل ہوئے ہیں۔ تفسیر جلالین میں یہ عبارت نقل کی گئی ہے:

اللّٰھم انصرنا بالنبی المبعوث فی آخر الزمان الذی نجد نعتہ و صفتہ فی التوراۃ

ترجمہ: اے اللہ ہماری مدد فرما اس نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلہ سے جو آخر زمانہ میں مبعوث ہوں گے اور جن کی نعت اور صفت ہم توراۃ میں پاتے ہیں۔8

ان روایات کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ نعت کا لفظ حضرت علیؓ کی متذکرہ بالا روایت سے بہت قبل نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم، صحابہ کرام اور اس زمانہ کے یہودی عالموں کی زبان سے، بلکہ نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت سے پہلے یہودیوں کی دعاؤں میں (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و توصیف اور اوصاف و خصائص کے حوالے سے) وقتاً فوقتاً استعمال ہوتا رہا ہے۔

حواشی

1۔ اردو میں نعتیہ شاعری، ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق ص ۱۳ // 2۔ اردو میں نعت گوئی ص ۱۲

3۔ قرآن مجید، سورہ بقرہ آیت ۸۹ // 4۔ تفہیم القرآن جلد اول ص ۹۳

5۔ تفسیر ابن کثیر جلد اول ص ۱۴۲ تفسیر مولانا شبیر احمد عثمانی ص ۱۷، موضح القرآن شاہ عبد القادر محدث دہلوی ص ۱۶، فی ظلال القرآن سید قطب شہید جلد اول ص ۲۴۶، تدبر القرآن جلد اول مولانا امین احسن اصلاحی ص ۲۶۰، معارف القرآن جلد اول مفتی محمد شفیع ص ۲۰۲، معالم القرآن جلد اول مولانا محمد علی کاندھلوی ص ۳۹۶، دعوۃ القرآن جلد اول مولانا شمس پیرزادہ ص ۴۱ // 6۔ تفسیر ابن کثیر اردو ترجمہ عبد الرشید عثمانی جلد اول ص ۱۴۲ // 7۔ تفسیر ابن عباسؓ اردو ترجمہ مولانا عابد الرحمٰن صدیقی جلد اول ص ۶۲

8۔ تفسیر جلالین اردو ترجمہ مفتی عزیز الرحمٰن عثمانی جلد اول ص ۷۷

O❖O

مدیر

اُردو نعت میں موضوعات کی بوقلمونی

نعت کا موضوع بظاہر آسان نظر آتا ہے اور یوں محسوس ہوتا ہے کہ نعت صرف سرکار دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وثنا اور تعریف وتوصیف کا نام ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر عربی، فارسی اور اردو کی نعتیہ شاعری کا بہ نظر غائر مطالعہ کیا جائے تو پتہ چلتا ہے کہ موضوع کے لحاظ سے نعت کی معنوی وسعت وعظمت کا اندازہ کرنا کوئی آسان کام نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ مدح نعت کا ایک اہم موضوع ہے اور اسے نعت کے آغاز ہی سے ایک مرکزی موضوع کی حیثیت حاصل رہی ہے۔ عربی میں نعت گوئی کا باضابطہ اور باقاعدہ آغاز اس وقت ہوا، جب کافر ومشرک شعراء کی اسلام کے خلاف یاوہ گوئی اور ہجو کے جواب میں دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ شاعروں نے ہادی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح وستائش میں نہایت مؤثر منظومات لکھیں۔ عربی کے اس ابتدائی نعتیہ کلام کے مطالعہ سے اس موضوع کی وسعت کا بہ آسانی اندازہ ہو جاتا ہے۔ دربار رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے وابستہ شاعروں کے ان نعتیہ شہ پاروں میں نبی برحق صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سیرت طیبہ، جمال ظاہری، حسن باطنی، محاسن ذاتی وصفاتی، خاندانی شرف ونجابت، نسی امتیاز و بزرگی، انبیائے کرام میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی فضیلت و برتری، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے آباء واجداد اور آل واصحاب کی مدح، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امانت دیانت، صداقت، شجاعت، اسلامی عقائد اور نوخیز اسلامی تحریک کا تذکرہ نیز تبلیغ واشاعت اسلام میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مساعی جمیلہ کا ذکر ملتا ہے۔[1] یوں مدح خیر البشر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ساتھ اسلام اور سیرت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بے شمار پہلوؤں کا ذکر بھی نعت میں شامل ہو گیا۔ بعد کی نعتیہ شاعری میں شاعر کے ذاتی احساسات ومتعقدات بھی نعت میں شامل ہوتے گئے۔

نعت گوئی کا یہ فن جب عربی سے نکل کر فارسی اور اردو تک پھیل گیا، تو دیار نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دوری نے عجم زادوں کی آتش فراق کو کچھ اور ہی بھڑکا دیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ نعتیہ شاعری میں متعدد دوسرے موضوعات ومضامین داخل ہو گئے جن میں مدینہ طیبہ سے دوری، بادِ صبا وموجِ نسیم کے ذریعے روضۂ مطہر کی سنہری جالیاں، حریری پردے، سنگِ درِ اقدس، مدینہ طیبہ کی بہار، وہاں کے ذرے ذرے سے عقیدت وفرط محبت اور استغاثہ واستمداد وغیرہ مضامین شامل ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ملتِ اسلامیہ کے اجتماعی

مسائل و مشکلات اور قومی و ملی سانحات و حادثات بھی نعت میں قلمبند ہونے لگے اور یوں نعت کا دائرہ مدح و توصیف سے پھیل کر مسلمانوں کے قومی و ملی محسوسات و مشکلات کا بھی احاطہ کرنے لگا۔

عہد بہ عہد اور ملک بہ ملک بدلتی ہوئی صورت حال میں جب سیرتِ سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے نئے نئے پہلو اور امکانات ظاہر ہوئے تو نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے نت نئے سماجی، تہذیبی، تمدنی، معاشرتی، سیاسی، معاشی، اقتصادی، تاریخی اور دیگر قسم کے ان گنت موضوعات و مضامین نعت آشنا ہو گئے۔ چنانچہ عصر حاضر کے نعتیہ کلام میں موضوعات کی یہ بوقلمونی اور رنگارنگی بآسانی دیکھی جاسکتی ہے۔ نعت نے اب جن وسیع تر موضوعات و مضامین کو احسن طریقے سے اپنے اندر سمولیا ہے، ان میں (نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح و ستائش کے علاوہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس، حیات طیبہ، غزوات، معجزات، احسانات، عادات، معمولات، تعلیمات، شاعر کے شخصی واردات و کیفیات، قومی و ملی مسائل اور انسانی و آفاقی تصورات و نظریات کے مختلف پہلوؤں کا ذکر شامل ہے۔

اردو کی نعتیہ شاعری میں جو موضوعات و مضامین نظر آتے ہیں، ان کو کئی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ ان میں سے ایک بڑا حصہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے متعلق ہے، جس میں نبی آخر الزمان صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کی بشارت دوسرے انبیاء کرام پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی فضیلت و برتری، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا خاندانی شرف، نسلی امتیاز و بزرگی، جمال ظاہری، رحمت سراپا، نور مجسم، سراپائے مبارک، رخسار و گیسو، قد دلجو، نگاہ لطف و کرم، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا پرتو جمال الٰہی اور مظہر ذات خداوندی ہونا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا صاحب خُلقِ عظیم خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم اور رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم ہونا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا نور من نور اللہ ہونا وغیرہ بیان کیا جاتا ہے۔

دوسرا حصہ نعتیہ کلام کی ان شعری کاوشوں پر مشتمل ہے جن میں نبی برحق کی سیرت و سوانح بیان کی جاتی ہے۔ اس ضمن میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت، پرورش، بچپن کے واقعات، بعثت سے قبل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت و کردار، اعلان نبوت، کفار و مشرکین کی ایذا رسانی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بوریا نشینی، فاقہ کشی، مکہ سے ہجرت، مدینہ میں آمد، اسلامی سلطنت کا قیام، غزوات، فتح مکہ، معجزہ رجعتِ شمس و شق القمر، کنکری کا کلمہ پڑھنا، حیوانات و نباتات کا سجدہ کرنا، بتوں کی فریاد اور سر کے بل گرنا اور واقعہ معراج وغیرہ موضوعات و مضامین کو نظم کیا جاتا ہے۔

نعتیہ شاعری میں موضوع کے لحاظ سے تیسرا حصہ وہ قرار دیا جاسکتا ہے، جس میں نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی صفات، تعلیمات اور نبی نوع انسان پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے احسانات کا ذکر کیا جاتا ہے۔ اس سلسلے میں

آپ کے جن اوصاف حمیدہ اور اخلاق حسنہ کو بیان کیا جاتا ہے، ان میں آپ ﷺ کی شرافت، نجابت، صداقت، عدالت، سخاوت، خطابت، رسالت، نبوت، امانت، دیانت، شفاعت، شجاعت، اخوت، محبت، بخشش، عنایت، جود وسخا، صدق وصفا، فضل وعطا، صبر ورضا، علم وحلم، ثبات وعزم، رحم وکرم، خلق عظیم اور دشمنوں کے ساتھ حسن سلوک وغیرہ شامل ہیں۔ تعلیمات کے باب میں آپ ﷺ کے فرمودات، ارشادات، خطبات، اسلامی تحریک کا تذکرہ اور تبلیغ واشاعت دین کے لئے آپ ﷺ کی مساعی جمیلہ کا ذکر کیا جاتا ہے۔ جبکہ بنی نوع انسان پر آپ ﷺ کے احسانات کے ضمن میں نعت گو حضرات دین اسلام، قرآن حکیم، آپ ﷺ کے عطا کردہ منشور، اسوہ حسنہ اور شریعت جیسے عطیات کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ کی رحمت، شفاعت اور اپنے امتیوں سے محبت وشفقت کا تذکرہ بھی کرتے ہیں۔

اردو کی نعتیہ شاعری میں ان موضوعات کا بیان تمام تر جزیات کے ساتھ نظر آتا ہے۔ بعض نعت گو شعراء نے اپنی نعتوں میں ایسا سماں باندھا ہے کہ آپ ﷺ کی عادات اور معمولات کے باریک سے باریک پہلو بھی سامنے آئے ہیں۔ اس انداز کی نعتوں میں آپ ﷺ کے ایفائے عہد، طریقِ عیادت وتعزیت، خلقِ خدا سے ہمدردی وغم خواری، جاندار چیزوں پر نگاہِ ورحم کرم، عفوو درگزر، ایثار واحسان، حسن معاملات، وسعت قلبی، عالی ظرفی، طرز گفتگو اور آداب مجلس وغیرہ جیسے مضامین عام ملتے ہیں۔ اسی طرح آپ ﷺ کے حلیہ مبارک کی جزئیات (چہرہ نور، قد، قدم، پنجے، ایڑیاں، ناخن)2۔ آپ ﷺ کے لباس، آپ ﷺ کی خوراک اور مہر نبوت وغیرہ کا ذکر بھی نعت کے موضوعات میں شامل ہے۔ حدتو یہ ہے کہ ذاتِ رسالت مآب ﷺ سے والہانہ محبت وشیفتگی کے سبب نعت گو شعراء نے آپ ﷺ کے نعلین، لعاب، پسینہ اور نقش پا کو بھی نعت کا موضوع بنایا ہے اور اس طرح آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس سے نسبت رکھنے والی ہر شے سے اپنا قلبی تعلق ظاہر کیا ہے۔

عصر حاضر میں نعت کے موضوعات اور بھی زیادہ وسیع ہو گئے ہیں اور بقول نعیم صدیقی ''اب تو دنیا بھر کی کوئی اہم بحث نہیں جسے کسی نعت یا کسی ایک ہی نعتیہ شعر میں نہ سمو دیا جائے''3۔ ڈاکٹر ریاض مجید کے الفاظ میں: ''آج کی نعت اپنے مرکزی موضوع (مدحِ رسولؐ) سے پھیل کر کائنات بھر کے مسائل کو محیط نظر آتی ہے۔ نعت کا موضوع بلاشبہ ارتقا پذیر اور بتدریج بڑھنے اور پھیلنے والا موضوع ہے۔ اس کے مضامین میں عہد بہ عہد وسعت پیدا ہورہی ہے۔ جیسے جیسے زمانہ ترقی کررہا ہے اور نئے نئے سائنسی انکشافات رونما ہورہے ہیں، ویسے ویسے حضور اکرم ﷺ کی سیرت طیبہ، آپؐ کی تعلیمات اور انسانی تہذیب و معاشرت اور تاریخ و سیاست پر ان کے بڑھتے ہوئے

اثرات سے پیدا ہونے والے نت نئے محسوسات نعت کا موضوع بن رہے ہیں۔ جدید طرز احساس رکھنے والے تخلیقی شاعروں نے نعت کے لا محدود امکانات سجائے ہیں''۔4؎ اب گزشتہ چند برسوں سے نعت میں محسنِ انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے اپنے مسائل اور احوال کا جائزہ لینے کا رجحان بہت عام ہو رہا ہے اور بقول حفیظؔ تائب: ''زندگی کا ہر مسئلہ نعت کا موضوع بن رہا ہے اور یوں نعت کا کینوس وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جا رہا ہے''۔5؎

اُردو میں نعت کے کینوس کی وسعت کا اندازہ یوں بھی لگایا جا سکتا ہے کہ نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت کے حوالے سے اب سینکڑوں ایسے موضوعات بھی نعت کے دائرے میں شامل ہو گئے ہیں اور ہو رہے ہیں، جن سے نعت کا بظاہر کوئی تعلق نظر نہیں آتا، مثلاً سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت اور بعثت سے قبل زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی عادات، معاشرت اور تہذیب و تمدن کا احوال، سر زمین عرب کا جغرافیہ، پہاڑ، ریگستان، موسم، آب و ہوا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ ان موضوعات کا تعلق نعت سے نہیں بلکہ تاریخ اور جغرافیہ سے ہے۔ بایں ہمہ ان کا بیان نعتیہ شاعری میں بکثرت نظر آتا ہے۔ اسی طرح عمرانیات، سیاسات، اخلاقیات، اقتصادیات، افرادِ ملت کی اخلاقی کجروی اور انتشار، مغربی تہذیب سے مرعوبیت، عصر حاضر کی مادیت زدہ زندگی اور اس سے پیدا ہونے والی بد اخلاقی، گمراہی اور بے اعتدالی جیسے (بظاہر بعید از نعت) موضوعات کو بھی شعراء نے اپنی نعتوں کا موضوع بنایا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت کے موضوعات و مضامین میں جتنا تنوع آج نظر آتا ہے، اتنا اردو کے کسی بھی عہد کی نعت میں کبھی بھی نہیں رہا ہے۔ بقول سلیم احمد:

> ''اب تک کے سرمایۂ نعت کو اگر ہم سمیٹنا چاہیں تو ہمیں تین بنیادی روّیوں کا واضح اظہار ملتا ہے۔ پہلے روّیے میں عقیدے کی بنیاد پر نعت کے ثواب کا ذریعہ بنایا گیا ہے۔ دوسرے روّیے میں شعراء نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو اپنے ذاتی تعلق اور محبت کے وسیلے سے اپنا موضوع بنایا ہے اور تیسرا روّیہ ان شعراء کا رہا ہے، جو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو انسانی تاریخ کے ایک کامل رہنما اور ہادی کے تصورات کے تحت محسن انسانیت کی صورت میں پیش کرتے ہیں۔''6؎

جہاں تک ان تین روّیوں کا تعلق ہے، ان میں سے پہلے اور دوسرے روّیے میں نعت گو شعراء نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی صفاتِ کاملہ سے اپنا گہرا رشتہ ظاہر کرتے ہیں، جبکہ تیسرے روّیے میں ملت کے اجتماعی زوال اور بحرانی ادوار کے حوالے سے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کو ایک آئیڈیل کی صورت میں پیش کر کے ماضی کی عظمتوں اور کارناموں کو زندہ کیا جاتا ہے۔ تینوں روّیوں میں

سب سے زیادہ تخلیقی صداقت کا اظہار دوسرے روّیے کے شعراء کے یہاں پایا جاتا ہے، جبکہ تینوں روّیوں میں شاعر کی طبیعت، اس کے عقائد و معتقدات، ذہنی افتاد اور ذاتی افکار و رجحانات کے اثرات موضوعاتِ نعت کا تعین کرتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ بعض شعراء نے رسول اکرم ﷺ کو ''محبوب'' قرار دیکر نعتوں میں آپ ﷺ کے سراپا کا نقشہ کھینچتے ہوئے قوالی اور فلموں کی قدیم غزلوں کے طرز پر اپنے ''معاشقے'' کے جذبات کا اظہار کیا ہے۔ بعض نے نبی برحق ﷺ کے نہایت پاکیزہ و سنجیدہ تذکار اور آپ ﷺ کے لئے والہانہ فدائیت کا مظاہرہ کیا ہے، بعض کے یہاں رسالت کے پہلو پر زیادہ زور ہے، بعض بشریت کے پہلو کو زیادہ اجاگر کرتے ہیں، بعض کی نعتوں میں آپ ﷺ کی شجاعت اور جذبۂ جہاد سے متعلق فرمودات نمایاں نظر آتے ہیں، بعض کے یہاں معجزات کا بیان غالب ہے اور بعض کے اشعار میں آپ ﷺ کے پیغام رسالت کا بیان نمایاں ہے۔ تاہم اکثر نعت نگاروں کے یہاں ان تمام موضوعات کی ملی جلی صورت نظر آتی ہے۔

حواشی

1۔ عربی میں نعتیہ کلام، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ص ۳۷

2۔ مثلاً احمد رضا خان بریلوی کہتے ہیں ۔

عارض شمس و قمر سے بھی ہیں انور ایڑیاں
عرش کی آنکھوں کے تارے ہیں یہ خوشتر ایڑیاں
دو قمر، دو پنجۂ خور، دو ستارے، دس بال
ان کے تلوے پنجے، ناخن پائے اطہر ایڑیاں

(خلائق بخشش ص ۵۰)

3۔ نور کی ندیاں رواں، نعیم صدیقی ص ۹

4۔ اردو میں نعت گوئی ص ۱۶

5۔ اردو نعت، حفیظ تائبؔ ص ۱۹

6۔ تقریظ: ذکر خیر الانام از حنیف اسعدیؔ ص ۲۰

○❖○

تدبّرات

حمد و نعت: عکسِ تحقیق، نقشِ تنقید

[حمدیہ و نعتیہ شاعری پر تحقیقی و تنقیدی مضامین]

ڈاکٹر جوہرؔ قدوسی (مدیر)

اُردو شاعری میں حمدیہ مضامین

اس بات میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اردو شاعری اپنے آغاز ہی سے کلمہ گو رہی ہے۔ دیکھا جائے تو حمد و ثنائے ساقیٔ ازل کے ساتھ ساتھ مدح وثنائے ساقیٔ کوثرؐ کی ضوفشانی اس کی نمایاں اور امتیازی شان رہی ہے اور آج بھی ہے، تاہم اردو شاعری کے سرمایے میں نعت گوئی کے مقابلے میں حمد ومناجات کا رواج کم رہا ہے۔ نعتِ شہہ ابرار صلی اللہ علیہ وسلم کی تاریخ وارتقاء اس مقالے میں ہمارا موضوع نہیں ہے، بلکہ اس تحریر میں اردو شعراء کے کلام میں حمدیہ مضامین کی موجودگی پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

جہاں تک حمدیہ اشعار وابیات کا تعلق ہے، اردو شاعری اپنی آفرینش ہی سے اس صنف کو اپنی آغوشِ محبت میں پالتی اور اس کی آبیاری کرتی رہی ہے۔ قدیم سے لے کر جدید اور موجودہ دور تک حمد گو شعراء کے کلام کا جائزہ لیا جائے تو یہ بات نمایاں طور سامنے آتی ہے کہ اسلام کے تصورِ توحید کے ساتھ ساتھ حمدیہ ونعتیہ مضامین ہر دور کے شعرائے کرام کے کلام میں موجود ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی یہ اعتراف بھی کیا جانا چاہیے کہ جیسے جیسے مسلمانوں کے صحیح عقائد میں بگاڑ آتا گیا، ہمارے شعراء کے کلام میں بھی اس کا عکس جھلکنے لگا۔ چنانچہ اردو شاعری کے بیش بہا ذخیرے میں ایسے اشعار بھی کثرت سے نظر آتے ہیں، جن میں عقیدۂ توحیدِ باری کے منافی ایسے موضوعات ومضامین پائے جاتے ہیں، جو مشرکانہ عقائد کے حامل ہیں، تاہم یہاں پر ایسے اشعار سے تعرض مقصود نہیں ہے۔

حمدیہ مضامین کے ذیل میں اسمائے الٰہی کے استعمال کی خاص اہمیت ہے، لیکن حمد کے موضوعات ایک بحرِ بیکراں کی مانند ہیں۔ بقولِ رشید وارثی: ''ازل سے ابد تک تمام موجودات کی تسبیح وتحمید کے باوجود حمد کے موضوعات وامکانات لامحدود اور بے انتہا و بے حساب ہیں''۔ چنانچہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی تحمید وتقدیس، تسبیح وتہلیل اور تذکیر وتکبیر کے موضوعات ومضامین اپنے کلام میں لاتے ہوئے شعرائے اُردو نے اپنی اپنی فکری بساط کے مطابق حمدیہ مضامین کی ایک قوسِ قزح سجائی ہے، جس میں حمدیہ عناصر کے گلہائے رنگ رنگ اپنی عطر بیزی سے ماحول کو ایک خاص قسم کا تقدس عطا کرتے ہیں۔

زیرِ نظر مضمون میں اردو شاعری کے آغاز سے لے کر عصرِ حاضر تک کے تمام حمد نگاروں کا تذکرہ

کرنا نہ تو مطلوب ہے اور نہ ہی ممکن۔ مقصود یہ ہے کہ منتخب شعراء کی حمد یہ شاعری کے مختصر سے شعری نمونے پیش کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی جائے کہ اردو شاعری کے تمام ادوار میں شعرائے کرام نے حسبِ توفیق حمد نگاری کر کے اردو کے شعری سرمایے کو تقدس مآب بنانے میں کلیدی کردار ادا کیا ہے۔ سب سے پہلے ہم قدیم دکنی دور کے اہم شاعر ولیؔ دکنی کا تذکرہ کرتے ہیں۔

ولی دکنی (۱۶۶۸ء۔ ۱۷۲۲ء) جن کی جائے پیدائش اورنگ آباد ہے، اردو شاعری کے باوا آدم مانے جاتے ہیں۔ اُن کے کلام میں انعاماتِ الٰہی اور توحید باری تعالیٰ کا ذکر جگہ جگہ پایا جاتا ہے۔ اس میں حقیقی تصوف کی جھلکیاں بھی نمایاں ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

یاد کرنا ہر گھڑی تجھ یار کا　　ہے وظیفہ مجھ دلِ بیمار کا
جو ولیؔ ہے مرجع ہر جُز و کُل　　وہ مرا مقصودِ جان و تن ہوا

نہ ہوئے کیوں جہاں کے بیچ ہر مشکل مری آساں
زبانِ صدق سوں کہتا ہوں میں ہر آن یا حافظ

ترے جلوؤں سے ہے گُل تازہ تر　　چمن میں بلبلاں کا ہر طرف جوش
ولیؔ کو یاد تیری دم بہ دم ہے　　نہیں یک آن خاطر ہوں فراموش

ان اشعار میں ولی کے حُبِ الٰہی، عشقِ الٰہی اور قُربِ الٰہی کی عکاسی ہوتی ہے اور حمد و شکر اور ذکر و فکر کے مضامین ان میں موجود ہیں۔

خواجہ میر دردؔ (۱۷۱۹ء۔ ۱۷۷۵ء) کی زیادہ تر شہرت اُردو شاعری میں ایک سچے صوفی منش بزرگ کے طور پر ہے۔ انہوں نے اپنے کلام میں جگہ جگہ متصوفانہ، عارفانہ اور حمد یہ مضامین بیان کیے ہیں۔ نمونہ کے طور پر یہ چند حمد یہ اشعار ملاحظہ ہوں ؎

مقدور ہمیں کیا ترے وصفوں کے رقم کا　　حقا کہ خداوند ہے تو لوح و قلم کا
اس مسند عزت پہ کہ تو جلوہ نما ہے　　کیا تاب گذر ہوئے تعقّل کے قدم کا
ہے جلوہ گاہ تیرا کیا غیب کیا شہادت　　یاں بھی شہود تیرا، واں بھی حضور تیرا
ارض و سما کہاں تری وسعت کو پاسکے　　میرا ہی دل ہے وہ کہ جہاں تو سما سکے
وحدت میں تیری حرف دوئی کا نہ آسکے　　آئینہ کیا مجال تجھے منہ دکھا سکے
کیا فرق داغ و گل میں کہ جس گل میں بو نہ ہو　　کس کام کا وہ دل ہے کہ جس دل میں تو نہ ہو
ہمارے پاس ہے کیا جو فدا کریں تجھ پر　　مگر یہ زندگی مستعار رکھتے ہیں

اللہ سے محبت و وارفتگی اور اس کی خاطر اپنی جان فدا کرنے کی حسرت ان اشعار میں کس قدر نمایاں ہے۔

میر تقی میر (۱۷۲۴ء-۱۸۱۵ء) کی ولادت اکبر آباد میں ہوئی۔ وہ دس سال کی عمر میں یتیم ہو گئے اور عمر بھر فقر و فاقہ، گوشہ نشینی اور غم و اندوہ کی حالت میں زندگی گزارتے رہے۔ اُن کے کلام میں حمدیہ موضوعات و مضامین متعدد جگہ نمایاں طور نظر آتے ہیں۔ چند اشعار بطورِ نمونہ ؎

اشجار ہوئیں خامہ اور آبِ سیہ بحار ۔۔۔ لکھنا نہ تو بھی ہو سکے اس کے صفات کا
مرے مالک نے مرے حق میں یہ احسان کیا ۔۔۔ خاکِ ناچیز تھا میں سو مجھے انسان کیا
سب کام اس کو سونپ جو کچھ کام بھی چلے ۔۔۔ جپ نام اس کا صبح کو تا نام بھی چلے

میر حسن (۱۷۳۶ء-۱۷۷۶ء) میر غلام حسین خان ضاحک کے فرزند تھے۔ ان کی مثنویاں مشہور ہیں۔ حمدیہ عناصر ان کی شاعری میں جگہ جگہ نمایاں ہیں ؎

کروں پہلے توحیدِ یزداں رقم ۔۔۔ جھکا جس کے سجدے کو اوّل قلم
سر لوح پر رکھ کر بیاضِ جبیں ۔۔۔ کہا دوسرا کوئی تجھ سا نہیں
قلم بھر عبادت کی اُنگلی اُٹھا ۔۔۔ ہوا حرف زن یوں کہ رب العلا
نہیں تیرا کوئی نہ ہوگا شریک ۔۔۔ تری ذات ہے وحدہٗ لا شریک

میر حسن کی مشہور مثنوی ''سحر البیان'' کی ابتداء میں اُن کے یہ حمدیہ شعر معرفتِ الٰہی کے مظہر ہیں ؎

گر کیجئے رقم کچھ تری وحدت کے بیاں کا
تو چاہیے خامہ بھی اسی ایک زباں کا
تو ہے مری جان و دِل و جسم ہے ورنہ
کیسا ہے یہ دل، کیسا یہ جی اور میں کہاں کا

نظیرؔ اکبر آبادی (۱۷۴۰ء-۱۸۲۰ء) اُردو کے پہلے شاعر ہیں، جن کا تعلق کسی دربار سے نہیں تھا۔ وہ سچے معنوں میں ایک عوامی شاعر کہلاتے ہیں۔ اُن کے چند حمدیہ اشعار ؎

یا رب ہے تیری ذات کو دونوں جہاں میں برتری
ہے یاد تیرے فضل کو رسمِ خلاق پروری
دائم ہے خاص و عام پہ لطف و عطا حفظ آوری

انسان کیا، کیا طائراں، کیا وحشی، کیا جن و پری
پالے ہے سب کو ہر زماں تیرا کرم اور یاوری

نظیرؔ کی حمدیہ نظم مخمس کی ہیئت میں ہے اور صفات باری تعالیٰ اللہ کے اسمائے حسنیٰ اور شانِ حاکمیت کا ایک حسین مرقع ہے۔

انشاء اللہ خان (۱۷۵۶ء-۱۸۱۷ء) مرشد آباد (بنگال) میں تولد ہوئے اور لکھنو میں انتقال کیا۔ اُن کے یہاں حمدیہ مضامین کی بھرمار ہے۔ چند بے مثال حمدیہ اشعار نمونہ کے طور پر ملاحظہ ہوں ؎

اے خداوند مہ و مہر و ثُریا و شفق　　کلمۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق
روز و شب حضرت خلّاق ترے حکم میں ہیں　　عرش و لوح و قلم شش جہت و ہفت طبق
سینکڑوں طرح کی خلقت کو تو اے رازقِ کُل　　بھیجتا نعمتِ الوان ہے بے طشت و طبق

خواجہ حیدر علی آتشؔ (۱۷۷۸ء-۱۸۴۶ء) کی شہرت اردو شاعری کی پوری تاریخ پر چھائی ہوئی ہے۔ اُن کے کلام میں حمدیہ عناصر کی فراوانی ہے ؎

عاجز نواز دوسرا تجھ سا نہیں کوئی　　رنجور کا انیس ہے ہمدم علیل کا
باغ و بہار آتشِ نمرود کو کیا　　مشکل کے وقت حامی ہو تو خلیلؑ کا
موسیٰ کو تیرے حکم سے دریا نے راہ دی　　فرعون کو تو نے غرق کیا رودِ نیل کا
طوفان میں ناخدائی کشتیِ نوحؑ کی　　حقّا! جواب ہی نہیں تجھ سے کفیل کا

شیخ ابراہیم ذوقؔ (۱۷۸۹ء-۱۸۵۴ء) کو فارسی اور عربی کے علاوہ دوسرے علوم پر بھی دسترس حاصل تھی۔ اُن کو صرف ۱۹ سال کی عمر میں خاقانیٔ ہند کا خطاب مِلا تھا۔ حمدیہ عناصر اور مضامین اُن کے کلام میں جابجا اپنا جلوہ دکھاتے ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

ہوا حمدِ خدا میں دِل جو مصروفِ رقم میرا　　الف الحمد کا سا بن گیا گویا قلم میرا
ذوقؔ اسمائے الٰہی ہیں سب اسمِ اعظم　　اس کے ہر نام میں عظمت ہے نہ اک نام میں خاص

مرزا غالبؔ (۱۷۹۶ء-۱۸۶۹ء) کو بعض لوگ اُردو کا سب سے بڑا شاعر مانتے ہیں، حالانکہ خود وہ اپنے فارسی کلام کے دلدادہ تھے۔ اُن کے کلام میں کئی جگہ حمدیہ افکار و اشعار نظر آتے ہیں۔ ملاحظہ ہو ؎

اسے کون دیکھ سکتا کہ یگانہ ہے وہ یکتا　　جو دوئی کی بُو بھی ہوتی تو کہیں دوچار ہوتا
نہ تھا کچھ تو خدا تھا، کچھ نہ ہوتا تو خدا ہوتا　　ڈبویا مجھ کو ہونے نے، نہ ہوتا میں تو کیا ہوتا

حکیم مومن خان مومنؔ (۱۷۹۸ء-۱۸۵۱ء) کی تعلیم و تربیت میں شاہ عبدالقادرؒ کا کلیدی کردار رہا

ہے۔اُن کے کلام میں اللہ کی ذات وصفات اور اس کے احسانات کا منظوم بیان خوبصورت انداز اور مختصر بحروں میں ملتا ہے۔نمونۂ کلام ؎

الحمد لواہب العطایا اس شور نے کیا مزہ چکھایا
والشکر لصانع البریہ جس نے ہمیں آدمی بنایا
نے عقلِ بسیط اس کا پرتو نے نورِ مجرد اس کا سایا

میر انیسؔ (۱۸۰۲ء۔ ۱۸۷۴ء) اگرچہ مرثیہ گوئی میں یدِ طولیٰ رکھتے تھے اور اس فن کے سالارِ کارواں تھے، لیکن ان کے کلام میں حمد نگاری سمیت دیگر کئی اصناف میں طبع آزمائی بھی نظر آتی ہے۔چند اشعار ؎

گلشن میں پھروں کہ سیر صحرا دیکھوں یا معدن و کوہ و دشت و دریا دیکھوں
ہرجا تیری قدرت کے ہیں لاکھوں جلوے حیراں ہوں کہ دو آنکھوں سے کیا کیا دیکھوں
اُسی کا نور ہر اک شئے میں جلوہ گر دیکھا اسی کی شان نظر آگئی جدھر دیکھا
پتلی کی طرح نظر سے مستور ہے تو /// آنکھیں جسے ڈھونڈتی ہیں وہ نور ہے تو
اقرب ہے رگِ جاں سے اور اس پر یہ بعد /// اللہ اللہ کس قدر دور ہے تو

مرزا سلامت علی دبیرؔ (۱۸۰۳ء۔۱۸۷۵ء) میر انیس کی طرح مرثیہ گوئی کے مردِ میدان ہیں۔ ان کی شاعری میں حمدیہ مضامین جابجا بیان ہوئے ہیں۔نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

قطرے کو گہر کی آبرو دیتا ہے قد سرو کو گُل کو رنگ و بو دیتا ہے
بیکار تشخص ہے، تصنع بے سود عزت وہی عزّت ہے جو تو دیتا ہے
گلشن میں صبا کو جستجو تیری ہے بلبل کی زباں پہ گفتگو تیری ہے
ہر رنگ میں ہے جلوہ تری قدرت کا جس پھول کو سونگھتا ہوں بُو تیری ہے

امیر مینائی (۱۸۲۸ء۔۱۹۰۰ء) ایک خدارسیدہ اور صوفی منش انسان تھے۔اُن کی شہرت ایک ممتاز نعت نگار شاعر کی ہے لیکن حمدیہ کلام بھی اُن کے یہاں خوب ملتا ہے۔چند اشعار ملاحظہ فرمائیں ؎

جب تلک ہست تھی دشوار تھا پانا تیرا مٹ گئے ہم تو ملا ہم کو ٹھکانا تیرا
نہ جہت تیرے لیے ہے نہ کوئی جسم ہے تو چشمِ ظاہر کو ہے مشکل نظر آنا تیرا
سامانِ عفو کیا میں کہوں مختصر یہ ہے بندہ گناہگار تھا خالق کریم تھا

داغ دہلوی (۱۸۳۱ء۔۱۹۰۵ء) کی ولادت دہلی میں ہوئی، لیکن سات سال کی عمر میں یتیمی کا

سایہ سر پر پڑ گیا۔ شاعری میں بڑی محنت سے کام لیا اور اپنا ایک الگ مقام بنالیا۔ اُن کے کلام میں حمدیہ عناصر کی فراوانی ہے۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں ؎

وہ پاک بے نیاز مجسم سے ہے بری — محتاجِ فوق و تخت نہ وہ عرض و طول کا
انسان سے بیان ہوں کیوں کر صفاتِ ذات — ایسا کہاں ہے ذہن ظلوم و جہول کا
صفات و ذات میں یکتا ہے تو اے واحدِ مطلق — نہ کوئی تیرا ثانی ہے نہ کوئی مشترک تیرا

خواجہ الطاف حسین حالیؔ (۱۸۳۷ء۔ ۱۹۱۴ء) کو اردو شعر و ادب میں ایک اونچا مقام حاصل ہے۔ اُن کے کلام میں حمدیہ و نعتیہ مضامین کثرت سے پائے جاتے ہیں۔ ان کی شہرہ آفاق ''مسدسِ حالیؔ'' نہ صرف اُن کے کمالِ سخنوری کا بہترین نمونہ ہے، بلکہ دینِ اسلام کی متاثر کن ترجمانی بھی ہے۔ اُن کے کلام سے چند چنیدہ حمدیہ اشعار ؎

کامل جو ہے ازل سے وہ ہے کمال تیرا — باقی ہے جو ابد تک وہ ہے جلال تیرا
ہے عارفوں کو حیرت اور منکروں کو سکتہ — ہر دل پہ چھا رہا ہے رعبِ جمال تیرا
رحمت تری غذا ہے غصہ ترا دوا ہے — شانیں ہیں جتنی تیری جانِ جہانیاں ہیں
دیا تو نے یاں جس بہانے سے چاہا — ہنر کام آیا نہ علم و ادب کچھ
عظمت تری مانے بن کچھ بن نہیں آتی یاں
ہیں خیرہ و سرکش بھی دم بھرتے سدا تیرا

اسماعیل میرٹھی (۱۸۴۴ء۔۱۹۱۷ء) کی شاعری حمدیہ کلام سے بھری پڑی ہے۔ انہوں نے بچوں کے لیے جو منظوم کلام چھوڑا، اس کا ایک منتخب حصہ اُردو کی درسی کتابوں میں موجود ہے۔ حمدیہ اشعار اُن کے یہاں فراوانی سے ملتے ہیں۔ نمونۂ کلام ملاحظہ ہو ؎

خدایا نہیں کوئی تیرے سوا — اگر تو نہ ہوتا تو ہوتا ہی کیا
تصور تری ذات کا ہے محال — کسے یہ سکت اور کہاں یہ مجال

شادؔ عظیم آبادی (۱۸۴۶ء۔۱۹۲۷ء) کو ''خان بہادر'' کا خطاب ملا تھا۔ وہ شاعری میں ایک منفرد طرز کے مالک ہیں۔ ان کے کلام میں دیگر موضوعات کے ساتھ ساتھ حمدیہ مضامین بھی نظر آتے ہیں۔ مثلاً ؎

وہی پیدا ہے ایسا جس سے ہر ناپید پیدا ہے — مسلم ہے کہ ناپیدا سے کچھ ہوتا نہیں پیدا
مہک اُٹھا چمن دہر کا پتّہ پتّہ — راز چھپنے نہیں دیتی تری خوشبو، تیرا

آئینہ ہے لا و اِلّا حسنِ عالمگیر کا
ایک ہے دیکھو پلٹ کر دونوں رخِ تصویر کا

جلال لکھنوی (سیّد ضامن علی) (۱۲۵۰ھ۔ ۱۳۲۵ھ) کی لکھنو میں ولادت ہوئی اور نواب یوسف علی خان ناظمؔ کے دور میں رام پور آئے۔ ان کی شاعری میں حمدیہ عناصر جابجا نمایاں ہیں۔ چند اشعار ملاحظہ ہوں۔ؔ

طالب ہیں سبھی جس کے وہ مطلوب ہے میرا
معشوق بھی عاشق ہیں، وہ محبوب ہے میرا
جو آنکھ ہے مشتاق تری مجھ کو ہے پیاری
جس دل میں تیرا عشق ہے محبوب ہے میرا
تو خالق العباد ہے، ربِّ جلیل ہے
تو آبرو دہندۂ عبدِ ذلیل ہے

ریاض خیرآبادی (۱۸۵۴ء۔ ۱۹۳۴ء) کے یہاں سادگی بھی ہے اور سلاست بھی۔ یہ شعر دیکھیے:ؔ

مالک مرے بے نیاز ہے تو /// مالک مرے کارساز ہے تو

اس طرح یہ بات اظہر من الشّمس ہوجاتی ہے کہ اردو کے تقریباً ہر اہم شاعر کے یہاں حمدیہ مضامین ملتے ہیں۔ یہاں طوالت سے بچتے ہوئے دیگر شعراء کے یہاں حمدیہ مضامین کے تفصیلی تذکرے سے گریز کیا جاتا ہے اور نمونہ کلام کے طور پر درج ذیل اشعار پیش کیے جاتے ہیں:ؔ

اے خداوند مہ و مہر و ثریا و شفق
لمعۂ نور سے ہے تیرے جہاں کو رونق

(انشاء)

ہم کیا کریں اگر نہ تیری آرزو کریں
دنیا میں اور بھی کوئی تیرے سوا ہے کیا

(حسرت موہانی)

پردہ نہ تھا وہ صرف نظر کا قصور تھا
دیکھا تو ذرے ذرے میں اس کا ظہور تھا

(جلیل مانک پوری)

تیری خبر نہیں ہے پر اتنی خبر تو ہے /// تو ابتدا سے پہلے ہے تو انتہا کے بعد: (جگر مراد آبادی)
خدایا نہیں کوئی تیرے سوا /// اگر تو نہ ہوتا تو ہوتا ہی کیا: (اسمٰعیل میرٹھی)
جھک گیا تیرے آستاں پہ جو سر /// پھر کسی آستاں پہ خم نہ ہوا: (فانی بدایونی)
دعائے شام و سحر لا الہ الا اللہ /// یہی ہے زادِ سفر لا الہ الا اللہ: (ماہر القادری)
اے مالک ہر دو جہاں /// ہم پر ہے کتنا مہرباں: (مرتضٰی ساحل تسلیمی)
تو خدا ہے تیرے لائق کس طرح ہو تیری حمد /// خالقِ کل مالکِ کل حاکمِ کل تیری ذات (عروج قادری)

مری زباں سے ہے ارفع ترا بیانِ کرم
مری نگاہ سے اونچی ہے تیری شان کرم

(حافظ امام الدین)

میرے اللہ تو یکتا ہے تری ذات قدیم
نہ تیرا کوئی مقابل نہ شریک اور سہیم

(ثاقب عباسی)

اہل عجم کی بات نہ اہل عرب کی بات
اے دوست ہے پسند مجھے اپنے رب کی بات

(شہود الحق روشن)

خدا ایک ہے سب کا خالق وہی ہے
وہی رزق دیتا ہے رازق وہی ہے
بڑائی تو ہے بس اسی کی بڑائی
سن اے میرے بھائی سن اے میرے بھائی

(ابوالمجاہد زاہد)

اے خدا اے خدا شکر و احساں ترا
ہم کو پیدا کیا اور کھانا دیا
اے خدا اے خدا شکر و احساں ترا

(مائل خیر بادی)○❖○

ڈاکٹر طفیل احمد مدنی (الہند)

حمد و مناجات بیسویں صدی میں

اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کا حق بھلا کوئی بشر کیا ادا کر سکتا ہے جبکہ سید البشر حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم نے لااحصی ثناء علیک سے اپنے عجز کا اظہار فرمایا ہے۔ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی کامل معرفت انسان کے حیطۂ علم وقدرت سے خارج ہے۔ چنانچہ ایک صاحبِ عرفان نے اسی حقیقت کو اس طرح الفاظ کا جامہ پہنایا ہے ؎

مبتدی ہو کوئی یا کہ ہو منتہی کہتے ہیں دوستو ما عرفنا سبھی

اس کے باوجود ہر دور میں علمائے راسخین اور عرفائے کاملین نے اپنے علم ومعرفت کے مطابق اللہ جل شانہٗ کی حمد وثنا کی ہے اور کرتے رہیں گے۔ اس موقع پر جی چاہتا ہے کہ مثنوی مولانا روم سے چند ابیاتِ حمد نقل کرنے کی سعادت حاصل کروں۔ مولانا فرماتے ہیں ؎

خالق دریا و دشت و کوہ و تیہ مملکتِ او بے حد و او بے شبیہ

(وہی دریا، جنگل، پہاڑ اور میدان کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کی سلطنت بے حد اور وہ بے مثل ہے)

تا قیامت گر بجویم زیں کلام صد قیامت بگزرد ویں ناتمام

(اگر اللہ تعالیٰ کی حمد وصف کو تا قیامت بیان کروں تو بھی ناتمام ہی رہے گی)

نیز کسی عارف کے یہ دو شعر اس باب میں بے نظیر ہیں ؎

خدا در انتظارِ حمدِ مانیست محمدؐ چشم بر راہِ ثنا نیست
خدا مدح آفریں مصطفیٰؐ بس محمد حامدِ حمدِ خدا بس

(یعنی اللہ تعالیٰ ہماری حمد کا منتظر نہیں ہے۔ اسی طرح محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہماری ثناء ومدح کے امیدوار نہیں ہیں۔ محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح کے لیے اللہ کی مدح بس ہے اور اللہ تعالیٰ کی حمد کے سلسلہ میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی حمد کافی وافی ہے۔ دوسرے کی مدح وحمد کی ضرورت نہیں ہے)۔

مگر ہر مومن کا دلی جذبہ وداعیہ یہ ہونا چاہیے کہ ہماری تمام عمر اسی حمد وثنا اور مدح ونعت کے کہنے

اور سننے میں بسر ہو، تا کہ دنیا و دین کی خیر حاصل ہو۔ کسی نے خوب کہا ہے ؎

مصلحت دید من آنست کہ یاراں ہمہ کار   بگزارند و خمِ طرۂ یارے گیرند

(یعنی ہمارے علم و معرفت کا تقاضہ تو یہ ہے کہ احباب سب دنیاوی مشاغل کو چھوڑ چھاڑ کر ذکرِ یار اور یادِ محبت میں مشغول ہو جائیں)

حمد و مناجات گوئی فن بھی ہے اور عبادت بھی۔ فن کے لیے جس ریاضت کی ضرورت ہوتی ہے جب وہی ریاضت حمد و مناجات گوئی کے لیے کام میں لائی جاتی ہے تو عبادت بن جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اکثر شعراء شعر گوئی کا آغاز تو نظم و غزل یا قطعہ و رباعی سے کرتے ہیں لیکن جب ان کی فنی ریاضت انتہا کو پہنچتی ہے تو حمد و نعت گوئی کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔ یہیں سے فنی ریاضت فنی عبادت کا درجہ اختیار کر لیتی ہے۔

بات محبوب مجازی کی بھی ہو تو غزل میں اسکا پیکر و کردار اُبھارنے کے لیے برسوں دشتِ فن کی سیاحی کرنی پڑتی ہے۔ لیکن جب شاعر کا عشق، عشقِ الٰہی سے عبارت ہو تو آپ خود ہی سوچیے اس عشق کی منزلوں سے کامیاب و کامران ہو کر گزرنے کے لئے کتنی عرق ریزی اور کس درجہ فکری، فنی اور روحانی ریاضت و عبادت کی ضرورت ہوتی ہوگی۔ یہ الگ بات ہے کہ نعت کے مقابلے میں حمد لکھنا آسان ہے کیونکہ اس میں راستہ صاف ہے، جتنا چاہے بڑھ سکتا ہے۔ یعنی حمد میں اصلاً کوئی حد نہیں اور نعت میں افراط و تفریط کے خدشے کے پیشِ نظر دونوں جانب سخت حد بندی ہے۔ بقول علامہ اقبالؔ ؎

ازل اس کے پیچھے ابد سامنے   نہ حد اس کے پیچھے نہ حد سامنے

حمد و مناجات میں چولی دامن کا ساتھ ہے۔

جب بندہ عجز و انکساری، عشق و سرمستی اور دوری و حضوری کے تمام مراحل سے کامیاب و سرفراز ہو کر گزرتے ہوئے اپنے جذبات و خیالات کو حمد کے اشعار میں ڈھالتا ہے تو کچھ اس طرح کہ عشق کے حضور کون و مکاں کی طنابیں کھینچ جاتی ہیں۔ ایک طرف انسان حیرت و سوال بن کر فراق کی منزلیں طے کرتا ہے اور دوسری طرف مجسم سپردگی اور وارفتگی بن کر وصال کے سیلاب میں گم ہو جانا چاہتا ہے اور یہ شاعری اپنے اندر ایسی تڑپ اور ایک ایسی کسک رکھتی ہے جو مسلسل عشقِ خداوندی کی آگ میں سلگ سلگ کر سراپا طلب بن جاتی ہے۔ پھر شاعر اس طلب کی منزلیں طے کرتا ہے جو درحقیقت عشق ہی کا دوسرا نام ہے۔ یہ فاصلے دوری اور مستوری کی کیفیت میں اپنے دل کی اتھاہ گہرائیوں میں ڈوب کر طے کئے جاتے ہیں۔

حضرت داؤدعلیہ السلام کی زبوراز اول تا آخر مناجاتوں پر مشتمل تھی۔ چونکہ ان کے عہد میں موسیقی و ترنم کا رواج تھا، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے آپ کو مناجاتوں کا معجزہ عطا کیا تھا۔ چنانچہ جب وہ زبور کے نغمے چھیڑتے تھے تو چرند و پرند بھی محو ہو جاتے تھے۔ علامہ شبلی نعمانی اپنے مقالات جلد دوم کے مضمون ''فن بلاغت'' میں رقم طراز ہیں کہ حضرت داؤدؑ پر جب خدا کے احسانات کا اثر غالب آتا تھا تو بے ساختہ وجد میں آ کر رقص کرنے لگتے تھے، ان کا کلام جس قدر ہے سرتا پا شعر ہے، جو ان کے پُرجوش دل سے بے ساختہ نکلتا تھا، اسی بنا پر ان کے اشعار کو مزامیر کہتے ہیں۔

میں نے طوالت سے بچنے کے لیے بیسویں صدی کے اردو حمد و مناجات گو شعراء میں سے صرف تین ایسے اہلِ دل نمائندہ شعراء کا انتخاب کیا ہے جن سے ادبِ اسلامی سے دلچسپی رکھنے والے افراد کی اکثریت بخوبی واقف ہے اور جن کی حسن سیرت و کردار کے معترف ان کے تمام ہم عصر علماء مشائخ رہے ہیں۔ سب سے پہلے میں رائے بریلی اور یہاں کے معروف روحانی مرکز (تکیہ کلاں) سے تعلق رکھنے والے ایک شریف النفس، پُرخلوص اور پُرسوز حمد و مناجات گو شاعر مولانا محمد ثانی مرحوم کا ذکر اور ان کا منتخب کلام پیش کرنا چاہتا ہوں۔

مولانا محمد ثانی مرحوم ایک ایسے نامور خاندان کے چشم و چراغ تھے جس نے اسلامی تاریخ کے ہر دور میں دین کے لیے زیادہ سے زیادہ قربانی دی ہے اور ہمیشہ ابتلاء و آزمائش سے بھی اسے دوچار ہونا پڑا ہے۔ اس خاندان والا شان کو اللہ تعالیٰ جن بیش بہا انعامات سے نوازا ہے، ان میں توحید و سنت کی دعوت کے ساتھ جہاد کی دعوت اور سرفروشی کے میدان میں سنت کی دولت بھی ہے، جس کی مثال مجاہد کبیر حضرت سید احمد شہیدؒ کی دعوت و تحریک جہاد ہے۔

مولانا موصوف کی طبیعت انتہائی موزوں تھی۔ دیکھنے میں جتنے سادہ بے رنگ و کیف معلوم ہوتے تھے، اندر سے دل و دماغ اتنے ہی سرسبز شاداب تھے۔ حمد و مناجات و نعت ان کے محبوب ترین موضوع تھے۔ ان کی شاعری فقیہانہ یا تک بندی والی نہ تھی بلکہ اس میں روانی اور جوش تھا۔ ترکیبیں چُست، بندش مضبوط اور الفاظ نپے تلے، نیز معنویت سے بھرپور ہوتے تھے۔

ادبی اعتبار سے مولانا موصوف کا بڑا پاکیزہ مذاق تھا۔ ان کے کلام کو دیکھ کر ایسا محسوس ہوتا ہے کہ الفاظ کے ذریعہ ان کے قلب کی کیفیت نمایاں ہو رہی ہے۔ ان کی مناجاتوں کے مجموعے اور درود و سلام کے گلدستے ان کے شعری ذوق کے آئینہ دار ہیں۔ اللہ پاک نے ان کے کلام میں خاص اثر دے رکھا ہے۔ نمونے کے طور پر ان کی ایک حمد اور مناجات کے چار بند پیش کر رہا ہوں۔ قارئین ان کے کلام کی

روانی برجستگی اور سوز واثر ملاحظہ فرمائیں۔

حمد

اے خدا صاحبِ عزّ و جاہ و حشم　　صاحبِ عرش و کرسی و لوح و قلم
بادشاہت تری کوبہ کو یم بہ یم　　حمد تری بیاں آج کرتے ہیں ہم

تیرے اللہ و رحمٰن ہیں پاک نام
پاک تیری صفت، پاک تیرا کلام

ہر جگہ ہر نفس تو ہی تو، توہی تو　　ہے تری جستجو، ہے تری گفتگو
دونوں عالم کو تونے دیا رنگ و بُو　　ترا جود و کرم سربہ سر کو بہ کُو

اے خدا تیری رحمت جہاں میں ہے عام
پاک تیری صفت، پاک تیرا کلام

تو رحیم و ملکِ تیرے دونوں جہاں　　سب پہ تیرا کرم سب پہ تو مہرباں
ہیں تصرف میں تیرے زمان و مکان　　تو عیاں، تو نہاں، تو یہاں تو وہاں

تو ہے قدوس اور نام تیرا سلام
پاک تیری صفت، پاک تیرا کلام

تیرے سارے ملک اور جن و بشر　　مہر و ماہ نجوم و فلک بحر و بر
خار و گل ہائے تر اور سب جانور　　سال و ماہ شب و روز شام و سحر

تو ہے سب کا خدا ہیں ترے سب غلام
پاک تیری صفت، پاک تیرا کلام

مناجات

اے خدا مالکِ آسمان و زمین　　صاحب لوح و کرسی و عرشِ بریں
ذکر تیرا مبارک حیات آفریں　　جانفزا، دل کُشا، دلکش و دلنشیں

پاک ہے تیری صفت، پاک تیرا نام
تو ہمارا ہے مالک، ترے ہم غلام

کر ہمیں خوبرو، خوش دل و خوش کلام
تو ہمارا ہے مالک، ترے ہم غلام

ہر نفس آبِ کوثر کا ساغر ملے لذتِ دید روئے منور ملے
ہم کو جنت میں قربِ پیمبرؐ ملے تیرے دیدار کا لطف اکثر ملے
سلسبیل اور تسنیم کے منقش جام
تو ہمارا ہے مالک، ترے ہم غلام

اے خدا تیرے لطف و کرم پر نثار تیری رحمت پہ ہر ہر قدم پر نثار
عرش و کرسی و لوح و قلم پر نثار تیرے محبوب شاہِ امم پر نثار
اس مناجات کو کردے مقبولِ عام
تو ہمارا ہے مالک ترے ہم غلام

دوسرے حمد ومناجات گو شاعر سید عبدالرب صوفی ہیں۔موصوف کی باغ و بہار شخصیت سے تقریباً سبھی اہلِ علم وادب حضرات واقف ہوں گے۔صوفی صاحب نہایت متدین اور پابند شریعت بزرگ تھے۔دین وسنت کے خلاف کسی بھی فعل کو برداشت نہیں کرسکتے تھے۔ان کے اخلاص کی شہادت حضرت مولانا شاہ وصی اللہ صاحب قدس سرہٗ تک نے ''صوفی صاحب مخلص آدمی ہیں'' کہہ کردی تھی۔ نیز مولانا منظور احمد نعمانی نے صوفی صاحب کے انتقال کے موقع پر الفرقان میں تحریر فرمایا: ''صوفی عبدالرب صاحب اپنے رب کے بڑے وفادار بندے اور مثالی مومن تھے۔صوفی صاحب شاعر بھی تھے، اور بڑے قادر الکلام شاعر''۔حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی مدظلہٗ نے تو ان پر ایک مستقل مضمون لکھا ہے جو ان کی تصنیف ''پرانے چراغ'' میں شائع ہوا ہے۔کلام اپنے متکلم کے جذبات کا آئینہ دار ہوا کرتا ہے۔ایک مردِ مومن اور اپنے رب کے وفادار مخلص بندے کا کلام یقیناً ایمان واخلاص اور جذبہ وفاداری کا حامل ہوگا اور اپنے قارئین اور سامعین کے قلوب میں انہیں کیفیات کو اُبھارے گا۔ یہاں نمونے کے طور پر میں ان کی ایک حمد کے چند اشعار نقل کرتا ہوں ؎

اے خدا تیری مہک پھیلی گلزاروں میں اے خدا نور چمکتا ہے ترا تاروں میں
نام رٹتا ہے ترا باغ کا پتہ پتہ سنگ ریزے ترا دم بھرتے ہیں کہساروں میں
خشک صحرا میں ترے نام کی خاموشی ہے اور رونق ہے ترے کام کی بازاروں میں
نہیں تسبیح میں مشغول فقط غنچہ و گل اے خدا تذکرہ ہوتا ہے ترا خاروں میں

دودھ پیتے ہوئے بچے بھی نہیں ہیں خاموش — تیری معصوم ثنا خوانی ہے گہواروں میں
لال چہرے میں مجاہد کے جھلک ہے تیری — اور چمک تیری ہے چلتی ہوئی تلواروں میں
لے کے آئے تھے ملائک تری نصرت کی نوید — غزوۂ بدر کے دن تیغ کی جھنکاروں میں
دھاک بیٹھی ہے غلامان نبیؐ کے تیرے — آج بھی سارے زمانے کے جہانداروں میں
تیرے موسیٰؑ کی جلالت کا مرقع دیکھا — قصر فرعون کی ٹوٹی ہوئی دیواروں میں
اے خدا صوفیؔ مسکین سے بھی راضی ہو جا
وہ بھی ایک عمر سے ہے تیرے طلبگاروں میں

تیسرے حمد و مناجات گو صاحبِ عرفان شاعر بقیۃ السلف مولانا محمد احمد پرتابگڑھی دامت برکاتہم ہیں۔ ان کی شخصیت محتاج تعارف نہیں ہے۔ مولانائے موصوف کے عارفانہ ومحققانہ منظوم کلام کا مجموعہ ''عرفان محبت'' کے نام سے طبع ہو کر ایک عرصہ سے افادۂ خاص وعام کر رہا ہے۔ مجھے اس حمد کو خود مولانائے محترم کی زبان سے پُرسوز وار پُردرد انداز میں بارہا سننے کا اتفاق ہوا ہے۔ اور ہر بار نئی کیفیت محسوس ہوئی ہے اور جب کبھی یہ حمد پڑھی اور سنی جاتی ہے تو بالکل وہی مضمون صادق آنے لگتا ہے، جس کی طرف حضرت مولانا نے اپنے اس شعر میں اشارہ فرمایا ہے ؎

غائب ہوا جاتا ہے تجلیات کا عالم — مشہود لگا ہونے مغیبات کا عالم

حمد ملاحظہ فرمایئے:

حمد تیری اے خدائے لم یزل — ہے یہ اپنی زندگی کا ماحصل
توہی خالق ہے توہی خلّاق ہے — تو ہی رب انفس و آفاق ہے
تیری نعمت کی نہیں کچھ انتہا — شکر تیرا کیا کسی سے ہو ادا
یا علیم یا سمیع یا بصیر — توہی قادر اور تو ہی ہے خبیر
نام تیرا میرے دل کی ہے دوا — ذکر تیرا روح کی میرے شفا
یہ زمین و آسماں، شمس و قمر — دیتے ہیں سب ذات کی تیری خبر
توہی مالک تو ہی رب العالمیں — تیرے در پر جھکتی ہے سب کی جبیں
شان تیریؑ کون سمجھے گا بھلا — ابتدا تو ہی ہے تو ہی انتہا
تو ہی ہے مقصود تو ہی مدعا — جان و دل کرتا ہوں میں تجھ پر فدا
قید سے شیطان کے یارب چھڑا — اور شرور نفس سے مجھ کو بچا

یا الٰہی! مجھ کو اب اپنا بنا کرلے تو مقبول احمد کی دعا

غور فرمائیے تو معلوم ہوگا کہ اس حمد کا ہر شعر باری تعالیٰ کی معرفت کا دفتر اور ہر ہر بیت اللہ رب العزت کے علم و حکمت کا خزینہ ہے اور آخر میں جو دعا فرمائی تو بالیقین کہا جاسکتا ہے کہ وہ دعاؤں کا منفرد خلاصہ ہے اور اس حمد کی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں اسمائے حسنیٰ کثرت سے مذکور ہیں جو اس کے شرف و فضل کے لیے کافی ہے۔ نیز اس حمد میں مناجات رب العالمین کا ایسا عنوان ہے کہ اگر کوئی شخص خلوت میں حضور قلب کے ساتھ اس کو پڑھے تو اسے مناجات رب العالمین کی لذت و خلاوت نصیب ہو جائے اور قرب و انابت کی کیفیت وجداناً محسوس ہونے لگے جو یقیناً ایسی دولت ہے جس کو رشک صد کرامت کہا جائے۔

آخر میں اس سلسلے کو ایک پاکستانی شاعر رازؔ کاشمیری کی مناجات پر تمام کرنے کو جی چاہتا ہے۔ رازؔ صاحب غزل کی سادگی، سپردگی اور تعلقِ خاطر کو حمد و مناجات میں رچا کر پیش کرتے ہیں۔ الفاظ اور تراکیب میں اعلیٰ ذوق کے حامل ہیں۔ قارئین ان کی قادر الکلامی، وارفتگی، سپردگی اور اثر انگیزی کا اندازہ فرمائیں: ؎

تو دافعِ ہر رنج و اَلم بار الٰہا ہم لوگ ہیں محتاجِ کرم بار الٰہا
اُٹھتی ہیں ہر سمت ہی مایوس نگاہیں کب تک یہ گرانباری غم بار الٰہا
منسوب ہے یہ ارض وطن نام سے تیرے لہرائے سدا اس کا علم بار الٰہا
بے برگ و ثمر نخلِ سرِ راہِ وفا ہیں تو بادِ صبا، ابرِ کرم بار الٰہا
آئے ہیں درِ قدس پہ ہم سر کو جھکائے اک عرض ہے بادیدۂ نم بار الٰہا
تیرے ہی تصرف میں ہے بگڑی کا بنانا تابع ہیں ترے لوح و قلم بار الٰہا
جس قوم سے خم کھاتے تھے کل مشرق و مغرب اب اس میں نہ وہ دَم ہے نہ خم بار الٰہا
افکار پہ ہے فلسفۂ غرب مسلط اذہان میں ادہام عجم بار الٰہا
سینے ہوئے محروم تب و تابِ یقین سے ہم بھول گئے راہِ خرم بار الٰہا
ہم تیری ہدایت کے طلبگار ہیں تجھ سے بھٹکے ہیں تری راہ سے ہم بار الٰہا
کٹتا ہے تو کٹ جائے مگر اپنی دعا ہے سر ہو تو ترے در پہ ہو خم بار الٰہا
مل جائے سبو ہم کو مئے عشق نبیؐ کا مطلوب نہیں ساغر جم بار الٰہا

(بشکریہ "حمد نمبر۔نعت رنگ") ○❖○

عبیداللہ کوثی

کلامِ اقبالؔ میں حمد ومناجات

شاعرِ مشرق علامہ اقبالؒ کے کلام میں دعا اور حمد ومناجات کے بڑے جاندار اور دلکش نمونے موجود ہیں، اُن میں ان کی مشہور نظم ''شکوہ'' ایک طویل مناجات ہے، اور اس کو کلام اقبال میں اپنے درد دل، اپنے طاقتور اسلوب، دلکش اندازِ بیان اور تاثیر کی وجہ سے نمایاں حیثیت حاصل ہے۔ اس میں وہ خدا سے مخاطب ہیں، پھر ان کے یہاں جواب آں غزل کے طور پر ''جواب شکوہ'' بھی موجود ہے۔ شکوہ میں انہوں نے خدا سے ہم کلام ہوتے ہوئے جن بنیادی سوالوں کو چھیڑا ہے اور خارِ زندگی کی جس چبھن کا شکوہ کیا ہے اُس کا مداوا جواب شکوہ میں اس خوبصورتی سے پیش کر دیا گیا ہے کہ زندگی کو رواں دواں اور جاوداں بنانے کی تحریک ہوتی ہے اور جمود اور سکون، حرکت وعمل میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔

اقبال اپنے کلام میں جب انسانوں سے مخاطب ہوتے ہیں تب بھی اکثر ان کا روئے سخن، خدا کی طرف ہوجاتا ہے۔ اقبال کے خلاف، فرشتوں نے بارگاہ الٰہی میں جو شکایت کی ہے وہ بھی مناجات ہی کا ایک رنگ ہے۔[1]

کی حق سے فرشتوں نے اقبال کی غمازی — گستاخ ہے کرتا ہے فطرت کی حنا بندی
خالی ہے مگر اس کے انداز ہیں افلاکی — رومی ہے نہ شامی ہے کاشی نہ سمرقندی
سکھلائی فرشتوں کو آدم کی تڑپ اس نے — آدم کو سکھاتا ہے آداب خداوندی

پھر جب اقبال نے شکوہ میں اسرار خودی اور رموز بے خودی کے جوہر دکھلائے تو زمین پر اگرچہ اس درازنفسی سے چشمک نے گل کھلائے، شکایت نے دہن کھولے مگر فلک کے فرشتے بھی اس پر مہر بہ لب نہ رہ سکے[2]۔

پیر گردوں نے کہا سن کے، کہیں ہے کوئی — بولے سیارے، سر عرش بریں ہے کوئی
چاند کہتا تھا نہیں، اہل زمیں ہے کوئی — کہکشاں کہتی تھی پوشیدہ یہیں ہے کوئی

۱: دیکھئے کلیات اقبال اردو، بال جبریل (غزل) ص ۷۱
۲: بانگ درا (جواب شکوہ) ص ۱۹۹

کچھ جو سمجھا مرے شکوے کو تو رضواں سمجھا　　مجھے جنت سے نکلا ہوا انساں سمجھا

جنت سے نکالا ہوا یہ انسان اپنے چمن کی یادوں کو بھلا نہ سکا اور اقبال بھی شکوہ اور جواب شکوہ کی حدود سے باہر نکلے تب بھی انہوں نے بے بسی کے ساتھ انسان کے اس ترکِ وطن پر خدا سے گفتگو جاری رکھی۔[1]

کیا کہوں اپنے چمن سے میں جدا کیونکر ہوا　　اور اسیر حلقہ رام ہوا کیونکر ہوا؟
دیکھنے والے یہاں بھی دیکھ لیتے ہیں تجھے　　پھر یہ وعدہ حشر کا صبر آزما کیونکر ہوا؟
پرسش اعمال سے مقصد تھا رسوائی مری　　ورنہ ظاہر تھا سبھی کچھ کیا ہوا کیونکر ہوا؟

اقبال کے یہاں دعا و مناجات کی مستقل صنفیں اگرچہ بار بار مختلف صورتوں میں پائی جاتی ہیں مگر بارگاہ الٰہی میں سرگوشی اور ہم کلامی کا یہ رنگ ان کی غزلوں اور نظموں میں بھی شوق و سرمستی کی بہاریں دکھلاتا ہے، ان میں شوخی کے ساتھ ادب، ناز کے ساتھ نیاز مندی، احساس عبدیت کے ساتھ خدائے تعالیٰ کے فور رحمت اور کمال بندہ نوازی پر وہ اعتماد ہے جس نے ان کے ساز دل کے ہر نغمہ کو جاں افزا اور ہر شعر کو بادۂ معرفت بنا دیا ہے، وہ روپ بدل بدل کر اپنے خالق و مالک اور داتا کے دربار میں آتے ہیں کبھی اپنے دل کا سوز بچوں کی زبان سے ادا کرتے ہیں۔[2]

لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری　　زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری

یہ پوری دعا اپنی روانی، دلکشی اور تاثیر میں اپنی مثال آپ ہے۔ اقبال مسلمانوں کی زبان حال سے مناجات پیش کرتے ہیں تو ان کی دعا میں مرد مسلمان کا امتیازی کردار جھلکنے لگتا ہے۔ اُس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اقبال کے یہاں مسلمان کسی خاص نسلی گروہ کا نام نہیں ہے، ان کے نزدیک مسلمان، ایمان و کردار سے آراستہ اس فرد یا جماعت کی علامت ہے جس کے اندر چند در چند خوبیاں درکار ہیں اور یہ وہ خوبیاں ہیں جن کی یافت یا دریافت کی تمنا دنیا کے ہر ایک انسان کے دل میں ہونی چاہیے۔[3]

یا رب دل مسلم کو وہ زندہ تمنا دے　　جو قلب کو گرما دے جو روح کو تڑپا دے
پھر وادیٔ فاراں کے ہر ذرے کو چمکا دے　　پھر شوق تماشا دے پھر ذوق تقاضا دے
بھٹکے ہوئے آہو کو پھر سوئے حرم لے چل　　اس شہر کے خوگر کو پھر وسعت صحرا دے

اس دعا میں وہ محبت سے لبریز دل، خودداری اور حریت، بے لوث محبت، بے باک صداقت،

۱: بانگ درا (غزل) ص ۱۰۰
۲: بانگ درا (بچے کی دعا) ص ۳۴
۳: بانگ درا (دعا) ص ۲۱۲

بصیرت، شفاف دل، آثار مصیبت کا احساس اور امروز کی شورش میں اندیشۂ فردا کی طلب کرتے ہیں اور آخر میں

میں بلبل نالاں ہوں اک اجڑے گلستاں کا تاثیر کا ساحل ہوں محتاج کو داتا دے

اقبالؔ اپنی ایک اور دعا ''آرزو''[۱] میں اپنے رب کو مخاطب کر کے یہ کہتے ہیں کہ میں دنیا کی محفل سے اکتا گیا ہوں دل بجھا ہوا، لطف محفل معدوم، دل شورش سے بھاگ کر ایسا سکوت چاہتا ہے جس پر زبان آوری بھی نچھاور ہو، آرزو ہے کہ دامن کوہ کے معمولی جھونپڑے میں غم دنیا کا کانٹا دل سے نکال کر خموشی میں اپنی فکر کو آزاد کر دو، چشمے کی شورش سے پیدا ہونے والے ساز اور چڑیوں کے سرود کی لذت میں اپنے ساغر جہاں نما کو جو دل کہلاتا ہے محو تماشا کر دوں، گل کی کلی کھلے تو اس کا پیام ساغر دل میں بھر جائے، سبزہ کا بچھونا ہو اور ہاتھ کا سرہانا، خلوت میں وہ ادا ہو جس پر جلوت شرمسار ہو، ہرے بوٹے صف بستہ ہوں، ایسے کہ شفاف پانی ان کی تصویریں لے رہا ہو، کہسار کا نظارہ ایسا دلفریب ہو کہ پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو، غرض فطرت کے یہ اور ایسے دوسرے مناظر سامنے ہوں اور اس وقت۔[۲]

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا ہو
اس خاموشی میں جائیں اتنے بلند نالے تاروں کے قافلے کو میری صدا درا ہو
ہر درد مند دل کو رونا مرا رلا دے بے ہوش جو پڑے ہیں شاید انہیں جگا دے

اقبالؔ کا یہی ذوق مناجات اندلس کی سرزمین میں 'طارق کی دعا' بن کر سامنے آیا جہاں طارق کی زبان سے اور کلام اقبال کی راہ سے ہمارے آپ کے ساز دل کا یہ ترانہ۔[۳]

دو عالم سے کرتی ہے بے گانہ دل کو عجب چیز ہے لذت آشنائی
کیا تو نے صحرا نشینوں کو یکتا خبر میں نظر میں اذان سحر میں
طلب جس کی صدیوں سے تھی زندگی کو وہ سوز اس نے پایا انہیں کے جگر میں
کشاد در دل سمجھتے ہیں اس کو ہلاکت نہیں موت ان کی نظر میں
دل مرد مومن میں پھر زندہ کردے وہ بجلی کہ تھی نعرہ لاتذر میں
عزائم کو سینوں میں بیدار کردے نگاہ مسلماں کو تلوار کردے

اقبال قرطبہ گئے تو سرزمین اندلس کا شاندار ماضی اور اس کی گزشتہ شوکت و جمال انہوں نے مسجد

۱: بانگ درا، ص ۴۶
۲: ایضاً، ص ۴۷
۳: بال جبریل، ص ۱۰۵

قرطبہ کے آئینہ میں دیکھی۔کل اپنے کشاد کے لیے دست صبا کا محتاج ہوتا ہے مگر اقبال کا جوش جنوں ہی ان کی بقائے فکر وخیال کو کھول دینے کے کافی تھا، وہ ایسی جگہ تھے جہاں جوش جنوں نے کئی صدیوں کے پردے اٹھا دیئے تھے، وہ شعور ذات کی منزل میں آئے اور یوں گویا ہوئے ؎

ہے یہی میری نماز، یہی میرا وضو　　میری نواؤں میں ہے میرے جگر کا لہو
راہِ محبت میں ہے کون کسی کا رفیق　　سر خوش و پرسوز ہے لالہ لب لہو
میرا نشیمن نہیں در گہہ میر و وزیر　　میرا نشیمن بھی تو شاخ نشیمن بھی تو
تجھ سے گریباں مرا مطلع صبح نشور　　تجھ سے مرے سینہ میں آتش اللہ ہو
تجھ سے میری زندگی سوز وتب و درد وداغ　　تو ہی مری آرزو، تو ہی مری جستجو
پاس اگر تو نہیں شہر ہے ویراں تمام　　تو ہے تو آباد ہیں اجڑے ہوئے کاخ کو

اور اب اقبال حقیقت ازلی کی بارگاہ میں عرفان حق کی منزل میں پہنچتے ہیں جہاں ان کے احساسات بے حجاب ہو جاتے ہیں۔[1]

پھر وہ شراب کہن مجھ کو عطا کر کہ میں　　ڈھونڈ رہا ہوں اسے توڑ کے جام وسب
چشم کرم ساقیا دیر سے ہیں منتظر　　جلوتیوں کے سبوا خلوتیوں کے کدو

مناجات کے ان لمحات میں اقبال مقام قرب پر پہنچتے ہیں تو ان کے شوق اور نارز ادا کے کھل جاتے ہیں مگر گومگو کی کیفیت ہے کچھ کہا اور بہت کچھ کہنے سے رہ گیا، وہ بارگاہِ عظمت اور پھر فلسفہ وشعر کی محدود سرزمین اور زمان ومکان کی پابند انسان کی کوتاہ اور محدود قوت گویائی ؎[2]

تیری خدائی سے ہے میرے جنون کو گلہ　　اپنے لئے لا مکاں، میرے لیے چار سو
فلسفہ و شعر کی اور حقیقت ہے کیا　　حرف تمنا جسے کہہ نہ سکیں روبرو

اقبال نے زبان فارسی میں مناجات اور حمد ودعا کا ایک گلزار پیدا کر دیا ہے۔اس میں بھی ان کے یہاں بڑا تنوع ہے۔غزلوں کے علاوہ نظم کے مختلف اصناف میں ان کے ذوق تکلم نے مختلف مواقع پیدا کر لیے ہیں تاہم یہاں کے دید کی شنید کا یا ان کے شنید کو دہرانے کا موقع نہیں۔اس بادہ سے سرشاری کے لیے ایک اور جام (مضمون) کی ضرورت ہوگی، البتہ یہاں بطور نمونہ چند مثالیں پیش کی جاتی ہیں۔ پہلے یہ دعا۔[3]

---

[1]: بال جبریل ص۹۱، (دعا)
[2]: بال جبریل، ص ۹۲
[3]: کلیات اقبال فارسی، زبور عجم، ص۔۔۔

یا رب درون سینہ دل با خبریدہ　　دربارہ نشہ رانگرم آں نظریدہ
ایں بندہ را کہ بانفس دیگراں نزیست　　یک تو خانہ زاد مثال سحر بدہ
سلیم مرا بجوئے تنک مایہ پیچ　　جولا گہے بوادی و کوہ و کمریدہ
سازی اگر حریف یم پیکراں مرا　　با اضطراب موج، سکون گہریدہ
شاہین من بصید پائگاں گذاشتی　　ہمت بلند و چنگل ازیں تیز تربدہ
رفتم کہ طائران حرم را کنم شکار　　تیرے کہ نافگندہ فند کاریگربدہ
خاکم بہ نغمہ داؤد بر فروز　　ہر ذرہ مرا پر و بال شرر بدہ

وہ ایک مناجات میں اس کا اعتراف کرتے ہیں کہ وجود عالم میں خدا کی ہستی ہی جلوہ فرما ہے۔ میری اپنی ذات میں بھی اسی کا پرتو ہے مگر بدنصیبی یہ ہے کہ پھر بھی وہ ہستی مجھ سے دور ہے، اے خدایا زندگی کے ساز کا ہر نغمہ تیرا فیض ہے اور تیری راہ میں جاں سپاری، رشک زندگی ہے۔ ایسا کر کہ دل ناشاد کی تسکین کا تو ہی ذریعہ بن جا، سینوں میں تیرا ہی دوبارہ بسیرا ہو، ہمارا وجود تیرے ہی نام اور عظمت کا ثنا خواں ہو، اس لیے اے خدا اپنے خام کار عاشقوں کو پختہ تر بنا، تیری تقدیر سے ہمیں یہ شکوہ ہے کہ تیری محبت اور عشق کا نرخ بالا دفزوں ہے اور یہی پونجی ہمارے درمیان نایاب ہے یہی عطا فرما تا کہ شکوہ کوئی موقع نہ رہے۔ وہ فرماتے ہیں:[1]

اے چوں جاں اندر وجود عالمی　　جان ما باشی و از مامی رمی
نغمہ از فیض تو در عود حیات　　موت در راہ تو محسود حیات
ناز تسکین دل ناشاد شو　　باز اندر سینہ ہا آباد سو
باز از ما خواہ ننگ و نام را　　پختہ تر کن عاشقان خام را
از مقدر شکوہ ہا داریم ما　　نرخ تو بالا و نادار یم ما

اقبالؔ کو یہ احساس ہے کہ ان کے جام میں فطرت کے خم خانہ سے، خدا نے جو شراب عشق ومعرفت انڈیل دی ہے وہ رگ زندگی کے ہر تار کو چھیڑنے اور اس میں زندگی کی لہریں پیدا کر دینے کے لیے کافی ہے، اس لیے ان کی خواہش یہ ہے کہ خدا اس صہبا کی تندی اتنی بڑھا دے جس سے ان کی مینائے حیات یعنی جان وتن گداز ہو جائیں، وہ فرمائش کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے خداوند! میری فریاد کی تاب و تپش سے عشق الٰہی کا سرمایہ چن دے، میرے جسم کے بے آب ریگستان کی خاک کو بے باکی اور جرأت

[1] کلیات فارسی از اسرار خودی، ص ۷۵

کا شعلہ بنادے اور ایمان وکردار میں ایسی بجلی بھر دے جو حق کے نور سے روشن ہو اور باطل کے خاشاک اور جذبات کو نابود کر دے، میں فنا کے خمیر سے بنا ہوں لیکن جب موت آئے تو میرے عشق کی پونجی اور میری زندگی کے غبار سے چراغ لالہ پیدا فرمادے۔ مرے داغ محبت کو زندگی نو عطا کر، میری تشنگی کی آگ کو ہر طرف بھڑکا دے، پھیلا دے۔[1]

اے کہ از خم خانہ فطرت بجانم ریختی ز آتش صہبائے من پیراز مینائے مرا
عشق را سرمایہ ساز اگر مئ فریاد من شعلہ بے باک گرداں خاک سینائے مرا
چو بمیرم از غبار من چراغ لالہ ساز تازہ کن داغ مرا، سوزاں صحرائے مرا

اقبال کے فارسی کلوم کو باغ اردو میں زبان تر کی کا مثل سمجھئے جس کے نمونوں کو پیش کرنے کے لیے، ان کے آہنگ اور سخن سے آشنائی درکار ہے یا ایسی ترجمانی اور وضاحت کہ ان کے سخن کا ساز ہماری اپنی زبان میں بھی اپنی ترنگ اور تندی کو قائم رکھ سکے۔ اس لیے ہم پھر اردو کے بازار میں آتے ہیں اور یہ دیکھتے ہیں کہ اقبال نے اس میں حمد و مناجات اور دعا کی صنف میں اپنے نالہ کو کس طرح بلند اور اپنی آہ کو کس طرح رسا اور اثر انگیز بنا دیا ہے۔

اقبال کا فن، شعر و ادب کی مختلف صنفوں میں آپ بیتی کے ساتھ جگ بیتی سنانے چلا تو انہوں نے اپنے تخیل کی مدد سے وہ بھی سن لیا جو ممکنات کی بستی میں کہہ سکتا، نظام کفر میں اگر کہیں کچھ تاب و تپش ہے تو وہ بوئے ایماں ہی کا پرتو ہے۔ اقبال نے لینن کے معقول تخیلات میں انکار کج کی پیچدار نمائش دیکھی تو وہ لینن کو اپنے تخیل کی مدد سے وہاں لے گئے جہاں یعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔[2] (وہ خدا آنکھ کے اشاروں اور سینہ کے بھیدوں سے آگاہ ہے) کی عکس ریزیاں اور مالک کون ومکان کی جلوہ طرازیاں تھیں، کمیونزم نے بیسویں صدی کی نویں دہائی میں اب جو دیکھا ہے، وہ اقبال نے لینن کی زبان سے خدا کے حضور میں پہلے ہی سن لیا تھا، مادیت اور نفس کے سحر میں گرفتار دنیا سے لینن کی فطرت آزاد ہوئی تو اس پر سب سے بڑی حقیقت کا انکشاف ہوا اور وہ بول اٹھا۔[3]

اے انفس و آفاق میں پیدا ترے آیا حق یہ ہے کہ ہے زندہ و پائندہ تری ذات
میں کیسے سمجھتا کہ تو ہے یا کہ نہیں ہے ہر دم متغیر تھے خرد کے نظریات
محرم نہیں فطرت کے سرود ازلی سے بینائے کواکب ہو کہ دانائے نباتات

۱: کلیات فارسی، پیام مشرق، ص ۸۴
۲: سورۃ المومن، آیت: ۱۹
۳: کلیات اردو، بال جبریل (لینن خدا کے حضور میں) ص ۱۰۶

آج آنکھ نے دیکھا تو وہ عالم ہوا ثابت   میں جس کو سمجھتا تھا کلیسا کے خرافات
ہم بندِ شب و روز میں جکڑے ہوئے بندے   تو خالق اعصار و نگارندہ آنات

مادی دنیا کے پیچ و خم کو درست کرنے کے لیے لینن نے جو کارگزاری دکھائی اس سے انسانی مسائل میں گرہ پر گرہ پڑتی گئی۔ ان گرہوں کو کھولنے کے جو اہل تھے وہ روبہ زوال تھے اور جو نا اہل تھے وہی میدان عمل کے شہ سوار تھے، ان کی شہ پا کر ابلیس کے لمس نے نظام زندگی کو غیر متوازن بنا دیا تھا، لینن نے مغرب کے علم و ہنر کی ان کمزوریوں کو واشگاف کر دیا ہے۔

یہ علم، یہ حکمت، یہ تدبر، یہ حکومت   پیتے ہیں لہو دیتے ہیں تعلیم مساوات
بے کاری و عریانی و مے خواری و افلاس   کیا کم ہیں فرنگی مدنیت کے فتوحات
وہ قوم کہ فیضان سماوی سے ہو محروم   حد اس کے کمالات کی برق و عمارت
ہے دل کے لیے موت مشینوں کی حکومت   احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات

لینن کو مغرب کے زوال کے آثار بھی نظر آئے وہ کہتا ہے ؎

آثار تو کچھ کچھ نظر آتے ہیں کہ آخر   تدبیر کو تقدیر کے شاطر نے کیا مات
میخانے کی بنیاد میں آیا ہے تزلزل   بیٹھے ہیں اسی فکر میں پیران خرابات
چہروں پہ جو سرخی نظر آتی ہے سر شام   یا غازہ یا ساغر و مینا کی کرامات

لینن گزارش احوال واقعی کے بعد انسانیت کے درد کے درماں کے لیے بارگاہ الٰہی میں عرض کرتا ہے ؎

تو قادر و عادل ہے مگر تیرے جہاں میں   ہیں تلخ بہت بندۂ مزدور کے اوقات
کب ڈوبے گا سرمایہ پرستی کا سفینہ   دنیا ہے تری منتظر روز مکافات

جاہلیت اور مادیت کے طوفان میں کشتی کو ساحل مراد تک لانے کا کام ان لوگوں کا تھا جو عالمان دین ہیں مگر ان کی صفوں میں ملائے قیل و قال کی دراندازی نے بحث و جدال کا ماحول پیدا کر دیا اور اصل حقیقت نظروں سے اوجھل ہو گئی۔ اقبال نے اپنی ایک نظم میں اس کی بھی شکایت کی۔ اسے مناجات کہیں یا مناجات کا ساطرزِ سخن بہرحال بارگاہِ الٰہی میں اقبال کا یہ شکوہ بھی۔[1]

میں بھی حاضر تھا وہاں ضبطِ سخن کر نہ سکا   حق سے جب حضرت ملا کو ملا حکم بہشت
عرض کی میں نے، الٰہی مری تقصیر معاف   خوش نہ آئیں گے اسے ضور و شراب ولب کشت

[1]: بال جبریل (ملا اور بہشت) ص ۱۱۷

نہیں فردوس، مقام جدل و قال و اقول　　بحث تکرار اس اللہ کے بندہ کی ہے سرشت
ہے بد آموزی اقوام و ملل کام اس کا　　اور جنت میں نہ مسجد، نہ کلیسا نہ کنشت

اقبالؔ نے ملائے قیل وقال کو اگرچہ حضرت حق سے حکم بہشت دلوادیا ہے، شاید اس کے خلوص اور دین خداوندی سے اس کی گہری وابستگی کی بنا پر اس کی زاہدانہ زندگی اور مذہبی غیرت کی وجہ سے مگر اس کی تیز حس جو بات بات پر بھڑک اٹھتی ہے اور اس کی ملی حمیت جو رونق اسلام کے لیے کفر وشرک کی زرا سی بھی آہٹ پا کر چوکنا ہوجاتی اور بحث وتکرار کا موقع تلاش کر لیتی ہے اور جو اقوام ملل کے ساتھ خوش گواری اور حسن معاملہ کی اسلامی تعلیمات کو نظرانداز کردیتی ہے۔ اقبال کو اس ادا پر اعتراض ہے اور وہ بدآموزی اقوام وملل کو حسن اخلاق سے اور بحث وتکرار کو ساز دل کے پُرسوز نغموں سے بدلنا چاہتے ہیں۔ گویاں حضرت ملا کے حسن نیت اور حسن عمل میں خوش گفتاری اور خوش آموزی کا بھی جوہر چاہیے ورنہ اقبال یا اقبال کے شناسا ایسے موقعوں پر ضبط سخن نہ کرسکیں گے۔

اقبال اپنی مناجات، حمد وشکوہ اور دعا کے علاوہ اپنی غزلوں، نظموں، رباعیات اور قطعات میں جب شوخی اور سرمستی کا کیف پاتے ہیں تو ان کے مقام ناز ونیاز کی رفعتیں دیدنی ہوتی ہیں۔ اس میں ان کے اسلوب کا تنوع ان کے مچلتے جذبات کی دھوپ چھاؤں، رحمت حق کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے انداز وطور یہ پتہ دیتے ہیں کہ ان کی بلند حوصلہ طبیعت کے شانہ بشانہ ان کی مناجات کو بام بلند تک پہنچانے میں ان کے سوز دروں کا کس قدر حصہ رہا ہے۔ ان کی مناجاتیں جو غزل کے بادہ سے سرشار ہیں ان میں ان کی سرمستی اور سرشاری اس قدر افزوں ہوئی کہ اس نے راز درون خانہ کو نہاں نہیں رہنے دیا۔ غزل کے لطیف لباس میں سرگوشیوں کی صدا ایسی مسلسل اور واضح ہے کہ اس سے اقبال کے جذب وکیف کا راز عیاں ہوجاتا ہے۔ وہ خود بھی جابجا اس کا اقرار کرتے ہیں۔

بکسے عیاں نکر دم، ز کسے نہاں نکردم　　غزل آنچناں سرو دم کہ بروں فتادر ازم

کسی پر عیاں بھی نہ کیا اور کسی سے نہاں بھی نہ رکھا اور ایسی غزل چھیڑی کہ جو سربستہ راز تھا وہ کھل کر سامنے آگیا، ایک اور شعر میں وہ یہ کہتے ہیں کہ مجھ کو غزل خواں سمجھا جاتا ہے حالانکہ میں لالہ صحرائی کا عاشق ہوں اس کے چہرہ زیبا اور حسن دل ربا کے نظارہ کے سوا مجھے کچھ خبر نہیں، اے خداوند! میرے سینہ میں شبنم کی طرح یہ کس کی آمد ہے؟ کیسی بارش ہے جو تیری بارگاہ سے میرے دل پر ہورہی ہے۔

جزء لالہ نمی دانم گویند غزل خوانم　　ایں چیست کہ چوں شبنم بر سینہ من ریزی

ایک غزل میں ان کا انداز تخاطب کچھ اس طرح ہے۔

اک دانش نورانی، اک دانش برہانی   ہے دانش برہانی حیرت کی فراوانی
اس پیکر خاکی میں اک شی ہے سو وہ تیری   میرے لیے مشکل ہے اس شی کی نگہبانی
اب کیا جو فغاں میری پہنچی ہے ستاروں تک   تو نے ہی سکھائی تھی مجھ کو یہ غزل خوانی
ہو نقش اگر باطل تکرار سے کیا حاصل   کیا تجھ کو خوش آتی ہے آدم کی یہ ارزانی

اقبال کو بارگاہ الٰہی سے جو خودی اور سرشاری عطا ہوئی ہے اور ان کے لیے جس جوہر ادراک کو ارزاں کر دیا گیا ہے وہ اسے بھی تمام انسانوں کا مشترک سرمایہ بنانا چاہتے ہیں، ساقی نامہ کی ابتدا تو اس طرح ہوتی ہے۔[1]

شراب کہن پھر پلا ساقیا   وہی جام گردش میں لا ساقیا
مجھے عشق کے پر لگا کر اڑا   مری خاک جگنو بنا کر اڑا
خرد کو غلامی سے آزاد کر   جوانوں کو پیروں کا استاد کر

مگر اس نظم میں ان کی نظر جب اس عنایت ربانی پر پڑتی ہے جو مسلسل ان پر ہوتی رہی تو وہ درخواست کرتے ہیں کہ یہ سب کچھ عام انسانوں کو بھی عطا ہو۔[2]

جوانوں کو سوزِ جگر بخش دے   مرا عشق، میری نظر بخش دے
مرے دیدہ ترکی بے خوابیاں   مرے دل کی پوشیدہ بے تابیاں
مرے نالہ نیم شب کا نیاز   مری خلوت و انجمن کا گداز
امنگیں مری، آرزوئیں مری   امیدیں مری، جستجوئیں مری
مری فطرت آئینہ روزگار   غزالان افکار کا مرغزار
مرا دل، مری رزم گاہ حیات   گمانوں کا لشکر یقین کا ثبات
یہی کچھ ہے ساقی، متاع فقیر   اسی سے فقیری میں ہوں میں امیر
مرے قافلے میں لٹا دے اسے   لٹا دے ٹھکانے لگا دے اسے

اقبال کے غزلوں میں حمد کا ایک رنگ تو یہ ہے۔[3]

چمک تیری عیاں بجلی میں، آتش میں، شرارے میں
جھلک تیری ہویدا چاند میں، سورج میں، تارے میں

---

[1]: بال جبریل (ساقی نامہ) ص ۱۲۴
[2]: بال جبریل (ساقی نامہ)، ص ۱۲۵
[3]: بانگ درا (غزل) ص ۱۳۸

اور کہیں شوق دید میں اس طرح محو کلام ہیں۔[1]

کبھی اے حقیقت منتظر نظر آ لباس مجاز میں
کہ ہزاروں سجدے تڑپ رہے ہیں مری جبین نیاز میں

اور اس در یا رتبہ تک رسائی کے بعد ان کو یہ احساس ہوتا ہے کہ گنہگار اور پریشان انسانیت کے لیے یہی جائے امان ہے۔کون و مکان کا خالق اور رب ستم رسیدہ، بے چین اور شرمسار انسانوں کی سب سے بڑی اور آخری پناہ گاہ ہے۔[2]

نہ کہیں جہاں میں اماں ملی، جو اماں ملی تو کہاں ملی
مرے جرم خانہ خراب کو ترے عفو بندہ نواز میں

اقبال کو بخوبی احساس ہے کہ ان کا نالہ رسا ہے، ان کی غزل ہنگامہ آفریں ہے، ان کے الفاظ اگرچہ دیر و حرم کی اصطلاحوں سے ترجمانی کا سلیقہ حاصل کرتے ہیں مگر ان لفظوں کے ذریعہ وہ جو نغمہ پیدا کر رہے ہیں اس سے فرش اور عرش دونوں کے مکیں یکساں طور پر متاثر اور مخمور ہوئے جاتے ہیں۔[3]

میری نوائے شوق سے شور حریم ذات میں — غلغلہ ہائے الاماں بت کدہ صفات میں
حور و فرشتہ ہیں اسیر میرے تخیلات میں — میری نگاہ سے خلل تیری تجلیات میں
گرچہ ہے میری جستجو دیر و حرم کی نقش بند — میری فغاں سے رستخیز کعبہ و سومنات میں

ایسا بھی نہیں ہے کہ وہ اپنے بارے میں خود فریبی کا شکار ہوں، اپنی بلندی و پستی دونوں کا شعور رکھتے ہیں:

گاہ مری نگاہ تیز، چیر گئی دل وجود — گاہ الجھ کے رہ گئی میرے توہمات میں

اقبال کی مناجات میں حمد اور حمد کے اشعار میں مناجات، جب تغزل کی لے اور غزل کے ترنم سے دو آتشہ ہو جاتے ہیں تو اس بادہ کی تندی، پڑھنے والوں کو بھی سرشار اور بے خود کر دیتی ہے اور وہ بھی شریک مناجات ہو کر اقبال کے اشعار گنگنانے لگتے ہیں۔[4]

گیسوئے تاب دار کو اور بھی تابدار کر — ہوش و خرد شکار کر، قلب و نظر شکار کر
عشق بھی ہو حجاب میں، حسن بھی ہو حجاب میں — یا تو خود آشکار ہو یا مجھے آشکار ہو

---

[1]: ایضاً (غزل) ص ۲۸۰
[2]: ایضاً، ص ۲۸۱
[3]: بال جبریل (غزل) ص ۵
[4]: ایضاً (غزل) ص ---

تو ہے محیط بے کراں، میں ہوں ذرا سی آجو یا مجھے ہم کنار کر یا مجھے بے کنار کر
میں ہوں صدف تو تیرے ہاتھ میرے گہر کی آبرو میں ہوں خزف تو تو مجھے گوہر شاہوار کر
نغمہ نو بہار اگر میرے نصیب میں نہ ہو اس دم نیم سوز کو طائرک بہار کر

اقبال اس حقیقت سے بھی باخبر ہیں کہ انسان کو خدا کی نظر میں ساری کائنات کے مقابلہ میں جو کرامت حاصل ہے اس کی وجہ سے یہ بشر گو ہر تخلیق کی حیثیت رکھتا ہے، اپنے خالق کی نظر میں یہ انسان ہی محبوب ترین ہے، اسی لیے یہ ''مورناتواں'' اپنے پروں کو دیکھ کر نازاں ہوجاتے ہے اور جب قدموں پر نظر جاتی ہے تو شرمساری کے جذبات بھی پیدا ہوتے ہیں، مذکورہ غزل کے اور آخری شعر، اس منظر کی عکاسی کرتے ہیں ؎

باغ بہشت سے مجھے حکم سفر دیا تھا کیوں کار جہاں دراز ہے اب مرا انتظار کر
روز حساب جب مرا پیش ہو دفتر عمل آپ بھی شرمسار ہو، مجھ کو بھی شرمسار کر

رباعیات اقبال میں دانش اقبال نے اپنے فکروفن کے اظہار کے لیے مختصر پیمانہ اپنے ہاتھوں میں لیا ہے مگر اس ذرا سی آب و جو میں محیط اقبال اسی طرح موجیں مار رہا ہے جس طرح وہ دوسرے پیمانوں (اصناف سخن) میں جھلکتا اور موجیں مارتا ہے۔ یہاں حسن طلب نے شکوہ کی صورت بھی اختیار کی ہے اور اپنے درد و کرب اور بے بسی کا بھی اظہار کر دیا ہے اور پھر وہ اعتراف حق اور تحدیث نعمت کے طور پر اپنی آہ سحر اور نور بصیرت کے موتی کو بھی مناجات کی لڑی میں پرو کر پیش کر دیتے ہیں۔[1]

ترے شیشے میں مے باقی نہیں ہے بتا کیا تو مرا ساقی نہیں ہے؟
سمندر سے ملے پیاسے کو شبنم بخیلی ہے یہ رزاقی نہیں ہے
دلوں کو مرکز مہر و وفا کر حریم کبریا سے آشنا کر
جسے نان جویں بخشی ہے تو نے اسے بازوئے حیدر بھی عطا کر
عطا اسلاف کا جذب دروں کر شریک زمرہ لا یحزنون کر
خرد کی گتھیاں سلجھا چکا میں مرے مولا! مجھے صاحب جنوں کر
جوانوں کو مری آہ سحر دے پھر ان شاہین بچوں کو بال و پر دے
خدایا! آرزو میری یہی ہے مرا نور بصیرت عام کردے

اقبال کے ادب مناجات کے اس جائزہ کا اختتام ایک فارسی رباعی پر موزوں معلوم ہوتا ہے، وہ

۱: مذکورہ رباعیاں بال جبریل، ص ۸۶، ۸۷، ۹۶ سے ماخوذ ہیں۔

بارگاہ الٰہی سے مخاطب ہیں مگر آخری مصرع میں انہوں نے جس خوبصورتی سے ذات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کیا ہے اس میں حمد و نعت کا ایک دلکش تخیل، ایسا دے گئے ہیں جو قلب کو گرما دے اور روح کو تڑپا دے۔[1]

بیاباں چو رسد ایں عالم پیر   شود بے پردہ ہر پوشیدہ تقدیر
مکن رسوا حضور خواجہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مارا   حساب من ز چشم او نماں گیر

یہ سن رسیدہ جہاں آب و گل، جب ختم ہو اور تقدیر کے تمام بھید بے پردہ ہو جائیں تو اس وقت خواجہ مدینہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حجور میں اے خداوند! مجھے رسوا نہ کیجئے گا، ان کی نظروں سے بچا کر ہی میری حساب فہمی کر لیجئے گا۔ (بشکریہ "حمد نمبر۔نعت رنگ")

○❖○

[1]: کلیات فارسی، ارمغان حجاز ص ۱۸، علامہ اقبال کی ایک اور رباعی بھی باندازِ دگر اسی تخیل کی ترجمانی کرتی ہے اور وہ یہ ہے

توغنی از ہر دو عالم من فقیر   روز محشر عذر ہائے من پذیر
گر حسابم را تو بیس ناگزیر   تو نگاہ مصطفیٰ پنہاں خیر

پروفیسر حامدی کاشمیری: سابق وائس چانسلر کشمیر یونیورسٹی

صلاح الدین پرویز کی نعتیہ نظم
'محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم'

صلاح الدین پرویز نے اپنے مجموعۂ کلام ''صلاح الدین پرویز کے خطوط'' (۱۹۸۸ء) میں جملہ نظمیں خطوط سے موسوم کی ہیں، ان میں سے چند خطوط، نظموں کی شکل میں، رسول اللہ ﷺ کے نام لکھے ہیں، ظاہر ہے یہ نعتیہ نظمیں ہیں اور ان میں آنحضرت کی حیات طیبہ اور ان کی سیرت پاک کے بعض پہلو آئینہ ہو گئے ہیں، یہ نظمیں نعت گوئی کے مروجہ اور روایتی انداز سے انحراف کی عمدہ مثالیں ہیں، روایتی نعت گوئی کے مطابق شاعر جذبۂ عقیدت کے زیر اثر سرور کائنات کے سراپا، اُن کی حیات یا ان کے عظیم انسانی اقدار، جن کی وہ تجسیم کاملہ ہیں، کی مدحت سرائی کرتا ہے اور اس کا انداز بالعموم خط یا بیانیہ ہوتا ہے، بعض سرکردہ شعراء مثلاً رومی، خسرو یا اقبال کی نعتیں رسول مقبول ﷺ کی ذات بابرکت کی تجسیم کاری کے ساتھ ساتھ اُن کے تئیں شاعر کے بے پناہ جذبۂ عشق کی پیکر تراشیاں بھی کرتی ہیں، ایسی نعتیں بلاشبہ نعتیہ ادب میں گرانقدر اضافے کی حیثیت رکھتی ہیں، تاہم ان کا اسلوب بھی بیانیہ ہی ہے، اور دیگر لاتعداد نعتیں بالعموم روایتی انداز کی ہیں، یہاں تک کہ بعض جدید شعراء بھی روایت کے اثرات سے آزاد نہیں ہو سکے ہیں۔

اس پس منظر میں صلاح الدین پرویز کی نعتوں کا منفرد اور مخصوص انداز توجہ طلب ہو جاتا ہے، اُن کے مجموعہ کلام کے آخری خط کا عنوان محمد رسول اللہ ﷺ ہے، اور یہ آنحضرت ﷺ کی مدح و توصیف کے ضمن میں ندرت اور تخصیص کا ایک دلپذیر نمونہ ہے، اس نعت کی بنیادی خصوصیت یہ ہے کہ یہ صرف ایک عاشق رسول ﷺ کے بے پایاں جذبۂ عقیدت کا ہی والہانہ اظہار نہیں، بلکہ یہ ایک سچے شاعر کے تخلیقی شعور کی تقدیس اور آب و تاب کا آئینہ دار بھی ہے، یہ جذبے کے موج رواں کی ہنگامی نمود کے بجائے شخصیت کے بحر سکوں کی بیکرانی پر دلالت کرتی ہے۔

آیئے ہم اس نعتیہ نظم کا تجزیہ کریں۔

نظم یہ ہے:

محمد رسول اللہؐ

وہ اپنے گھر سے نکل پڑا تھا
سپید شب کی مسافری سے
سیاہ سورج کا غم اُٹھانے، وہ اپنے گھر سے نکل پڑا تھا
وہ شام ابرو وہ رات گیسو
وہ جسم چھایا وہ چاند ماتھا
وہ آنکھ شمعیں وہ ہونٹ صبحیں
سپید پھولوں کا باغ نیارا
اداس بچوں کا باپ پیارا
کہ جس کی آنکھوں میں، ان کے غم
جگمگا رہے تھے
وہ رحمتوں کا عظیم والی
وہ برکتوں والا آسمانی
وہ جنتوں کا حسین مالی
دعاؤں کے راستے بناتا
زمین کی گرمی پہ چل رہا تھا
وہ دشمنوں میں گھرا ہوا تھا
تمہاری آنکھوں کے بادلوں میں
تمہارے خوابوں کے جنگلوں میں
کئی رحیم و کریم جگنو
تمہاری راتوں کے منتظر ہیں
کہ اے مرے آسمان لوگو!

تمہاری راتوں میں بارشیں ہوں
تمہاری راتوں کی بارش میں
تمہارے جگنو چمک رہے ہوں
وہ اب پہاڑی پہ آ گیا تھا
کہ ہنستی تھی سہیلی اس کی
ہوا نے دیکھا
تھکی ہوئی سانس کی تہوں سے
اسے پکارا
سمندروں کی غلاف آنکھیں
صداؤں کی بے حباب سانسیں
سمٹ کے اس کے قریب آئیں
ہوا تھا لیکن ہوا نہیں تھا
صدا تھا لیکن صدا نہیں تھا
خدا نہیں تھا، خدا نہیں تھا
وہ میٹھے پانی کا ایک جھرنا
خدائے برتر کا آئینہ تھا
وہ جا چکا ہے
وہ جا چکا ہے
وہ موتیا جیسے پاؤں والا
وہ چمپئی چاند نور والا
وہ بیلیا وہ مرا پیارا
اسے بلاؤ کہ ٹوٹ جاؤں میں اس کی آنکھوں میں نیند بن کے
اسے بلاؤ کہ پھوٹ جاؤں میں اس کے سینے میں بوند بن کے
وہ جا چکا ہے
وہ جا چکا ہے

وہ راہِ اسریٰ کا کبریائی
وہ شاہ معراج وہ خدائی

وہ جاچکا ہے
مگر یہ گھر کیسا گھر ہے اس کا
یہ کیسا گھر ہے
مہک رہا ہے
یہ کیسا بستر ہے
جل رہا ہے
یہ اسپ از حد مسکان والا
ابھی تلک سامنے کھڑا ہے
عبادتوں سے بنا پرندہ
ابھی تلک آنکھ مل رہا ہے
صدا صدا، بے صدا فقیری
ہوا کے کاندھوں پہ چل رہی ہے
مگر بدن ڈر رہا ہے اس کا
صدا صدا، بے صدا فقیری
ہوا ہوا، بے ہوا سوری
بدن بدن، بے بدن نمازی
خموش خاموش ہے خموشی
وہ جاچکا ہے
وہ جاچکا ہے
کواڑ کی نرم گرم دستک ابھی تلک اس کی منتظر ہے

نظم کے چھوٹے بڑے پانچ بند ہیں، اور یہ نظم آزاد کی تکنیک میں لکھی گئی ہے، پہلا بند پندرہ مصرعوں پر مشتمل ہے، پہلے مصرعے میں بغیر کسی تمہید و تعارف کے مذکور ہے کہ رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم اپنے گھر سے نکل پڑے تھے۔ 'وہ اپنے گھر سے نکل پڑا تھا' اُن کے واقعہ ہجرت کی جانب اشارہ

کناں ہے۔ شاعر نے صرف چھ الفاظ میں نظم کے سیاق میں ہجرت کے اسباب و عواقب کو سمیٹ لیا ہے۔ اس کے بعد کے دو مصرعے، ہجرت کے پس منظر یعنی آنحضرت ﷺ کے تئیں قریش کے مخاصمانہ دشمنانہ رویے کی علامتی پیکر تراشی کرتے ہیں۔ ''سپید شب کی مسافری سے'' اور ''سیاہ سورج کا غم اٹھانے'' گھر سے بے گھری، رسالت کے مقصد کی عدم تکمیل، مستقبل کی دھندلاہٹ، اپنے مشن کی لگن جیسی کیفیات کا علامتی اظہار ہے۔ یہ درپیش سفر کی صعوبتوں اور منزل ناشناسی کے غم کا اشاریہ بھی ہے، شاعر فوراً آنحضرت کے جسم مبارک جو سراپا نزاکت و جمال ہے، کی نقش گری کرتا ہے:

وہ شام ابرو
وہ رات گیسو
وہ جسم چھایا
وہ چاند ماتھا
وہ آنکھ شمعیں
وہ ہونٹ سجیں

اور پھر یہ مصرع سامنے آتا ہے:

سپید پھولوں کا باغ نیارا

یہ مصرع آنحضرت ﷺ کی ذات کی خوشبو، نفاست، نازکی، سادگی اور ندرت کا حیاتی پیکر ہے، اور پھر:

اداس بچوں کا باپ پیارا
کہ جس کی آنکھوں میں اُن کے غم
جگمگا رہے تھے

میں اُن کی ذات والا صفات کا ایک اور پہلو ابھرتا ہے، یعنی امت کے لیے اُن کی دردمندی کا احساس اور پھر اُن کی رحمتوں، اور برکتوں کا ذکر کر کے پھر اُن کی ہجرت کے دشوار گزار سفر کی طرف اشارہ ہے:

دعاؤں کے راستے بنانا
زمین کی گرمی پہ چل رہا تھا

وہ تپتے صحرا میں چلتے ہوئے دعاؤں کے راستے بنا رہے تھے۔ خود سفر کی اذیت جھیل کر بندگان

خدا کی راحت ورحمت کا ساماں کر رہے تھے۔

دوسرے بند میں جو منظر سامنے آتا ہے، وہ غزوات کی یاد دلاتا ہے۔ جن سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی عبادت رہی ہے، ان کو ابتداء ہی سے لوگوں کے دشمنانہ رویے کا سامنا کرنا پڑا ہے اور حق کی سربلندی کے لیے انہوں نے کئی بار میدان رزم کو آراستہ کیا ہے۔ بنیادی طور پر وہ انسان دوست تھے اور دشمن کے ساتھ بھی دوست کا سلوک کرنے کے روادار تھے، اسی لیے اس بند میں حضور لوگوں سے مخاطب ہو کر کہہ رہے ہیں ''کہ تمہاری آنکھوں کے بادلوں میں'' اور ''تمہارے خوابوں کے جنگلوں میں''، ''کئی رحیم وکریم جگنو''، ''تمہاری راتوں کے منتظر ہیں'' یعنی اُن (لوگوں) کے وجود میں نیکی، مرحمت اور روشنی پنہاں ہے، جو اظہار نا آشنا ہے، اور پھر دعا کرتے ہیں کہ اُن کی آنکھوں کے بادل برسیں اور راتوں میں بارشیں ہوں تا کہ اُن کے جگنو چمک جائیں، یعنی اُن کی ازلی نیکیاں سامنے آجائیں۔

تیسرے بند میں منظر بدل جاتا ہے، اب حضور پہاڑی (کوہ صفا) پر ایستادہ نظر آتے ہیں، اس بند کے پہلے مصرعے سے معراج کی جانب دھیان جاتا ہے، معراج کے بارے میں ام ہانی، جن کے ہاں آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم تشریف فرما تھے، کی روایت ہے کہ وہ عشاء کی نماز کے بعد سو گئے، اور جب صبح کو اُن کے ساتھ نماز فجر ادا کی گئی تو انہوں نے انکشاف کیا کہ وہ بیت المقدس میں نماز فجر ادا کر کے آئے ہیں، انہوں نے امام بن کر انبیاء کو نماز پڑھائی۔ پھر آسمانوں کی سیر کی، اور انبیاء سے اُن کے مقامات پر ملتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ پہنچے اور وہاں قرب حضوری حاصل ہوا اور گونا گوں وحی سے مشرف ہوئے۔

اور یہ سب کچھ آن واحد میں ہوا۔ وہ آسمانوں کی سیر کے بعد گھر لوٹے، تو ''کواڑ پر نرم وگرم دستک ابھی تلک اُس کی منتظر ہے''۔ صلاح الدین پرویز نے اشارات میں معراج نبوی کی جانب توجہ دلائی ہے۔ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی فطرت کے مظاہر مثلاً ہوا اور سمندر سے قرب وانجذاب کا ذکر کیا ہے اور پھر انہیں خالق فطرت (خدائے برتر) کا آئینہ قرار دیا ہے۔

اسی بند میں 'وہ جا چکا ہے' کی تکرار ہے، اس سے ظاہر ہوا ہے کہ وہ کسی طویل سفر پر جا چکے ہیں، اس مقام پر شاعر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روانہ سفر ہونے پر جذباتی طور پر مرتعش ومتردد ہے، اور اپنے والہانہ جذبے کا اظہار کرتا ہے، گیتوں کی سادہ اور فطری زبان جذبے کی برجستگی اور شیفتگی کو نمایاں کرتی ہے،

وہ موتیا جیسے پاؤں والا
وہ چمپئی چاند نور والا
وہ بیلیا، وہ مرا پیارا

اور فوراً بعد مصرعوں میں شہ افلاک سے جذباتی ربط، احساس ہجراں کی رقت آمیز شدت میں تبدیل ہوتا ہے۔جذبات کے یہ بدلتے رنگ پر لفظ سے مترشح ہوتے ہیں:

اُسے بلاؤ کہ ٹوٹ جاؤں میں اُس کی آنکھوں میں نیند بن کے

آخری بند میں شعری کردار ایک چشم نگراں بن کر حضور کے گھر چھوڑنے کے بعد کے لحہ گزراں کے لازمانی ہونے اور ساتھ ہی اس کے دوران، اُن کے گھر میں اُن کے لمس کی خوشبو اور حرارت، براق کی موجودگی، عبادت گزاری، دعوتِ اسرا، بے نام خوف اور پھر یہ جسد یا بہ روح معراج جیسے واقعات کی تلازمی اور اشارتی صورت گری کرتا ہے۔ بلاشبہ اس بند میں تخلیقی سحر سے ایک ثانیہ پھیل کر لامتناہی ہو جاتا ہے۔

اور نعت کے آخری دو مصرعے

وہ جا چکا ہے
کواڑ کی نرم گرم دستک ابھی تلک اس کی منتظر ہے

اسی لمحے کو دوام عطا کرتے ہیں، جس میں معراج کے عمل کا آغاز ہوتا ہے اور معراج لازمانی ہو جاتا ہے۔

صلاح الدین پرویز بنیادی طور پر ایک اعلیٰ پایے کے تخلیق کار ہیں، وہ شارح، مفسر، مورخ یا راوی نہیں، انہوں نے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے ذاتی وابستگی کے والہانہ جذبے کے تحت، اُن کی سیرت پاک کے چند نقوش کی تخیلی بازیافت کی ہے، اس طرح سے جو نعت معرض وجود میں آئی ہے، وہ ایک اعلیٰ پائے کی تخلیقی نظم ہے، اس میں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے بعض اہم واقعات جن کا سطور بالا میں ذکر ہوا، کی من حیث الکل تصویر کاری کی گئی ہے۔ یہ غالباً اس لیے ممکن ہو سکا ہے کیونکہ شاعر نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو جذبۂ عشق میں محسوس کیا ہے، یہ جذبہ اُس کے وجود کی گہرائیوں میں رچ بس گیا ہے اور جب اس کی لسانی بازیافت کی گئی ہے، تو نہ صرف نظم کے افق پر حضور پاک کی نورانی شخصیت طلوع ہوتی ہے، بلکہ شاعر کے داخلی وجود کا رنگ و نور بھی جھلک اُٹھتا ہے، اور کائنات ایک نئی اور نادیدہ روشنی سے جگمگاتی ہے۔

یہ نظم حضور پر نور کی کثیر الابعاد ذات کی مرقع کاری کرتی ہے، اتنے سارے پہلو آئینہ ہو جاتے ہیں کہ آنکھیں خیرہ ہو جاتی ہیں، نظم کا ہر لفظ اور ہر مصرع نادیدہ معنوی امکانات پر محیط ہے، صلاح الدین احمد نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے شخصی ربط و تعلق کو جس گہری تخلیقی حیثیت سے نظم کا موضوع بنایا ہے، وہ اُن

کا ہی حصہ ہے، آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حددرجہ شیفتگی کے باوجود، لاشخصیت کو برقرار رکھنا صلاح الدین پرویز ہی کا کام ہے۔ چنانچہ نظم میں شاعر کی نجی شخصیت جس قدر دخیل ہے، اُسی قدر اس کا اخراج بھی ہے، اور یہ اس کے حددرجہ حزم واحتیاط ہی سے ممکن ہوسکا ہے۔

نظم کی تخلیقی آب وتاب کا راز اس کے اختصار، ڈرامائیت، واقعہ نگاری، خود کلامی، شعور لفظ، تخاطب، شعری کردار کے لہجے کے اُتار چڑھاؤ اور کلی تخیلی فضا میں پوشیدہ ہے، شاعر نے مدحتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو شخصی تجربہ میں منتقل کیا ہے، اور پھر لسانی برتاؤ سے اس کی متعدد جہات کو روشن کیا ہے، شاعر نے اس نظم کو آخری خط سے موسوم کرنے کے باوجود مکتوب نگاری کے روایتی التزامات سے مبرا رکھا ہے، اس کی ابتداء تعمیر اور انتہا نظم ہی کی تکنیک کی مظہر ہے۔

صلاح الدین پرویز نے معراج کے بارے میں دو مقبول نظریات یعنی معراج بہ جسد اور معراج بہ روح کی ایک ایسی انضمامی شعری تعبیر کی ہے، کہ دونوں میں کوئی تفریق باقی نہیں رہتی، ایسا محسوس ہوتا ہے کہ معراج روحانی بھی ہے، جسمانی بھی، یہ حقیقت بھی ہے اور رویا بھی۔

صدا صدا، بے صدا فقیری
ہوا ہوا بے ہوا سواری
بدن بدن بدن نمازی

یہ نعت بلاشبہ اردو کی نعت گوئی میں ایک نئے اور درخشاں باب کو وا کرتی ہے اور یہ بات واضح ہوتی ہے کہ عقیدہ جب شعر بنتا ہے تو زمان ومکان کی حد بندیوں کو عبور کرکے ایک ماورائی تجربہ بن جاتا ہے اور لازوال ہوجاتا ہے۔

O❖O

ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتحپوری (فتح پور۔یو، پی)

نعت اور شاعراتِ نعت

قبل اس کے کہ نعت گو شاعرات اور ان کی نعتیہ شاعری پر اظہار خیال کیا جائے مناسب معلوم ہوتا ہے کہ چند سطور میں نعت پر عمومی گفتگو کی جائے۔ نعت عربی زبان کا لفظ ہے، جس کے لغوی معنی تعریف اور صفت ہیں۔ اصلاحِ شعری میں نعت ایک مقدس گراں مایہ اہم مفید اور کارآمد صنف سخن ہے جس میں شاعر کا محورِ فکر، محسنِ انسانیت، نبی آخر الزمان کی مقدس ذات گرامی اور اس ذات بابرکات کے متعلقات ومنسلکات ہیں۔ اس طرح لغوی اعتبار سے یہ صفت نعت کہلاتی ہے۔ لیکن شعر وشاعری کی اصطلاح میں نعت اس صنف سخن کو کہتے ہیں جس کا مطمحِ فکری نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی اور اس کے متعلقات ومنسلکات ہوں۔

راقم نے اپنے پی ایچ ڈی کے مقالہ کی تخلیق کے دوران ۱۹۷۷ء میں المشکوٰۃ المصابیح کے ''باب اسماء النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم و صفاتہ'' کے ذیل میں منقول ایک حدیث مکمل طور پر نقل کی تھی جس میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک یہودی کو اپنے پسرِ بیمار کے سرہانے تورات پڑھتے دیکھ کر اس سے فرمایا تھا کہ اے یہودی میں تجھے اس خدا کی قسم دلا کر پوچھتا ہوں جس نے حضرت موسیٰ پر تورات نازل فرمائی کہ کیا تو تورات میں میری نعت، میری صفت اور میرے مخرج (ہجرت وغیرہ) کا تذکرہ پاتا ہے؟ جب اس یہودی نے انکاری جواب دیا تو اس کا پسرِ بیمار بول اٹھا کہ میں آپ کی نعت وصفت ومخرج کا تذکرہ تورات میں پاتا ہوں اور میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور بلاشبہ آپ اللہ پاک کے رسول ہیں۔ (المشکوٰۃ المصابیح، صفحہ ۵۱۸، مطبع مجیدی کانپور، رواہ البیہقی فی دلائل النبوۃ)۔

نعت اظہار مدّعا کے ہر دو طرق نظم ونثر پر مشتمل ہے، لیکن اصطلاح شعر میں نعت سے مقصود شعری اظہارِ بیان ہے۔ شمائل ترمذی میں ایک حدیث منقول ہے، جس میں حضرت علیؓ نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مکمل حلیہ شریفہ نقل کرنے کے بعد فرمایا ہے ''یقول ناعتہ لم اوقبلہ ولا بعدہ مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم'' آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت بیان کرنے والا صرف اتنا کہہ سکتا ہے کہ میں نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مثل نہ آپ سے پہلے دیکھا اور نہ بعد میں۔ (خصائل النبوی ترجمہ شمائل ترمذی صفحات ۶ و ۷)۔

اولین نعت گوذات، اللہ پاک کی ذات اقدس ہے، جس نے جملہ صحف مقدسہ اور کتب سماویہ میں رحمۃ للعالمین کی نعت بیان کی ہے۔ خلائق خداوندی میں حضرت آدمؑ کی شخصیت وہ اوّلین شخصیت ہے، جس نے ہندوستان میں اپنے ورود کے بعد حضور اقدس ﷺ کی نعت بابرکات بیان کرتے ہوئے ان کلمات مقدسہ کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے حضور میں اپنی توبہ کی درخواست پیش کی تھی، جو آپ پر اسی مقدس مقصد کے لیے انصار فرمائے گئے تھے اور آپ کی توبہ قبول ہوئی۔

اس کے بعد جملہ انبیائے عظام کی زبانی محمد مصطفیٰ کی نعت بحکم رب العالمین بیان کی جاتی رہی۔

دستیاب معلومات کی روشنی میں تبّع یمنی کی نعت وہ اوّلین نعت ہے، جو ولادت النبی ﷺ سے ایک ہزار سال بیشتر کہی گئی تھی۔ قبیلہ یمنی قبائل اوس وخزرج کا، جو بعد میں انصار کہلائے، مورث اعلیٰ ہے۔ اسی بنو یمنی کی نعت کو عالم نعت کی اولین نعت ہونے کا اور تبعہ یمنی کو پہلے نعت گو ہونے کا فخر حاصل ہے۔

غیر مسلم نعت گوشعراء کے باب میں اوّلیت کا سہرا میمون ابن قیس الاعشیٰ کے سر ہے۔ آپ کی کنیت ابوبصیر اور آپ کا مولود یمانہ ہے۔ اعشیٰ کو شعر گوئی اور مضمون آفرینی میں کامل ملکہ حاصل تھا۔ اسے مدح وہجو اور جملہ مروجہ اصناف سخن پر ید طولیٰ حاصل تھا۔ شاعری اس کے لیے کسبِ معاش کا ایک ذریعہ تھا۔ وہ اپنے اشعار کو لحن سے پڑھتا تھا اسی لیے وہ عوام میں صناجۃ العرب (عرب کا جھانجھ والا) کے لقب سے پکارا جاتا تھا۔ اس کے کلام میں بلا کی اثر انگیزی اور اثر آفرینی ہے۔ یہ کلام کی سحر آفرینی ہی تھی کہ اس نے غریب معلق کو آٹھوں بیٹیوں کی شادی کے مسئلہ نجات دلا دی، جس کی وجہ سے وہ ہر وقت متفکر رہا کرتا تھا۔ اعشیٰ نے ایک نعتیہ قصیدہ رقم کیا تھا، جس کا حسب ذیل شعر بہت مشہور ہوا۔

نبی یدیٰ بالا زون و ذکرہ　　نماز معمری فی البلاد وا نجد

میری عمر کی قسم وہ ایسے نبی ہیں جو ان چیزوں پر نظر رکھتے ہیں۔ جن کو تم نہیں دیکھتے اور آپ کی شہرت ملک ملک پھیل چکی ہے۔ وہ ۲۹ء میں بمقام نیفوجہ مدفون ہوا۔ ابوسفیان ایک سو اونٹ کی رشوت دے کر اعشیٰ کو وطن لوٹا لائے لیکن پھر بھی یہ قصیدہ نعت مشہور ہو گیا۔

چونکہ تبع کے نعتیہ اشعار سن کر آپ ﷺ نے ان کو مرحبا فرمایا تھا، اس لیے ان پر مزید لکھا جا رہا ہے۔ تبع کی محولہ بالا نعت کی شان ورود کی بات محمد بن اسحٰق نے بتلایا ہے کہ تبع اپنے پسر ار جمند کے انتقام کے لیے جس کو اہل یثرب نے دغا اور بدعہدی سے مار ڈالا دیا۔ مدینہ کے علمائے تورات نے تبع کو اس کے اس ارادے سے باز رہنے کی نصیحت کی اور اسے بتلایا کہ یہ شہر حفاظتِ الٰہی میں محفوظ ہے، اسے کوئی

برباد نہیں کر سکتا۔ کیونکہ یہ نبی آخرالزماں کا دارالہجرت ہے۔ چنانچہ تبع اپنے عزمِ فاسد سے باز رہا اور اپنے ہمراہ علماء کی ایک جماعت لے کر یمن روانہ ہوا۔ علمائے تورات کی چار سو افراد کی ایک جماعت نے یمن واپس لوٹنے سے انکار کیا اور انہوں نے نبی آخرالزمان کی صحبت سے مستفید ہونے کا اپنا عزم ظاہر کیا۔ تبع نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے ایک مکان تعمیر کرایا اور چار سو علماء میں سے ہر ایک کے لیے ایک ایک مکان بنوائے اور انہیں مالِ کثیر دے کر ان کی خدمت کے لیے باندیاں مقرر کیں اور ایک کتاب لکھ کر اپنے اسلام کی شہادت کا اعلان کیا۔ اس کتاب کے دو اشعار دستبرد زمانہ سے بچ پائے ہیں جو درج ذیل ہیں ؎

شہدت علی احمد انہ رسول من الہ باری النّسم
خلوت عمری الی عمرہ لکنت وزیراً لا وابن عمّ

میں گواہی دیتا ہوں کہ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ نفس کو پیدا کرنے والا ہے۔ اگر میری عمر آپ کی عمر کے وقت تک دراز ہوئی تو میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا وزیر اور آپ کا چچا زاد بھائی بنوں گا۔ ''باری النّسم'' کی ترکیب بے طویل ہے۔

تبع یمنی نے اس کتاب کو سر بمہر کر کے علمائے تورات کی اُس جماعت کے سب سے بڑے عالم کو، جو مدینہ میں ٹھہر گئی تھی، اس فرمان کے ساتھ حوالہ کیا کہ اگر وہ نبی آخرالزماں کا زمانہ پائے تو وہ خود ورنہ وہ اپنی اولاد کو اور وہ اپنی اولاد کو وصیت کرتے رہیں کہ جو بھی آپ کے زمانہ میمنت لزوم کو پائے وہ یہ کتاب نبی آخرالزمان کے حوالہ کر دے۔ اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہجرت کے وقت اسی مکان میں نزول فرمائیں جو اس نے آپ کے لیے تعمیر کرایا تھا۔ اور علمائے تورات میں سے ایک کو اس کا متوقی مقرر کیا۔ چنانچہ جب نبی آخرالزمان مدینہ تشریف لائے۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت ایوبؓ کے مکان میں قدم رنجہ فرمایا (راحت القلوب صفحہ ۵۷ و ۵۸)۔ واضح ہو کہ حضرت ابوایوبؓ اسی عالم شاوٗنی کی اولاد میں سے ہیں، جو متولیٔ اوّل تھے۔ حضرت ابوایوبؓ نے تبع کی وہ کتاب، جس میں محولہ بالا نعت شمول تھی، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سپرد کر دیا، جس کو سماعت فرما کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے تبع یمعنی کو اخیر کہہ کر مرحبا فرمایا۔ واضح ہو کہ ابوایوبؓ انصاری اس شاوٗل سے اکیسویں پشت پر تھے، جن کو تبع یمنی نے محولہ بالا وہ خط جس میں دنیا کی پہلی نعت شمول تھی، سر بمہر کر کے حوالہ کیا تھا۔ (انصار ایک دستاویز از راقم صفحہ ۴۲، ۴۳)۔

اسی طرح نبی آخرالزمان کی بعثت سے ایک ہزار سال پیشتر کی یہ نعت دنیائے نعت کی پہلی نعت ہے اور چار سو علمائے توریت کی اولاد جنہوں نے نبی آخرالزمان صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سخنے، دامے، درمے، قدمے

مدد کی سعادت حاصل کی تھی، انصار کہلائی۔

تبع یمنی وہ پہلے شخص ہیں جن کو خواب میں ہدایت کی گئی تھی کہ وہ بیت اللہ پر غلاف چڑھائیں۔ چنانچہ انہوں نے اس خواب کے بموجب اولاً ٹاٹ کا بعدہ مقافر کا اور اس کے بعد جب ان سے خواب میں اس س بہتر غلاف کی بات کی گئی تو ملاء اور وصائل کے غلاف چڑھائے اور انہوں نے قبیلۂ بنو جرہم کو جن کے پاس بیت اللہ کا انتظام وانصرام تھا۔ سدا بیت اللہ پر غلاف چڑھاتے رہنے۔ بیت اللہ کو پاک و صاف رکھنے اور بیت اللہ کے لیے دروازہ بنوا کر قفل وکلید کے انتظام کرتے رہنے کی تاکید کی۔ (سیرت ابن ہشام، ج ا، ص ۴۸)۔

اس طرح تبع یمنی اولین نعت گو ہونے کے علاوہ، کعبہ پر سب سے پہلے غلاف چڑھانے والے بھی ہیں۔ ان کو اس پر بھی تقدم حاصل ہے کہ انہوں نے سب سے پہلے بیت اللہ کی صفائی کا انتظام کیا اور قبیلۂ بنو جرہم کو سدا بیت اللہ کی صفائی کرتے رہنے اور بیت اللہ میں دروازہ لگا کر قفل وکلید کے انتظام کی تاکید کی۔ (تبع یمنی کا نام بقول سعودی ابن حسان بن کلکرب (ابن اثیر، ص ۴۹۳ و ۴۹۴) اور بقول طبری بتاں اسوار ابو کرب تھا۔ (انصار: ایک دستاویز صفحہ ۴۰)۔

جناب ابوطالب بن عبدالمطلب بعثت کے بعد کے اوّلین نعت گو ہیں، جنہوں نے کئی نعتیہ قصیدے آپ کی بابت کہے ہیں۔ آپ کے ایک نعتیہ قصیدہ کا درج ذیل شعر اس لیے اہم ہے کیونکہ آپ ﷺ نے جناب ابوطالب کے اس شعر کا تذکرہ بالائے منبر سے یہ کہتے ہوئے کیا تھا کہ اگر ابوطالب یہ دن دیکھتے تو بہت خوش ہوتے۔ ایک صحابی نے عرض کیا کہ شاید یا رسول اللہ! آپ کا اشارہ اس شعر کی طرف ہے ؎

وابیض بتسقی انعام بوجهه ثمال الیتمیٰ عصمة للارامل

آپ نے جواباً فرمایا ''بے شک''۔ (ابن ہشام، ج ا، ص ۲۱۳)

آپ کے ایک قصیدہ کا درج ذیل شعر کافی لطیف ہے۔ شاعر النبی ﷺ حضرت حسانؓ نے درج ذیل شعر کو بطور تضمین استعمال کرتے ہوئے ایک بہت ہی حسین نعت کہی ہے:

وشق له من اسمه لیجله خذا العرش محمودٌ و ھٰذا محمد

اور اللہ پاک نے آپ کے اسم مبارک کو اپنے نام سے مشتق کیا۔ اللہ پاک محمود ہیں اور آپ ﷺ محمد ہیں۔

سرکار مدینہ کی مدنی زندگی کی پہلی نعت وہ ہے جس کی تخلیق کار قبیلۂ انصار کی ضمنی شاخ بنی نجار کی وہ

بچیاں ہیں جو ہجرت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے موقع پر دف بجا بجا کر یہ اشعار گا رہی تھیں۔ اس نعت کے چار اشعار دستیاب ہیں، جو درج ذیل ہیں:

طلع البدر علینا من ثنیات الوداع
وجب الشکر علینا ما دعا اللہ داع
الیا المبعوث فینا جئت بالامر المطاع
نحن جوارٍ من بنی النجار یا جبذا محمد من جار

ترجمہ: پہاڑی کے موڑ سے، جہاں سے قافلے رخصت کئے جاتے ہیں، چودھویں رات کا چاند طلوع ہو رہا۔ جب تک دنیا میں اللہ پاک کا نام لیوا باقی ہے، ہم پر شکر ادا کرنا ضروری ہے۔ اے وہ شخصیت، جس کو ہم میں مبعوث فرمایا گیا ہے، آپ واجب الاطاعت حکم لے کر تشریف لائے ہیں۔
ہم قبیلۂ بنی نجار کی بچیاں ہیں، ہمارا نصیب قابل رشک ہے کیونکہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پڑوسی ہیں۔

شاعراتِ نعت

اردو نعت گوئی کی دنیا میں اس کے آغاز ہی سے نعت گو شعراء کے ساتھ ساتھ نعت گو شاعرات کے نام بھی ملتے ہیں۔ مثلاً نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی والدہ محترمہ حضرت آمنہ، آپ کی دایہ حضرت حلیمہ، آپ کی زوجہ معظّمہ حضرت خدیجہؓ، آپ کی لختِ جگر حضرت فاطمہؓ، آپ کی ازواج مطہرات حضرت حفصہؓ بنت حضرت عمرؓ اور حضرت عائشہؓ بنت حضرت ابوبکرؓ صدیق، قبیلہ بنی زہار کی خاتون محترمہ اور رات کو گشت لگاتے ہوئے حضرت عمرؓ خلیفۂ وقت کو سماعت پذیر ایک روئی دھنکنے والی خاتون کے اشعار مبارکہ قبیلہ بنی نجار کی بچیوں کے وہ اشعار بھی، جوانہوں نے ہجرت النبیؐ کے موقع پر دف بجا بجا کر گائے تھے، اہم ہیں:
راقم حضرت عائشہ صدیقہ کا ایک نعتیہ شعر نقل کر کے آگے بڑھتا ہے۔ آپؓ کا محولہ بالا شعر نقل ذیل ہے:

لواحی زلیخا لو رائین جبینہ لاثرن قطع القلوب علیٰ قطع الید

حضرت زلیخا کو ملامت کرنے والی خواتین اگر نبی آخر الزمان کی پیشانی دیکھ لیتیں تو وہ ہاتھ کاٹنے پر دلوں کے کاٹنے کر ترجیح دیتیں۔ عشق و محبت میں ہاتھ نہیں، دل کاٹے جاتے ہیں۔
یہ بات صد فی صد درست ہے کہ کئی اردو نعت گو شاعرات نے بہت اچھے نعتیہ اشعار کہے ہیں، لیکن صنف نازک کے ان اچھے اشعار کی طرف کوئی توجہ نہیں کی گئی۔ اس کے کئی وجوہ واسباب ہیں، جن میں جسے اہم وجہ، ان کی پردہ نشینی اور اپنے آپ کو پس پردہ رکھنے کا جذبہ ہے، اس کی ایک وجہ تذکرہ

نگاروں کا طبقہ شاعرات کو درخورِ اعتنا نہ سمجھنے کا غلط رجحان اور شاعرات کا اپنے کلام کی عدم اشاعت اور ان کا اپنے کو مخفی رکھنے کا میلان بھی ہے۔

میر تقی میرؔ نے جن کی خود کی صاحبزادی ایک اچھی شاعرہ تھیں، اپنے تذکرہ ''نکات الشعراء'' میں اردو شاعرات کا تذکرہ نہیں کیا۔ یہی حالت مولانا محمد حسین آزادؔ کے تذکرہ آبِ حیات کی بھی ہے۔ نواب مصطفیٰ خان شیفتہؔ، عبدالغفور نساخ اور منشی عبدالکریم نے اپنے اپنے تذکروں میں چند شاعرات کو بھی شامل کیا ہے۔ رائے درگا پرساد نے ''تذکرہ النساء نادری'' میں مولانا آسی الدنی نے ''تذکرۃ الخواتین'' میں اور شمیم سخن نے ''گلشن ناز'' اور ''چمن انداز'' میں خواتین شاعرات کا ذکر کیا ہے لیکن ان کے یہ تذکرے کافی مختصر اور سرسری ہیں۔ ان تذکروں سے اس حقیقت کا علم ہوتا ہے کہ ہمارے یہاں بہت سی ایسی خواتین ہیں جنہوں نے بہت سے شاعروں سے بہتر شاعری کی ہے، ان میں زاہدہ خاتون شیروریہ اور اداؔ جعفری اہم ہیں۔ مجموعہ ہائے نعت گو شاعرات تاریخ ادب اردو کے نمایاں حصے ہیں۔ نعت گو شاعرات میں اوّلیت کا شرف زینت بی بی کے ''گلبن نعت'' کو حاصل ہے، جو ۱۳۲۳ھ (۱۹۰۵ء) کا مطبوعہ ہے۔ دستیاب معلومات کی روشنی میں مفید عام پریس لاہور سے شائع ہونے والے اس مجموعۂ نعت کو نعت گو شاعرات کے باب میں اوّلیت کا شرف حاصل

ہے۔موصوفہ کا تخلص مجوبؔ ہے۔[1]

زاہدہ خاتون شیروانیہ کا نعتیہ کلام کافی پختہ اور استوار ہے۔ یہ دیوان لفظی ومعنوی اعتبار سے بھی قابل دید ہے۔ ادا جعفریؔ متوفیہ ۱۳؍ مارچ ۲۰۱۵ء کا اردو نعتیہ کلام بھی قابلِ رشک ہے۔ مرحومہ کے نعتیہ کلام میں صنائع لفظیہ ومعنویہ کا استعمال بہت خوب ہے۔ ان کے کلام میں سادگی اور روانی بھی لائق ستائش ہے۔ خانوادۂ ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ کی بعض نعت گو شاعرات نے کافی اچھی نعتیں کہی ہیں۔ ڈاکٹر موصوف کی والدہ محترم محمودہ خاتون کا مجموعہ نعت ''گلستان سخن محمودہ'' ۱۹۷۷ء سے قبل شائع ہو چکا تھا۔ ۱۹۷۷ء میں ڈائریکٹر موصوف نے راقم کو اس کا ایک نسخہ از راہِ کرم عنایت فرمایا تھا۔ جہاں تک اردو نعت گو شاعرات سے متعلق تذکروں کا تعلق ہے، تو اس باب میں اوّلیت کا شرف ڈاکٹر ابوسلمان شاہجہانپوری کے تذکرہ ''نعت گو شاعرات'' کو حاصل ہے۔ اس تذکرہ میں ۱۱۲ صفحات ہیں اور اس میں مشمولہ شاعرات کی تعداد پچاس ہے۔

اس کے بعد خالد علیم نے اپنی کتاب ''اردو شاعرات کی نعتیہ شاعری'' میں ۵۲ نعت گو شاعرات کا تذکرہ کیا ہے۔ اس تذکرہ میں نواب اختر محل شرف النساء بیگم، ضرورتؔ، رودکیفیؔ کے علاوہ مندرجہ ذیل

---

[1] (ادارتی نوٹ: اس شاعرہ کا تعلق کشمیر سے ہے۔ سید محمد انور شاہ (ساکنہ بجبہاڑہ، کشمیر) کی صاحبزادی زینب بی بی مجوبؔ نے ''گلبن نعت'' کے نام سے اپنا نعتیہ مجموعہ مرتب کیا۔ مجوبؔ نے یہ مجموعہ صرف پندرہ روز میں مکمل کیا۔ اس سے قبل وہ خواب میں نبی برحقؐ کی زیارت سے مشرف ہو چکی تھی۔ ''گلبن نعت''، جس کا مخطوطہ کشمیر کے محکمہ آرکائیوز میں محفوظ ہے، میں قرآنی الفاظ واصطلاحات کا استعمال عام ملتا ہے۔ یہ شعر دیکھئے ؎

عیاں و اللیل سے ہے وصف گیسوئے معنبر کا
سراسر والضحیٰ تعریف رخسار منور ہے
ترا وصف مقدس ہے الم نشرح لک صدرک
تری مدح و ثناء میں سورۂ والنجم و کوثر ہے
ہوا ہے شوق بیماری میں تریٔ نعت گوئی کا
تعالی اللہ کہ سیدھا آج کل میرا مقدر ہے

شاعرہ استغاثہ کے انداز میں اپنی خستہ حالی پر بارگاہ رسالت پناہؐ میں یوں فریاد کناں ہے ؎

یا رسول عربیؐ شاہسوار مدنی
دیکھ لے آکر مری خستگی و دل شکنی

ڈاکٹر اسمٰعیل آزاد فتح پوری صاحب اور محترم قارئین کے لیے یہ اطلاع شاید نئی ہے---مدیر)

نعتیہ مجموعوں کا ذکر ملتا ہے۔

''صحیفۂ درخشاں'' از سردار بیگم اختر حیدرآبادی، ''موجِ تسنیم'' از امۃ اللہ تسنیم، ''ذکر وفکر''، ''صبر و شکر'' اور ''تسلیم ورضا'' از تہنیت النساء بیگم دختر فصیح الدین صدیقی، خطاب نواب رفعت یار جنگ ثانی و زوجہ، مرحوم محی الدین قادری زورؔ متولد ۶ دسمبر ۱۹۰۵ء ومتوفی ۲۳ر ستمبر ۱۹۶۲ء۔ آپ والد کے اعتبار سے صدیقی اور والدہ کے اعتبار سے انصاریہ تھیں۔ آپ کی والدہ اسماء بیگم اور نانی سلیمہ بیگم تھیں۔ آپ کے ماموں مولانا عبدالباری فرنگی محلی تھے۔ سلیمہ بیگم جنت البقیع میں مدفون ہیں۔ تہنیت النساء بیگم کی تاریخ پیدائش ۲۱ر مئی ۱۹۱۰ء اور تاریخِ وفات ۸ر نومبر ۱۹۹۶ء ہے۔

''نوائے حرم'' از حمیدہ بیگم ''ہدیۂ طاہرہ'' از طاہرہ بیگم بانو ظاہر سعید اور حضوری چاہتی ہوں اور ''سرّ طیبہ'' از پروین جاوید، اہم اور قابل تعریف نعتیہ مجموعے ہیں۔ پروین جاوید نے اپنی پہلی نعت ۱۹۷۲ء کے ایک مشاعرے میں پڑھی تھی۔ عہد حاضر کی نعت گو شاعرات میں ریحانہ تبسم فاضلی کا نام بھی قابلِ ذکر ہے۔

اسی سلسلے میں نعت لاہور کا خصوصی شمارہ ''خواتین کی نعت گوئی'' بھی لائق ذکر ہے، جس میں راجا رشید محمود نے ۱۲۹ر شاعراتِ نعت کا تذکرہ کیا ہے۔ اس میں نعت گو مشاعرات کی اردو تذکروں میں عدم مشمولیت یا قلّت شمولیت پر اچھی بحث کی گئی ہے۔ اسی سیاق وسباق میں نعت گو شاعرات کی نعت گوئی کا جائزہ بھی لیا گیا ہے اور نعتیہ تذکروں اور نعتیہ انتخابات میں ان کو نظر انداز کئے جانے پر مفصل بحث کی گئی ہے۔

متذکرہ بالا نعت گو شاعرات کے علاوہ بشارت حسین بشارتؔ کا مجموعہ نعت ''اسیر مصطفیٰ بن کر'' حمیرا راحت کا مجموعۂ کلام ''میرے آقا''، رخشاں اے بی کا نعتیہ مجموعہ ''سخن زار عقیدت''، سہیل راحت آرا کا ''دیدارِ کعبہ''، صغریٰ فاطمہ نصیر کا ''صدائے روح'' بھی لائق ذکر ہیں، جن میں اردو نعتیہ اور اردو منقبتیہ شاعری مشمول ہے۔ شعر گوئی کا عمدہ ذوق رکھنے والی طلعت اشارت کے نعتیہ مجموعہ ''سرمایہ'' کو بھی نعتیہ مجموعات کے مابین ایک اہم مقام حاصل ہے۔ مسعودہ خانم کے مجموعہ ہائے حمد ونعت ''ابر رحمت''، ۱۹۹۱ء، ''رحمتِ بیکراں'' ۱۹۹۳ء اور منبع رحمت ۱۹۹۹ء کو بھی اس میدان میں ایک نمایاں مقام حاصل ہے۔ رضیہ ناصر نے جن کا انتقال ۳۱ر اکتوبر ۲۰۱۲ء کو کینیڈا میں ہوا، عربی، اردو اور پنجابی میں عمدہ نعتیں لکھی ہیں۔ ناحیدہ رفیق کا نعتیہ مجموعہ ''پھوٹی کرن حجاز میں'' اپنی معنویت کے لحاظ سے اہم ہے۔ موصوفہ ایسی شاعرہ تھیں جنہوں نے خود کو حمد ونعت کے لیے وقف کر دیا تھا۔ نور جہاں بنتِ احمد عرب کا مجموعۂ نعت ''تحفۂ نور''

اپنی لفظیات، خیالات اور جذبات شعری کی ندرت کے اعتبار سے قابلِ آفریں ہے۔ نورین طلعت عروبہ کا نعتیہ مجموعہ ''حاضری'' اور ''زہے مقدر'' نعت کی دنیا کو ایک نئی دین ہیں۔ مسرت جہاں نوری، بیگم شفیق بریلوی کا حمد و نعت و منقبت کا مجموعہ معنون بہ ''ندائے نوری'' مضامین نعت کی ندرت اور مفاہیم نعت کے تنوع و رنگارنگی کی وجہ سے لائقِ وحدت ہے۔ ریحانہ شفاعت ناز کا بارگاہِ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں نذرانۂ محبت معنون بہ ''نورِ محبت'' بھی لائق ذکر ہے۔ موصوفہ کو مسجد نبوی میں نعتیں لکھنے کا شرف بھی حاصل ہے۔

نوری مسرت جہاں، بیگم شفیق بریلوی نے اپنی ادبی زندگی کا آغاز ۱۹۴۶ء میں افسانہ نگاری سے کیا تھا۔ آپ کے افسانے دہلی کے ادبی رسالوں میں شائع ہوتے رہے ہیں۔ آپ نے نعت گوئی کا آغاز ۱۹۷۵ء میں کیا تھا۔ آپ کا حمد و نعت و منقبت کا مجموعہ ''ندائے نوری'' ہے۔ آپ کو راہِ نعت کی دشوار گزاری کا اس حد تک احساس ہے کہ آپ نے نعت خوانی کو ''جرأت بیکراں'' سے تعبیر کرتے ہوئے کہا ہے:

میں شاعر ہوں سرمایہ ہے شعر میرا — میں نذرِ شہِ مرسلان کر رہی ہوں
تہی دست ہوں، میرا دامن ہے خالی — مگر جرأت بیکراں کر رہی ہوں

آپ کا جذبۂ حبّ رسول قابل آفریں ہے۔ اس سلسلے میں آپ کا درج ذیل شعر ملاحظہ ہو:

بے خودی ایسی کہ ہے خواب میں بھی لب پہ درود
جذب ایسا کہ مدینہ نظر آجاتا ہے

نعت گو شاعرات کا یہ اجمالی تذکرہ ہے۔ ویسے اردو نعت گو شاعرات کی تعداد کافی معقول ہے، جن کا تفصیلی تذکرہ آئندہ کبھی کیا جائے گا۔ اِن شاء اللہ۔

○❖○

ڈاکٹر عزیز احسن (کراچی)

نقدِ نعت میں تنقیدی دبستانوں کی بوقلمونی

آج ہم نعتیہ ادب کے کچھ ناقدین کی آراء پیش کرر ہے ہیں تا کہ اختلافِ فکر ونظر کی مثالوں کے ساتھ ساتھ ناقدین کے مزاجوں کی گرمی اور نرمی بھی منعکس ہو جائے۔ یہاں پیش کردہ نکات، بلاشبہ نعت گوشعراء کے لیے رہنما اصولوں کے طور پر روشن رہیں گے اور اگر نعت خواں حضرات بھی محافل میں نعتیں پیش کرتے ہوئے ان نکات کو سامنے رکھیں تو وہ بھی نعتیہ ادب کے معیارات کے فروغ میں حصہ لے سکتے ہیں۔ ناقدین کی ان آراء میں طبائع کا فرق اور نظریات کی بوقلمونی بھی نظر آئے گی اور کہیں کہیں تندی اور تیزی بھی۔ مسلکی اختلافات کی جھلک بھی دیکھنے میں آئے گی اور اعتدال کی نظیریں بھی ملیں گی۔ لیکن خیال رہے کہ علمی اختلاف کبھی عداوت میں تبدیل نہیں ہوتا یا نہیں ہونا چاہیے۔ ہر فکری زاویہ اس توجہ کا متقاضی ہے کہ اسے قبول یا رد کرنے کے لیے آپ کے پاس بھی کوئی نہ کوئی نظریہ ہو جسے آپ دلائل کی روشنی میں پیش کر سکیں۔ علمی معاملات میں جذباتیت، ہمیشہ گمراہ کن ہوتی ہے۔ اب ملاحظہ ہوں وہ فکری و تنقیدی نکات جو مختلف کتب سے اخذ کیے گئے ہیں:

مقدمہءسحر وساحری: جمیل نظر

(۱) جمیل نظر کی ایک کتاب ہے ''مقدمہءسحر وساحری''۔ اس کتاب میں مصنف نے عملی تنقید کا مظاہرہ کیا ہے۔ عملی تنقید میں شاعری یا فن پاروں کے حسن و قبح پر دلائل کے ساتھ رائے دی جاتی ہے۔ جمیل نظر کی یہ کتاب ایک جارحانہ تنقیدی کاوش ہے جس میں بیشتر اشعار کی لفظی، معنوی اور شعری بنت کی خامیوں کی نشاندہی کی گئی ہے۔ اس کتاب میں عام شاعری کے تجزیے کے ساتھ ساتھ حنیف اسعدی کے مجموعہءنعت ''خیرالانام''، اور تابش دہلوی کی نعتیہ تصنیف ''تقدیس'' کا بھی جائزہ لیا گیا ہے۔

حنیف اسعدی کے مجموعہءکلام ''خیرالانام'' پر شبنم رومانی، سلیم احمد اور ڈاکٹر فرمان فتحپوری کی آراء بڑی حوصلہ افزا اور تحسین آمیز تھیں۔ لیکن جمیل نظر کو اس مجموعے کی شاعری میں اظہار و بیان کی کچھ بے احتیاطیاں بھی نظر آئیں چناں چہ انہوں نے کھل کر لکھا۔ وہ لکھتے ہیں:

''شبنم رومانی، سلیم احمد اور ڈاکٹر فرمان فتحپوری صاحبان نے اپنے اپنے تبصرہ میں حنیف اسعدی صاحب کو جس قدر معتبر نعت گو ظاہر کیا ہے حنیف اسعدی کا کلام اس معیار پر کہاں تک پورا اترتا ہے اس کے ثبوت کے لیے مولانا کا کلام آپ کے سامنے ہے کہ زبان و بیان کی خامیوں کے علاوہ مولانا کے کلام میں ایسے ایسے شرعی نقائص ہیں کہ جس کی توقع ایک مبتدی شاعر سے بھی نہیں کی جاسکتی......اس سے ناقدین کے موجودہ تنقیدی رویوں کے بارے میں صحیح اندازہ ہوجاتا ہے کہ فی زمانہ تنقید کے نام پر کس طرح مدح سرائی کی جارہی ہے''۔

اس کے بعد مصنف نے مذکورہ کتاب سے کچھ اشعار نقل کر کے انہیں تنقیدی کسوٹی پر پرکھا بھی ہے اور اپنی جانب سے اصلاحیں بھی تجویز کی ہیں۔نعتیہ شاعری کے ضمن میں یہ تنقیدی رویہ جارحانہ ہونے کے باوجود لائق اعتنا ہے۔اس تنقیدی عمل میں لہجے کی سختی تو بہر حال غیر مناسب ہے لیکن اصلاحی تجویزوں میں سے بعض بڑی مناسب لگتی ہیں۔چند اشعار پر جمیل نظر کی تنقید ملاحظہ ہو......حنیف اسعدی کا شعر تھا:

سب کو بقدرِ ظرف ملا ہے شعورِ ذات
امی لقب پہ ختم ہوئی آگہی تمام

جمیل نظر نے اس کا پہلا مصرعہ اس طرح بدلنے کا مشورہ دیا: ''سب کو انھیں کے در سے ملا ہے شعورِ ذات'' اور پھر درج ذیل الفاظ میں اپنی اصلاح کا جواز پیش کیا:

''جب سب کو بقدرِ ظرف شعورِ ذات ملا ہے تو حضورؐ کی ذاتِ اقدس بھی اس میں شامل ہے کیوں کہ حضورؐ کی ذات خدا کے بعد سہی لیکن آپ کے آگے بھی ایک خط کھنچا ہوا ہے کہ آپ خدا نہیں اور نہ ہی ہوسکتے ہیں ورنہ حقیقت یہ ہے کہ دنیا میں تقسیم کیے جانے والا شعورِ ذات، خدا نے اپنے محبوب کے حوالے کر دیا اور اب ہر ایک کو بقدرِ ظرف وہیں سے شعورِ ذات مل رہا ہے''۔

حنیف اسعدی نے کہا تھا:

بے قیدِ وقت بھیجے گا اُن پر خدا درود
یہ سلسلہ ہوا ہے نہ ہوگا کبھی تمام

اس شعر کی اصلاح کر کے پہلا مصرعہ یوں کیا : ع

''جاری ازل سے اُن پہ خدا کا درود ہے''......اور پھر لکھا:

''مستقبل کے صیغہ 'بھیجے گا' سے یہ تاثر ملتا ہے کہ حضورؐ پر درود بھیجنے کا سلسلہ شعر کی شان نزول کے ساتھ ہی شروع ہوا ہے۔ممکن ہے (نعوذ باللہ) یہ سلسلہ مولانا کی سفارش پر خدا نے شروع کیا

ہو۔ بہر حال شعر کے مطابق اس سے پہلے خدا کی جانب سے درود بھیجنے کا سلسلہ نہیں تھا''۔

حنیف اسعدی کا شعر تھا:

اپنی غفلت کا یہ عالم اور یہ شفقت آپ کی
جرم ہم سے ہورہے ہیں اور شرمندہ ہیں آپ ؐ

جمیل نظر نے اس شعر کے مصرعہ ثانی میں صرف ایک لفظ ''شرمندہ'' کو ''رنجیدہ'' سے بدل دیا اور لکھا:

''جہاں تک اس ناچیز کے مطالعہ کا تعلق ہے کتاب وسنت سے کہیں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نعوذ باللہ کسی بھی مرحلے پر حضورؐ کو امت کی وجہ سے شرمندگی ہوئی ہو البتہ آپؐ امت کے غم میں رنجیدہ ضرور رہا کرتے تھے۔ اگر ایسا کوئی ثبوت ہے تو سامنے لایا جائے ورنہ یہ حضورؐ کی ذاتِ اقدس پر صریح بہتان ہے''۔ حنیف اسعدی کا شعر تھا:

مدحت تو ادا ہوئی ہے کس سے
بس یہ کہ زباں کہے محمدؐ

اس شعر کا مصرعہ اولیٰ اس طرح تبدیل کیا ع ''مدحت تو ہوئی ہے کس سے ان کی'' اور یوں تبصرہ کیا:

''مدحت کرنا یا مدحت کا حق ادا کرنا ہی لغوی و اصطلاحی معنیٰ میں ہے۔ مدحت ادا کرنا کہیں ثابت نہیں ہے۔ اس لیے بالکل غلط ہے۔ یا یوں کہیے کہ مدحت تو کرے گا کون ان کی''۔

حنیف اسعدی کہتے ہیں:

حنیف خاکِ مدینہ ملی جو چہرے پر//// تو اپنے جسم سے اس پیرہن کی بو آئی

اس شعر کے مصرعہ ثانی کو جمیل نظر نے یوں بدلا: ع

''تو اپنی ذات کو پہچاننے کی خو آئی''...... اور لکھا:

''نعت گوئی میں ایسے الفاظ سے ہمیشہ احتراز کرنا چاہیے جن کی حیثیت ذو معنوی ہو۔ خاص طور پر وہ الفاظ جن میں منفی و مثبت دونوں پہلو نکلتے ہیں۔ پھول کی خوشبو کو بھی بوئے گل کہا جاتا ہے لیکن ساتھ ہی بو کو بدبو کے معنی میں بھی لیا جاتا ہے چوں کہ بو خوشبو اور بدبو کی درمیانی کیفیت شامہ کا نام ہے جیسے کھانا اگر خراب ہو جاتا ہے تو کہتے ہیں کہ اس میں بو آگئی ہے۔ اس لیے نبی کریمؐ کے پیرہنِ مبارک سے بو ثابت کرنا سوئے ادب ہے۔ اب یہ کہ مولانا کے جسم سے اس پیرہن کی بو آئی یا نہیں آئی اس سلسلے میں یہی کہہ سکتے ہیں کہ مولانا کے جسم سے بو ضرور آتی ہے لیکن اس پیرہن کی نہیں ہو سکتی''۔

راقم الحروف کے خیال میں درج بالا شعر کی تنقید اور دوسرے مصرعے کی تبدیلی اپنی جگہ، لیکن شاعر (حنیف اسعدی) اور نقاد (جمیل نظر)، دونوں اس مرحلے پر یہ کیسے بھول گئے کہ چہرہ جسم کا ایک حصہ ہونے کے باوجود پورا جسم نہیں ہوتا، اور چہرے پر پیرہن پہنا نہیں جاتا اس لیے منطقی طور پر یہ بات غلط ہے کہ خاکِ مدینہ کو چہرے پر ملنے سے پورے جسم سے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرہن پاک کی خوشبو آنے لگے۔ ہاں اگر پورے جسم پر خاک مدینہ کا ذکر ہوتا تو یہ باور کیا جاسکتا تھا کہ حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے پیرہن پاک کی خوشبو پورے جسم میں رچ بس گئی۔

مزید برآں یہ نکتہ بھی قابلِ غور ہے کہ مدینے کی مٹی چاہے کتنی ہی مقدس کیوں نہ ہو حضورِ اکرمؐ کا پیرہن ''وہ مٹی'' نہیں ہوسکتی۔ حضورؐ کے پیرہن کو مدینے کی مٹی سے تعبیر کرنا تو انتہائی بے ادبی ہے۔ رہا سوال نعت کے شعر میں واقعاتی صداقت کا تو اس باب میں بلاخوفِ تردید کہا جاسکتا ہے کہ شعر سراسر مبالغہ آمیز ہے۔ لہٰذا شعراء کو ایسے واقعاتی بیانات کی شعری بنت سے احتراز کرنا چاہیے جو صرف تخیل کی تخلیق ہوں۔ حنیف اسعدی کا شعر تھا:ـ

غلام آنے کو کہتا ہے جا کہو کوئی /// حضورِ شاہؐ مری بیکلی کا ذکر کرو

اس شعر کے پہلے مصرع کو جمیل نظر نے اس طرح بدلا --ع

غلام آنے کو بے تاب و مضطرب ہے بہت

اور پھر لکھا:

''اکثر روساء اور جاگیرداروں کے یہاں بعض ملازمین خاندانی حیثیت اختیار کرلیتے ہیں اور ان کو خاندان ہی کا فرد شمار کیا جاتا ہے۔ اسی لیے منہ پھٹ ہوتے ہیں کچھ اسی قسم کا لہجہ اس شعر میں حنیف اسعدی صاحب کا ہے کہ یہیں سے حضورؐ کے لیے حکم بھیج دیا کہ 'جا کہو کوئی' یہ مقام مولانا ہی کو حاصل ہے ورنہ ہم جیسے گنہگار تو اس انداز پر سوچ بھی نہیں سکتے''۔

حنیف اسعدی کہتے ہیں:

اذنِ طواف لے کے شہ دیںؐ پناہ سے
کعبہ کو جارہا ہوں مدینے کی راہ سے

اس شعر کا پہلا مصرع جمیل نظر نے اس طرح کردیا --ع

مانگیں نہ کیوں نصیب شہِ دیںؐ پنا ہ سے

اور اس طرح تبصرہ کیا:

''آپ کعبہ کو براہِ راست جائیں یا مدینہ شریف ہو کر، لیکن فرائض وواجبات کی ادئیگی کے سلسلے میں مزید کسی اجازت کی ضرورت نہیں کیوں کہ وہ تو پہلے ہی فرض ہیں اور ان کی ادئیگی ہم پر قرض ہے''۔

اس اصلاح اور تبصرے میں جمیل نظر نے خود اپنے اوپر ظلم کیا۔ ''نصیب'' بنانے والی ذات اللہ رب العزت کی ہے اس لیے تقدیر بنانے کے لیے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دعا کی درخواست تو کی جاسکتی ہے آپؐ سے تقدیر مانگی نہیں جاسکتی...... دوسرا پہلو جسے جمیل نظر نے نظر انداز کر دیا وہ یہ کہ حنیف اسعدی نے ''طوافِ کعبہ'' کی غرض سے جانے کی اجازت مانگی ہے ''حج'' کی اجازت نہیں مانگی۔ طواف کعبہ، حج کا ایک رکن تو ہے حج نہیں ہے۔ طواف نفلی بھی ہوتا ہے اور اگر کوئی مدینہ منورہ سے احرام باندھ کر جاتا ہے تو عمرہ کرتا ہے جس میں طواف بھی کیا جاتا ہے۔ یاد رہے کہ ''عمرہ'' بھی نفلی عبادت ہے، فرض نہیں ہے۔ تصوف کے سلاسل میں یہ بات مشہور ہے کہ ''پیر'' کی اجازت کے بغیر نفلی عبادت بھی نہیں کرنی چاہیے کیوں کہ بقول مولانا روم ؎

یک زمانے صحبتِ با اولیاء
بہتر از صد سالہ طاعت بے ریا

اور یہ کہنے کی ضرورت نہیں کہ اولیاء کو یہ مقام حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صدقے میں اور ان کے در سے وابستگی کی وجہ سے ہی ملتا ہے۔ ایسی صورت میں اگر شاعر نفلی عبادت (طوافِ کعبہ) کے لیے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام سے اجازت طلب کر رہا ہے تو یہ اس کے ادب کا تقاضا ہے۔ حنیف اسعدی نے کہا:

انسان کی عظمت کا سفر ہے شبِ اسریٰ
معراج اضافہ ہے مہماتِ بشر میں

اس شعر کا دوسرا مصرع جمیل نظر نے اس طرح تبدیل کر دیا۔۔ع:

اب کوئی اضافہ نہیں ادراکِ بشر میں......

پھر اس پر تبصرہ کرتے ہوئے وہ لکھتے ہیں:

''واقعہء معراج شریف کو مہم جوئی سے تعبیر کرنا مولانا ہی کا حصہ ہے ہمارے نزدیک تو ایسا تصور بھی بارگاہِ ایزدی میں گستاخی کے مترادف ہے ورنہ مہمات کی جگہ کمالات بھی کہہ سکتے تھے''۔ حنیف اسعدی کا شعر تھا:

بس یہی دو ہیں میرے سخن کے اصول
حمد ذکرِ خدا نعت ذکرِ رسولؐ

یہاں بھی جمیل نظر نے دوسرے مصرع کی اصلاح تجویز کی اور مصرع یوں کر دیا: ع:

حمد رب العلا نعت پاک ِ رسول

............پھر لکھا:

''حمد کے معنی خدا کی تعریف بیان کرنا اور نعت کے معنی حضورؐ کے فضائل بیان کرنا ہیں اس لیے حمد ذکر خدا اور نعت ذکر رسولؐ کہنا بالکل غلط ہے''۔(۱۰) حنیف اسعدی کا شعر تھا:

کس قدر عام ہوئی وسعت دامانِ کرم
کتنی صدیوں کے اندھیروں نے اجالا پایا

جمیل نظر نے اس شعر میں استعمال ہونے والے دو الفاظ ''کس'' اور ''کتنی'' کو بالترتیب ''اس'' اور ''ساری'' سے بدل کر دونوں مصرعوں کی اصلاح کر دی:۔

اِس قدر عام ہوئی وسعت دامانِ کرم
ساری صدیوں کے اندھیروں نے اجالا پایا

اور لکھا:

''کتنی صدیاں کہنے سے یہ تاثر ملتا ہے کہ شاید کچھ صدیاں چھوٹ گئی ہیں ساتھ ہی مصرعہ اولیٰ میں کس قدر کے بجائے اِس قدر کہنا چاہیے''۔حنیف اسعدی نے کہا:

رُواں رُواں عرقِ انفعال میں تر ہے /// یہ جسم لے کے کہاں آ گئے مدینے میں

جمیل نظر نے مصرعۂ اولیٰ یوں کر دیا :ع:

بغیر نفس کی پاکیزگی کے عجلت میں............اور لکھا:

''مدینہ شریف پہنچ کر اگر رواں رواں عرق انفعال میں تر ہے تو یہ گناہوں کی تلافی کے لیے فال نیک ہے کہ انسان اپنے گناہوں اور اپنی خامیوں، کوتاہیوں پر شرمندہ ہے اور یہی ادا خدا کو بھی پسند ہے اور اس کے محبوبؐ کو بھی، لیکن وائے نادانی کہ مولانا اس نیک کام کو بھی الٹا سمجھ رہے ہیں''۔

حنیف اسعدی کے کلام کو تنقیدی اصلاحات سے نوازنے کے بعد جمیل نظر نے تابش دہلوی کے نعتیہ مجموعہء کلام ''تقدیس'' کی طرف توجہ کی اس مرحلے پر انھیں ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی رائے سے اختلاف کرنا پڑا۔ڈاکٹر صاحب نے لکھا تھا:

''تابش دہلوی صاحب کی نعتوں کے مطالعے نے مجھے یہی احساس دیا ہے اور میں سوچتا رہا

کہ تابش صاحب کے کلام میں ان کی جو رمز شناسی ہے، الفاظ کے بطون میں پہنچ کر معانی کے گہر تلاش کرنے کا جو رجحان ہے، برہنہ گفتاری کی جگہ رمز و ایما سے ان کی جو وابستگی ہے، الفاظ اور مفاہیم و جذبات کے درمیان وحدت پیدا کرنے کی جو اہلیت ہے، لفظوں کو ہشت پہلو نگینوں کی صورت جڑنے اور انھیں شمع کی طرح روشن کرنے کی جو قدرت ہے ان سب کا مقسوم و مقدر یہی تھا کہ یہ سب خوبیاں اور قدرتیں نعتِ سرورِ کونینؐ کے سلسلے میں ان کے کام آئیں۔ تابش صاحب زبان کی صحت کے بارے میں نہایت سخت گیر اور روایت پرست ہیں۔ وہ ان دو تین آدمیوں میں سے ہیں جنھیں میں دلی کا لہجہ قرار دیتا ہوں''۔

ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی کی رائے نقل کرنے کے بعد، جمیل نظر نے، تابش دہلوی کے چند اشعار تنقید کے لیے منتخب کیے۔ کچھ اشعار اور ان پر کی جانے والی تنقید کے چند نکات ملاحظہ ہوں۔ تابش دہلوی کا شعر تھا:

میری خاکستر کو یارب کنجِ طیبہ چاہیے
اس تمنا کو اک آغوشِ تمنا چاہیے

جمیل نظر نے مصرعہ ثانی علیٰ حالہ برقرار رکھا لیکن پہلا مصرع یوں بدل دیا۔۔ع:

جسم خاکی کو خدایا ارضِ طیبہ ہو نصیب......

اصلاحِ شعر سے فارغ ہو کر لکھا:

''خاکستر کے معنی، کسی چیز کی جلی ہوئی راکھ کے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ خاکستر کو غزل میں استعمال کیا جاتا ہے لیکن یہاں نعت کے شعر میں اور وہ بھی کنج کے ساتھ کسی طرح جائز نہیں کیوں کہ خاکستر کو کنج میں رکھنے سے سمادھی کا مفہوم پیدا ہوتا ہے جو کہ ایک مشرکانہ رسم ہے جس سے مسلمانوں کے عقیدۂ تدفین کی نفی ہوتی ہے۔ اگر یہ تابش صاحب کا ذاتی عقیدہ ہے تو اور بات ہے ورنہ ہر مسلمان کی یہی آرزو ہوتی ہے کہ مرنے کے بعد اس کی میت کو مدینہ منورہ میں دفن کیا جائے''۔

تابش دہلوی کا ایک شعر تھا:

دیدار کی دل کو آرزو ہے
دل کو بھی ذرا نگاہ کیجے

اس شعر کو جمیل نظر نے بدل کر اس طرح کر دیا: ؎

دیدار کی کب سے آرزو ہے
دل پر بھی ذرا نگاہ کیجے

اس کے بعد لکھا:

''یہاں 'دل' کی تکرار بے محل ہے اور صوتی اعتبار سے نامانوس بھی ہے۔ساتھ ہی یہ کہنا کہ 'دل کو بھی ذرا نگاہ کیجے' خلافِ فصاحت اور زبان سے عدم واقفیت کی دلیل ہے''۔

تابش دہلوی نے کہا تھا:۔

یہ شہر مدینۃ النبی ہے /// ہر ذرے کو سجدہ گاہ کیجے

جمیل نظر کی اصلاح کے بعد اس شعر کی یہ صورت ہوگئی:۔

دنیائے مدینۃ النبی میں /// ہر ذرے سے کھل کے چاہ کیجے

اصلاح دینے کے بعد جمیل نظر نے اپنے دلائل اس طرح رقم کیے:

''عربی میں مدینہ کے معنی ہی شہر کے ہیں۔اسی لیے ہر شہر کے ساتھ مدینہ لگایا اور لکھا جاتا ہے جیسے مدینۃ المکۃ المکرمہ، مدینۃ الریاض اور مدینۃ الدہران وغیرہ وغیرہ اس لیے یہ کہنا کہ یہ شہر مدینۃ النبی ہے، عربی زبان سے ناواقفیت کی دلیل ہے۔البتہ اگر اردو ہی میں 'یہ شہر شہرِ نبی ہے' کہا جائے تو جائز ہی نہیں بلکہ نفسِ مفہوم پر زور پڑتا ہے نیز یہ کہ سجدہ گاہ بناتے ہیں کرتے نہیں''۔

تابش دہلوی کے ایک شعر کی بنت یوں تھی:۔

ان کا نیاز مند ہوں یہ ناز کم نہیں
پایا ہے میرے عجز نے رتبہ غرور کا

جمیل نظر کی اصلاح کے بعد شعر کی بنت یہ ہوگئی:۔

ان کا نیاز مند رہوں یونہی تا حیات
آئے نہ میرے ذہن میں سودا غرور کا

اصلاحِ شعر سے فارغ ہو کر وہ لکھتے ہیں:

''ابلیس نے بھی غرور، عجز و عبادات کے زعم میں یہی دعویٰ کیا تھا کہ میں معلم الملکوت ہو کر آدمِ خاکی کو سجدۂ تعظیمی نہیں کروں گا......رجزِ شرعی کے علاوہ جو کہ صرف دین کی برتری اور احیائے دین کے لیے ہوتا ہے غرور یا اس کی کوئی صفت خدا کے سوا ہر مسلمان پر حرام ہے''۔

جمیل نظر نے جن اشعار پر اصلاح دی اور اشعار میں تبدیلی کے لیے جو دلائل دیئے ان کا اجمالی ذکر درجِ بالا سطور میں آ گیا ہے۔ راقم الحروف نے جہاں ضروری خیال کیا، اپنی رائے بھی دیدی ہے۔

جمیل نظر کے لہجے میں تنقیدی حلم کے بجائے غیر منطقی سوچ سے پیدا ہونے والی تلخی ہے۔ کہیں کہیں انہوں نے پتے کی بات ضرور کی ہے لیکن ان کے لہجے نے ان کی تنقیدی رائے کا وزن کم کر دیا ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انہیں شعراء سے کوئی پرخاش ہے اور وہ صرف انتقام لینے کے لیے خامہ فرسائی میں مصروف ہیں۔ بہرحال ان کے تنقیدی عمل میں عملی تنقید Practical Criticism کے عناصر پائے جاتے ہیں اور ان کی تنقیدی کاوش کو تشریعی تنقید (Judicial Criticism) کے تناظر میں دیکھا جاسکتا ہے۔ البتہ ان کی دی ہوئی اصلاحات کی بندش بیشتر حسن سے عاری اور شعریت سے دور ہے۔

بت خانہ شکستم: امیر حسنین جلیسی

(۲) بت خانہ شکستم من (تنقیدی مضامین کا مجموعہ) امیر حسنین جلیسی کی کتاب ہے۔ اس کتاب میں دو مضامین نعتیہ شاعری کے حوالے سے عملی تنقید کے حامل ہیں۔ ''پروفیسر اقبال عظیم اور راغب مراد آبادی'' اور ''راغب مراد آبادی اپنے معیارِ نقد کے آئینہ میں''۔ دراصل یہ دونوں مضامین ''در جوابِ آں غزل'' کے نمائندہ مضامین ہیں۔ مصنفِ کتاب کے بقول راغب مراد آبادی نے ۱۸/اکتوبر ۱۹۸۱ء کو روزنامہ نوائے وقت، کراچی کی اشاعت میں، اقبال عظیم کی نعتیہ کتاب ''قاب قوسین'' پر معاندانہ تنقیصی مضمون لکھا تھا۔ یہ مضمون ہفتہ وار، چھ اقساط میں راز مراد آبادی کے تعاون سے شائع کیا گیا تھا۔ پروفیسر اقبال عظیم نے بردباری کا ثبوت دیا اور خاموشی اختیار کر لی لیکن امیر حسنین جلیسی نے ترکی بہ ترکی جواب دیئے جو بعد میں اس کتاب کی زینت بنے۔

اس قلمی جنگ میں تنقید سے زیادہ تنقیص کا عمل کارفرما نظر آتا ہے۔ لیکن نعتیہ شاعری کے ضمن میں یہ تنقید کچھ ایسی تھی جس سے شعرفہمی کے دریچے ضرور کھلے اور نعتیہ شاعری کو تقدس آمیز شاعری سمجھ کر تنقید سے بالا سمجھنے کے رویئے کو جھٹکا لگا۔ اس لیے میرے خیال میں یہ مضامین تنقیصی ہونے کے باوجود تنقیدی شعور کا عکس لیے ہوئے ہیں۔ اس تفصیل کے بعد، مذکورہ کتاب سے کچھ اشعار پر تنقید اور جوابی تنقید کے کچھ نمونے پیش کیے جاتے ہیں:

''مختصراً راغب مراد آبادی کے اعتراضات اور ان کے جوابات ملاحظہ ہوں:

اقبال عظیم کا شعر ہے:

بر بنائے مصلحت اُمّی لقب /// لیکن آگاہِ رموز کیف و کم

(اعتراض) شاعر کے قول کے مطابق اگر رسول اللہؐ نے خود کو کسی مصلحت کی بنا پر امی لقب کہلوایا تو نعوذ باللہ آپ بندۂ مصلحت تھے اور یہ حضورؐ کی شان میں سوئے ادب اور صریح گستاخی ہے۔

(جواب)......خداوند قدوس نے دنیا والوں کے سامنے حضور کو امی رکھ کر خود علم لدنی سے سرفراز فرمایا اور آگاہِ رموزِ کیف و کم کیا۔ یہ مصلحتِ خداوندی تھی۔ مصلحتِ رسول نہیں۔ یہاں حضورؐ کی فضیلت بیان کی گئی ہے۔ نعوذ باللہ آپؐ کو بندۂ مصلحت نہیں کہا گیا۔

ایک اور نعت کے اشعار جس کی ردیف ''ہٹادو'' ہے:

میرے آقا اندھیرا بہت ہے /// اب نقاب اپنے رخ سے ہٹادو
تم تو نورٌ علیٰ نور ٹھہرے /// میری آنکھوں سے پردے ہٹادو
میرے تلووں میں چھالے بہت ہیں /// مرے رستے سے کانٹے ہٹادو

(اعتراض) نورٌ علیٰ نور ٹھہرے، غلط ہے، نورٌ علیٰ نور رہو، کہنا چاہیے تھا۔ اقبال عظیم پیغمبرِ اسلام کو حکم دیتے ہیں کہ میرے رستے سے کانٹے ہٹادو، جو صریح گستاخی ہے اور اقبال عظیم کو توبہ و استغفار کرنا چاہیے۔ ہٹادو کی جگہ آپ ہٹا دیجیے کہنا چاہیے تھا۔ یہ اندازِ تخاطب سوئے ادب اور شانِ رسالت میں گستاخی ہے۔

(جواب) نورٌ علیٰ نور ہونا ایک حقیقت کا اعتراف ضرور ہے جو میں اور آپ انفرادی طور پر بھی کر سکتے ہیں اور اس قول سے بعض کو انکار کی جرأت بھی ہوسکتی ہے۔ مگر جب نورٌ علیٰ نور ہونا تمام عالم نے تسلیم کرلیا تو نورٌ علیٰ نور ٹھہرے اور آپ کے نورٌ علیٰ نور ہونے میں شک و شبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ ٹھہرے میں جو زور ہے اور اجتماعی تیقن کی جو کیفیت پائی جاتی ہے اسے اہل نظر ہی محسوس کر سکتے ہیں......شاعر نے ابتدا ہی یوں کی ہے کہ ''میرے آقا اندھیرا بہت ہے'' آقا کو نہ حکم دیا جاتا ہے نہ دیا جارہا ہے۔ درخواست کی جارہی ہے اور یہ مسلسل درخواست ہے۔ ہر شعر میں میرے آقا کہنے کی ضرورت نہیں تھی جو محذوف ہے۔ چوں کہ خود میں راستے کے کانٹے ہٹانے کی قدرت نہیں پاتا لہٰذا عرض کرتا ہے کہ ''میرے تلوؤں......'' نہ یہ چھالے حقیقتاً چھالے ہیں اور نہ یہ کانٹے جسدی طور پر کانٹے ہیں......آقا سے عرض کی جارہی ہے کہ میری مشکلات آسان کردیں۔ پھر ہٹادو ردیف ہے۔ اس میں ہٹا دیجیے کیسے کہا جائے۔ قافیہ اور ردیف کی مجبوریاں ہر شاعر کے پیش نظر ہونی چاہئیں۔

اس جگہ امیر حسنین جلیسی نے بات بنانے کی کوشش تو کی لیکن اقبال عظیم کا لہجہ بہر حال حضور ﷺ

کے مقام کے لحاظ سے بہت نامناسب ہے۔ ردیف کی مجبوریاں اپنی جگہ، شاعر کی قادرالکلامی کا امتحان تو ایسی ہی ردیفوں میں ہوتا ہے۔ رستے سے کانٹے ہٹانے کی درخواست بہر حال درخواست کے قرینے سے نہیں ہو سکی...... اقبال عظیم نے کہا:

عمر اقبال یوں ہی بسر ہو ہر نفس یادِ خیرالبشرؐ ہو
صبح تا شام ذکرِ مسلسل اور راتوں کو پیہم شبینے

(اعتراض)...... راتوں کو پیہم شبینے پڑھ کر حیرت اور افسوس ہے۔ کیا شبینے ہنگامِ سحر، دوپہر اور سہ پہر میں بھی ہوتے ہیں۔ شبینہ میں تو خود رات کا مفہوم پایا جاتا ہے۔

(جواب)...... شبینہ ایک اصطلاح ہے۔ محفلِ شبینہ دو گھنٹے کی بھی ہو سکتی ہے تمام رات کی بھی۔ سرِ شام بھی ہو سکتی ہے۔ درمیانِ شب بھی۔ چوں کہ تمام راتیں پیہم شبینوں میں گزرتی ہیں۔ صرف شبینے کہنے سے مفہوم ادا نہیں ہو سکتا...... شعر میں راتوں کا ذکر حشو و زوائد میں نہیں آتا۔ ضروری بھی ہے فصیح بھی۔

اقبال عظیم کا شعر ہے:

کیا خبر کیا سزا مجھ کو ملتی میرے آقاؐ نے عزت بچالی
فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر کالی کملی میں اپنی چھپالی

(اعتراض)...... غور فرمائیے جو فعل حضورؐ سے منسوب کیا جا رہا ہے کیا وہ مستحسن ہے۔ کیا حضورؐ نعوذُ باللہ سرِ حشر اللہ کی آنکھوں میں دھول جھونک کر کسی عاصی و خاطی کی عزت بچالیں گے؟

(جواب)...... اقبال عظیم کہتے ہیں کہ میں عاصی و خاطی ہزار ہا گناہوں کا مرتکب جس کی فردِ عصیاں بہت طویل تھی اور اللہ اعلم بالصواب اس کی کیا سزا ملتی کہ میرے آقا و مولا نے اسلام اور ایمان کی تعلیم دے کر اور راہِ شکر پر چلنے کی ہدایت فرما کر میری عزت بچالی اور توبہ کے دروازے کھلوا کر اپنی کملی کے سایہ میں لے کر یعنی اپنی امت میں قبول کر کے میرے گناہوں کو معاف کرا دیا۔ یہ حضورؐ کی خطا پوشی اور عفو کے جذبہ کا اظہار ہے۔ 'مجھ' سے مراد اپنی ذات نہیں۔ مرکزِ خیال ایک مسلم ایک مومن ہے۔ اب شعر کی آفاقیت کو پیشِ نظر رکھیے''۔

راقم الحروف کو راغب مرادآبادی کا ''اللہ کی آنکھوں میں دھول جھونکنا'' تو قطعی پسند نہیں آیا۔ اس جملے سے انہوں نے نادانستہ طور پر اللہ کی شان میں گستاخی کر دی...... لیکن شعر پر ان کا اعتراض بہر حال بڑا وزنی ہے۔ فردِ عصیاں کا ہاتھ میں آجانا صرف روزِ محشر ہی ممکن ہے۔ اقبال عظیم نے صاف کہا ہے کہ ''فردِ عصیاں مری مجھ سے لے کر'' حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کالی کملی میں چھپالی۔ فردِ عصیاں دنیا میں

کسی کے ہاتھ نہیں لگتی۔ اس لیے امیر حسنین جلیسی نے جو صفائی پیش کی ہے اور شعر کے معانی کی جو تاویل کی ہے وہ اپنی جگہ بہت خوبصورت ہونے کے باوجود شعر کے الفاظ سے ظاہر ہونے والے مفہوم کی عکاسی نہیں کرتی۔ آیئے اس سلسلے میں قرآنِ کریم سے رجوع کرتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ''وَکُلَّ اِنۡسَانٍ اَلۡزَمۡنٰہُ طٰٓئِرَہٗ فِیۡ عُنُقِہٖ ط وَ نُخۡرِجُ لَہٗ یَوۡمَ الۡقِیٰمَۃِ کِتٰبًا یَّلۡقٰہُ مَنۡشُوۡرًا ○ اِقۡرَاۡ کِتٰبَکَ ط کَفٰی بِنَفۡسِکَ الۡیَوۡمَ عَلَیۡکَ حَسِیۡبًا ○'' اور ہر انسان کا معاملہ یہ ہے کہ لٹکا دی ہے ہم نے اس کی تقدیر اس کی گردن میں۔ اور نکالیں گے ہم اس کو دکھانے کے لیے روزِ قیامت ایک نوشتہ، پائے گا وہ جسے کھلی کتاب کی مانند۔ پڑھ اپنا اعمالنامہ۔ کافی ہے تو خود ہی آج اپنا حساب لگانے کے لیے'' (آیات ۱۳-۱۴، سورۃ بنی اسرآئیل ۱۷، پ ۱۵)

ان آیاتِ قرآنی کی موجودگی میں کوئی بھی ایسا بیان جو قیاس پر مبنی ہو اور ڈرامائی انداز سے ایک واقعے کی صورت میں پیش کیا جائے، کسی بھی صورت مستحسن نہیں ہوسکتا۔ شاعر کا خیال، الفاظ کی بندش اور شعر کی مجموعی فضا کے حوالے سے منصۂ شہود پر آتا ہے۔ اقبال عظیم کی پاکیزہ خیالی اپنی جگہ لیکن الفاظ نے ان کا ساتھ نہیں دیا۔ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ ایک واقعے کی صورت میں مرئی (Visual) بنایا گیا ہے۔ عوامی سطح پر تو اقبال عظیم کا یہ شعر بہت مقبولیت پاچکا ہے لیکن اہلِ علم کے نزدیک اس میں جو سقم پایا جاتا ہے وہ امیر حسنین جلیسی کی تشریح وتصریح سے دور نہیں ہوسکتا۔ میرے خیال میں نعت کے اشعار میں اسقام کی نشاندہی پر تاویلات پیش کرنے سے بہتر ہے کہ شعر میں پایا جانے والا ابہام دور کردیا جائے۔ ایسے معاملات میں ''انا'' کو قربان کردینا ہی بہتر ہے۔ بہر حال چوں کہ شاعر نے خود جواب نہیں دیا اس لیے تاویل کا عذرِ لنگ شاعر کے سر نہیں جاتا۔ تاہم اس کی خاموشی اس عذرِ لنگ میں شرکت کی غمازی کرتی ہے۔

ایک اور پہلو، جس کی طرف نہ تو راغب مراد آبادی کی نظر جاسکی اور نہ ہی امیر حسنین جلیسی اس کو سمجھ سکے...... وہ یہ کہ قیامت میں سزا سے بچنے میں گناہ گاروں کی عزت بچنے کا نہیں، ان کی چمڑی (کھال) بچنے کا سوال ہوگا۔ سزا سے جان بچتی ہے عزت بچے یا نہ بچے۔ بھلا گناہ گار کی بھی کوئی عزت ہوتی ہے؟...... گناہگار کی رسوائی کا ذکر تو سزا کے مقابلے میں بہت ہلکا ہے۔ بلکہ اس میں ایک پہلو یہ بھی ہے کہ گناہ گار اپنے آپ کو بڑا عزت دار سمجھ رہا ہے...... یہ احساس، تکبر کے ذیل میں آسکتا ہے۔ اللہ مرحوم کی بیانی لغزش معاف فرمائے (آمین)!...... ایک اور زاویے سے دیکھیں تو عزت بچالی کہنے سے کسی کی اپنی عزت بچتی ہے اور عزت بچادی کہنے سے کسی اور کی عزت بچانے کا تاثر قائم ہوتا ہے۔ یہاں غیر ارادی طور پر شاعر نے کہہ دیا ہے کہ ''میرے آقا نے عزت بچالی'' یعنی [نعوذ باللہ] آقا نے اپنی عزت

بچالی۔حال آں کہ شاعر کہنا یہ چاہتا ہے کہ آقا نے میری عزت بچادی۔

یہاں تک درج ہونے والے،تنقیدی نکات،امیر حسنین جلیسی اور راغب مرادآبادی کے نتیجۂ فکر کے عکاس تھے۔ان تمام نکات کا تعلق اقبال عظیم کے شعری عمل سے تھا۔

امیر حسنین جلیسی کو راغب مرادآبادی کی نعتیہ شاعری میں بھی زبان و بیان کی کچھ بے احتیاطیاں نظر آئیں انہوں نے ان کی نشاندہی کے ساتھ ساتھ تبصرہ بھی کیا۔مثلاً ؎

''رخِ مصطفیٰ ؐ کے صدقے یونہی باربار ہوتا
مجھے اپنے ہر عمل پر اگر اختیار ہوتا

پہلے مصرعہ میں 'یونہی' بمعنی کسی جواز کے بغیر بے معنی ہے اور صدقہ ہونے کے ایک عمل کا ذکر گیا ہے لہٰذا دوسرے مصرعہ میں ہر عمل غلط اور مہمل ہے۔اگر شعر یوں کہا جاتا تو بات بنتی:

رخِ مصطفیٰؐ کے صدقے میں ہزار بار ہوتا
مجھے اپنے اس عمل پر اگر اختیار ہوتا

آپؐ کی شان جمالی کو وہ سمجھا ہی نہیں
آپؐ کو جس نے بھی رشکِ مہِ کامل باندھا

امیر حسنین جلیسی: شانِ جمالی کو سمجھنے والے رشکِ مہ کامل ہی باندھیں گے۔آپؐ کو مہِ کامل نہیں کہہ سکتے۔مہِ کامل کہنے والا شانِ جمالی کو نہیں سمجھ سکتا۔یہ زود گوئی کا نتیجہ ہے''۔

اس شعر کی معنوی جہتوں کو امیر حسنین جلیسی نے بھی پوری طرح نہیں سمجھا۔''آپ کو'' کے ساتھ ''باندھا'' میں جو معنوی سقم اور ذم پیدا ہو رہا ہے وہ دیکھنا چاہیے تھا۔آپؐ کے روئے انور کو تو رشکِ مہِ کامل کہا جا سکتا ہے لیکن ردیف ''باندھا'' کے ساتھ ضمیر ''آپ'' کا استعمال بالکل غلط ہے۔

راقم الحروف شاعر کے کسی شعر پر اصلاح دینے کا قائل نہیں،صرف اسقام کی طرف اشارہ کر دینا کافی سمجھتا ہے۔تاہم یہاں چوں کہ خیال کی درست بنت کو ظاہر کرنا ہے اس لیے عرض ہے کہ یہ شعر اس طرح ہونا چاہیے تھا ؎

حسنِ سرکارِ دو عالمؐ کو وہ سمجھا ہی نہیں
جس نے اس حسن کو رشکِ مہ ِ کامل باندھا

راغب مرادآبادی نے کہا تھا ؎

بدل دیں رحمت للعالمیں نے سیرتیں جن کی/// وہ دشمن سے بھی اپنے بات کرتے ہیں ٹھکانے کی

اس شعر پر تبصرہ کرتے ہوئے امیر حسنین جلیسی نے لکھا:

''ٹھکانے کی بات کرنا یعنی ہوش کی بات کرنا۔ دشمن سے تو کوئی بھی بے ہوشی کی یا احمقانہ بات نہیں کرتا، خواہ اس کی سیرت کیسی ہی ہو۔ تبدیلیء سیرت سے صرف ٹھکانے کی بات کرنے کا سلیقہ آنا، معلول کا غیر اہم ہونا علت کی اہمیت کی توجیہ کرنے سے قاصر ہے، پھر ٹھکانے کی بات، نہایت غیر فصیح ترکیب ہے۔ عامیانہ رنگ جھلکتا ہے۔

بدی کو بھی جو دشمن کی نظر انداز کرتے ہیں
خدا شاہد نہیں جاتی ہے ان کی رائگاں نیکی

امیر حسنین جلیسی: آنے کی۔ لانے کی، کے ساتھ گاں نے کی، قافیہ کی بدترین غلطی ہے جس کا ارتکاب اصولِ قافیہ سے تھوڑی سی واقفیت رکھنے والا مبتدی بھی نہیں کرتا۔ اسے سہو نہیں کم نظری کہنا پڑے گا''۔

اسی طرح راغب کا ایک شعر تھا:

جسمِ رسولِ پاک تھا اپنی مثال آپ///اک شمع تھی کہ جس کا نہ سایا نہ دود تھا

اس شعر پر امیر حسنین جلیسی نے یوں تبصرہ کیا:

''اپنی مثال آپ کہنے کے باوجود شمع سے تشبیہ دیدی جو شانِ رسولؐ میں سوئے ادب ہے۔ جو چیز اپنی مثال آپ ہو اسے کسی چیز سے تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ اگر سورج اپنی مثال آپ ہے تو آپ اسے کسی کم تر شے مثلاً چراغ سے کیسے تشبیہ دیں گے۔ سایہ کی حد تک تو سوچا جاسکتا ہے کہ جسم اطہر کا سایہ نہ تھا مگر یہاں دود کا جسم پاک سے کیا تعلق ہے''۔ راغب کہتے ہیں:

ابھی تک دور ہوں بابِ حرم سے /// ابھی مشکوک ہے میری وفا کیا؟

امیر حسنین جلیسی کی تنقیدی رائے ملاحظہ ہو:

''بابِ حرم سے مراد ارض مقدس یا حرمین شریفین کا کوئی دروازہ ہے تو دوسری بات ہے ورنہ بابِ حرم ایک مخصوص دروازہ کا نام ہے جو مکہ مکرمہ میں ہے مدینہ شریف میں نہیں۔ وفا کے مشکوک ہونے کا خیال حضورِ اکرم پر الزام ہے۔ اپنی وفا کے معتبر ہونے کا دعویٰ اور حضور ختمی مرتبت میں۔ یہ غرہ گستاخی ہے''۔

ناقد (جلیسی) نے دھیان نہیں دیا کہ جہاں صرف حرم یا بابِ حرم کہا جاتا ہے تو ''حرمِ کعبہ'' کی طرف ہی اشارہ ہوتا ہے۔ مسجدِ نبوی کو بھی حرم کہا جاتا ہے لیکن وضاحت کے لیے ''حرمِ نبوی'' کہنا پڑتا ہے۔ چناں چہ راغب مرادآبادی کے شعر میں اللہ تعالیٰ سے خطاب کی صورت بنتی ہے اور اس طرح

یہ شعر نعتیہ نہیں بلکہ حمدیہ شعر ہو جاتا ہے۔ ''علیمٌ بذاتِ الصدور'' کی بارگاہ میں اپنی وفا کا دعویٰ کتنا قبیح اور لائق گرفت ہے اس کا اظہار ضروری نہیں۔

بہر حال راغب مراد آبادی کے اشعار پر اور اقبال عظیم پر کی جانے والی نکتہ چینی کے دفاع میں، امیر حسنین جلیسی نے جو کچھ رقم کیا، وہ ایک تنقیدی جہت ہے اور اسے ہم مقنن تنقید ہی کا نام دے سکتے ہیں۔ یہ الگ بات کہ شاعر کی طرف داری میں ناقد نے کہیں کہیں بے جا تاویل پیش کرنے کی کوشش بھی کی ہے۔ تاہم اس تنقید کے ذریعے زبان و بیان کے اسرار بھی کھلتے ہیں اور شعر فہمی کے دریچے بھی وا ہوتے ہیں۔ نعتیہ شاعری کو ایسی تنقیدی کاوشوں سے بھی سنوارا جا سکتا ہے۔

ردِ عمل: امین راحت چغتائی

(۳) امین راحت چغتائی کے تنقیدی و تحقیقی مضامین کے مجموعے ''ردِ عمل'' میں ''مشکلاتِ تنقید'' کے عنوان سے لکھا ہوا مضمون نعت کے آداب سے متعلق ہے۔

''مشکلاتِ تنقید'' میں امین راحت چغتائی نے قرآن و حدیث کی روشنی میں نعتیہ شاعری کے اصول مرتب کرنے کی سعی کی ہے۔ نعت گو شعراء کی رہنمائی کے لیے انہوں نے چند ایسی آیاتِ قرآنی کا حوالہ دیا ہے جن کی روشنی میں نعت رسولؐ کے خدو خال کو دیکھا جا سکتا ہے۔ وہ آیات ہیں: آلِ عمران: آیات ۳۱، ۳۲، ۱۶۴، النساء: ۶۵، ۱۱۵، مائدہ: ۳، بنی اسرائیل: ۷۹، ۱...... امین راحت چغتائی نے لکھا:

''ان آیات کے مفہوم کا مجموعی خلاصہ یہ ہے کہ رب العزت نے حضور ختمی مرتبتؐ کو اس قدر بلندی عطا فرمائی کہ لوگوں کو حکم دیا کہ اگر تم میری محبت کے خواہاں ہو تو رسولؐ کی اطاعت کرو اس کے عوض اللہ تمہیں اپنی محبت سے سرفراز فرمائے گا بلکہ تمہارے گناہ بھی بخش دے گا۔ مزید ارشاد ہوا کہ بے شک اللہ کا بڑا احسان ہوا مومنوں پر کہ اس نے ان ہی میں سے ایک رسولؐ بھیجا جو ان پر اس کی آیات تلاوت کرتا ہے۔ ان کے نفس کا تزکیہ کرتا ہے اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ پھر فرمایا کہ اہلِ ایمان وہ ہیں جو رسولؐ اکرم کے فیصلے سے سرتابی نہ کریں اور جو رسولؐ سے اختلاف کرے گا اس کا ٹھکانہ جہنم ہوگا انہی آیات میں بشارت دی گئی کہ آج تمہارا دین، تمہارے لیے مکمل کر دیا گیا اور تم پر اپنی نعمتیں تمام کر دیں اور تمہارے لیے اسلام کو بطور دین پسند کیا گیا۔ یہی نہیں، خالق کائنات نے سرور کائنات کو مقامِ محمود عطا کرنے کا وعدہ فرمایا۔ آنحضور کو بشیر و نذیر اور سراج منیر کہہ کر خطاب فرمایا۔ پھر

رب العزت نے لوگوں پر یہ بھی واضح کر دیا کہ یہ وہ پیغمبر ہے جو اپنی خواہش نفس سے کچھ نہیں کہتا۔ مزید فرمایا کہ آپؐ اخلاق کے بلند درجے پر فائز ہیں ہم نے آپ کا ذکر بلند کیا اور آپ کو کوثر عطا کیا۔ بنظر غائر دیکھیے تو معلوم ہوگا کہ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ارشادات کے ذریعے نعت رسولؐ کے قرآنی خطوط متعین فرما دیئے۔ ان کے بحر معانی کی غواصی نعت گو کا کام ہے۔ اسے ہر بار نئے گوہر دستیاب ہوں گے مگر شرط وہی ہے کہ قرآن حکیم کا مطالعہ نعت کے خدوخال جاننے کے لیے بھی کیا جائے''۔

اس کے بعد امین راحت چغتائی نے احادیث کے مطالعے پر زور دیا ہے اور کچھ واقعات حضورؐ کے حسنِ اخلاق کے حوالے سے رقم کیے ہیں مثلاً غزوۂ خندق میں دشمن کا ایک آدمی خندق پار کرنے کی کوشش میں خندق میں گرا اور مسلمانوں نے اسے مار ڈالا۔ دشمن نے اس کی لاش حاصل کرنے کے لیے سو اونٹ معاوضہ دینے کی پیش کش کی لیکن حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں اس کی لاش مفت عطا کر دی۔ غزوۂ حنین کے موقعے پر شیما بنتِ حارث، حلیمہ سعدیہ کی صاحبزادی اور حضورِ اکرمؐ کی رضائی بہن نے اپنا تعارف کروایا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے پورے قبیلے کے تقریباً چھ ہزار اسیروں کو آزاد فرما دیا اور ان کا سامان بھی لوٹا دیا تو وہ مسلمان ہو گئے۔ یہ واقعات بیان کر کے امین راحت چغتائی نے لکھا:

''ہماری نعت کے مضامین قرآن حکیم کی مذکورہ بالا آیات اور سیرت کے بیان کردہ مستند واقعات کی روح سے اخذ ہونے چاہئیں۔ شعر بلا شبہ جذبات سے تشکیل پاتا ہے لیکن نعت واحد صنف سخن ہے جو جوش کے باوصف ہوش سے کہنے کا فن ہے''۔

عملی تنقید کا مظاہرہ کرتے ہوئے امین راحت چغتائی نے شعراء کے کچھ تسامحات کا ذکر بھی کیا ہے، مثلاً انہوں نے ایک شعر نقل کیا ہے:

صحرا نشیں نبیؐ سے یہ کیا معجزہ ہوا
ذروں کو آفتاب کا ہمسر بنا دیا

اس شعر پر امین راحت چغتائی نے اس طرح روشنی ڈالی ہے:

''پہلے مصرع سے کچھ یوں تاثر ابھرتا ہے کہ صحرا نشینی، نعوذ باللہ، کوئی بہت پست سی چیز ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ایسی معمولی جگہ سے پیدا ہونے والے پیغمبرؐ سے اتنا بڑا معجزہ سرزد ہو گیا۔ نعت گو کا اپنا جذبہ کتنا ہی پاکیزہ و محترم کیوں نہ ہو، شعر بہرحال الفاظ سے ہی تشکیل پاتا ہے اور الفاظ ہی اظہار کا ذریعہ ہیں۔ ایسے یا اس سے مماثلت رکھنے والے مفاہیم کے حامل

متعدد اشعار قارئین کی نظر سے گزرے ہوں گے۔اگر یہ احساس کرلیا جائے کہ نعت بھی نازک آبگینے سے کم نہیں تو ٹھیس لگنے کے امکانات کم ہو سکتے ہیں''۔

نعت گوشعراء کے ایک مرغوب موضوع کا ذکر کر کے چغتائی صاحب لکھتے ہیں:

''نعت میں ایک اور میلان بھی بڑے تواتر سے نظر آتا ہے۔وہ یہ کہ مجھے قبر میں نکیرین کیا کہیں گے۔نعت سنا کر اپنا معاملہ طے کرلوں گا۔یا میں حشر میں نعت رسولؐ پڑھتا جاؤں گا اور یوں میری بخشش کا سامان ہوجائے گا۔یا پھر حشر میں میرے اعمال پیش ہوں گے تو ''یا محمد مصطفیٰ صلِ علیٰ کہہ دوں گا میں''۔یہی نہیں مجھے ایسے اشعار بھی پڑھنے کا اتفاق ہوا ہے ؎

درِ نبیؐ پہ غریب و غنی ہیں سر بسجود
اس آس پر کہ ہو بس اک نگاہ رحمت عام
نبیؐ کے روضے پہ نعت گر تم سناسکو تو
اسے ہی سجدہ اسے ہی اپنا قیام کہنا

یہ سجود و قیام کے تقاضوں سے ناآشنائی کے مترادف ہے۔بلکہ قدرے کھل کر بات کروں تو عرض ہے کہ اس میں توحید و رسالت کے مقامات خلط ملط ہوگئے ہیں۔ایسے ہی میلان کا ایک اور شعر دیکھیے ؎

کر چکا جب خدا کے گھر کا طواف
پھر تھا میں اور نبیؐ کے در کا طواف

اب نعت گو سے یہ بات پوشیدہ نہیں کہ طواف کہاں کیا جاتا ہے اور کیوں کیا جاتا ہے۔علاوہ ازیں آج کی نعت میں ایسے کوتاہ فکر اشعار بھی پڑھنے کو ملتے ہیں کہ ؎

میرے آقاؐ سے برائے زندگی
بے تکلف کی ضروری جستجو
دولتِ خیر سے فتراک عمل خالی ہے
میرے آقاؐ اسے ہوجائے یہ نخچیر عطا

اسی سلسلے کے دو اور اشعار ملاحظہ فرمائیے:

کہتا ہے نبیؐ جی بھیجو نا /// ہے مٹھو کی میٹھی بولی

روزِ محشر دامن احمد سے پونچھا جائے گا
اس سے بڑھ کر اور کیا ہو کامرانی اشک کی

یہ اشعار کوئی مقام آشنا شاعر نہیں کہہ سکتا۔

امین راحت چغتائی نے غیر معمولی شہرت حاصل کرنے والے الفاظ ''لولاک لما خلقت الافلاک'' کو حدیثِ قدسی کے طور پر قبول کرنے سے انکار کر دیا ہے اور ملا علی قاری کی ''الموضوعات الکبیر'' کے صفحہ ۵۹ کا حوالہ دے کر یہ بتایا ہے کہ یہ جعلی احادیث میں شامل ہے۔ بعدازاں انہوں نے لکھا ہے:

''خود عربی علوم کے بعض ماہرین بھی اس جملے کو غیر فصیح قرار دیتے ہیں اور بتاتے ہیں کہ ''لولاک'' کا لفظ اور کہیں استعمال نہیں ہوا۔ اور یہ بات تو ہم سب کے علم میں ہے کہ رسول اکرمؐ کے الفاظ میں تحریف یا ان سے کسی غلط بات کو منسوب کرنے کی سخت وعید ہے۔ لہٰذا نعت گو شعراء کو غیر معمولی احتیاط سے کام لینا چاہیے۔ مختصر یہ کہ ایسے تمام میلانات قرآنی مزاج کے خلاف ہیں اور محض یہ کہہ دینے سے سرخروئی ممکن نہیں کہ:

گناہ گار سہی، اس کے نام لیوا ہیں /// خدا نے آپ بخشا ان کو اورنگِ خطا پوشی

خدا نے بخش دیا ہم کو بھی برائے رسولؐ /// ڈروں میں کیوں قیامت سے، شفاعت ہے اگر انؐ کی

بخشش کا مرحلہ اعمالِ صالح کا محتاج ہے۔ قرآن کا دوٹوک فیصلہ ہے کہ ہر فرد کا مواخذہ اس کے اعمال [سعی] کے مطابق ہوگا اور یہ بات ذہن میں ہمہ وقت رہنی چاہیے کہ قبر و حشر کے معاملات اتنے آسان نہیں۔ یہ اتباعِ سنت سے مشروط ہیں۔ اور قیامت کے معاملات و مراحل سے تو خود رسول اکرمؐ خوف کھاتے تھے اور ہر روز ستر مرتبہ استغفار پڑھتے تھے''۔

امین راحت چغتائی کہتے ہیں کہ غزل کے انداز میں لکھی ہوئی نعت میں غزل کا تاثر زیادہ ملے تو اس کا لہجہ نعت کے لیے مناسب نہیں ہوتا ہے۔ اس سلسلے میں انہوں نے نمونے کے طور پر دو اشعار بھی نقل کیے ہیں اور ان پر تبصرہ بھی کیا ہے:

''حصارِ عشق سے باہر کبھی میں جا نہ سکا
ترے سوا کوئی دل میں مرے سما نہ سکا
مجھ سے خرابِ عشق پہ چشمِ کرم کا شکریہ
آتی نہیں کبھی کمی، آپ کے التفات میں

یہ اشعار، ظاہر ہے، بطور نعت کہے گئے ہیں لیکن نعت جن جذبات عالیہ اور رفعتِ فکر و بیان کی متقاضی ہے وہ یہاں مفقود ہے''۔

اپنے مذکورہ مضمون کو امین راحت چغتائی نے تخلیقِ نعت کے ضمن میں ایک صائب مشورہ دیتے

ہوئے مکمل کیا ہے، وہ کہتے ہیں:

''نعت کے جدید شعرا اگر غزلیہ نعت یا نعتیہ غزل سے دامن کش ہو کر نظم کی ہیئت میں نعت کہیں تو ممکن ہے، ہم غزل کی روایت، فکر، زبان، تراکیب، تشبیہات و استعارات سے دامن بچا کر نئی نعت کہہ سکیں۔ نظم کا دامن بہت وسیع ہے۔ اس کا اسلوب بیان مختلف ہے۔ علامتیں الگ ہیں اور خیالات کے بھر پور اظہار کی گنجائش موجود ہے۔ ہمارے بعض شعراءِ نظمِ آزاد کے پیرائے میں اچھی نعت کہہ بھی رہے ہیں۔ اس میں سیرت کے اہم واقعات اور متعلقہ آیاتِ قرآنی کی روح کو بڑے دلآویز انداز میں سمیٹا جا سکتا ہے اور نعت کو خانقاہی مزاج سے باہر نکالا جا سکتا ہے''۔

جستجو: تحسین فراقی

(۴) تحسین فراقی کی کتاب ''جستجو (تنقیدی مضامین کا مجموعہ)'' میں ''علامہ اقبالؒ اور ثنائے خواجہ V'' کے عنوان سے ایک مضمون شامل ہے۔ اس میں نعت کے نفسِ مضمون اور اس کی شعری جمالیات کے حوالے سے عمومی رائے بھی ملتی ہے۔ ہم یہاں تحسین فراقی کے تنقیدی رجحانات کے مظہر کے طور پر ان کی تحریر سے چند اقتباسات پیش کرتے ہیں:

''میرا ایمان ہے کہ جب تک حضور اکرمؐ کی ذاتِ بابرکات سے والہانہ شیفتگی اور شدید جذباتی وابستگی نہ پائی جاتی ہو، کامیاب نعت کہنا ناممکن ہے اور ظاہر ہے کہ کامیاب نعت وہی ہے جس سے حضورؐ کی متحرک حیاتِ طیبہ اپنی تمام آب و تاب اور اپنے تمام محاسنِ جمیلہ کے ساتھ جلوہ گر ہو کر دامنِ دل کھینچنے لگے۔ اب اگر پوچھا جائے کہ حضور اکرمؐ کی سیرتِ صادقہ کا منبع و ماخذ کیا ہے تو بلا تامل قرآنِ حکیم کا نام لیا جا سکتا ہے۔ جو ان کے اسوۂ حسنہ پر دلیلِ ثابتہ کی حیثیت رکھتا ہے۔ ان کی چال ڈھال، ان کا سفر و حضر، ان کا خورد و نوش، ان کی استراحت و بیداری، ان کی قیل و قال اور ان کی گفتار و کردار سبھی قرآنِ حکیم کے مبینہ اسلوبِ حیات کے عین مطابق تھے''۔

تحسین فراقی نعت میں صرف ادبی و لسانی خوبیاں دیکھنے کے بجائے زندگی آمیز عشق کی تپش و تاثیر دیکھنا چاہتے ہیں۔ صرف لسانی خوبیوں سے مملو شاعری کے نمونوں میں انہوں نے عربی زبان کے جدید شاعر احمد شوقی کے قصیدۂ میمیہ اور اردو میں مومن کے قصیدے کا حوالہ دے کر کہا ہے:

''ادبی اور لسانی عظمت ہی اگر نعت کے طرۂ امتیاز ہیں تو پھر عربی زبان کے جدید شاعر احمد شوقی

کا نام لیا جاسکتا ہے جس کا میمیہ اس پہلو کا کامیاب عکاس ہے۔مگر یہ نعتیہ قصیدہ سوزِ محبت اور سپردگی سے یکسر خالی ہے اور اس میں آورد ہی آورد ہے۔اردو میں مومن کے نعتیہ قصیدے ''چمن میں نغمہء بلبل ہے یوں طرب مانوس'' میں بھی مقصد، تاثیر نہیں، نمائش ہے''۔

نعت گو شعراء نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات والا صفات کو معشوق فرض کر کے، عاشقانہ نعتیں لکھی ہیں۔ایسی نعتوں میں خارجی متعلقاتِ حسن کا بیان تحسین فراقی کے نزدیک لائق گرفت ہے۔وہ لکھتے ہیں:

''نعتوں میں خارجی متعلقاتِ حسن مثلاً روئے و موئے، طرہ، چشم نرگس، زلف عنبریں، ابرو، گیسو، زلف معقد، سرو رواں [قدِ محبوب] کا ذکر تواتر سے آتا ہے۔ان کے اشعار میں شاعرانہ صنعت گری تو ہے لیکن دل بخستگی اور ربودگی معدوم۔اس قسم کے التزامات میں اگر اعتدال کا دامن ہاتھ سے نہ چھوٹے تو یہ لطف دے جاتے ہیں لیکن افسوس اس بات کا ہے کہ فارسی (اور اردو) نعت کا اکثر حصہ اسی سراپا نگاری کی نذر ہو گیا''۔

تحسین فراقی کا منہاجِ تنقید مقنن اور اصلاحی یعنی Judicial and Reformatory ہے۔

ولائے رسول: قمر رعینی

(۵) ''ولائے رسول صلی اللہ علیہ وسلم'' ایک کہنہ مشق شاعر، قمر رعینی کا مجموعہء نعت ہے۔ انہوں نے نعت گوئی کے ضمن میں اپنے اوپر کچھ پابندیاں عائد کی ہیں۔کسی شاعر کی طرف سے اس طرح کی احتیاط پسندی اس بات کی غماز ہے کہ وہ حرفِ نعت رقم کرنے سے قبل 'با محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہوشیار' کے اصول کو پیش نظر رکھتا ہے۔ایسی صورت میں کم از کم نعت کے متن (Text) میں تو ایک استنادی شان پیدا ہو ہی جاتی ہے۔

قمر رعینی نے شعرِ عقیدت کے ضمن میں درجِ ذیل نکات پیش کیے ہیں:

☆......آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے میں نے کبھی لفظ ''تو'' کا استعمال نہیں کیا بلکہ حضورؐ کے لیے اس لفظ کے تصور سے ہی لرز جاتا ہوں۔اردو زبان میں جمع تعظیمی کا استعمال حفظِ مراتب کے پیشِ نظر فردِ واحد کے لیے بھی کیا جاتا ہے اور میں نے یہی کیا ہے۔

☆......لفظ اللہ کو فعلن کے وزن پر الّا نہیں لکھا بلکہ اس میں اللہ کی ہائے ہوز کو واضح طور پر مفعول کے وزن پر باندھا ہے یعنی اللہ۔ ع: اللہ کو الّا نہیں اللہ کہا۔

اللہ تعالیٰ کو مخفف نہیں کیا حال آں کہ اس کی مثالیں بھی ملتی ہیں۔

☆...... یزداں یا اہرمن کے الفاظ بھی استعمال نہیں کیے کیوں کہ فارسی میں لفظ یزداں نیکی کے خدا یا خیر کی قوت کے لیے اور اہرمن بدی کے مالک کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ میرے نزدیک یزدان و اہرمن کو تسلیم کرنے کا مطلب یہ ہے کہ ہم ایک خدا (الٰہِ واحد) کے نہیں بلکہ دو خدا کے قائل ہیں۔ جبکہ میرے نزدیک ایمان کی تکمیل ہی اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اللہ کو وحدہٗ لاشریک تسلیم نہ کرلیا جائے۔

☆...... میرے نزدیک حضورِ اکرمؐ مردانہ حسن و جمال کا مکمل نمونہ اور خُلق و مروت اور عفو و کرم کے ساتھ ساتھ شجاعت و بہادری کا کوہِ استقامت تھے...... اس لیے میں نے اس بات کا خیال رکھا ہے کہ آپ کے حسن و جمال کی تعریف کرتے ہوئے ایسے الفاظ یا تشبیہات سے گریز کیا جائے جو آپؐ کی شانِ اقدس کے منافی اور نسوانی حسن کے ترجمان ہوں۔

☆...... حتی المقدور انہی روایات کو بیان کرنے کی کوشش کی ہے جو مستند کہلاتی ہیں۔

☆...... پوری شاعری میں مدینہ منورہ کے لیے لفظ یثرب استعمال نہیں کیا کیوں کہ یہ علاقہ حضورؐ کی تشریف آوری سے قبل یثرب کہلاتا تھا...... اس لیے مدینے کے بجائے دورِ جہالت کا نام استعمال کرنا نبی کریم سے عقیدت کے خلاف ہے۔ یوں بھی اس کے استعمال کرنے کی واضح ممانعت کی گئی ہے''۔

قمر رعینی کی تنقیدی بصیرت کا مظاہرہ اس طرح بھی ہوا ہے کہ انہوں نے ''کبریا'' کے لفظ کو اللہ رب العزت کے اسماء الحسنٰی میں شمار کر کے نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے لیے ''حبیبِ کبریا'' استعمال نہیں کیا۔

حکیم سید محمود احمد سروؔ سہارنپوری نے لکھا:

''کبریا جو اللہ کی صفت ہے، جیسا کہ قرآن میں کہا ''ولہٗ الکبریا'' اور بڑائی اللہ کے لیے ہے۔ یہ لفظ اللہ کا اسمِ صفت نہیں ہے بلکہ صرف صفت ہے.................. حبیبِ کبریا کا صفاتی اظہار معنوی اعتبار سے درست نہیں۔ لیکن عربی سے ناواقفیت کی بنا پر یہ جملہ اتنا رواج پا گیا ہے کہ بعض صاحبانِ علم بھی بے دھیانی میں اسے نعت میں استعمال کرتے ہیں۔ قمر رعینی نے اپنے اس مجموعے میں اسے کہیں استعمال نہیں کیا''۔

.... قمر رعینی کے تنقیدی منہاج کو بھی ہم مقفن یا Judicial Criticism کے نام سے موسوم بھی کرسکتے ہیں۔ (بشکریہ: نعت رنگ، کراچی)

○❖○

ڈاکٹر شہزاد احمد مدیر ’حمد و نعت‘ کراچی

نعتیہ ادب میں پی-ایچ-ڈی مقالات کی روایت

’’ورفعنا لک ذکرک‘‘ کی صداؤں نے پہلے عرب و عجم کو سیراب کیا۔ بعد ازاں اپنا رُخ برصغیر پاک و ہند کی جانب موڑ لیا۔ برصغیر کی وادی میں کفر و شرک کا بازار گرم تھا۔ مگر باسیانِ برصغیر نے ’’ورفعنا لک ذکرک‘‘ کی عرفانی، ایمانی، وجدانی اور سرمدی صداؤں کا وہ پُرتپاک اور والہانہ استقبال کیا، کہ برصغیر کا ہر گوشہ ہی نہیں، بلکہ چپّہ چپّہ نعتِ پاک صاحبِ لولاک کے گُل ہائے مشک بو سے مہکنے لگا۔

پاکستان کا قیام برصغیر کے مسلمانوں کے لیے تحفۂ عظیم ثابت ہوا۔ جس کی بنیادوں میں اللہ (جلّ جلالہٗ) اور اُس کے حبیبِ پاک، صاحبِ لولاک (صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم) سے محبت کرنے والوں اور جان کا نذرانہ پیش کرنے والوں کا خون شامل ہے۔ پاکستان کا خمیر عشقِ رسول سے گندھا ہے۔

مملکتِ خداداد پاکستان کا وجودِ مسعود محبتِ رسول کا مظہر ہے۔ پاکستان کی پاک سرزمین ’’حمد و نعت‘‘ کے لیے بہت سازگار ثابت ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ پاکستان میں ’’نعتیہ ادب‘‘ کو دوام حاصل ہے۔ نعت کا ہر شعبہ اوجِ کمال کی بلندیوں کو چھو رہا ہے۔

عہدِ حاضر نعت کے زرّیں دور اور بے بہا فروغ سے عبارت ہے۔ اکیسویں صدی نعت کے لیے وقف ہو چکی ہے۔ اس صدی کو نعت کی صدی سے بھی تعبیر کیا جاتا ہے۔ نعتیہ ادب کے حوالے سے بے مثال، لازوال، اور فقید المثال تاریخی، تہذیبی، تحقیقی، تنقیدی اور تدوینی کام سامنے آ رہے ہیں۔ غرض کہ نعتیہ ادب کا ہر شعبہ اپنے اپنے باب میں ایک نیا عہد رقم کر رہا ہے۔ ان دنوں شعبۂ تحقیقِ نعت اور اس کے قابلِ صد احترام محققین تحریکی انداز سے جامعاتی سطح پر نعتیہ خدمت گزاری میں مصروف ہیں۔

جامعاتی سطح پر شعبۂ تحقیقِ نعت کے محققین، نعت کی دنیا میں نو بہ نو اور نت نئے کام تحریک و تحقیق کی صورت میں انجام دے رہے ہیں۔ ہر جامعاتی سطح پر تحقیقی مقالہ برائے پی ایچ۔ ڈی لکھنے والا محقق ہدیۂ تبریک اور داد و تحسین کا مستحق ہے۔ اس کا تحقیقی و علمی کام نعتیہ ادب کے لیے بے مثال تحفہ ہے۔ عقل دنگ رہ جاتی ہے کہ جب شعبۂ تحقیقِ نعت کے محققین کے محیّر العقول نعتیہ کام سامنے آتے ہیں۔ زبان سے بے اختیار تحسینی صدائیں بلند ہونے لگتی ہیں۔

پاک وہند میں اُردو نعتیہ ادب کے بہت گہرے اثرات ہیں۔ پاک وہند میں ''نعتیہ ادب'' کے حوالے سے بہت زیادہ کام ہوئے ہیں۔ اب نعتیہ ادب پر ساری دنیا بالخصوص پاک وہند میں جامعاتی سطح پر ایم اے، ایم ایڈ، ایم ایس، ایم فِل اور پی ایچ۔ ڈی کے مقالات ہی نہیں بلکہ ڈی لٹ یعنی پوسٹ ڈاکٹریٹ مقالے بھی لکھے جارہے ہیں۔ یہ تمام کام اپنی اپنی جگہ سرمایہ ہیں، مگر وہ حضرات کتنے خوش بخت ہیں کہ جنھوں نے ابتدا میں ہی اس کی ضرورت کو محسوس کر کے کام شروع کر دیا تھا۔

راقم نے ایسے ہی چند مقالہ نگاروں کی یاد کو نہ صرف تازہ کیا ہے بلکہ اُن کے کام کا بھی اجمالی تعارف پیش کیا ہے۔ اُردو کے نعتیہ ادب میں یہ تمام مقالے سنگِ میل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نعت کا مرکز ومحور، منبع ومقصد حضورِ اکرم سیّد عالم، نورِ مجسّم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذات، قدسی صفات ہے۔ جب کہ شعبۂ تحقیقِ نعت کے وہ مداحین رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم ہیں۔ جن کی ساری زندگی سرورِ کشورِ رسالت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ذکرِ جمیل، اوصافِ حمیدہ، اعمالِ پسندیدہ اور محامد و محاسن کے بیان میں تحقیق کرتے گزری ہے۔ یہ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مدحت کا اعجاز ہے کہ یہ محققینِ رسول اُردو کے نعتیہ ادب کا اہم ترین باب ہیں۔ اُردو کی نعتیہ شاعری کی جب جب تاریخ رقم کی جائے گی تمام محققینِ نعت کی نمایاں خدمات کو ہمیشہ خراجِ تحسین پیش کیا جائے گا۔ ان نعتیہ محققین کے ذکر کے بغیر اُردو کے نعتیہ ادب کی تاریخ مکمل نہیں ہوسکتی۔

''اُردو میں نعتیہ تحقیق نگاری کی روایت'' شعبۂ نعت میں زیادہ پرانی نہیں ہے۔ البتہ ابتدا سے ہی اِکّا دُکّا انفرادی طور پر نعت گوشعرا کا تحقیقی تذکرہ ضرور باصرہ نواز ہوتا رہا ہے۔ جس سے انکار ممکن نہیں۔ اس ضمن میں ہمیں 70ء کی نصف دہائی سے پہلے نعتیہ تحقیق نگاری کی کوئی روایت اجتماعی یا انفرادی طور پر نظر نہیں آتی ہے۔ اس مقالے میں صرف پی ایچ۔ ڈی کی سطح پر لکھے گئے چند مقالات کا ذکر کیا جارہا ہے۔ اس میں زیادہ تر مطبوعہ مقالے اور کچھ غیر مطبوعہ مقالے بھی شامل ہیں۔

پی ایچ۔ ڈی کے حوالے سے لکھے گئے مقالات سے پہلے دو ایسی اہم اور اوّلین نعتیہ کتب کا ذکر بہت ضروری ہے کہ جنھوں نے سوائے رفیع الدین اشفاق کے مقالے ''اُردو میں نعتیہ شاعری'' کے علاوہ سب کی رہبری کا فریضہ انجام دیا ہے۔ ہر دو ابتدائی کتب گو کہ پی ایچ۔ ڈی کے مقالات نہیں، مگر ان کے اثرات اتنے گہرے ہیں کہ ہر جگہ ان کے حوالوں کو بنیادی اہمیت حاصل ہے۔ پی ایچ۔ ڈی کے مقالات سے پہلے نعتیہ ادب میں یہی دونوں کتب معرضِ وجود میں آئی تھیں۔ اسی وجہ سے ان کے ذکر کو مقدم رکھتے ہوئے اس مقالے کے تسلسل کو آگے بڑھایا گیا ہے۔ واضح رہے کہ یہاں صرف اُردو کا

تحقیقی نعتیہ ادب پیش کیا گیا ہے۔اس میں عربی اور فارسی کا نعتیہ ادب شامل نہیں۔

بیسویں صدی یعنی 70ء کی نصف دہائی میں ڈاکٹر طلحہ رضوی برقؔ کی ہندوستان میں پہلی کتاب ''اردو کی نعتیہ شاعری'' (مطبوعہ، پٹنہ بھارت، جنوری 1974ء) جب کہ پاکستان میں پروفیسر ڈاکٹر فرمانؔ فتح پوری کی پہلی کتاب ''اُردو کی نعتیہ شاعری'' (مطبوعہ لاہور پاکستان، 1974ء) (دونوں میں نام کی مماثلت ہے)۔ ہر دو متذکرہ کتب کی برکت سے نعتیہ ادب کے کئی تحقیقی مقالات مثالی انداز سے سامنے آئے۔ جامعاتی سطح پر لکھے گئے پی ایچ۔ڈی کے مقالات اشاعتی ترتیب کے ساتھ پیش کیے جا رہے ہیں۔ بعد ازاں غیر مطبوعہ مقالے بھی پیش کیے جائیں گے۔

نعتیہ مقالے برائے پی ایچ۔ڈی (مطبوعہ)

1۔ڈاکٹر سیّد رفیع الدین اشفاقؔ اکتوبر 1976ء اُردو میں نعتیہ شاعری اُردو اکیڈمی سندھ، کراچی 684 ص (اُردو میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے ''ڈاکٹریٹ'' کا سب سے پہلا مقالہ ہے)

2۔ ڈاکٹر ریاض مجید 1990ء اُردو میں نعت گوئی اقبال اکادمی پاکستان، 116۔ میکلوڈ روڈ، لاہور 718 ص (پاکستان کے حوالے سے نعتیہ شاعری کا سب سے پہلا مقالہ ہے)

3۔ ڈاکٹر شاہ رشادؔ عثمانی 1991ء اُردو شاعری میں نعت گوئی۔ ایک تنقیدی مطالعہ مجلسِ مصنّفین اسلامی شانتی باغ نیا کریم گنج گیا، بہار، انڈیا 336 ص

4۔ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزادؔ فتح پوری 1992ء اُردو شاعری میں نعت (اوّل و دوم) نسیم بک ڈپو، 25، جی بی مارگ، لکھنو 260018، انڈیا۔ اوّل۔ ابتدا سے عہدِ محسن تک، دوم۔ حالی سے حال تک

5۔ڈاکٹر مظفر عالم جاوید صدیقی مارچ 1998ء اُردو میں میلاد النبی فکشن ہاؤس، 18، مزنگ روڈ، لاہور 920 ص

6۔ ڈاکٹر عاصی کرنالی جون 2001ء اُردو حمد و نعت پر فارسی شعری روایت کا اثر اقلیم نعت، صائمہ ایونیو، شمالی کراچی، کراچی 660 ص

7۔ ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی دسمبر 2002ء برصغیر پاک و ہند میں عربی نعتیہ شاعری مرکز معارفِ اولیا، محکمۂ اوقاف، پنجاب، لاہور 1000 ص

8۔ ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی نومبر 2005ء پنجابی نعت (تحقیق تے تنقیدی جائزہ) پاکستان پنجابی ادبی بورڈ، آؤٹ فال روڈ، لاہور 384 ص

9۔ڈاکٹر عبدالنعیم عزیزی فروری 2008ء اُردو نعت گوئی اور فاضلِ بریلوی ادارۂ تحقیقات امام احمد رضا انٹرنیشنل، ریگل صدر، کراچی 678ص

10۔ڈاکٹر شوکت زرّیں چغتائی 2011ء اُردو نعت کے جدید رُجحانات بزمِ تخلیقِ ادب، پوسٹ بکس 17667، کراچی 384ص

11۔ڈاکٹر عزیز احسن مارچ 2013ء اُردو نعتیہ ادب کے انتقادی سرمائے کا تحقیقی مطالعہ اے، 12، بلاک 13، گلستانِ جوہر، کراچی 640ص

12۔ڈاکٹر شہزاد احمد 2014ء اُردو نعت پاکستان میں (اُردو نعتیہ شاعری کا تحقیقی جائزہ پاکستان کے خصوصی حوالے سے) حمد و نعت ریسرچ فاؤنڈیشن ملیر، کراچی 800ص

13۔ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی سن ندارد نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ اریب پبلی کیشنز دریا گنج نئی دہلی (انڈیا) 480ص

14۔ڈاکٹر سراج احمد قادری بستوی سن ندارد نعتیہ روایت کا عروج وارتقا پہلی جلد (ایک تاریخی و تجزیاتی مطالعہ) رضوی کتاب گھر جامع مسجد، دہلی (بھارت) 272ص (دوسری جلد مولانا احمد رضا بریلوی کی نعتیہ شاعری ایک تحقیقی مقالہ)

15۔ڈاکٹر جوہر قدوسی: اُردو میں نعت گوئی روایت وارتقاء۔ جموں وکشمیر سے چھپا ہے، جسے میں نہیں دیکھ سکا)۔[یہاں راقم کا تذکرہ کیا گیا ہے؛ یہ مقالہ ہنوز تشنہ طباعت ہے، تاہم ایک کتاب "اردو کے 25 نعت گوشعراء: ولی دکنی سے صلاح الدین پرویز تک" کے دو ایڈیشن آچکے ہیں--مدیر]

نعتیہ مقالے برائے پی ایچ۔ڈی (غیر مطبوعہ)

یہ وہ نعتیہ مقالات ہیں جن پر ''ڈاکٹریٹ'' کی سند تفویض ہو چکی ہے۔ مگر یہ مقالے تا حال زیورِ طباعت سے آراستہ نہ ہو سکے۔ ہر تحقیقی مقالہ اپنے اپنے موضوع کے تحت کلیدی اہمیت کا حامل ہے۔ اگر یہ تمام نعتیہ مقالات زیورِ طباعت سے آراستہ ہو جائیں تو نعتیہ ادب میں مزید تحقیقی و علمی مقالوں کا اضافہ ہو سکتا ہے۔

1۔ڈاکٹر افضال احمد انور 2007ء اُردو نعت کا ہیئتی مطالعہ (غیر مطبوعہ)، پنجاب یونی ورسٹی، لاہور۔ 588ص (7 ابواب)

2۔ڈاکٹر شاہ محمد تبریزی 2008ء، عہد نبوی کی نعتیہ شاعری (غیر مطبوعہ)، شعبۂ علوم اسلامی،

جامعہ کراچی، 978ص (7ابواب ودیگر ذیلی موضوعات)

3۔ ڈاکٹر محمد طاہر قریشی 2013ء، ہماری ملّی شاعری میں نعتیہ عناصر، شعبۂ اُردو جامعہ کراچی، (13،ابواب)

4۔ڈاکٹر جہاں آرا لطفی 2015ء، اُردو نعت پر عربی زبان کے اثرات بیسویں صدی برصغیر پاک وہند میں، پچھلے ہفتہ ڈگری ایوارڈ ہوئی۔ نگراں: ڈاکٹر احسان الحق

وہ مقالے جن پر پی ایچ۔ڈی کی سند نہ مل سکی

1۔ راجا رشید محمود، اُردو نعت کا ہیئتی مطالعہ، پی ایچ ڈی کے لیے لکھا جانے والا مقالہ تھا، ناگزیر وجوہات کی بنا پر سند تفویض نہ ہوسکی۔ غیر مطبوعہ

2۔ عارف منصور، دبستانِ کراچی کی نعتیہ شاعری کے موضوع پر پی ایچ ڈی کے حوالے سے مقالہ لکھ رہے تھے۔ مدت گزر جانے کی وجہ سے مقالہ منسوخ کر دیا گیا۔ سنا ہے کہ اب موصوف پھر مقالے کے لیے دوبارہ جدوجہد کر رہے ہیں۔

3۔ رشید وارثی مرحوم، اپریل 2010ء، اُردو نعت کا تحقیقی وتنقیدی جائزہ، نعت ریسرچ سینٹر، کراچی، 312ص۔ رشید وارثی کا یہ مقالہ پی ایچ ڈی کے لیے لکھا گیا تھا۔ مگر آفس کی جانب سے اجازت نہ ملنے پر ڈاکٹریٹ کی سند سے محروم رہا۔

اپنی معلومات کے مطابق میں نے چند مذکورہ بالا مقالات کا ذکر کیا ہے۔ اس موضوع کے حوالے سے میری تحقیق حرفِ آخر نہیں، اسے بارش کا پہلا قطرہ جانیے گا۔ نعتیہ ادب کا موضوع اتنا وقیع اور وسیع ہے کہ اس پر مزید کام کے امکانات کی گنجائش موجود ہے۔ مالکِ لوح وقلم (جلّ جلالہٗ) صاحبِ جود والکرم (صلی اللہ علیہ وسلم) کے طفیل نعتیہ ادب کو دوام ومدام اور قرار وثبات عطا کرے۔ ○❖○

علامہ ناوک حمزہ پوری

علیم صبانویدی کی نورانی نعت گوئی

(بحوالہ نور اعظم)

راہ سلوک میں سالک پر عبادت میں انہماک اور ریاضت میں استقامت و استمرار کی بدولت وہ کیفیت بھی طاری ہوتی ہے جب وہ اللہ کی آنکھ سے دیکھتا ہے۔ اللہ کے کان سے سنتا ہے اور اللہ کے ہاتھ سے عمل پیرا ہوتا ہے۔ یہ ایک تمثیلی بیان ہے ورنہ ہم آپ اس پر ایمان رکھتے ہیں کہ ذات پاک الٰہی ان اعضاء و جوارح کی علت سے پاک ہے۔ مقصود مطلب یہ ہے کہ سالک جملہ امور تائید غیبی سے انجام دیتا ہے۔ یہ حدیث شریف اس پر شاہد عادل ہے۔ لا یزال العبد یتقرب الی بالنوافل حتیٰ احبہ فاذا اجبتہ کنت سمعہ الذی یسمع بہ و بصرہ الذی یبصر بہ و یدہ التی یبطش بہا۔

تاریخ ادب اردو میں دو اساتذہ بڑے نامور اور ذی شان گزرے ہیں اول تو حضرت داغ دہلوی ہیں جو بجا طور پر فرما گئے ہیں کہ ''اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ''، لیکن داغ کی دنیا دوسری تھی انہیں کے ہم عصر دوسرے استاذ سخن تھے۔ حضرت امیر مینائی۔ انہیں بھی بجا طور پر ملک سخن کا آخری تاج دار قرار دیا گیا ہے۔ لیکن ان کی دنیا ہی دوسری تھی۔ غزل یہ بھی کہنا چاہتے تھے اور تاریخ کے اوراق شاہد ہیں کہ داغ کے رنگ کی غزل کہنا چاہتے تھے لیکن ان کی شعوری کوشش پر ان کا تحت الشعور حاوی ہوجاتا تھا اور غزل کی بجائے نزول ہونے لگتا تھا نعتیہ اشعار کا۔ یہ نتیجہ تھا افتادِ طبع کا۔ یہ کرشمہ تھا الطاف و اکرام الٰہیہ کا۔

میں حلول کا قائل ہوتا تو عرض کرتا کہ شاید حضرت امیر مینائیؒ کی روح حضرت علیم الدین علیمؔ صبا نویدی میں حلول کر گئی ہے۔ علمی و ادبی تخلیق بھی عبادت ہی کا درجہ رکھتی ہے۔ بقولِ کسے

بالفعل ہے عارف کی عبادت تخلیق
لاسریب ہے صوفی کی ریاضت تخلیق
مرتاض کا انہماک حاصل ہو اگر
بن جاتی ہے لازوال دولت تخلیق

علمی ادبی تخلیقات میں حضرت علیم صبانویدی جس اشتغال و انہماک کا مظاہرہ کیا ہے اور تصنیفات

وتالیفات کے میدان میں وہ جوہر دکھائے ہیں کہ دنیائے ادب کے عظیم مصنفین میں باوقار مقام پیدا کرلیا ہے اور نظم ونثر کی بیشتر اصناف میں مجاہد و مجتہد و موجد کی حیثیت سے اپنا نام روشن کرایا ہے۔

نعت گوئی کی طرف علیم صبا کی فطری مناسبت نے امیرؔ مینائی سے ان کی مماثلت کی طرف مجھے مائل کیا۔ چنانچہ آپ دیکھیں گے کہ اپنی کثیر الجہات ادبی خدمات کے شانہ بشانہ علیم صبا نویدی نعت گوئی سے بطور خاص شغف رکھتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ شعوری طور پر خواہ ان کی مشغولیت کسی بھی نوعیت کی رہی ہو لیکن تائید غیبی ونصرت الٰہی سے وہ ازخود رفتہ ہو کر نعت گوئی کی طرف لپک پڑتے ہیں اور میرے خیال میں ؎

ایں سعادت بزور بازو نیست
تا نہ بخشد خدائے بخشندہ

''مرأۃ النور''، ''نور السمٰوات''، ''ن'' اور ''نور اعظم'' کے سے خالص نعتیہ شاعری کے مجموعوں کے دوش بدوش ان کی دوسری اصناف کی تخلیقات بھی ان کی طبعی سلامت روی، فکری پاکیزگی اور جمالیاتی تطہیر کے نور سے اکثر منور نظر آتی ہیں۔ ''نور السمٰوات'' تو خالصتاً سانیٹ پر مشتمل نعتیہ شاعری کا مجموعہ ہے اور میرے علم میں سانیٹ کی ہیئت میں یہ نعت شریف کا اولین مجموعہ بھی ہے۔

میں نے حضرت علیم صبا نویدی کی نعتوں کو ''نورانی نعتیں'' کہا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی نعتیہ شاعری کے مجموعوں کے نام میں یہ لفظ کلیدی حیثیت رکھتا ہے۔ یہی نہیں بلکہ ان کی اکثر نعتوں میں یہ لفظ ضرور آیا ہے اگر اتفاقی طور پر کوئی نعت اس لفظ سے خالی بھی ہے تو پھر اس کی جگہ اُجالا، روشنی، چراغ، سراج وغیرہ کے سے الفاظ ضرور آئے ہیں۔ ہاتھ کنگن کو آرسی کیا۔ لگے ہاتھوں زیر نظر مجموعے کی نعتوں سے چند اشعار پیش کرتا ہوں ؎

....

فہم و ادراک کا ہیں سمندر نبیؐ
انہیں نصیب ہے نعتِ محمدی کا سفر
وہ جن کے ذکر میں رہتی ہیں انگلیاں روشن
تِتلیوں کے لب پہ ہے جب سے درود
ہر طرف ہر شئے نئی پیشِ نظر
وردِ درودِ شاہ اممؐ کا یہ سلسلہ
سانسوں کی رہگزر کو بھی پرنور کر گیا

مصطفائی نکہتوں سے ہر فضا
رحمتوں کی راجدھانی ہوگئی

چومنے پاؤں شاہ طیبہؐ کے
چاندنی کا جلوس اُترا ہے

ایسی نئی معنویت سے بھرپور اشعار کے شانہ بشانہ مجھے وہ اشعار بھی پسند آئے جو ہر مسلمان صاحب ایمان سے تقاضا کرتے ہیں کہ ان نوری کرنوں کو دوسروں تک پہنچائیں، پھیلائیں۔ اللہ کا حکم ہے کہ تم میں ایسی جماعت ایسے لوگ ہونے چاہئیں جو لوگوں کو خیر کی ترغیب دیں اور شر سے روکیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بھی حجۃ الوداع کے موقع پر اسلامی تعلیمات کا ذکر بالا جمال کرتے ہوئے یہ ارشاد فرمایا کہ جو لوگ یہاں موجود ہیں وہ ان لوگوں تک جو یہاں موجود نہیں یہ بات، یہ احکامات پہنچائیں۔ چنانچہ علیمؔ فرماتے ہیں ؎

ہے داغ دار ہوش اسے پھینک دو یہیں
احساس لے چلا ہے، چلو سوئے مصطفیٰؐ

دامنِ مصطفیٰؐ صباؔ تھامو
ہے عبث فکر و دولتِ دنیا

ظرف جس کا ہو جتنا اٹھالے وہ فیض
فہم و ادراک کا ہیں سمندر نبیؐ

ہے نویدی بخت ور کہ خامہ ادراک پر
ہر نفس ہیں نور افشاں رحمۃ للعالمینؐ

ذکر خیر الوریٰؐ سے ہٹ کے صباؔ
دل میں ہو جائے نور ناممکن

مکاں میں نور ہوا اور لامکاں روشن
ہوئے ہیں شاہِ مدینہؐ سے دو جہاں روشن

یہ مثالیں مشتے نمونہ از خروارے کے مصداق ہیں۔ تلاش کی ضرورت نہیں۔ بس اوراق الٹتے جایئے اور ہر ہر نعت میں ایسے نورانی اشعار کی تجلیات سے ذہن و دل منور کرتے جایئے۔ یہ کیوں کر ہوا؟ بفضل الٰہی حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی بدولت فکر و جذبے کی یہ تطہیر نصیب ہوتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور بمصداق ''اول ما خلق اللہ نوری الخ'' اللہ تعالیٰ نے اپنے نور سے سب سے پہلے آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کا نور پیدا کیا اور پھر اس نور سے پوری کائنات بنائی۔ یہی نہیں کئی آیات میں آپ کو سراج منیر اور نور مبین فرمایا (وانزلنا الیکم نوراً مبینا) ظاہر ہے کہ اس نور مبین سے تو دو جہاں روشن ہیں پھر شاعر اور وہ بھی بفضلہٖ تعالیٰ ایک مومن شاعر اس نور اعظمؐ سے ربط خاص کیوں کر نہ رکھے؟ اس لیے دیکھتا ہوں کہ محبتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا بڑا شدید جذبہ علیمؔ کے دل میں موجزن ہے اور اس کی نورانی برکت سے شاعر کی ذات اور شاعر کی ہر بات نوری ہوگئی ہے ؎

عشق احمدؐ میں ہماری ذات نور آور ہوئی
جب کہی جو بھی کہی وہ بات نور آور ہوئی

ظاہر ہے کہ جس کی محبت دل میں جاگزیں ہوتی ہے اس کا ذکر بھی زبان پر جاری رہتا ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے محبوب ہیں اور اللہ نہ صرف یہ کہ اپنے محبوب پر درود و سلام بھیجتا ہے بلکہ فرشتوں سے درود و سلام بھیجنے کو کہتا ہے اور اس حکم کو عام کرتے ہوئے تمام اہل ایمان کو بھی درود و سلام کا نذرانہ بھیجنے کی تاکید فرماتا ہے۔ علیم صبا نویدی خوش بخت ہیں کہ اس کار خیر و برکت سے وہ بھی بہرہ اندوز ہوئے ہیں ؎

اس شہنشاہ عرب دین کے رہبرؐ پہ سلام
سرور کون و مکان نور کے پیکرؐ پہ سلام

ترویج و تشہیر شعر و ادب میں علیم صبا نویدی اپنی اجتہادی کوششوں کے لیے بھی مشہور ہیں۔ نت نئی راہیں تلاش کی ہیں۔ اسلوب و ادا میں تازہ کاری کا ہمیشہ خیال رکھا ہے اور ایسے تازہ کار اشعار اپنی معنویت اور تاثیر ہر دو لحاظ............

ذکر شاہ دین کرنا شیوۂ نویدی ہے
نعت مصطفیٰؐ کہنا شیوۂ نویدی ہے

آنکھوں کی کائنات منور ہے اس لیے
پیشِ نظر ہے ہر گھڑی فرمانِ مصطفیٰ

یہ اشعار احکام الٰہی کی پیروی اور سنت رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر کاربند رہنے کی ترغیب لوگوں کو دیں گے۔ ان شاءاللہ۔

بعض اشعار سے دو بزرگوں کی یاد آئی۔ متوازی خطوط کی طرح چلنے والے یہ دو بزرگ تھے۔ حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ اور حضرت مولانا احمد رضا خان بریلویؒ۔ ہوا یہ کہ جب آخر الذکر کے انتقال کی خبر مولانا تھانویؒ کو ملی تو وہ زاروقطار رونے لگے۔ دیکھنے والے محوِ حیرت تھے کہ یہ کیا معاملہ ہے؟ ایک قدرے شوخ دیدہ مرید نے پوچھ ہی لیا کہ حضرت! یہ کیا معاملہ۔ ''زندگی بھر تو آپ انہیں گمراہ بدعتی کہتے رہے اور اب ان کی موت کا غم منا رہے ہیں۔ مولانا تھانویؒ خفا ہوئے۔ فرمایا تمہیں کیا معلوم ہے کہ وہ کس مقام پر تھا۔ عشق رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے از خود رفتہ کر رکھا تھا اور وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ کیا کہہ رہا ہے۔ ایسے میں بعض اشعار علیم صبا نویدی کے نوک قلم سے جو اس نوعیت کے ٹپک پڑے ہیں ؎

محو سجدہ ہے صبؔا آج درِ اقدس پر
جذبہ عشقِ نبیؐ سے ہے منور چہرہ

تو گمان گزرتا ہے کہ یہ بھی غلبہ جذبۂ عشق کے غلو کے سبب ہی ہے۔
میرؔ نے کہا تھا ؎

''سہل ہے میر کو سمجھنا کیا
ہر سخن اس کا اک مقام سے ہے''

اب یہ ہے کہ یہ مقام ہو یا پھر تسلیم و رضا، قیام وقعود، رکوع و سجود وغیرہ کے لغات کے معنی پر نہ جایئے۔ یہ اصطلاحات صوفیہ بھی ہیں اور ان کے معنی ان کے ذاتی تجربات و مشاہدات کے تابع ہوتے ہیں۔ جی چاہتا ہے کہ یہ شعر قدرے ردوبدل کے ساتھ علیم صبؔا نویدی کی نذر کروں

سہل کب ہے سمجھنا تجھ کو صبؔا
ہر سخن تیرا اک مقام سے ہے

اب چونکہ یہ مجموعہ مطبوعہ ہے اور عوام وخواص ہر دو کی نظروں سے گزرے گا۔ اس لیے بطور حفظ ما تقدم کہنا پڑتا ہے کہ علیم صبا نویدی کی قدآور شخصیت اپنی جگہ مسلم لیکن جی چاہتا ہے کہ فنی ولسانی سطح پر بھی وہ قدرے احتیاط سے کام لیتے تو ان کا شمار اساتذہ سخن کی صنف میں بھی ہوتا۔ ○❖○

علیم صبا نویدی (چینئی - تامل ناڈو)

نادم بلخی کی نعتیہ سانیٹیں

نادم بلخی کا نامِ گرامی کئی حیثیت سے اردو شاعری میں ایک ممتاز مقام کا حامل ہے۔ موصوف نے نئ شاعری میں ہمیشہ اپنے تجربات کے پرچم لہرائے ہیں۔ جدت میں روایت کو بڑی ہی لطیف زاویوں سے غلط ملط کر کے تخلیقی مراحل میں خود بھی حظ اٹھاتے ہیں اور دوسروں کو بھی اپنے ساتھ لے چلتے ہیں۔ موضوع کو اجاگر کرنے میں جلد بازی سے کام نہیں لیتے اور بین السطور میں ایسے گوشے ڈھونڈ نکالتے ہیں جہاں روشنی اندرونی انتشار پا کر تیزی سے باہر نکلنے کی بجائے انعطافی سفر میں کئی رنگ اکٹھا کرتی ہے اور جب باہر نکلتی ہے تو اس میں قوسِ قزح کا مزاج بھی پیدا کرتی ہوئی آتی ہے اور اس میں سے جمالیتی پیکر بھی رقص کرتا ہوا تھرکتا ہوا آتا ہے۔ یہ پیکر موضوع پوری سطور میں کہیں بھی موہوم نہیں رہتا۔ وہ ہر جگہ دبیز طور پر اپنی موجودگی کا احساس دلاتا رہتا ہے۔ اس عمل کے لیے سانیٹوں سے بہتر فارم کوئی اور نہیں ہوسکتا۔ اس صنف میں مغربی شعراء میں سے نامور شعراء آج بھی اس صنف کے باعث اپنی شناخت رکھتے ہیں۔ پٹرارک، اسپینسر، شیکسپیئر، ملٹن وغیرہ کے نام ان سانیٹوں کے تعلق سے بہت اہمیت کے حامل ہیں۔ اردو میں جب اس صنف کو اپنایا گیا تو شعراء نے اس کو اس کی خاص تکنیکی طرز کو ملحوظ نظر رکھا اور آکٹیٹ (Octet) اور سیسیٹ (Sesset) کے مرحلوں میں اس صنف کے مطالبات کو بحال رکھتے ہوئے پھونک پھونک کر قدم رکھا۔ ان مراحل میں عروجِ خیال اور موضوع پر آمد کے مرحلے میں قدم رکھ کر نتیجہ خیزی میں موضوع کو پوری طرح اُجاگر کر دینے کا وطیرہ بڑا اثر انگیز ہے۔

نادم بلخی نے ایک قدم آگے بڑھا کر چار مصرعوں کے تین بند اور دو مصرعوں کے ایک شعر میں سانیٹ کا ایک تجربہ کیا ہے۔ یہ طریقۂ کار اسپینسر کے سانیٹوں میں ملتا ہے۔ مگر نادم بلخی خیال کو آخری دو مصرعوں میں ایک نئے مقصد کی طرف لے آتے ہیں۔ یہ مقصد کہیں التجائی ہے، کہیں پوری مدحت ان میں ملتی ہے۔ نعتوں میں التجا و مدحت ہمیشہ دوبدوش چلتے ہیں۔ غزل کے فارم میں نعتوں میں شاعر کو کسی طرح کی قید سے بے نیاز رہنا پڑتا ہے۔ مگر سانیٹوں میں نعتیں کہنا غزل فارم سے کچھ ہٹ کر اپنا انداز دکھاتا ہے۔ نادم بلخی نے ان نعتوں میں اپنی اختراع شان کو بھی اُجاگر کیا ہے اور نعتوں کی تقدیس کو بھی

مجروح ہونے نہیں دیا۔ نعتوں کے عناوین مقرر کر کے نادمؔ بلخی اصلی موضوع کو قارئین کے ذہن میں پیشگی ڈال دیتے ہیں اور نعت کے اختتام پر قاری کو وہ بار یابی کی تسکین دلاتے ہیں۔ سب سے پہلے خود نادمؔ بلخی ان کے اندر چھلکتے ہوئے نور میں اپنے سراپا کو پاک کرتے جاتے ہیں اور پوری طرح نور میں نہا کر باہر آتے ہیں۔ یہ انداز بڑا سراہنی ہے۔ پٹرار کی سانیٹوں سے زیادہ اسپینسری سانیٹوں میں اور شیکسپیئر سانیٹوں میں شاعر کو زیادہ نکھرنے کا موقعہ ملتا ہے۔ اسپیسری سانیٹوں کے فارم میں ان کی نعتوں میں ''سسیٹ'' میں یکساں طور پر کچھ دیر قائم رہنے میں مزہ ضرور ملتا ہے۔ چلئے ہم موصوف کی چند ایک نعتیہ سانیٹوں پر نظر ڈالتے ہیں:

جستجو:

نگاہوں کو طرب کے خواب کی تعبیر مل جائے
سیہ بادل الم کے سامنے سے دور ہوجائیں
فضائیں جو لئے ہیں تیرگی، پُرنور ہوجائیں
اسیر یاس کو امید کی تنویر مل جائے
بفیضِ جہد اس کو منزل توقیر مل جائے
مسافر جن کو پانے کی تمنا دل میں رکھتا ہے
صعوبت میں مسافر کا مزہ ہر گام چکھتا ہے
چھپی جو دہند میں ہے کاش وہ تحریر مل جائے

مسافر دل میں رکھے گا اگر ذوقِ سفر پیہم
مسافت جو ہے لمبے راستے کی مختصر ہوگی
چراغِ جستجو کی لو سے ہوگی روشنی ظاہر
فسردہ حالِ دل کے واسطے زندہ دلی ظاہر
نظر جب آشنائے جادۂ ''خیر البشر'' ہوگی
دلِ بیدار پر حاوی نہ ہوگا خواب کا عالم

اس نعتیہ سانیٹ کے موضوع ''جستجو'' کو لے کر جستجو کرنے والے کے لیے بڑی کھوج سے ایک

پیکر تراشا ہے جو''مسافر'' سے بہتر کوئی ہو نہیں سکتا۔ اور سفر میں مسافر کا بھکنا، صعوبت سفر، صحیح جادہ کی تلاش، منزل پر رسائی کی امید، تو قیر منزل، منزل یابی کی امید سے زیادہ تمنا کرنا وغیرہ وغیرہ عام سفر کے موضوعات ضرور ہیں مگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے جب یہ اجاگر ہوتے ہیں تو کتنے وقیع ہوجاتے ہیں۔ منزل ''خود حضورؐ پرنور کی ذات ہے اور اس میں ہزاروں صعوبتوں کو برداشت کرنے کی اہلیت خوش نصیبوں ہی کا حصہ ہے۔ ''صعوبت میں مسافت کا مزہ ہر گام چکھتا ہے''۔ پہلے آٹھ سطور کا عروجی مقام ہے اور آٹھویں مصرعہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کو چھپی دھند میں پالینے کی تمنا جو بل کھاتی ہے وہ آئندہ چھ مصرعوں کو آگے لے جا کر عروج کو تسکین پہنچانے میں کارگر ہے۔ اب دیکھئے کہ باقی چھ مصرعوں میں کس طرح نادم بلخی دھیرے دھیرے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کے قریب ہونے لگتے ہیں۔ سب سے اولین فریضۂ مسافر کو بیان کرتے ہوئے چلتے ہیں''۔

مسافر دل میں رکھے گا اگر ذوقِ سفر پیہم
مسافت جو ہے لمبے راستے کی مختصر ہوگی

اور اس لیے کہ قدرت کی آگے بڑھ کر خود اعانت کرنے کی بات بڑی سراہنی ہے:

چراغِ جستجو کی لو سے ہوگی روشنی ظاہر
فسردہ حالِ دل کے واسطے زندہ دلی ظاہر

اور آخری مصرعوں میں جو تسکین اس سفر سے ملی ہے وہ لاجواب ہے:

نظر جب آشنائے جادۂ ''خیر البشر'' ہوگی
دلِ بیدار پر حاوی نہ ہوگا خواب کا عالم

جو اولین مصرعے میں خواب کی تعبیر کی التجا تھی اس التجا کے نتیجے میں خواب خواب نہ رہا بلکہ وہ خود ایک بیداری ثابت ہوا۔ اس طرح مصرعوں میں جو بھی تانا بانا ہے وہ ہر مرحلہ میں ٹھوس اور اٹوٹ ہے اور پوری نعت شریف ایک ادب پارہ بنتی ہے اور ایک سچے عاشق رسول کو بھی اس میں سے ابھارتی ہے۔

''مسافرِ نوری سفر'' ایک اور نعت لیتے ہیں اور اس میں نادم بلخی کی فکر اور قلم کی جنبش کو بھی دیکھتے ہیں اور ساتھ ساتھ حضورِ پُرنور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس سے موصوف شاعر نے جو رابطہ قائم کرنے کی کوشش کی ہے اسے بھی دیکھیں۔ اس نعت میں خود شاعر ہی ''مسافر نوری سفر'' ہیں۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھتے ہیں شعور کی بیداری اولین فریضہ ہے پھر فکر رسائی، حب رسول صلی اللہ علیہ وسلم وغیرہ کی ناگزیری کو بھی شاعر نے ضروری قرار دیا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب چلنے میں جو اہتمام کیا وہ بڑا ہی سراہنی ہے۔

اس نعت میں شاعر نے اظہار کی ساری خوبیاں سمودی ہیں اور بالکل آسان لفظیات ہی کے ذریعہ پُرکاری کی شان دکھائی ہے۔ اس سانیٹ میں موصوف نے اپنی اختراعی شان بھی دکھائی اور مروجہ سانیٹوں سے ہٹ کر تجربہ کیا ہے ؎

آگے کی راہ بند جو دیکھی نگاہ نے
بیداریٔ شعور نے فوراً جگادیا
چشمِ دروں کھلی تو نیا راستہ ملا
آگے بڑھا دیا مجھے باطن کی راہ سے

فکرِ رسا نے پردۂ باطل کیا جو چاک
پہنچی دلِ سیاہ میں رحمت کی روشنی
ضوریز آفتابِ رسالتؐ کی روشنی
یعنی مرے وجود میں حبِّ رسول پاکؐ

گلرنگ ہوگیا ہے مرا گلشنِ حیات
دامن میں کیف و نور کی دنیا لئے ہوئے
الطافِ پُر سرور کی دنیا لئے ہوئے
اس کی روش روش میں ہے انوار کی برات
جس دل سے محوِ مدحتِ خیر البشر ہوا
واللہ! میں مسافرِ نوری سفر ہوا

اس کا آخری مصرعہ اس بات کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ نادم بلخی نے نعت گوئی میں جب قدم رکھا تو ان کی ادبی حیثیت میں مزید وقعت پیدا ہوگئی اور ان کی شاعری ایک نئے نوری سفر میں لگ گئی۔ یہ اعتراف ہی نہیں بلکہ یہ کہنا بھی مقصود ہے کہ اب وہ ایک کارآمد مقصد کی طرف آگئے ہیں اور مدحت رسول ہی ان کے فن کا اصلی مقصد ہے۔

چونکہ سانیٹوں میں مصرعوں اور اشعار کو انفرادی طور پر لے کر شاعری پر قیاس آرائی نہیں کی جا سکتی۔ اس لیے پوری سانیٹ کو لے کر ہی بات ہوئی ہے اور اس سے بڑھ کر نعتیہ سانیٹوں کا جائزہ

قدرے مشکل ہے۔ البتہ نعتوں میں جو تراکیب الفاظ استعمال ہوئے ہیں ان کی طرف اشارہ ضرور کیا جاسکتا ہے یا پھر اسلوب کی بات کہی جاسکتی ہے۔ ان میں بعض نعتیہ سانیٹ ایسے بھی ہیں جن میں موصوف نے پیشگی مستعمل بہت سی لفظیات کا اعادہ کیا ہے۔ وہ نعتوں میں دوبارہ جگہ پا کر کندن بن گئے ہیں۔ مثال کے طور پر ایک سانیٹ درج کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ اس میں موصوف نے کس بات کی طرف دھیان زیادہ دیا ہے:

ٹھنڈا سایہ:

جگنو بھگ گلشن گلشن
خوشبو لائی رات کی رانی
رُت ہریالی اور سہانی
اندھیارے میں نور کی چلمن
ہر شئے کی بدحالی بھاگی
ڈالی ڈالی، پتہ پتہ
بوٹا بوٹا، غنچہ غنچہ
سب کی سوئی قسمت جاگی
جھینگر نے چھیڑی شہنشائی
آیا اک نورانی موسم
رحمت کا رحمانی موسم
راحت چہرہ چہرہ چھائی
ٹھنڈا ٹھنڈا جو سایہ ہے
کالی کملی والےؐ کا ہے

ان میں خط کشیدہ مصرعوں میں نعتیہ پہلو سمو کر دبیز انداز سے موصوف نے انہیں نعت میں کھپایا ہے۔ یقیناً نادم بلخی سے جتنی امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں وہ سبھی ان کی نعتوں سے حاصل ہوتی ہیں اور موصوف کو نعتیہ سانیٹ کہنے والے ایک کامیاب ترین شاعر قرار دیا جاسکتا ہے۔

○❖○

پروفیسر علیم اللہ حالیؔ

علیم صبآ نویدی کی نعتیہ شاعری

شاعری کی مملکت پر جذبوں کی حکمرانی ہوتی ہے۔ شاعری خواہ کسی موضوع سے متعلق ہو اگر اس کی پیشکش میں شاعری کا جذبہ موجزن نہ ہو تو ہر بات پھیکی پھیکی نظر آتی ہے۔ فردوسیؔ نے شاہنامہ لکھا تو بظاہر یہ ایک سیاسی موضوع کو پیش کرتا ہے۔ مگر اس طویل کارنامے میں بھی فنکارانہ وقعت اُنہیں مقامات پر پیدا ہوتی ہے جہاں شاعری کا جذبۂ بے اختیار اُبل اُبل کر سامنے آتا ہے، یہ بات اور ہے کہ فردوسیؔ نے یہ جذبات اپنے کرداروں میں منتقل کر کے (Objective Corelation) کی ایک ڈرامائی اور فنی خوبی پیدا کر دی ہے۔ کسی غیر ایرانی کردار کے خلاف اپنے جذبۂ نفرت کا اظہار کرتا ہے تو اصل میں یہاں بھی فنکار کا جذبہ ہی ٹھاٹھیں مارتا ہوا نظر آتا ہے۔ وہ اپنے آپ کو خواہ کتنا ہی اپنے فن پارہ سے باہر رکھنے کی کوشش کرے، سارے کارنامے میں اسی کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے۔ قیس ہزار تصویر کے پردے میں ہو مگر ہر حال میں رقیبِ سروساماں ہوتا ہے۔ گویا ہر صورت سے فن میں جذبوں کی جلوہ گری ہوتی ہے۔

یہ جذبے ہی ہیں جو حروف و الفاظ کے مردہ تنوں میں جان ڈالتے ہیں۔ انہی جذبوں کے طفیل سینہ نَے سے لب نئے نواز کی صدا سنائی دیتی ہے۔ جذبے ہی خشت و سنگ میں آہنگ، آہن میں نور اور بیان میں جاذبیت پیدا کرتے ہیں۔ غرض جملہ علوم کی آفرینش میں جذبہ ایک بنیادی اور اساسی عنصر کی حیثیت رکھتا ہے۔

ورڈز ورتھ نے شاعری کو توانا اور بے اختیار جذبوں کے اظہار کے مماثل قرار دیا ہے اس کا مشہور قول ہے:۔"Poetry is the sponateous expression of powerful feelings"

انسانی ذہن و دل میں جذبات کی افزائش کے لاتعداد محرکات ہیں۔ انسانی حواس خمسہ مختلف جہتوں سے محسوسات، جذبات اور تاثرات کو اخذ کرتے ہیں۔ ان کے علاوہ وہ وسائل بھی ہیں جو ماورائے مادہ ہیں اور اپنی غایت لطافت کی وجہ سے کسی کثافت کے متحمل نہیں ہو سکتے۔ احساسات ان غیر مساوی، ماورائی اور مابعد الطبیعاتی سرچشموں سے بھی سیراب ہوتے ہیں۔ عشق حقیقی کے جذبہ طوفان

خیز کو اسی درجہ میں رکھا جا سکتا ہے۔

اب یہ طے ہے کہ ادبی تخلیق کی توانائی جذبوں کی مرہونِ منت ہے تو اس کے ساتھ ساتھ ہم اس نتیجے تک پہنچے ہیں کہ جذبے کی لطافت تخلیق کو بھی لطیف تر بنا دیتی ہے چونکہ شاعری اور خاص طور پر نعت شریف میں فنکار کا جذبہ سماوی اور ارضی تقاضوں سے پرے ہوتا ہے اور عبودیت اور محبت اپنے شدید تر اثرات کے ساتھ نمایاں ہوتی ہے۔ اس سے اس نوع کی شاعری لطیف تر ہونا بالکل منطقی بات ہے۔

علیم صبؔا نویدی صاحب نے متعدد اصناف سخن میں کامیاب تخلیقی نمونے پیش کئے ہیں۔ ہر جگہ ان کی انفرادیت قاری کو اپنی طرف کھینچتی ہے۔ الفاظ کے نو بہ نو استعمال اور مضبوط بلکہ پرشور جذبوں کے اظہار کے لیے تھا تھما لہجہ نویدی کے آرٹ کی پہچان ہے۔ علیم صبؔا نویدی نے متعدد تخلیقات میں اپنی غیر معمولی قوت بیان کا اظہار کیا ہے۔ ان کے موضوعات الفاظ کے غیر رسمی اور غیر روایتی استعمال سے پیدا ہوتے ہیں۔ ان سب خصوصیات نے مل کر نویدی کے آرٹ میں ایک خاص ندرت وجدت پیدا کر دی ہے۔

نویدی کی تخلیقی جودَت جب نعت گوئی کے میدان میں آتی ہے تو یہاں بھی اپنی انفرادیت منوا لیتی ہے ان کی نعتیہ شاعری میں والہانہ کیفیت ہے۔ جذبہ کی فضا کے باوجود صبؔا نویدی کی زبان سے کوئی ایسی بات نہیں نکلتی جس سے افراط و تفریط کا گمان ہو۔ وہ یہ جانتے ہیں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شانِ مبارکہ میں جذبۂ بے پناہ کا کیا قرینہ ہونا چاہیے۔ وہ کیفیات قلبی کے اظہار میں ادب کو ملحوظ خاطر رکھتے ہیں وہ جانتے ہیں کہ نعت گوئی ایک نہایت نازک مرحلہ ہے۔ یہ تلوار کی دھار پر چلنے کا کام ہے۔ ایک ذرا لغزش نعت گو شاعر کو نہایت پست بنا سکتی ہے۔ شاعری میں براہِ راست محبت کا اظہار یوں بھی ایک نازک مسئلہ ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان طیبہ سے بے پناہ عقیدت رکھنے والے شخص کے لیے یہ منزل بڑی سخت ہوتی ہے۔ علیم صبؔا نویدی اس منزل دشوار سے کامیاب و کامران گذرے ہیں۔ اگر چہ اظہار محبت میں وہ ہوش سے زیادہ جوش کے استعمال پر زور دیتے ہیں۔ لیکن درحقیقت ان کے یہاں اگر جوش ہے تو اس میں سرمستی اور سرمدیت، جاں سپاری اور جان گدازی، ارتکاز اور انہماک ہے۔ اگر ہوش ہے تو یہ کہ کوئی دوسرا شخص ممدوح سے آگے نہ بڑھ سکے۔ محبت میں کس موقع پر کون سے جذبے کا اظہار کیا جائے اس کے لیے بھی ایک سلیقہ درکار ہے۔ نویدیؔ کے یہاں ہوش اور سلیقہ انہیں معنوں میں پایا جاتا ہے اور اسی لیے ان کی نعتیہ شاعری روایت نعت گوئی سے مختلف اور ممتاز ہے۔

علیم صبؔا نویدی کے لہجے کی تازگی اور جدت بیان ان کی نعتیہ شاعری میں اسی آن بان کے ساتھ موجود ہے۔ جو ان کے تخلیقی تشخص کی پہچان ہے۔ مندرجۂ ذیل اشعار سے اس حقیقت کا ثبوت ملتا ہے ؎

خوشا نصیب کہ نورِ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے طفیل مرے وجود کا ویراں کھنڈر ہوا روشن
چومنے پانو شاہِؐ یثرب کے چاندنی کا جلوس اُترا ہے
پھول پتوں کو تلاوت کی مہک دے کے صبؔا جو کرے ذکر محمد صلی اللہ علیہ وسلم وہ شجر افضل ہے
جسم و جاں میں خوشبوئیں یہ کس کی ہیں ہر نفس یہ کس کا پھیرا دل میں ہے
خشک بادل کو میسر کب ہوا مصطفائی نوری برگد کا طواف

یہاں ان اشعار میں آپ کو نویدی کا وہ اندازِ سخن ملے گا جو جانا پہچانا ہے اور جس سے ان کے فن کا اختصاص متعین ہوتا ہے۔علیم صبا نویدی کی طبع رواں پتھر کو بھی پانی کر دیتی ہے۔ وہ مشکل زمینوں اور دشوار قوافی و ردیف نیز جدید تر ترکیبوں اور فقروں کو بھی اس طرح رام کر لیتے ہیں کہ ان سے اپنا مافی الضمیر بظاہر بڑی آسانی سے ادا کر دیتے ہیں۔ ان کی اس قدرت کا اظہار ان کی نعتیہ شاعری میں کچھ زیادہ نمایاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں جذبے کی بے ساختگی اور محویت الفاظ و بیان کے وسیلے سے بغاوت کر کے از خود سرحدِ اظہار میں آنے کے لیے بے تاب رہتی ہے۔ مستی و سرشاری کی راہ میں کوئی شئے حائل نہیں ہوتی اور سچ تو یہ ہے کہ اس جذبۂ بے اختیارِ شوق کے درمیان جو الفاظ و تراکیب آتے ہیں۔ وہ بھی اسی جذبے میں ڈوب جاتے ہیں۔ اور تب شاعر کا یہ محسوس کرنا فطری بات ہے کہ ؎

سرورِ کون و مکان جب سے ہیں سایہ افگن///محوِ گفتار ہے احساس کی خاموش زباں

علیم صبؔا نویدی کی نعتیہ شاعری میں اظہار کی وہی نرمی، لطافت و طمانیت و بشاشت ہے جو احساس کی زبانِ خاموش کے محوِ گفتار ہونے سے پیدا ہو سکتی ہے۔ شاعر کو بار بار یہ احساس ہے کہ ذکرِ محبوب نے اُسے اظہار و بیان کی توانائی بخش دی ہے۔ اُسے لگتا ہے کہ اس کے فیض سے گویا گنگ زبان یکا یک افشائے گفتار کرنے لگی ہو۔ ایک جگہ نویدی کہتے ہیں ؎

سکوتِ بیکراں کی گرد میں لپٹا رہا برسوں///درودِ مصطفےٰؐ کی روشنی میں آج مہکا دل

ایک دوسری جگہ کہتے ہیں ؎

کرے ہے سانس جب ذکرِ محمدؐ///مٹے ہیں نقش ہائے بے زبانی

علیم صبؔا نویدی کی نعتیہ شاعری میں ایک مخصوص ترنگ ہے لہجہ میں اعتماد ہے جو اس بات کی علامت ہے کہ موضوع سے ان کا روحانی رشتہ ہے اور یہ رشتہ اٹوٹ ہے۔ ان کے کلام کا مخصوص اور منفرد رنگ اُردو میں نعتیہ شاعری کی ایک نئی آہٹ ہے۔ ہمیں آواز کا استقبال کرنا چاہیے کہ یہ دل کی آواز ہے۔ جو اپنی سچائی کا اعلان نامہ ہے۔

○❖○

ڈاکٹر جوہر قدوسی (مدیر)

نعیم صدیقی کی نعتیہ شاعری

فضل الرحمٰن نعیم صدیقی (1914ء-2002ء) کا تعلق نعت سے خاص ہے۔اُن کی شاعری میں اسلامی اقدارِ حیات کی ترجمانی اور اسلامی زاویۂ نگاہ سے اپنے سماج کا مطالعہ نمایاں ہے۔اُنہوں نے اسلام اور اس کے عصری تقاضوں پر نثر میں بھی بہت وقیع اور جاندار لٹریچر پیش کیا ہے۔سیرت طیبہ پر ان کی مشہور کتاب ''محسن انسانیت'' اپنی مثال آپ ہے۔نعیم ایک صاحبِ طرز ادیب، کہنہ مشق صحافی، پختہ فکر شاعر، جید عالم اور ممتاز نقاد ہونے کے علاوہ ایک منفرد قسم کے نعت گو بھی تھے۔ان کا اوّلین نعتیہ مجموعہ ''نور کی ندیاں رواں'' ہے، جو ان کے فن نعت گوئی کے نئے آہنگ کا آئینہ دار ہے۔اس کے علاوہ ان کے دیگر شعری مجموعوں:" پھر ایک کارواں لٹا"، "بارود اور ایمان"، "شعلۂ خیال" اور" افشاں" وغیرہ میں بھی نعتیں ملتی ہیں۔لاہور سے شائع ہونے والا مشہور ادبی رسالہ ''سیارہ''، جس کے وہ ۱۹۶۲ء سے (تاحیات) مدیر اعلیٰ رہے، پاکستان میں نعت گوئی کے فروغ و ارتقاء اور ترویج و اشاعت میں اہم کردار ادا کر رہا ہے۔سیکڑوں صفحات پر مشتمل اس شاہکار ادبی رسالے کی سہ ماہی ''خاص اشاعتیں'' درجنوں شعراء کا نعتیہ کلام لے کر منظرِ عام پر آتی رہتی ہیں۔اس رسالہ سے قبل نعیم ۱۹۳۵ء میں ''تعمیر انسانیت'' اور ۱۹۴۹ء میں ہفت روزہ ''شہاب'' جاری کر چکے تھے۔ان جرائد میں بھی انہوں نے نعتیہ کلام شائع کرنے کا خاص اہتمام کر رکھا تھا۔اس طرح نعیم صدیقی کی ذات نعتیہ شاعری کے فروغ و ارتقاء اور اس کی ترویج و اشاعت کے سلسلے میں ایک انجمن کی حیثیت رکھتی ہے۔

نعیم صدیقی نعت میں سیرت سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے مختلف پہلوؤں کو بیان کر کے اس کی روشنی میں زندگیوں کو بدلنے اور سنوارنے کا جذبہ جگاتے ہیں۔ان کے نعتیہ کلام میں نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کا تصور دنیا کے سب سے بڑے انقلابی کی حیثیت سے سامنے آتا ہے، جس کی اتباع و اطاعت ہی میں بھٹکتی اور سسکتی انسانیت کے تمام مسائل کا حل مضمر ہے۔چنانچہ ''نور کی ندیاں رواں'' کے دیباچہ میں خود لکھتے ہیں:

''جب سے میں نے واضح شعور کے ساتھ لکھنا شروع کیا تو ہر میدان میں کسی قدر نئی راہ نکالنے

کی کوشش کی، میں نے ترقی پسندوں کے دورِ عروج میں جب اوّل اوّل سر اٹھایا تو اُن کی انقلابی باتیں سنتے ہوئے میں نے محسوس کیا کہ حضور ''محمد ﷺ'' سب سے بڑے انقلابی ہیں اور ان کی دعوت انقلاب میرے سینے میں ہے۔ پس جس دن سے یہ سمجھا، اس دن سے نظم و نثر کے ہر میدان میں اپنے ہی مقصدی نہج سے بات کی۔ نعت نگاری میں بھی میں نے کچھ نئے رُخ اختیار کیے ہیں یا نئے تجربے کیے ہیں۔ میں نے جس نظریے کو دل میں رچا کر نعت کے میدان میں کام کیا، وہ یہ تھا کہ ہر وہ شعری کاوش نعت کی تعریف میں داخل ہے، جس کا مرکزی سرچشمۂ تخلیق محبت رسول ﷺ ہو۔ میں نے نعت ہمیشہ ایک جذبۂ بے تاب کے طاری ہونے یا کسی شدید کرب کے عالم میں نہایت خلوص سے لکھی ہے۔ معنوی طور پر فرمائشی نعتیں لکھنے کی صلاحیت مجھ میں کم ہے۔ میرے سامنے تین تقاضے بیک وقت رہتے ہیں۔ ایک حضور کی دعوت انقلاب کا اُبھارنا، اس انقلاب کی روح کو کارفرما کرنے کے لیے ہی نعت کے پیرایوں میں نئے اصنافی تجربے کرنا (حتیٰ کہ اصطلاحات اور الفاظ وتراکیب کے دائروں یں ایجادیں کرنا) اور فنی ولسانی حسن کی حباب آسا نازک لطافتوں کا تحفظ کرنا بلکہ ان کو نشو ونما دینا۔ ایسی تین بھاری ذمہ داریوں کو بیک وقت انجام دیتے ہوئے اگرچہ میں نے تینوں طرف پوری توجہ رکھی ہے اور آپ جس پہلو سے بھی دیکھیں گے، کچھ نہ کچھ متاعِ خیر یا سرمایۂ جمال پائیں گے مگر ذمہ داریوں کے اس بھنور میں گھرے ہوئے کمزور انسان سے کسی پہلو میں بھی جو کوتاہیاں رہ گئی ہیں، وہ مجبورانہ نوعیت کی ہیں''۔[1]

اپنی نعت گوئی کے بارے میں ان تعارفی کلمات کے ذریعے نعیم صدیقی بہت کچھ کہہ گئے ہیں۔ ان سے جہاں اُن کی نعتیہ تخلیقات کے فکری پس منظر پر روشنی پڑتی ہے۔ وہاں نعت کے ہیئتی اور فنی پہلو سے متعلق ان کے نظریات کا بھی علم ہوجاتا ہے۔ اگر ان کے فکری رویے کو اختصار کے ساتھ بیان کیا جائے، تو کہہ سکتے ہیں کہ نعیم کے نزدیک نعت شاعرانہ زورِ بیان کے نمونے کی بجائے حیات افروز اسلامی مقاصد کے حصول کا ذریعہ ہے۔ وہ ''نعت برائے نعت'' کے نہیں بلکہ ''نعت برائے اسلام'' کے قائل ہیں۔ ان کے خیال میں محض رسمی طور پر نعت لکھنا بے معنی ہے۔ وہ نعت گوئی کے اس رویہ پر تاسف و افسوس کا اظہار کرتے ہیں جو نعت نگار کے اندرونی اور ذاتی کردار کو سنوارنے اور صالح بنانے کی بجائے محض قافیہ پیمائی تک محدود رہے۔ ''میں ایک نعت کہوں'' ان کی ایک معرکتہ الآراء نظم ہے۔ اس میں وہ کہتے ہیں ؎

ہے مضطرب سی تمنّا کہ ایک نعت کہوں!
میں اپنے زخموں کے گلشن سے تازہ پھول چنوں
پھر اُن پہ شبنمِ اشکِ سحر گہی چھڑکوں
پھر ان سے شعر کی لڑیاں پرو کے نعت کہوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

یہ تیرے عشق کے دعوے، یہ جذبہ بیمار
یہ اپنی گرمئ گفتار ، پستئ کردار
رَواں زبانوں پہ اشعار ، کھوگئی تلوار
حسین لفظوں کے انبار ، اُڑ گیا مضموں !
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں!

ترےؐ مقام کی عظمت بھلا کے بیٹھے ہیں
ترےؐ پیام کی شمعیں بجُھا کے بیٹھے ہیں
ترےؐ نظام کا خاکہ اُڑا کے بیٹھے ہیں
ضمیر شرم سے پُر داغ ، قلب ہے محزوں
میں ایک نعت کہوں، سوچتا ہوں کیسے کہوں! ۲؎

نعت گوئی کا یہ لہجہ یقیناً اردو میں ایک اجنبی لہجہ ہے۔ اس میں فکری و ذہنی کجرویوں، ایقان و ایمان کی خامیوں، علم و عمل کی کوتاہیوں اور قلب و نظر کی کثافتوں پر نوحہ کرتے ہوئے ایک حقیقی نعت کی تخلیق کے لیے حسرت کا اظہار کیا گیا ہے۔ نعیمؔ کی دوسری نعتوں میں ''کوئی ایسی زندہ نعت کہوں''، ''کچھ آنسو کچھ داغ''، ''اے عشق جنوں پرور''، ''تحریکِ عشق پھر سے اُٹھانے کو آیئے''، ''کوہِ صفا سے کوئی ہم کو بُلا رہا ہے''، ''پھر ترستے ہیں تجھے میرے زمانے والے''، ''حضور جانب نوع بشر بس ایک نظر'' اور ''اے میرے نبیؐ صدق و صفا'' وغیرہ خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ ان نعتوں میں جو آزاد نظم کی لمبی بیل کی شکل میں بھی ہیں اور مختصر اور طویل بحر میں بھی، نعیمؔ کا یہی انداز اور لب و لہجہ ہر جگہ موجود ہے۔ چند مثالیں پیش ہیں ؎

لو، بام آرزو پر، وہ چاند آرہا ہے!
مکھڑے کو دیکھتے ہو؟ گل مسکرا رہا ہے!

باتوں کو سُن رہے ہو؟ موتی لٹا رہا ہے!
کوہِ صفا سے کوئی ہم کو بُلا رہا ہے[۳]

٭٭٭

زوال یافتہ ہیں ہم بہت گناہی ہیں
الٰہی! پھر بھی تو عشاق مصطفیٰؐ ہی ہیں
نظام کفر میں رہنا نہیں قبول ہمیں
درود خواں ہی نہیں، عشق کے سپاہی ہیں[۴]

٭٭٭

تو رسول حق، تو قبول حق، ترا تذکرہ ہے فلک فلک
تو ہے مصطفیٰؐ، تو ہے مجتبیٰؐ، ترا نعت خواں ہے ملک ملک
مری پیاس ہے کئی قسم کی، مری پیاس ہے نئی قسم کی
کبھی ان کے ایک گھٹا برس، کبھی چاندنی کی طرح چھٹک
ادب، انکسار، غنا، حیا، غم حشر، صدق، صفا، دُعا
جو یہ سات رنگ ہوئے بہم، تری شخصیت کی بنی دھنک

امت مسلمہ کی لاچارگی، بے بسی، مظلومیت اور زبوں حالی سے متاثر ہوکر جب شاعر کا لہولہو دِل پکار اٹھتا ہے، تو یہ پکار فریاد اور استغاثہ کی صورت یوں اختیار کرلیتی ہے ؎

بستی بستی، وادی وادی، صحرا صحرا خون
امت والے! امت کا ہے کتنا سستا خون
ایک نظر سرکار معلیٰ! کابل تا لبنان
محروموں کا، مظلوموں کا، معصوموں کا خون
تیرے عاشق خاک و خون میں لوٹیں اور ہم چپ
کھول رہا ہوں، اپنوں کا ہے کتنا ٹھنڈا خون
حاصل اس کیفیت کا ہیں میرے یہ اشعار
دل سے رس کر قطرہ قطرہ شب بھر ٹپکا خون[۶]

نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف حمیدہ کا بیان بھی نعیمؔ کے یہاں ایک نئے انداز میں ملتا ہے ؎

تو نے آقاؤں کو احساسِ مروّت بخشا
اے غلاموں کو غلامی سے چھڑانے والے
اے جہاں بھر کے یتامیٰ و ایامیٰ کے ولی
ان کی دل جوئی میں گھر بار لٹانے والے
جس کو دنیا میں نہ ملے کہیں سے رحم کی بھیک
کام ایسے دل زار کے آنے والے۔۷

نعیمؔ کے کلام کا گہرائی سے مطالعہ کرنے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ وہ دنیا بھر کے مسلمانوں کو درپیش مصائب و مشکلات، دین سے اُن کی دوری، اسلام کے انقلابی نظریہ کی تفہیم میں کمی اور مختلف طریقوں سے ان پر ڈھائے جانے والے مظالم کو دیکھ کر رنجیدگی کے عالم میں اس قدر تڑپ اٹھتے ہیں کہ آگہی کا یہ کرب انہیں نعت کہنے اور حضور خیرالانام صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنا اور پوری امت مسلمہ کا دکھڑا سنانے پر مجبور کرتا ہے۔ وہ ایک جگہ خود لکھتے ہیں:

''مضامین نعت میں زبان وقلم کے لیے نئے آفاق پیدا ہو گئے اور اب تو دنیا بھر کی کوئی اہم بحث ایسی نہیں، جسے کسی نعت، یا کسی ایک ہی نعتیہ شعر میں نہ سمو دیا جائے''۔۸

واقعہ یہ ہے کہ نعیمؔ کے نعتیہ کلام میں ملتِ اسلامیہ کے حوالے سے دنیا بھر کی اہم بحثوں پر اشعار ملتے ہیں، جن میں یا تو مظلوم ومحکوم اور مجبور ومقہور مسلمانوں کی چیخوں سے اٹھنے والے کرب کا اظہار کیا گیا ہے یا استغاثہ واستمداد کے انداز میں قومی وملی مصائب وسانحات کو دربارِ رسالت پناہ صلی اللہ علیہ وسلم میں پیش کیا گیا ہے۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو ملی وقومی مسائل ومعاملات کے جس گہرے شعور کو حالیؔ، اقبالؔ اور ظفر علی خان وغیرہ نے نعت میں داخل کیا تھا، اس کی ایک انتہائی شکل نعیمؔ صدیقی کے نعتیہ کلام میں نظر آتی ہے۔ امت مسلمہ سے متعلق کوئی بھی چھوٹا یا بڑا واقعہ ایسا نہیں، جس کو نعیمؔ کے جادو نگار قلم نے نہ چھوا ہو۔ حالیہ برسوں میں افغانستان میں روسی جارحیت، بوسنیا میں مسلمانوں پر ظلم وستم، فلسطین میں حقوق کی پامالی اور کشمیر میں ڈھائے جانے والے مظالم اور دیگر بہت سے ایسے ہی حساس نوعیت کے مسائل نعیمؔ صدیقی کی نعتوں کے موضوع بنتے رہے ہیں۔

حواشی: ۱: نور کی ندیاں رواں، نعیم صدیقی، دہلی ۱۹۹۱ء، صفحات ۸ تا ۱۱

۲ تا ۴: ایضاً، صفحات ۲۵، ۲۶، ۲۷، ۴۹، ۵۰

۵ تا ۸: ایضاً، صفحات ۳۲، ۳۳، ۳۶، ۳۷، ۴۳، ۵۹، ۶۳ ○❖○

مدیر

علامہ عامرؔ عثمانی کا نعتیہ کلام

امین الرحمٰن عامرؔ عثمانی (۱۹۲۰ء-۱۹۷۵ء) ہندوستان میں آزادی کے بعد کے دین پسند شعراء کے سرخیل کارواں ہیں۔ انہوں نے اپنی تمام تر فکری وفنی اور ذہنی وقلمی صلاحیتیں اور توانائیاں اسلام اور تحریک اقامت دین کے لیے وقف کر رکھی تھیں۔ ماہنامہ ''تجلی'' دیوبند، جس کے وہ بانی مدیر تھے، علم و ادب کا ایک شاہکار رسالہ تھا، جس کے ذریعے عامرؔ نے شاندار دینی، علمی اور ادبی خدمات انجام دیں۔

عامرؔ جو ایک سند یافتہ عالم دین تھے، کی اردو ادب پر بھی نہایت گہری نظر تھی۔ بقول ماہرؔ القادری:

> ''ان کا مطالعہ بحر اوقیانوس کی طرح عریض وطویل اور عمیق تھا۔ وہ جو بات کہتے تھے، کتابوں کے حوالوں اور عقلی وفکری دلائل و براہین کے ساتھ کہتے تھے۔ پھر سونے پہ سہاگا زبان و ادب کی چاشنی اور سلاست و رعنائی۔ تفسیر، حدیث، فقہ، تاریخ، لُغت و ادب غرض تمام علوم میں مولانا عامرؔ عثمانی کو قابلِ رشک بصیرت حاصل تھی۔ جس مسئلہ پر قلم اٹھاتے، اس کا حق ادا کر دیتے۔ ایک جزئیہ کی تردید یا تائید میں امہات الکتب کے حوالے پیش کرتے۔ علمی اور دینی مسائل میں ان کی گرفت اتنی سخت تھی کہ بڑے بڑے چغادری اور اہلِ قلم پسینہ پسینہ ہو جاتے''۔[1]

یوں تو عامرؔ کے دوسرے مجموعۂ کلام ''یہ قدم قدم بلائیں'' میں ''نعت'' کے عنوان سے ایک ہی نظم ملتی ہے، مگر ان کا کلام نعتیہ عناصر کی موجودگی کا جابجا پتہ دیتا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ عامرؔ کا پورا کلام تجدید واحیائے دین نبویؐ کے مرکز ومحور کے گرد گھومتا ہے اور اس میں ہر جگہ پیغام محمدیؐ کی روح رواں دواں ہے۔ ''نعت'' کے عنوان سے ۷ بندوں پر مشتمل نظم میں عامرؔ نے نہایت دلسوزی سے اس بات پر حسرت کا اظہار کیا ہے کہ حقیقی نعت کہنے کے لیے جس جذبۂ صادق اور اتباع رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ضرورت ہے، وہ نایاب ہے۔ یہ وہی فکری روّیہ ہے، جس کو ہم پاکستان میں عصر حاضر کی نعتیہ شاعری کے ضمن میں نعیمؔ صدیقی اور آسیؔ ضیائی کے یہاں دیکھ سکتے ہیں۔ یہ شعراء نبی برحق صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات اور ان تعلیمات کے منافی مسلمانوں کے اعمال وافعال کا ذکر شدید احساسِ ندامت کے ساتھ کرتے ہوئے اس بات کا برملا اظہار کرتے ہیں کہ اگرچہ ہم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع واطاعت ترک کر چکے ہیں، لیکن پھر

بھی ''برائے نام ہی سہی'' ایک نسبت اب بھی آپؐ سے قائم ہے۔اور وہی ہے وہ اسم مقدس، جواَب بھی روح وجان کے لیے تسکین واطمینان کا باعث ہے۔عامرؔ عثمانی کہتے ہیں ؎

تمہاری نعت کے قربان جان و دل لیکن
تمہاری نعت کے قابل کہاں زبان و قلم
قلم کی نوک پہ الفاظ تو بہت ہیں مگر
ثبوت صدق معانی کریں کہاں سے بہم
چڑھی ہوئی ہیں زباں پر کثافتوں کی تہیں
پھر اس زباں سے کیسے تمہاری نعت کہیں؎[2]

عامرؔ کا پہلا شعری مجموعہ 'شاہنامہ اسلام جدید' کے نام سے ۱۹۶۳ء میں منظر عام پر آیا، جس میں حفیظؔ جالندھری کے تتبع میں درخشاں اسلامی تاریخ کی روشنی میں اپنا حال درست کرنے کی مسلمانوں کو تاکید کی گئی ہے۔یہ مجموعہ اول سے آخر تک نعتیہ عناصر سے بھرا پڑا ہے ؎

وہ تم ؐ کہ شکر سراپا تھے اپنے رب کے لیے
یہ ہم کہ شکر گزاری سے واسطہ ہی نہیں
وہ تم کہ حق کے لیے سربکف تھے میداں میں
یہ ہم کہ زخم کے کھانے کا حوصلہ ہی نہیں
تمہیں عزیز تھی ہر شئے سے عزت اسلام
ہمارے پاس فقط رہ گیا خدا کا نام
حضورؐ! پھر بھی یہ اشعار پیش خدمت ہیں
اگرچہ ہدیۂ ناچیز، کم عیار سہی
برائے نام سی نسبت تو تم سے باقی ہے
ہزار دامن ایمان تار تار سہی
تمہارا نام ہے تسکین روح و جاں اب بھی
تمہاری یاد سے ہوتا ہے دل جواں اب بھی؎[3]

حواشی: ۱: یہ قدم قدم بلائیں، عامرؔ عثمانی دہلی ۱۹۹۲ء، ص ۷ // ۲: ایضاً ص ۱۳ // ۳: شاہنامہ اسلام جدید، عامرؔ عثمانی، دیوبند، ۱۹۶۳ء ص ۳۷

○❖○

مدیر

پروفیسر نادم بلخی کی نعت نگاری

پروفیسر سید محمد ابراہیم نادم بلخی کا شمار صوبہ بہار کے سربرآوردہ شعراء میں ہوتا ہے۔ بقولِ ناوک حمزہ پوری:

"حضرت نادم کا نام ان کی کثیر الجہات علمی و ادبی خدمات جلیلہ کے پیش نظر ادبی دنیا میں احترام و عقیدت سے لیا جاتا ہے۔ وہ ایک قادر الکلام شاعر، صاحب طرز ادیب، معتبر محقق، ذی وقار ناقد اور ماہر فن عروض دان کی حیثیت سے ایک ممتاز و منفرد مقام رکھتے ہیں"۔ ؎۱

نادم کے ایک درجن سے زائد شعری مجموعے منظر عام پر آکر اہل ذوق سے خراجِ تحسین حاصل کر چکے ہیں۔ ۱۹۶۱ء میں ان کا پہلا مجموعۂ کلام "آغاز سحر" کے نام سے شائع ہوا اور ۱۹۹۵ء میں خالص نعتیہ مجموعہ "ضیائے عرفان" کے نام سے چھپ گیا۔ غزل، نظم، سانیٹ، رباعی، قطعہ، دوہے، ہائیکو، آزاد غزل اور منظوم پہیلیوں کے شاعر نادم بلخی جب نعت لکھنے پر آتے ہیں، تو محسوس ہوتا ہے کہ وہ نعت نگاری کے لیے ہی پیدا ہوئے ہیں۔ مختلف مجموعہ ہائے کلام میں شامل نعتوں کے علاوہ ان کے حسبِ ذیل نعتیہ مجموعے زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر سامنے آچکے ہیں:

۱۔ چودہ طبق (نعتیہ سانیٹوں (Sonnets) کا مجموعہ مع حمد)

۲۔ ضیائے عرفان (نعتیہ غزلوں کا مجموعہ مع حمد و مناقب)

دو درجن کے قریب کتابوں کے مصنف نادم بلخی کا طرّہ امتیاز یہ ہے کہ انہوں نے غزل، رباعی، قطعہ اور دوہے جیسی قدیم اصناف کے ساتھ ساتھ سانیٹ اور ہائیکو کی جدید ترین ہیئتوں میں بھی نعتیں لکھی ہیں۔ ۱۹۹۲ء میں شائع شدہ ان کا مجموعۂ نعت "چودہ طبق" سانیٹ کی ہیئت میں ہے، جس میں مختلف عنوانات کے تحت نعتیہ سانیٹ شامل ہیں۔ سانیٹ کے فارم میں یہ دوسرا مجموعہ نعت ہے۔ اس سے قبل علیم صبا نویدی کا مجموعہ ۱۹۹۰ء میں منظر عام پر آچکا ہے۔ نادم کا یہ مجموعہ سانیٹ کے تین مشہور پیشرو شعراء پٹرارک، شیکسپیئر اور اسپنسر کی وضع کردہ ہیئتوں میں منقسم ہے۔ شیکسپیئری سانیٹ کا ایک نمونہ ملاحظہ ہو ؎

بعد از خدا

اسی سے ہے ظاہر مقام محمدؐ
خدا نے انہیں تخت معراج بخشا

رسالت کا اعلیٰ ترین تاج بخشا
نہ کیوں ہم کریں احترام محمدؐ
خدا جس کی مدحت میں خود مدح خواں ہے
مِلا جب کہ رتبہ حبیب خدا کا
شہِ دوسرا سرور انبیاء کا
نبوت میں جو آخری الزماں ہے
جہاں میں جو رحمت لیے ساتھ آیا
ہدایت کا مہر ضیا بار جو ہے
قیادت میں بے مثل سالار جو ہے
تباہی سے امت کو جس نے بچایا
بیاں ہو صفت اس کی جتنی بھی ہے کم
وہ بعد از خدا ہے صفات مجسم ۲؎

''جیون درشن''، نادمؔ کا ساتواں شعری مجموعہ ہے، جو اُن کے دوہوں پر مشتمل ہے۔ اس میں متعدد نعتیہ دوہے بھی نظر آتے ہیں، جو شاعر کی جولانی طبع کے شاہکار ہیں۔ ان دونوں کی زبان میں ہندی الفاظ وتراکیب کا بکثرت استعمال ملتا ہے، یہاں تک کہ فہرست میں دکھائے گئے ۱۲؍عنوانات بھی ٹھیٹھ ہندی میں ہیں۔ مثلاً پرتھم بول، جگ داتا درشن، گیان داتا درشن، گیان درشن، دیش بھگتی درشن، انتم بول وغیرہ۔ نعتیہ دوہے ''گیان دان درشن'' کے ذیلی عنوان کے تحت کتاب کے صفحہ نمبر ۱۷ سے شروع ہوکر صفحہ نمبر ۲۰ تک پھیلے ہوئے ہیں۔ خالص ہندی الفاظ کے استعمال نے ان نعتیہ دوہوں کو ایک نیا آہنگ عطا کیا ہے، جو اردو کی نعتیہ شاعری میں بہت کم نظر آتا ہے۔ ملاحظہ ہوں یہ چند دوہے ؎

جگمگ جگمگ روپ مدینہ جس نگری کا نام
کالی کملی والے داتا کریں وہاں وشرام
نام محمدؐ پیارا پیارا جگ مگ ان کا روپ
گھور اندھیرے میں آئے لئے سنہری دھوپ
دے گئے ہم کو پاک نبیؐ جو آکاشی فرمان
جیون کا دستور مکمل، نام اس کا قرآن

سچائی کی راہ دکھانے والے ایک سردار
نام محمدؐ اُن کا ایشور کے انتم اوتار ؎ ۳

''لفظوں کا حصار'' نادمؔ کا مجموعہ رباعیات ہے، جس میں ''نعت وسلام'' کے عنوان سے نعتیہ رباعیات شامل کی گئی ہیں۔نمونہ ملاحظہ ہو ؎

آئے وہ یہاں سارے زمانے کے لیے
انسان کو انسان بنانے کے لیے
توصیف یہی سیرت احمدؐ کی ہے
قندیل ہے اک راہ دکھانے کے لیے ؎ ۴

نادمؔ کا دسواں شعری مجموعہ مکمل طور نعتیہ ہے۔ ۲۴۰ صفحات پر مشتمل اس مجموعے کا نام ''ضیائے عرفاں'' ہے اور یہ سال ۱۹۹۵ء میں منظر عام پر آیا۔مجموعہ کے آغاز میں ۶۳ صفحات پر مشتمل حماد صابرؔ قادری کا طویل مقدمہ درج ہے، جس میں حمد ونعت کی تعریف اور اس کے لوازم سے لے کر نادمؔ کے سوانحی خاکے اور تصانیف کے ذکر تک بات پھیلائی گئی ہے۔''ضیائے عرفاں'' کے بارے میں صابرؔ قادری کا خیال ہے کہ:

''یہ حضرت علامہ نادمؔ بلخی صاحب کا وہ نعتیہ مجموعہ ہے، جس کی فصاحت و بلاغت اور ادبی شان اپنی جگہ مسلم ہے۔ زبان و بیان میں صفائی وستھرائی اور سلاست و روانی ہے۔ اشعار میں جہاں لفظی ساخت کی فراوانی ہے، وہیں معنوی افکار کی جولانی بھی ہے''۔ ؎ ۵

''ضیائے عرفاں'' میں شامل نعتیں نادمؔ کے جذبۂ والہانہ اور وارفتگئ شوق کی مظہر ہیں۔ یہ چند شعر ملاحظہ فرمائیں: ؎

مدینہ مجھے بھی بلالو محمدؐ
یہ ارمان دل کا نکالو محمدؐ
اگر یہ سمجھتے ہو میں ہوں تمہارا
تو چادر میں اپنی چھپالو محمدؐ ؎ ۶

فراق نبیؐ میں جئے جارہا ہوں
گریبان غم یوں سئے جارہا ہوں
محمدؐ کی مدحت سرائی کے صدقے
رسائی خدا تک کئے جارہا ہوں

مجموعی طور پر نادم بلخی کا نعتیہ کلام عصر حاضر کے بعض نعت گو شعراء کے مقابلے میں بلندیٔ مضمون اور رفعتِ فکر کے اعتبار سے کم ہی سہی مگر ہیئتی تنوع کے اعتبار سے بہت زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

حواشی

۱: چودہ طبق، نادم بلخی، پلاموں، ۱۹۹۲ء (تقریظ) ص ۱۸

۲: ایضاً ص ۹

۳: جیون درشن، نادم بلخی، صفحات ۱۷ تا ۲۰

۴: لفظوں کا حصار، نادم بلخی، ص ۱۵

۵: ضیائے عرفاں، نادم بلخی، پلاموں، ۱۹۹۵ء، ص ۶۲

۶: ایضاً ص ۸۰

○❖○

علیم صبا نویدی (چینئی - تامل ناڈو)

دانش فرازی کی نعت گوئی

حضرت دانش فرازی مرحوم کی شخصیت ہندو پاک میں محتاج تعارف نہیں ہے، موصوف ضلع شمالی آرکاٹ (تمل ناڈو، ہندوستان) کے مشہور شہر آمبور کے ایک مہذب اور دیندار گھرانے ''باگی'' کے ایک ہونہار فرزند ہیں جن کا اسم گرامی عبدالقادر ہے۔ شعر وشاعری میں آپ غزل، نظم، رباعی، قطعات وغیرہ میں طبع آزمائی کررتے تھے۔ آپ کا کلام جیّد شعراء کے درمیان کافی مقبول تھا اور بے شمار لوگ آپ سے شرفِ تلمذ حاصل کرنے میں اپنا وقار گردانتے تھے۔ آپ کا بچپن اور جوانی دونوں اس خطۂ ارض کے بزرگ شعراء کے درمیان گذرے اور شعر وشاعری کی طرف انہماک انہی کے باعث بڑھا مگر آپ ترقی پسند تحریک سے بہت متاثر ہوئے تھے اس لیے آپ کے ہاں اس سکول سے متعلقہ تمام ادبی خصوصیات پائی جاتی ہیں۔ روایت سے موصوف مرحوم نے کبھی اپنا دامن نہیں بچایا بلکہ فیض کی طرح روایت سے قریب ہی رہ کر جدید لب ولہجہ کو فروغ دیا۔

حضرت دانش نے نعت گوئی کے لیے بہترین ذریعہ حیات طیبہ ہی کو قرار دیا کیونکہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر بھرپور نظر اسی پہلو سے پڑتی ہے اور حقائق بیانی ممکن ہے۔ آپ نے منظوم سیرت اسی بناء پر پسند فرمائی تا کہ وہ آپ کے لیے وسیلہ نجات بنے۔

''محسن اعظم صلی اللہ علیہ وسلم'' حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مختصر منظوم حیات طیبہ مرتب کر کے موصوف نے ایک شاندار کارنامہ سرانجام دیا۔ موصوف چاہتے تھے کہ ایک طویل نظم سیرت رقم کی جائے مگر کشاکش روزگار کا برا ہوا کہ آپ کی یہ خواہش پوری نہیں ہوئی۔ قدرت کو جو منظور تھا وہی ہوا۔

سیرتِ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بیان کرنے میں جو تمہیدی موضوعات ضروری تھے ان کا احساس موصوف کو تھا۔ اس تمہید میں مکہ مکرمہ کی اس سرزمین کو پاک اور صاف کرنا تھا اس لیے قدرت نے جو منصوبہ بنایا اس میں حضرت ہاجرہؓ کو وہاں پہنچانا تھا اور وہاں اپنے لاڈلے کی پیاس کے باعث جو حالات رونما ہوئے وہ اسلام میں بہت ہی اہم ہیں۔ ہولناک بیابان میں معصوم بچے کی تڑپ اور ہاجرہؓ کی بے چینی دراصل رحمتِ خداوندی کو جگانے والی باتیں تھیں۔

حضرت دانشؔ نے انہی باتوں کو منظوم کرنے کی اولین کوشش کی ہے۔ موصوف کا اندازِ بیان اور آپ کی نکھرتی ہوئی لفظیات محسوس کی جاسکتی ہیں ان کی تعریف میں موزوں کلمات ناممکن ہیں۔ صدائے حالات خود پکار رہی ہے ؎

ہاجرہ سن چشم حسرت سے نہ یوں آنسو بہا/// نالۂ جانکاہ پہنچا ہے سر عرش بریں
حق نے سُن لی ہے تری آواز آزردہ نہ ہو/// چشمۂ رحمت میں جوش آئے گا نم ہوگی زمیں
مونس و دمساز ہے تیرا خداوندِ غفور/// وہ وہاں موجود ہوتا ہے جہاں کوئی نہیں

اور پھر جو منظر کشی دانش صاحب نے کی ہے وہ واقعات کے تسلسل میں سب سے اہم ہے کہتے ہیں ؎

ہاجرہؓ نے پھر یہ دیکھا ریت کے آغوش میں
ایک چشمہ پھوٹ کر نکلا ہے لطفِ خاص سے
دفعتاً نمناک آنکھوں میں چمک سی آگئی
دور تک لودے اُٹھے موجِ تبسم کے دئے
رفتہ رفتہ تھم گیا احساسِ تنہائی کا درد
گونج اُٹھے دشت ویراں میں خوشی کے زمرے

دانش صاحب کے اظہار میں بلا کی سیلانی ہے اور الفاظ نگینوں کی طرح جُڑے ہوئے لگتے ہیں۔ ایک طرف موضوع کی عظمت قاری کو محظوظ کرتی ہے تو دوسری طرف اظہار کی جمالیت و سیّالی قاری کی دلچسپی میں مزید اضافہ کا باعث بنتی ہے۔ ''چشمۂ حیرت''، ''لطفِ خاص''، ''موجِ تبسم''، ''احساس تنہائی'' جیسی اضافی ترکیبیں اگرچہ کہ روایت کی دین لگتی ہیں مگر حقیقت میں یہ محترم شاعر کی قدر و استطاعت ہی کا عطیہ ہیں اور یہ کہیں سے بھی مستعار نہیں ہیں۔

منظوم سیرت حضرت خلیلؑ، بی بی ہاجرہؓ، حضرت اسمٰعیلؑ سے ہوتے ہوئے جب آگے بڑھتی ہے تو اس میں زبان و مکان کی سرعتِ سیر کا حضرت دانش خوب مزہ لیتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ دعائے خلیلؑ ہی کے نتیجے میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود ہوا یہ ظاہری تاریخ کا مظہر ہے مگر باطنی حقیقت یہ ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود کا قدرت نے تخلیقِ کائنات سے پیشتر ہی اہتمام کر لیا تھا جس کے لیے یہ کائنات تخلیق ہوئی اور کائنات میں حضرت خلیلؑ و حضرت ذبیحؑ کو اس موقعہ پر اُجاگر کیا جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہونے والی تھی اور جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی تو وہ حصہ تمام سیرت نگاروں نے بہت ہی مؤثر انداز میں بیان کیا ہے۔ حضرت دانش نے بھی اس مقام پر اپنی استطاعت اور علم و احساس کو پوری طرح

برتا ہے اور بہت ہی موثر انداز میں اپنے خیالات کو شعری جامہ پہنایا ہے ؎

صبح کے ہونٹوں پہ تھا دلکش تبسم ضوفشاں — سبزۂ نورستہ شادابی سے لہرانے لگا
بہر استقبال بُوٹے صف بہ صف تھے باادب — وقت سے پہلے گل صد رنگ مسکانے لگا
جو نظامِ رنگ و بو صدیوں سے محوِ خواب تھا — دفعتاً آنکھیں کھلیں اور ہوش میں آنے لگا
ڈگمگائے پاسبانِ لات و عزیٰ کے قدم — گنگنائی وادیٔ فاران کی تنہائیاں
آسماں کو چھو گئی کتنے حُدیٰ خوانوں کی لے — ریت کے بے مایہ ذروں نے بھی لی انگڑائیاں
فخر سے رائی نے دیکھا اونچے پربت کی طرف — یوں ہوا محسوس، بجتی ہیں کہیں شہنائیاں
زندگی نے آئینے کی سمت ڈالی اک نگاہ — موت کے ماتھے پہ ہلکا سا پسینہ آ گیا
قدسیانِ عرش جب اترے سوئے بامِ حرم — سنسنی دوڑی ہبل انجام سے گھبرا گیا
اک لطیف آواز ابھری کوہساروں کے قریب — منہ چھپا کر پیکرِ شرا ہر من شرما گیا

اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت کو بڑے دلآویز انداز سے نظم کیا ہے۔ حضرت دانش کا یہ انداز کہیں اور دکھائی نہیں دیتا۔ وہ اس رنگ میں بالکل یکتا ہیں۔ کوئی نہیں کہہ سکتا کہ یہ شاعر اس سرزمین سے وابستہ ہے جسے لوگوں نے غلط طور پر اردو سے نابلد علاقہ قرار دیا ہے۔ ان کو یہ جتانا منظور ہے کہ جو لوگ خود کو اردو کے منبع و مرجع سے مربوط کرتے ہیں کیا ان میں یہ استطاعت ہے کہ وہ حضرت دانش کے اس انداز میں کچھ بند کہہ دکھائیں۔ اگر کہیں گے بھی تو وہ محض آورد والی بات ہوگی یہ سیلانی اور یہ آمد ان کے ہاں مفقود ہی ہوگی ؎

ایک ہی مرکز پہ ٹھہرا روز و شب کا سلسلہ — ایک ہی پہلو سے دیکھا چشم مہر و ماہ نے
صبح نے سمجھا کہ پرتو ہے اسی کا آفتاب — چھو لئے اس کے قدم پھر سب کی جولانگاہ نے
اُٹھ گیا تھا امتیازِ این و آں کا ہر حجاب — عرش کو ایسا مسلط کردیا اللہ نے
جلوہ افگن تھا زمین پر قاب قوسین ابد — اور مجسم آیۂ یٰسین و طٰہٰ کی دلیل
ہوگیا دنیا میں اک انسانِ کامل کا ظہور — وہ کہ جس کی زندگی ہے بے نظیر و بے عدیل
گفتگو، کردار، آداب و روایات و اصول — دلکش و روشن، بلند و پاک، مسعود و جمیل

حضرت دانش نے اس نظم میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بچپن اور جوانی کے ایام کی خوب منظر کشی کی ہے۔

ناموسِ اکبر کے ظہور کے باب میں حضرت دانش نے چند ہی بندوں میں تمام باتیں گویا سمو کر رکھ دی ہیں۔ اس کا ایک بند بہت ہی لاجواب ہے پڑھنے والے کے دل اور ذہن پر اس کا گہرا اثر چھا جاتا ہے ؎

ریت کے ذرّے لپکے پائے بوسی کے لیے — بانہیں پھیلائیں کھجوروں نے فضا لہرا گئی
چھوکے نکلی جب ہوا پیراہن سرکار کو — حلقۂ آفاق کی ہر بزم کو مہکا گئی
جھک کے خود چادر سمیٹی پھر شب تاریک نے — آفتاب اُبھرا، نئی صبح مسرت آ گئی

دعوت الی اللہ میں جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم مصروف ہوئے ایک اکیلے فرد کا یہ کارنامہ اس پوری تاریخ انسانی میں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔ اسی سے پتہ چلتا ہے کہ ایک سچے مذہب کے سچے بانی سوائے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اور کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔ یہ وہ مذہب ہے جسے اللہ عزوجل اس دنیا میں رائج کرنا چاہتے تھے اور یہ آواز نوع انسانی کو بالکل نئی، انوکھی اور سچی اور اچھی معلوم ہوئی۔ لوگ جوق در جوق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی امت بننے لگے اور دنیا حیرت سے دیکھتی رہ گئی۔ حضرت دانش یہ بات دیکھئے کس طرح بیان کرتے ہیں ؎

اک نئی آواز سے اک تہلکہ سا مچ گیا — جیسے اک طوفاں کی آمد جیسے کوندے کی لپک
پھیل جائے جس طرح چاروں طرف جنگل کی — زلزلے کے تیز جھٹکے تند آندھی کی کڑک
کوچہ کوچہ ذکر اس کا، اس کی وہ سرگوشیاں — کرنے والے ہوں کوئی سازش در و دیوار تک

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی آواز کو شروع میں دبانے کی کوششیں ضرور ہوئیں اور حق اور کفر کی ٹکر شروع ہوگئی۔ خود رب ذوالجلال ایک ڈھیل دینا چاہتا تھا تاکہ مقابل کو یہ نہ کہنا پڑے کہ انہیں موقعہ نہیں ملا۔ حق ہی کو جیتنا تھا اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم پر آئے ہوئے مصائب خود حق تعالیٰ کی آزمائشِ حق تھی نہ کہ آزمائش کفر۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم برحق تھے اور اسی کو دانش صاحب نے یوں بیان کیا ہے ؎

کیا ضرورت تھی کے جھیلا جا رہا ہے ہر ستم — پنڈلیوں سے بہہ رہا ہے کوئے طائف میں لہو
کیا ضرورت تھی کہ چھٹتا ہی نہیں دامانِ صبر — ہر طرف پیراہن اقدس ہے محتاجِ رفو
ہر طرف طعنوں کی بارش، ہر قدم کانٹوں کی سیج — اور لبِ گوہر فشاں پر نعرۂ اللہ ھو
یہ حقیقت ہے کہ دل تھا حسن کی آماجگاہ — حسن وہ جس کے مقدر میں نہیں کوئی زوال
یہ حقیقت ہے کہ دل میں تھی تمناؤں کی موج — وہ تمنائیں کے راضی جن سے رب ذوالجلال
یہ حقیقت ہے یقینا چاہتے تھے اقتدار — ''اقتدارِ کشور دل'' جس کا مٹنا ہے محال

اس طرح یہ منظوم سیرت بڑے والہانہ انداز سے آگے بڑھتی ہے۔ حضرت دانش کی یہ نظم بہت ہی مختصر ہے مگر دیکھا جائے تو اس کا یہی اختصار جامع کیفیت کا حامل ہے۔

حضرت دانش کی اس نظم میں نعت کے کئی پہلو ابھر آئے ہیں اور اس سے سیرت نگاری بھی نعت گوئی ہی کا ایک ڈھنگ اپناتی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔

○❖○

پروفیسر مناظر عاشق ہرگانوی (بھاگلپور)

مشاہدؔ رضوی کی نعت میں محسوساتی عمل

محمد حسین مشاہدؔ رضوی بسیار نویس اور زود گو ہیں۔ نثر و شعر میں اُن کے قلم کی چلت پھرت پر کبھی کبھی حیرت ہوتی ہے۔ لیکن یہ مرحلۂ شوق آسودگی بخش ہے۔ وہ نعت گوئی کی طرف متوجہ ہوئے تو دیوان سامنے لے آئے۔ اس طرح عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم میں ان کا جوش و خروش پورے طور پر متوجہ کرتا ہے۔

انسان کے وجود کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ زندگی میں بے بس و لاچار ہے اور مختار و آزاد بھی ہے۔ حیاتِ انسانی کی یہ گرفتاری و آزادی دو دھاری تلوار کی مانند ہے جس پر چلتے رہنا مردِ مومن کے بس کا کام ہے۔ ہم شب و روز دیکھتے ہیں کہ اگر اللہ نیک جذبہ بخشے تو انسان فکر و تخیل کا نور پھیلانے لگتا ہے۔ اگر مولیٰ توفیق عطا کرے تو انسان چٹانوں اور ویرانوں میں گل کھلا دیتا ہے اور باری تعالیٰ کسی انسان کو وسیلہ بنا دے تو وہ نئی دنیا آباد کر دیتا ہے۔ یہ بخششیں توفیق اور وسیلے کی دنیا انسان کی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ہے۔ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ مبارک سے دو منور نکتے سامنے آتے ہیں، ایک بنیادی ارکانِ اسلام کی ادائیگی اور دوسرا انسانوں کے حقوق کا پورا کرنا۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی ذاتِ اقدس، چہرۂ انور، قد و قامت، خال و خد، وجاہت و شجاعت، سخاوت و ذہانت، صبر و استقامت، راستی و دیانت، فرض شناسی و عالی ظرفی، وقار و انکسار، تقویٰ و طہارت، عدل و انصاف، فصاحت و بلاغت جیسے اوصاف سے بھرپور ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت، آپ کے مقدس اور بلند رتبے کی دلیل ہے۔ ایسے میں نعت گوئی نازک فن ہے۔ اگرچہ اس صنفِ سخن کی فضا بہت وسیع ہے مگر اس میں پرواز کرنا اس لیے مشکل ہے کہ حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات سے تعارف کے لیے شریعت نے کچھ حدود مقرر کیے ہیں۔

محمد حسین مشاہدؔ رضوی کی نعت گوئی سے ایمان میں تازگی اور روح میں بالیدگی پیدا ہوتی ہے۔ مشاہدؔ رضوی نے نعت کہتے وقت انفرادیت کو راہ دی ہے ؎

اخلاق کا انھیں سے یہ درسِ حسیں ملا /// اوروں کا کام کر کے مسرت سمیٹ لو

----- ☆☆☆ -----

قاہرہ بھایا نہ مجھ کو کاشغر اچھا لگا /// مجھ کو تو بس دوستو! طیبہ نگر اچھا لگا

----- ☆☆☆ -----

کثرتِ جرم سے میں تباہ ہوگیا ، نامہ عصیاں سے میرا سیاہ ہوگیا
کر علاجِ گنہ اے مرے چارہ گر ، مصطفی مصطفی یا رسولِ خدا

----- ☆☆☆ -----

سعادتوں نے سعادت ہے آپ سے پائی /// سعید آپ، سعادت کی آبرو بھی آپ

----- ☆☆☆ -----

شمعِ جمالِ شہِ سے روشن ظلمت خانہ دل کا ہوگا
برسے گی جب نبوی طلعت فکرِ دنیا ہوگی رخصت

----- ☆☆☆ -----

آج دہشت کا بڑھنے لگا سلسلہ /// امن کو دیں بقا الغیاث الغیاث

مشاہدؔ رضوی کی حضور آقائے دو جہاں صلی اللہ علیہ وسلم سے نسبت و عقیدت نے الفاظ و معانی کی مدد سے مدحتِ خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کا روپ اختیار کر لیا ہے۔ یہ وہ منزل ہے جس میں قدم قدم پر بڑی احتیاط، بڑی پاکیزگیِ نفس، بڑی باخبری، بڑی توفیق اور بڑی نسبت و عقیدت درکار ہوتی ہے۔ مشاہدؔ نے یہ راہ ثابت قدمی کے ساتھ طے کی ہے۔

ہے ایمان اپنا نبی کی محبت /// مشاہدؔ انھیں ہم سے بھی پیار ہوگا

----- ☆☆☆ -----

اہلِ جہاں کرتے ہیں آقا لحہ لحہ ہم کو پریشاں
قلبِ مشاہدؔ سے کردیجے دور خدارا ہر اک کلفت

----- ☆☆☆ -----

زمانہ ہے ان سے طلب گارِ بخشش /// بنایا انھیں رب نے مختارِ بخشش

----- ☆☆☆ -----

اُن سے روشن ہیں شانتی کے چراغ /// امن و انصاف و آشتی کے چراغ

----- ☆☆☆ -----

بیواؤں اور یتیموں کی نصرت نبی نے کی///کمزوروں کو عطا ہوئی توقیر ہر طرف

جو بھی رکھتے ہیں مصطفی سے ربط /// اُن کا ہوتا ہے کبریا سے ربط

تصوف کے مختلف مدارج میں فنا فی الشیخ کے ساتھ فنا فی الرسول کا مقام آتا ہے۔ یہ نازک تر مقام ہے کیوں کہ ایک طرف رب العالمین ہے تو دوسری طرف رحمۃ للعالمین کی ذاتِ اقدس ہے۔ اس پل صراط سے نور کی شعاعیں جب نکلتی ہیں تو مشاہد رضوی جیسے نعت گو شاعر جنم لیتے ہیں جو کامیابی سے اس پل کو پار کر گئے محسوساتی عمل کو واضح کرتے ہیں۔

فردوس بھی ہے جس پر قربان یا رسول /// بے شک وہ آپ کا ہے ایوان یا رسول

----- ☆☆☆ -----

دونوں جہاں کے آپ ہیں سلطان یا رسول /// اس بات پر ہے میرا ایمان یا رسول

----- ☆☆☆ -----

نبیوں کے سردار محمد صلی اللہ علیہ وسلم /// دو جگ کے مختار محمد صلی اللہ علیہ وسلم

----- ☆☆☆ -----

آپ معظم، آپ مکرم صلی اللہ علیہ وسلم /// مرسلِ اعظم، نورِ مجسم صلی اللہ علیہ وسلم
آپ محمد، آپ ہیں احمد، آپ ہیں محمود، آپ ہیں حامد /// آپ سراپا رحمتِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم

----- ☆☆☆ -----

رحمتِ عالم ، نور کے مخزن صلی اللہ علیہ وسلم
دونوں جہاں ہیں آپ سے روشن صلی اللہ علیہ وسلم

عشقِ آقائے دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم میں مشاہد رضوی بہت بلند مقام پر ہیں جہاں سے مقامِ رسالت کا انھیں بخوبی ادراک ہوتا ہے۔

ہیں سراپا نور میرے مصطفیٰ /// ہیں وہی مہرِ عرب ماہِ عجم

----- ☆☆☆ -----

آپ منگتا کو عطا کرتے ہیں بے مانگے شہا /// سب سے اعلیٰ شان والا آپ کا جود و کرم

----- ☆☆☆ -----

آپ یٰسٓ، آپ طٰہٰ، آپ شاہِ انس و جاں /// نورِ یزداں، جانِ ایماں، چارہ سازِ بیکساں

ذہن کو روشن تر اور روح کو بالیدہ کرنے والی محمد حسین مشاہد رضوی کی نعتیہ شاعری فکر کی رسائی و توانائی اور اسلوب کی انفرادیت کا احساس دلاتی ہے۔ ○❖○

علیم صباؔ نویدی (چینئی - تامل ناڈو)

مناظرؔ عاشق ہرگانوی کی نعت گوئی

لفظِ نعت کے لغوی معنی تعریف کے ہیں مگر اصطلاحِ شاعری میں حضور اکرم سرور کائنات صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مدح سرائی یا آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اوصافِ حمیدہ اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دلی وابستگی کو بصد خلوص وعقیدت نذرانہ پیش کرنے کا نام ''نعت'' ہے۔

اردو ادب کے مشہور ومعروف محقق اور نقاد مدیر ''نگار'' پاکستان کا بیان ہے کہ ''نعت'' حضورِ اکرمؐ کی ایسی ثناخوانی ہے جو آپ کی ذاتی خصوصیات پر مشتمل ہو''۔

اگر ہم عہدِ نبوی کے نعت گو شعراء مثلاً حسان بن ثابت، حضرت کعب ابن زہیر، حضرت علیؓ اور حضرت فاطمہؓ کی نعتوں کا مطالعہ کریں تو یہ پتہ چلتا ہے کہ ان کی نعتوں میں خود اپنی حالتِ زار کا ذکر بھی ہے اور حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے استعانت کی درخواست بھی۔

حضرت کعب ابن زہیر کا ''قصیدہَ بانت سعادُ'' جو نعت ہی کے روپ میں تھا جس کو سن کر حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی چادر مبارکہ سے حضرت کعب بن زہیر کو نوازا تھا جس میں کعب ابن زہیر نے حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ارفع واعلیٰ صفات اور خصوصیات کے روشن نقوش پیش کئے تھے۔

اردو ادب میں نعت گوئی کی تاریخ شاہد ہے کہ عربی زبان میں سب سے پہلے نعتِ شریف حضرت ابوطالبؑ نے کہی تھی اور نعت گوئی کا سلسلہ عہد نبوی ہی میں شروع ہو گیا تھا۔ اس عہد کے نعت گو شعراء میں حضرت ابوبکر صدیقؓ، حضرت عمر فاروقؓ، حضرت عثمان غنیؓ، حضرت علیؓ، حضرت فاطمۃ الزہرہؓ، حضرت عائشہ صدیقہؓ کے نام قابل ذکر ہیں۔

مندرجہ بالا نعت گو شعراء کی نعتوں کا ذکر اور اُن کا کلام ماہنامہ ''نقوش'' لاہور کے ''رسول نمبر'' میں موجود ہے۔

پروفیسر محمد اقبال جاوید کا بیان ہے کہ ہر امتی کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اطاعت واتباع کا پیکر ہونا چاہیے اور نعت شریف کہنے والوں کو دوسرے عام افراد کی نسبت زیادہ پابندی کرنی چاہیے کیونکہ وہ نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دعویٰ بھی کرتا ہے اور اس دعویٰ کا اعلان بھی کرتا ہے تو اس کا اپنا ظاہر و باطن اس

دعویٰ پر دلیل ہونا چاہیے ورنہ یہ دعویٰ صرف زبانی کلامی میں شمار ہوگا۔ (مطبوعہ ''آدابِ نعت'' کراچی ۲۰۰۴ء، ص ۱۹۴)۔ پروفیسر اقبال جاوید کے بیان اور دعویٰ کی دلیل کی بہت ساری شہادتیں مندرجۂ بالاشعراء میں نمایاں ہیں۔

مسرت اس بات کی ہے کہ عہد نبوی میں شاعرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم حسان بن ثابتؓ نے محبوبِ کبریا کے حسنِ ظاہری اور جمالِ باطنی کا ذکر اس خوبصورت انداز سے کیا ہے کہ قلم اور کاغذ مشک بار ہوگئے ہیں۔

عہدِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم کا عظیم ترین عطیہ یہ ہے کہ شہنشاہِ عربؐ نے مدینہ منورہ کو ''طیبہ'' کے نام سے سرفراز کیا ہے۔خواجہ بندہ نواز گیسو دراز گلبر گہ کے مقدس شہر کے ایک نعت گو شاعر وحید انجم کی آرزو طیبہ سے متعلق کیا ہے، دیکھئے ؎

مجھے زیارتِ طیبہ نصیب ہوجائے　　قبول دل کی تمنا حبیبؐ ہوجائے

محققینِ ادب نے نعت کا پہلا شاعر محمد قلی قطب شاہ معانیؔ بتایا ہے مگر سچائی یہ ہے کہ محمد قلی قطب شاہ معانیؔ سے بہت پہلے ہمیں عہد سلاطین بہمنی میں حضرت خواجہ بندہ نواز گیسو دراز کی تخلیقات میں نعتیہ اشعار ملتے ہیں۔جس کا ذکر ڈاکٹر محمد علی اثرؔ نے اپنی کتاب ''انکشافات'' (مطبوعہ ۲۰۱۲ء) میں کیا ہے۔

حضرت خواجہ بندہ نواز کے بعد عادل شاہی، قطب شاہی، نظام شاہی اور برید شاہی دور میں جہاں اس دور کے شعراء نے نعت نویسی کی طرف خاص توجہ دی ہے وہیں عہدِ ولاجاہی کے شعراء میں شاہ ترابؔ ترنالمی، ولیؔ ویلوری، قربیؔ ویلوری، نامیؔ آرکاٹی، آثمہؔ آرکاٹی، مذنبؔ آرکاٹی، اماںؔ پلی کنڈوی، فرحتؔ ترچناپلوی، نواب مبشر النساء، حیاؔ آرکاٹی، عاجزؔہ ترچناپلوی نے اپنے اپنے مجموعوں میں نعتیں پیش کی ہیں جن میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ان کا قلبی اور روحانی وابستگی کا پُرنور نقشہ سامنے آتا ہے۔

فی الحال میرے پیشِ نظر عالمی شہرت یافتہ شاعر، نقاد، ادیب اور افسانہ نگار پروفیسر مناظرؔ عاشق ہرگانوی کا نعتیہ مجموعہ ''ہر سانس محمدؐ پڑھتی ہے'' ہے جو اپنی منور سانسوں سے میری ذہنی فضا کو نور انگیز کر رہا ہے۔

مناظرؔ کا کمالِ فن یہ ہے کہ موصوف نے تمام اصنافِ سخن میں فنی نکات اور پابندیٔ فکر کو ملحوظ رکھتے ہوئے کامیاب شعری اثاثہ دنیائے ادب کو دیا ہے۔

مناظر کی نعتوں کے مطالعہ نے راقم کو اتنا احساس تو ضرور دلایا ہے کہ ان کے لاشعور میں نورانی نعتوں کا جذبہ برسوں سے پوشیدہ تھا لیکن اسے شعور تک پہنچنے اور قرطاس کی زمین پر قدم رکھنے میں تقریباً

ساٹھ سال کا وقفہ لگا ہے۔ اگر میں یہ کہوں تو بے جانہ ہوگا کہ مناظرؔ کے اندر کا جذبۂ نعت نویسی برسوں سے درودِ اسمِ محمدؐ میں محور رہا ہے جس کا اظہار موصوف نے یوں کیا ہے ؎

بھیجو درود اُسؐ پہ مناظرؔ نہ کیوں بھلا　　دافع مرے غموں کا محمدؐ کا نام ہے

درود و سلام اپنے پیارے نبیؐ پر　　جو ہیں سب سے اعلیٰ و بالا و برتر

عمل روز محشر یہ کام آئے گا　　درود اُنؐ پہ بھیجو مناظرؔ مدام

محمدؐ شناسی سے خدا شناسی کی منزل تک رسائی حاصل کرنے کے لیے ایک طویل عمر کے ساتھ ساتھ مقاماتِ محمدیؐ کو سمجھنے کا ادراک لازمی ہے۔ اس سلسلے میں مناظرؔ کیا کہتے ہیں دیکھئے:

کوئی کم علم کیا سمجھے نبیؐ کا مرتبہ کیا ہے　　خدا ہی جانتا ہے کہ مقامِ مصطفٰیؐ کیا ہے

پھر مدحتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے متعلق مناظرؔ کا یہ شعر بھی پڑھئے ؎

مدحت کا اُنؐ کی کیسے بشر سے ہو حق ادا　　خود جب خدا ثنا خواں نبیؐ کا دکھائی دے

ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق کی رائے ہے کہ معراج کے تعلق سے دورِ قدیم کے شعراء بہت سی خیالی باتیں مشہور کر دی تھیں۔ مولانا باقر آگاہ ویلوری نے ان کی تردید کی اور صحیح حالات نظم کر کے اصلاحی اور تبلیغی دونوں خدمات انجام دیں۔ مناظرؔ نے بڑے اچھے انداز سے معراج کی تصویر کھینچی ہے جو معراجِ عظمتِ محمدیؐ کی روشن قندیل کی حیثیت رکھتی ہے۔

ہمارے لئے لائے معراج سے جو　　نماز ایسا تحفہ ہے پیارے نبیؐ کا

محبوب کبریا ہیں اسی کا ہے یہ ثبوت　　معراج میں جو عرش پہ مہماں رسول ہیں

معراج مصطفٰیؐ سے صداقت ہے یہ عیاں　　کی جس نے انبیاء کی امامت حضورؐ ہیں

مناظرؔ کے بعض نعتیہ اشعار کے مطالعہ سے ایسا لگتا ہے کہ مناظرؔ نے روضۂ اقدس کے ایک گوشے میں بیٹھ کر یہ اشعار تحریر کئے ہیں جن میں حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت اور بیکراں عقیدت کی خوشبو ہر لفظ سے عکس ریز ہے۔

محمد سر لفظِ کُن، محمد نورِ یزدانی　　بنائے بزمِ دو عالم، بقائے نظمِ حقانی

تخلیق کائنات کی غایت حضورؐ ہیں　　سر پہ ہے جن کے تاجِ رسالت حضورؐ ہیں

اہلِ جہاں کے واسطے ہیں رحمتیں تمام　　بے شک ہمارے درد کا درماں رسولؐ ہیں

مناظرؔ کی غیر معمولی صلاحیتوں کا ماخذ ومنبع یہ ہے کہ موصوف نے نئی نئی زمینوں میں نئے نئے قافیہ نئی نئی ردیفیں نعتیہ شعری ادب کو دی ہیں ان کی فکری تراش وخراش ان کی تمام تر نعتوں میں جلوہ افروز

ہے۔

ہر دن ہے نگاہوں میں مدینہ کا تصور ہر رات ہے خوابوں میں مدینہ کا تصور
زبان پر سدا ہے محمدؐ کا نام وظیفہ بڑا ہے یہی لا کلام
سکونِ قلب و نظر ہے رسول پاک کا نام دوائے درد جگر ہے رسول پاک کا نام
اب جائیں گے ہم بھی مدینہ انشاء اللہ روضۂ آقا، بانم دیدہ، انشاء اللہ
اس زندگی کا مقصد اعلیٰ دکھائی دے وقتِ اجل حضورؐ کا جلوا دکھائی دے
جب بھی کبھی پڑھا ہے صل علیٰ محمدؐ ہر درد مٹ گیا ہے صل علیٰ محمدؐ

ایک جگہ مناظرؔ کا پاکیزہ جذبہ وفکر محرابِ عظمت دل و دماغ سے نکل کر حضورِ اکرمؐ کے روضۂ اقدس کو چومنے لگتا ہے ؎

افکار مرے چومتے ہیں روضے کو نبیؐ کے تابندہ ہے لفظوں میں مدینے کا تصور

مناظرؔ نے حضورِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نورانی عظمتوں کا احاطہ یوں کیا ہے۔

جہانِ فکر پر چھائی ہوئی ہیں ظلمتیں ہر سو محمدؐ عالمِ افکار میں قندیل نورانی
محمدؐ شوکتِ صبر و شکیب و عزم و دانائی محمدؐ پیکر نوری، شکوہِ روح عرفانی
وہ جس کے نور نے بخشا ہے نور آنکھوں کو زمینِ شاہِ عرب کا سرور آنکھوں کو

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا شافعِ محشر ہونا مسلمانوں کا جزوِ ایمان ہے۔ مناظرؔ کیا کہتے ہیں سنیے ؎

محمدؐ رحمتِ عالم، شفیع عرصۂ محشر محمدؐ ذوق فقرانہ، محمدؐ شوق سلطانی
کیا پوچھنا ساقی کوثر بھی ہیں وہی بے شک شفیع روزِ قیامت حضورؐ ہیں
فضلِ خدا ہو تجھ پہ مناظرؔ بہ روز حشر بگڑی تری بنادے شفاعت رسولؐ کی

مناظرؔ نے ایک بڑی اہم سچائی کی طرف اشارہ یوں کیا ہے ؎

وہی جاتے ہیں مکّے اور مدینے محمدؐ مصطفیٰؐ جن کو بلائے

نعت گوئی میں الفاظ کا چناؤ، زور بیان، روانی، سلاست اور پرواز سے ہٹ کر واقعات کی سچائی سے کام لینا ضروری ہے۔ یہ کام مناظرؔ نے بڑے سلیقہ سے متانت سے سنجیدگی کے پاکیزہ حدود میں رہ کر اپنی دلی تمناؤں کا اظہار یوں کیا ہے ؎

روضے پہ حاضری ہو، کروں پیش میں سلام دل میں یہی ہے آرزو، ارمان مصطفیٰؐ
اللہ مناظر کو دکھا شہر نبیؐ تو ڈھلنے لگا اشکوں میں مدینہ کا تصور

اور جب مناظرؔ مدینہ کا تصور اپنی آنکھوں میں سمائے مدینہ کے سفر پر نکلے تو اُن کے دامنِ احساس کا منظر کچھ یوں تھا ؎

چلا ہوں لے کے نذرانہ بس اتنا — آنکھیں نم ہیں کچھ دامن بھی تر ہے

نعت کہنا بہت آسان ہے مگر قلبی واردات اور ذہنی کیفیات کو سہل جذبہ وفکر کے ساتھ ساتھ سادہ اندازِ بیان اور عام فہم الفاظ میں پیش کرنا بہت ہی دشوار ہے۔ دیکھئے مناظرؔ اس فن میں کہاں تک کامیاب ہیں ؎

انسان کیا بیان کرے عظمت رسولؐ کی — قرآن سے آشکارا ہے رفعت رسولؐ کی
مقام ایسا ہے پیارے مصطفیؐ کا — کہ وہ محبوب ہے اپنے خدا کا
دینِ کامل رسولِ خدا ہوگئے — آپؐ عرفانِ حق کا پتہ ہوگئے

بہ حیثیت مجموعی مناظرؔ عاشق کی تمام نعتیں ان کی اختراعی سربلندیوں کی طرف مائل بہ پرواز ہیں گویا موصوف نے قدیم روایات کی مشعل سے ایک اور پُرنور مشعل جلائی ہے جس کی روشنی ہر عاشقِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دل تک رسائی حاصل کرنے میں کامیاب وکامراں ہے۔ O❖O

رشید اختر (دھنباد۔جھارکھنڈ)

نعت کی ہمہ گیری اور ہنداسلامی تہذیب
(محسن کے قصیدے۔مدیح خیر المرسلینؐ۔کے حوالہ سے)

اللہ کے رسول پاک صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں شعری نذرانہ عقیدت یعنی نعت و مدح ہماری زندگی اور عالمی ادب کا ایک نہایت عظیم اور وسیع تر موضوع ہے۔عربی زبان میں نعت شہہ کونینؐ کا آغاز عہد نبوتؐ میں ہوگیا تھا اور عربی زبان میں نعتیہ شاعری کا باقاعدہ آغاز ہجرت کے بعد لسانی جہاد کے انداز میں اس وقت شروع ہوا جب آپ نے فرمایا ''دشمنوں کی ہجو کرو انہیں اپنی ہجو سننا تیر سے زیادہ شاق ہے''۔ ارشاد کریمی کی تحقیق کے مطابق نعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو باقاعدہ صنف سخن کی حیثیت اور شرف قبولیت فتح مکہ کے کچھ عرصہ قبل ملا۔عربی نعت عہد صحابہ اور مابعد صحابہ کے ساتھ ساتھ پھیلتی چلی گئی یہاں تک کہ اندلس، اوڈیچی اور سیریون تک جا پہنچی۔عربی میں شعر کہنے والے ہر جگہ پہنچے جہاں عربی نہیں بولی جاتی تھی وہاں بھی عربی میں نعتیہ شعر اور قصیدہ کہے جانے لگے۔دنیا کا کوئی بھی ملک کسی دور میں بھی ایسے شعراء سے خالی نہیں رہا جنھوں نے اپنی بہترین صلاحیتیں موضوع نعت اور محمود ممدوح ذات کی مدح و توصیف میں صرف نہ کی ہوں۔ورفعنا لك ذكرك کا قرآنی فیصلہ پوری قوت کے ساتھ نافذ ہوا۔ واقعہ یہ ہے کہ ادب نے جتنا اعتناء رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بے مثال شخصیت سے کیا ہے دنیا کی کسی دوسری شخصیت سے نہیں کیا۔یہی وجہ ہے کہ متعدد زبانوں میں بہترین نعتیں لکھی گئیں جن کا ادبی مقام یہ ہے کہ صدیوں اہلِ ذوق کی نوک زبان رہی۔نعت رسول کی عظمت وسعت کا اندازہ موضوعات کی بوقلمی اور رنگارنگی سے بھی بہ آسانی کیا جاسکتا ہے۔عربی نعتیہ شاعری کی روایت کو حال کی صدی میں ڈاکٹر احمد شوقی نے نئی جہتیں دیں اور انہوں نے کائنات نعت میں اظہار و ابلاغ کے نئے آفاق کی تسخیر کی اور عزم نو کے ساتھ وحی افکار کے منقطع سلسلہ کو جاری رکھا۔برصغیر ہند کی نعتیہ شاعری کی روایت بھی کئی صدیوں پر پھیلی ہوئی ہے۔اردو اور فارسی نعت کی تخلیق خالص شاعری میں کی گئی عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے سرشار ہونے کے ساتھ ساتھ شعری روایت کو بھی آگے بڑھایا۔اردو نعت پر عربی اور فارسی دونوں زبانوں کا اثر ہے لیکن عربی کم فارسی کا زیادہ۔فارسی کی طرح نعت کی ایک تابندہ روایت اردو زبان میں بھی قائم ہوئی اور

پروان چڑھی نعت گوئی کے آداب مقرر ہوئے اور شاعرانہ نعتیہ غزلیں اور قصائد وجود میں آئیں۔ فارسی زبان میں شعر وشاعری کی ابتداء نعت شاہ کونین سے نہیں بلکہ مدح وجم سے ہوئی۔ یہ امتیاز اور اعجاز و افتخار تو اردو زبان کو حاصل ہے کہ ''یہ اپنے پیدائش کے وقت سے ہی مومنہ اور کلمہ گو رہی اور اس کی توتلی زبان پر حمد وثنا اور نعت مقبول جاری ہوگئی۔ (ڈاکٹر طلحہ رضوی برق)۔

فارسی کے ابتدائی دور میں اہم قصیدہ گو شعراء ابوشکور بلخی، فرخ سنائی، مسعود غزنوی، منوچہری وغیرہ کی شاعری میں نعت والی کوئی بات نہیں لیکن اس ابتدائی دور کے بعد رسول اللہ ﷺ سے محبت و عقیدت کا جوجذبہ فارسی شعراء کے یہاں موجود تھا وہ رنگ لایا۔ خاقانی شروانی کا نام تو اس دور کے دورہ الصدور درۃ التاج کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ مشہور ہے کہ عرب میں حسان بن ثابتؓ، ایران میں خاقانی شروانی اور ہند میں محسن کاکوروی کے رتبہ کا کوئی شاعر پیدا نہیں ہوا۔ خاقانی ہند محسن کاکوروی نے جب سے نعت کہنا شروع کیا تو پھر زندگی بھر نعت ہی کہتے ہوئے دنیا سے رخصت ہو گئے۔ ان کی نعتوں میں سب سے زیادہ مشہور وہ قصیدہ ہے جس کا عنوان مدیح خیر المرسلینؐ ہے اور جس کا مطلع ہے ؎

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل
برق کے کاندھے پر لائی ہے صبا گنگا جل

اس قصیدے کو نہ صرف محسن کے نعتیہ قصائد میں بلکہ اردو قصائد نعت کی تاریخ میں بھی ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ اردو کے نعتیہ قصائد میں مقبولیت وشہرت اور فنی محاسن کے اعتبار سے صرف ایک قصیدہ کو منتخب کیا جائے تو اسی قصیدے کا نام ذہن میں آتا ہے۔ ''نعت گوئی تو سب کے لیے ہے مگر محسن کاکوروی نعت کے لیے ہیں''۔ نعت گوئی میں حضرت حسان بن ثابت انصاری اور جامی کو اپنی اپنی جگہ جو امتیاز حاصل ہے وہ عربی اور فارسی نعت سے شغف رکھنے والوں سے پوشیدہ نہیں۔ اردو میں اس صنف شعر گوئی کی روایت خاصی پرانی ہے اور تاریخی اعتبار سے اس میں محسن کا کارنامہ قابل لحاظ ہے''۔ (پروفیسر اسلوب انصاری) اور پروفیسر خواجہ احمد فاروقی اس قصیدے کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں۔ ''اس قصیدے میں وہ تشبیب ہے جو خالص عربی شاعری کی چیز ہے۔ اردو میں حضرت محسن اس کے موجد ہیں اور خاتم بھی مگر عربی انداز کی تشبیب کو انہوں نے گنگا جمنا زبان میں کاشی متھرا کا بھبھول ملا کر اچھوتے انداز میں پیش کیا ہے۔ گویا وہ اقبال کی زبان میں کہہ گئے ہیں ''نغمہ ہندی ہے تو کیا نئے تو حجازی ہے میری'' (اقبال) یہ قصیدہ ایک جداگانہ اسلوب کا نمائندہ ہے۔ اس کی فضا ہندی عناصر سے تیار کی گئی ہے۔ محسن نے نعت کے موضوع کے لیے ہندو مذہب اساطیر کی علامتیں استعمال کی ہیں اور

الفاظ وتراکیب کی مدد سے نہ صرف مقامی ماحول پیش کیا ہے بلکہ ہندوانہ رسم و رواج اور مذہب وتہذیب کے خاص روایات تقریبات وتلمیحات کی کثرت نے اس نعتیہ قصیدے کی فضا کو ہندوستانی مناسبات سے رنگ دیا ہے۔اس تشبیہ کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں ؎

گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل — جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے ایک طول امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن سے ابھی — کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کولے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی — ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل
دیکھئے ہوگا شری کرشن کا کیونکر درشن — سینۂ تنگ میں دل گھر میں ہوں کا ہے بےکل
راکھیاں لے کے سلونوں کی برہمن نکلیں — تار بارش کا نو ٹوٹے کوئی ساتھ کوئی بل
اب کے میلہ تھا ہنڈولے کا بھی گرداب بلا — نہ بچا کوئی محافہ نہ کوئی رتھ نہ بہل
ڈوبتے جاتے ہیں گنگا میں بنارس والے — نوجوانوں کا سنیچر ہے یہ بڑھوا منگل

اس قصیدے میں محسن نے حیرت انگیز حد تک ہندی الفاظ و متعلقات کو اپنے محل وقوع کی مناسبت سے استعمال کیا ہے۔پوری فرہنگ پر ہندو مذہب و معاشرت کی گہری چھاپ ہے، مثلاً کاشی، متھرا، گنگا جل، گوکل، جمنا، مہابن، تیرتھ، برہمن گوپیوں، شری کرشن، راکھیاں ہنڈولے کا میلہ، رتھ، کھم، کوشل، جوگی، بھبھوت، بروگی، پریت، راجا اندر، کنہیا مندر، گھاگھرا جیسے الفاظ کے استعمال نے اس قصیدے کی پوری فضا کو ہندی رنگ میں رنگ دیا ہے۔قصیدے کے مضمون اور اس کی پیشکش پر ہندوستانی طرز معاشرت تہذیب وتمدن اور ہندومت کے اثرات بھی پڑے ہیں۔ہندو معاشرے میں معروج بھجنوں کے تلازمات و مناسبات علائم و رموز تشبیہات و استعارات اور راگوں کے استعمال نے قصیدے کے داخل کی طرح خارج کو بھی متاثر کیا ہے۔پروفیسر عبدالحق کا خیال ہے کہ نعت گوئی میں ہی نہیں بلکہ قصیدہ نگاری کی تاریخ میں محسن کاکوروی کا نعتیہ قصیدہ بےنظر و بےمثل ہے۔نعت میں برگزیدہ تشبیب اور والہانہ گریز جس منظرنامے سے نمودار ہوتے ہیں وہ تمام وکمال ہندی اساطیر وعقائد سے مستعار ہیں اور قصیدے کی لفظیات اور اشعار کی بڑی تعداد ہندی تلمیحوں اور استعاروں سے مزین ہے۔محسن کی تشبیب اگرچہ بہاریہ ہے لیکن اس کے انداز اور مضامین پر ہندوستانی تہذیب و معاشرت کے گہرے اثرات ہیں۔نعتیہ قصائد کی تاریخ اس اعتبار سے نہ صرف مختلف ہے بلکہ منفرد اور اپنے نوع کی بالکل نئی چیز ہے۔نعتیہ قصیدہ کا یہ انداز خالصاً ہندوستانی اثرات سے عبارت ہے۔اس سے پہلے عربی وفارسی نعت اس طرز اظہار سے قطعی ناآشنا تھی۔ممتاز تنقید نگار پروفیسر محمد حسن عسکری محسن کے اس قصیدے کا تجزیاتی مطالعہ

پیش کرتے ہوئے اپنے ایک سوال ''آخراس نظم میں ایسی کیا بات ہے جوآج سے سوسال پہلے ہماری اجتماعی روح کی کسی پوشیدہ رگ کو چھوگئی ہے، کے جواب میں اس قصیدے کی مقبولیت کی تاریخی وتہذیبی پہلوؤں پر تفصیل سے بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں: ''محسن نے عناصر فطرت میں ایسی زندگی کی لہر دوڑائی ہے روح فطرت کی تازگی اس طرح نچوڑی ہے، انسان وفطرت میں وہ انضباط پیدا کیا ہے کہ نہ صرف ہنداسلامی تہذیب بلکہ پوری اسلامی تہذیب میں اس نظم کا خاص مقام ہے۔ فطرت کے علاوہ دوسری چیز جسے تحسین نے جذب کرنے اور اسلامی تصورات کے ساتھ انضباط دینے کی کوشش کی ہے۔ مقامی عناصر میں خصوصاً وہ عناصر جن کا تعلق سری کرشن سے ہے۔ عربی وفارسی الفاظ اور ہندی الفاظ کا سنگم بھی معنویت سے خالی نہیں اور اضداد کی امتزاج پر دلالت کرتا ہے۔ الفاظ کے ذریعہ محسن نے ہندو عرب کو ملا دیا ہے۔

ہندوستان اور اسلام کے ہمہ جہت تاریخی تسلسل اردو زبان کے آغاز کی تہذیبی، معاشرتی اور سیاسی وفکری پس منظر کا جائزہ لیتے ہوئے ماہر لسانیات ڈاکٹر تاراچند بھی کچھ اس طرح لکھتے ہیں: ''نہ صرف ہندو مذہب فن وادب اور حکمت نے مسلم عناصر کو جذب کیا بلکہ خود ہندو تمدن کی روح اور ہندو ذہن بھی تبدیل ہوگیا اور مسلمانوں نے زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کیا اور ساتھ ساتھ ایک نیا لسانی امتزاج بھی پیدا ہوا''۔ اردو شعر وادب اور عربی ادبیات خصوصاً نعت و مدح کے مشہور نقاد ڈاکٹر عبداللہ عباسی ندوی نے بھی اس قصیدے کے سلسلہ میں ایک اہم سوال اٹھایا ہے کہ ''شاعر نے برنھوں، متھرا، کاشی، دریاؤں گنگا جمنا اور ہندوستان کی مقدس شخصیات گوکل اور کرشن کنہیا کا نام تشبیب میں کس مناسبت سے ذکر کیا ہے؟ اور مدح نبوی سے ان کا کیا ربط ہے''؟ اس اہم سوال کے جواب میں برعظیم ہندوستان کی مذہب تاریخ تہذیب وتمدن اور ثقافت بھگتی وتصوف کا پورا منظر نامہ جگمگا اٹھتا ہے۔ ہندوستان کئی ہزار برس قدیم تہذیب وثقافت وکلچر کا گہوارہ رہا ہے، جو مختلف علوم ولسانیات مختلف روحانی مذہبی روایتوں کے ایک وحدت فکر میں مرتکز ہے۔ صدیوں اور جگوں میں پھیلے مہا بھارت میں اس کی جڑیں تلاشی گئیں۔ اور مہاتما بدھ کے گیان نروان میں بھارت کی کھوج ہوئی۔ قدیم مذہبی کتب (پرانوں) میں وکرشن کی چرچائیں ہوئیں۔ متھرا اور ورندبن کرشن مہاراج کی گرم بھومی وید کے نغمات سرمدی سے گونج اٹھی۔ الٰہ آباد (پریاگ) دریاؤں کا سنگم اور کاشی نگر کے سمادھی گھاٹ پر باقیات زندگی کے راکھوں کے بکھراؤ کو اصل نجات سمجھا گیا اور اسی کاشی نگری میں رام چرترمانس کے تخلیق کار گوشوامی تلسی داس نے نیا بن محمدؐ پار نہ ہوئی'' کہہ کر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو نجات کا ذریعہ اور وسیلہ بنایا۔ بوٹھی رام سنگ کے یہ بند ملاحظہ ہوں ؎

دیس عرب میں بھر کتھا بائی
سوتھل بھوم گل سنو کھک رائی
تیز سلام سمت جری تن کی تلسی ہوئی بہو بہاری
تب لگ حور سندرم کوئی نیا بن محمدؐ یار نہ ہوئی

ہندوستان کے ایک مستند گرنتھ کلکی پران جس میں کلکی اوتار کی نسبت ایک پیشن گوئی درج ہے۔ یہ پیشن گوئی حرف بہ حرف حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر پورے طور پر صادق آتی ہے۔ بارہویں چاند سندھی ماہ بیساکھ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری اور حضرت خدیجہؓ سے آپ کا نکاح، غار حرا میں دور نخت اور نزول وحی تک کے احوال درج ہیں بولوکلکی اور شری محمدؐ رسی کی جئے ہو۔ شنکر منتھ کا ادوتیا آٹھویں صدی عیسوی میں مرتب ہوا۔ یہ وحدت الوجود کا عظیم نظریہ ہے۔ ۳۰۰ صدیوں میں سو سے زیادہ اپنیشد لکھے گئے راماین اور مہابھارت جیسی عظیم المثال داستانیں شعر حماسہ میں لکھی گئی جو عظیم اور ارفع ترین کارنامہ ہے۔ بھرتری بھری جیسا عارف شاعر پیدا ہوا اور یہاں کے کولوں اور رشیوں نے خدا کی حمد مناجات سرشاری میں گایا۔ سنت وصوفی شاعر کبیر نے قرآن کے علم سینہ بہ سینہ اور جلوہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی شاعری کا محور بنایا جو بھکتی وتصوف کا امتزاج ہے۔ ''پانچ پچیس محمد بہت سرآڑی پربل مہیا (کبیر) سے پہلے امیر خسرو جو ہندوستان، ہندو اسلامی تہذیب ہندوستانی رسم ورواج اور ہندوی زبان کے دلدادہ میں وہ ہندوئی کو ہندوستان کی طوطی کہتے تھے۔ ''ترک ہندوستانم من ہندی گویم'' (جے من ہندوی یورسانا نفر گویم) اپنے پیرومرشد حضرت نظام الدین کے وصال پر خسرو کا یہ شعر بہ زبان ہندوی بہت مشہور ہے'' گوری سوئے سیج پر مکھ پر ڈارے کیش'' موت کی ابدی حقیقت کی ایسی سچی تصویر خسرو کے صوفیانہ مزاج کی شاعری کا جیتا جاگتا نمونہ ہے۔ خالص ہندوی زبان میں نعت کے اولین نمونوں میں خسرو کا یہ شعر ایک خاص مقام کا حامل ہے ؎

گھی کے دیا یارو نندی
سورے گھر آئے محمدؐ با

چنانچہ محسن کے فکر وجدان میں بھی اپنے وطن ہندوستان کی عظیم روایت اپنے خالص اور رافع سطح پر پوری طرح کارفرما ہے، اسلامی ثقافت وتمدن علوم وفنون اور تعلیمات وافکار نے جہاں ہندوستان کے سماجی زندگی کے مختلف شعبوں کو متاثر کیا وہیں ہندوستان کے مقامی اور زمانی کیفیات واثرات راگ رنگ اور ہندو بھکتی تحریک کی روح کو جذب کرتے ہوئے اسلامی تصورات کے انضباط دینے کی کوشش کی

گئی ہے۔ ادب اپنے ماحول کی تخلیق ہوتا ہے۔ وہ اپنے ماحول کو متاثر بھی کرتا ہے۔ چنانچہ مختلف تصورات کی رنگا رنگی نے اس قصیدے میں ایک تہذیبی وحدت کی صورت میں پیدا کردی۔ محسن کاکوروی کے قصیدے میں اس طرز تشبیب کا مقصد آخری نبی حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بعثت سے قبل ہندوستان میں ہندو تہذیب معاشرت کی تصویر دکھانا ہے جو آپ کی نبوت و رسالت کی روشنی آنے کے بعد اسلامی تہذیب میں ڈھل گئی۔ خود محسن کاکوروی کے حیات میں اس تشبیب پر اعتراض ہوا تو انہوں نے اس کا یہی جواب دیا۔ کلیات نعت محسن میں وہ اشعار موجود ہیں جس میں اس طرز تشبیب کی توجیہہ کرتے ہیں ؎

تاہم اک لطف ہے خاص اس میں جو سمجھے دانا
کہ سخن گو کو ہے نازش کا محل
پڑھ کے تشبیب مسلماں مع تمہید و گریز
رجعت کفر باایماں کا کرے مسئلہ حل
چشم انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہہ
نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
غلبہ و سطوت کے ظلمت کے بیاں میں مضمر
شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا ستاصل

وہ متاثر تھے، ہاں ضرور کہہ سکتے ہیں کہ ہندو تہذیب و روایت و مذہب رجحان کا محسن نے گہرا مطالعہ کیا تھا اور اس کو قریب سے دیکھا تھا۔ اس کے تمام اصطلاحات سے واقف تھے۔ اس لیے وہ اپنے صریر کلک کے جابجا بھٹکنے کا یوں ذکر کرتے ہیں قصیدے میں ؎

کتنا بے قید ہوا کس قدر آوارہ پھرا
کوئی مندر نہ بچا اس کے نہ کوئی استھل
کبھی گنگا پہ بھٹکتا ہے کبھی جمنا پر
گھا گھرایہ کبھی گذارا کبھی سوئے چمل
چھینٹے دینے سے نہ محفوظ رہے قلزم نیل
نہ بچا خاک اڑانے سے کوئی دہشت و جبل
ہاں یہ سچ ہے کہ طبیعت نے اڑایا جو غبار
ہوئی آئینہ مضمون کی دو چنداں صیقل

رویئے معنی ہے بھٹکنے میں بھی اعلیٰ کی طرف
ناکتا ہے تو ثریا کی سنہری بوتل
اک ذرا دیکھئے کیفیت معراج سخن
ہاتھ میں جام زحل شیشہ اور زیر بغل
گرتے پڑتے مستانہ کہاں رکھا پاؤں
کہ تصور بھی وہاں جا نہ سکے سر کے بل
یعنی اس نور کے میدان میں پہنچا کہ جہاں
خرمن برق تجلی کا لقب ہے بادل

محسن کا قصیدہ لامیہ ایک ایسا سدابہار تحفہ ہے جسے پڑھ کر شام جاں معطر ہوجاتے ہیں ۔اس قصیدے کو لکھتے وقت محسن کو نہ کسی صلہ کی توقع تھی نہ کسی بادشاہ یا نواب سے انعام واکرام حاصل کرنے کا خیال مصنف تاریخ قصائد اردو جلال الدین احمد جعفری لکھتے ہیں کہ اس کلام پاک کو پڑھ کر یقین ہوجاتا ہے کہ اس کا مداح فی الحقیقت عاشق وصادق ہے۔اہل ہوس نہیں،جذب صادق کا اظہار نہایت پُرتکلف اور پُرتصنع انداز سے ہوا ہے۔نعت گوئی میں تشبیہہ استعارات،مبالغہ واغراق تلازمات ومراعاۃ النظیر سب کچھ موجود ہے اور بحالی کمال موجود ہے ؎

یہ ہے خواہش کروں میں عمر بھر تیریؑ ہی مداحی
نہ اٹھے بوجھ مجھ سے اپنی دنیا کی خوشامد کا
(محسنؔ)

محسن کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بے پناہ محبت وکمال ارادت تھی وہ قصیدہ خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم میں پورے طور پر واضح ہے۔فن کے لحاظ سے اور مضمون وہیئت کے اعتبار سے یہ قصیدہ اپنی مثال آپ ہے۔نعتیہ قصائد کی تاریخ میں یہ قصیدہ اس اعتبار سے نہ صرف مختلف بلکہ منفرد اور اپنی نوع کی بالکل نئی چیز ہے۔ بقول ڈاکٹر فرمان فتحپوری ''یہ تشبیب نعتیہ قصائد کی تاریخ میں بالکل اچھوتی ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت ومحبت کے بیان میں ہندوستان کی تہذیبی اصطلاحات کا سہارا کچھ اس سے پہلے کسی نے نہیں لیا تھا عام طور پر قصیدے کی تشبیب ان ہی بندھے ٹکے الفاظ واصطلاحات وتشبیہات میں کہی جاتی ہے جو عربی و فارسی شعراء کے ذریعہ اردو میں مروج و مستعمل ہے۔محسن کاکوروی نے قصیدے کی تشبیب میں جس مقامی رنگ سے کام لیا تھا اسے بعض شرعی حلقوں میں ناپسندیدگی کی نگاہ سے

دیکھا گیا اور طرح طرح کے اعتراض اٹھائے گئے۔ جیسے ''مذہبی یا روحانی پیشواؤں کو اوتار سمجھ کر انہیں خدائی صفات سے متصف گردانا جاتا ہے۔ دیوتاؤں کے روح میں جو بھجن نظم کیے جاتے ہیں ان کے مضامین میں دیوتاؤں کے حسب مراتب کا فرق نہیں کیا جاتا اور تخیل کو آزاد چھوڑ دیا جاتا ہے''۔ فن نعت کی پہلی تنقیدی کتاب کے مصنف ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق صاحب نے ان اعتراضات کے جواب میں محسن کے استاد امیر مینائی کا یہ جواب پیش کیا جاسکتا ہے۔

''الغرض کلام اساتذہ حقیقت سناسان تشبیب وقصیدہ پر پوشیدہ نہیں کہ مضامین میں تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ مناسبت کی قید ہے کہ حمد ونعت ومنقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اس کی رعایت رہے''۔ مرزا اسد اللہ خان غالب دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے: ''صبح کہ در ہوائے پرستانی دوش'' معترضین کے جواب میں حسن عسکری نے دفاعی انداز میں اس طرح دیا ہے ہر قصیدہ نگار کی طرح محسن نے بھی تشبیب پر مدح کی نسبت زیادہ زور دیا ہے اور تشبیب کی ملاحت بیان آگے چل کر کم ہوگئی ہے۔ سری کرشن کے مناسبات جس چٹخارے کے ساتھ نظم ہوئے ہیں وہ بھی کہتے ہیں کہ کفر کوئی ایسی چیز نہیں جس سے گھبرایا جائے خصوصاً قصیدہ کے خاتمے کا یہ شعر ؎

کہیں جبرئیل اشارے سے کہ ہاں بسم اللہ
سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل

صاف اعلان کرتا ہے کہ اسلام نے کفر کو قبول کرلیا۔ ''اس قصیدے کی سب سے بڑی جذباتی معنویت یہی ہے اسلام کو چھوڑے بغیر کفر اسلام کا امتزاج اور یہی اس قصیدے کے معنویت کا راز ہے''۔ لیکن محمد حسن عسکری ایک اور الجھن میں مبتلا ہیں، یہاں ایک دوسری الجھن یوں نکلتی ہے کہ محسن اچھے شاعر ہیں لیکن یہ بات مناسب تھی کہ وہ دربار رسالت مآبؐ میں ایسا جذبہ، ایسا لب ولہجہ، ایسا اندازِ بیان لے کے پہنچیں۔ اس سوال کے جواب کے لیے اردو قصیدہ کی ابتداء خصوصاً نعتیہ قصائد کے تعلق سے ولی دکنی، مرزا سودا اور انشاء کے حوالہ سے گفتگو ضروری ہے۔ اردو میں پہلے پہل نعتیہ قصائد لکھنے کی سعادت ولی دکنی کو نصیب ہوئی، دلی سے سودا تک کا فاصلہ ہماری شاہ راہ ادب پوری ایک منزل کا حکم رکھتا ہے۔ اس عرصہ میں جو تبدیلیاں زبان وبیان میں ہوئیں ان کا مجموعی تاثر سودا کے نعتیہ قصیدے میں نمایاں ہے۔ قصیدے کی تشبیب کو اخلاقی مضامین سے سنوار کر نعت کی تمہید کو مدح سے ہم آہنگ کیا گیا ہے۔ سودا نے اردو قصیدے کو زور بیان منفرد زمین وآہنگ ذخیرہ الفاظ رام، روان، ہنومنت، بسمت ارجن بھیم، کنہیا گوپی اس میں عشق مجازی سے بیزاری کا اظہار ہے اور کفر کو دل سے نکال کر دین محمدیؐ

میں داخل ہونے کی تلقین ہے ؎

نکال اس کفر کو دل سے کہ اب وہ وقت آیا ہے
برہمن کو ضم کرنا ہے تکلیف مسلمانی
(سوداؔ)

بقول پروفیسر عبدالحق ''انشا نے ان ہی (سودا) کے قصائد کے ماحول کو اشتراک فکر کا محور بنا دیا۔ سانگ، مکت، کنہیا گو پیاں، چھاؤں گوکل، نگر رادھا، عنبر امور کرمل گنج پر متھرا نگر جمنائیت، راجا اندر، اکھاڑا بسنت ہوئی دیوالی، گلشن سوالیہ سے وابستہ تصورات کے جہاں معانی جگمگا رہا ہے اشعار ملاحظہ ہوں ؎

بنے ہوئے ہیں رادھا کہیں کنہیا جی
پیمبر اوڑھے ہوئے سر پہ رکھے موڑ مکٹ
وہیں کربل کنجیں تھیں اور بندرانن
سہانی دھن وہی مربی کی لے دی ہنسی فٹ
نہانے دھونے میں وہیں ٹھیک ٹھاک سب باتیں
وہ گوکل لرر متھرا نگر وہ جمنائٹ

انشاء کے قصیدہ میں ان ہی تصورات کے حوالہ سے اپنے کو مطمئن کرتے ہوئے محمد حسن عسکری لکھتے ہیں ''ایسے استعارات کے ذریعہ عالم رنگ و بو کے تنوع اور زندگی کی ہماہمی تو انشاء بھی پیدا کر لیتے ہیں اور یہ چیز محسن کے یہاں بھی موجود ہے۔ مگر محسن انشاء سے آگے نکل جاتے ہیں کہ ان کے پورے نعتیہ کلام پر عقیدہ جاری وساری ہے کہ کائنات کے مختلف تنوع کے پیچھے ایک وحدت پنہا ہے۔ اور یہ وحدت ہے احمد بلا میم کا نور۔ چنانچہ استعارات کی کثرت میں معنی کی وحدت پوشیدہ ہے چونکہ ہر چیز کی حقیقت۔ وہی ایک ہے اس لیے ایک چیز کا بیان دوسری چیز کی اصطلاح میں ہو سکتا ہے۔ اور ہر جگہ بلا جھجک استعارات لیے جاسکتے ہیں۔ کیونکہ ہر چیز د قیع ہے۔ اگر ہر چیز کے پیچھے حقیقت محمدیؐ ہے تو ہر جاندار ہے اور اپنے اصل کی طرف راجع ہے۔ اس عقیدت کی قوت سے محسن نے کائنات کی ہر چیز کو سمیٹ کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قدموں میں لا ڈالا ہے''۔ (محمد حسن عسکری) ایسے پرخوار اور پُرخطر راہوں میں محسن کی شاعری میں حسن کاری سے رشید احمد صدیقی بھی خاصے متاثر ہیں، ایک اقتباس ملاحظہ ہو:

''جہاں تک شاعرانہ حسن آفرینی وحسن کاری میں محسن کاکوروی کے کمال کا معترف ہوں کسی

پُرخاراور پُرخطرراہوں سے کہیں لطف متانی سے گذرے ہیں کہ بےاختیاردل سے تحسین نکلتی ہے۔لیکن محسن کے یہاں صناعی ہے سپردگی نہیں تخیل کی رعنائی ہے روح کی وارفتگی نہیں سخن ہے شغف نہیں''۔رشید احمد صدیقی کچھ تو لکھنو کی شاعری اور پھر محسن کے مزاج میں جو ولولہ، شوخی، جولانی اور نشاطیہ کیفیت تھی اسے نعت گوئی میں اکثر بدلنے کی کوشش نہیں کی چنانچہ موضوع کے تقدس نے ان کی شوخی کو بھی سنجیدگی اور پاکیزگی عطا کردی۔بے دھڑک خیال آرائی اور مضمون آفرینی کر کے محسن نے تصنع کو خلوص میں بدل دیا۔قصیدے کے لیے شوکت والفاظ لازمی قرار دی گئی ہے۔چنانچہ محسن کے قصیدے میں ایک اعتراض خالص ادبی نوعیت کا یہ بھی ہوسکتا ہے۔جلال الدین سحر لکھنوی صنف قصیدہ میں خاص قدرت رکھتے ہیں۔ انہوں نے ارباب دولت کے علاوہ بزرگانِ دین کے شان میں قصیدے لکھے۔ان کے اشعار میں زبان کی صفائی اور روانی کے علاوہ زور بیان بھی موجود ہے لیکن جلال الدین احمد جعفری اپنی تاریخ قصائد اردو میں لکھتے ہیں کہ ان کی (جلال سحر) زبان متانت قصائد کے لیے موزوں نہیں سحر کی زبان کا نمونہ دیکھئے:

اے ہوا جا کے بنارس سے اڑا لا بادل
چاہیے ہندوی سوسن کے لیے گنگا جل
قمریاں کہتی ہیں مستی میں جو چلتی ہے ہوا
پھول ہنس ہنس کے یہ کہتے ہیں سنبھل دیکھ سنبھل
آج تو خوب صحابی کھل کر بوہارو
فکر فردا نہ کرو دیکھ لیا جائے گا کل
آن کرشرون کے تھالوں میں بنائے نئی لال
سوکھتے سوکھتے ہو جاتے ہیں بالکل برمل
کس قدر کتابوں میں جمع ہیں کلہائے فرہنگ
یہ بڑے دن کے لیے ہوتی ہے کونسل

سحر کے اس قصیدے میں زمین بھی محسن کے قصیدے لامیہ کی ہے اور زبان بھی لیکن جعفری صاحب کو سحر کی زبان ''متانت قصائد کے لیے موزوں نہیں''۔جب کہ محسن کا یہی عیب ہنر بن گیا اور جلال الدین احمد جعفری محسن کی پُرزور طبیعت اور رسائی وفکر کی قوت و بلندی سے بہت متاثر ہیں۔صاحب گل

رعنا بھی ان ہی صفات کو گنواتے ہیں۔ مضامین کی بلند پروازی، الفاظ کی شان وشکوہ بندش کی چستی استعاروں کی رنگینی تلمیحات بلاغت کلام اور سخن آفرینی وغیرہ۔ محسن نے جس شائستگی اور خوش سلیقگی سے لکھنوی دبستان شاعری کے عناصر فنی تشبیہات واستعارات، تراکیب، حسن تفلیل، تلمیحات، سراپا نگاری، زبان وبیان کی نفاستیں، مضمون آفرینی اور رعایت لفظی وغیرہ کو نعت کے موضوع میں برتا۔ اس سبب ان کا کلام نہ صرف تاریخ نعت میں بلکہ تاریخ شعر وادب میں بھی ایک مقام رکھتا ہے۔ محسن نے اردو نعت کو فنی معیار سے ہم کنار کیا اور اردو نعت کی وہ روایت جس کی ابتدائی نمونے جنوبی ہند کے شاعروں کے تصنیفات میں ملتے ہیں۔ اپنے ارتقائی و تشکیلی دور سے گذرتی ہوئی محسن کے شغف و وابستگی نعت اور اعلیٰ تخلیقی صلاحیتوں کے سبب ایک مستقل فن کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ اگر نعت کو محسن جیسا شاعر نہ ملتا تو یہ فن اور بہت عرصہ تک تشنہ تکمیل ہی رہتا۔ بقول جلال الدین احمد جعفری محسن نے نعت کو فن شریف بنایا حقیقت ہے کہ محسن نے اردو نعت کو عالمی وقار عطا کیا اور قرآن وحدیث اور علوم وفنون کے مختلف حوالوں کے سبب ان کی نعت گوئی بلیغ اور وسیع ہے۔ اس کے ساتھ ہندی عناصر کے دلآویز کیفیت شعری نے ان کی شاعری میں حسن وتاثیر پیدا کی۔ مضمون آفریں اور تخیل کی رنگ آمیزی کو قرآن وحدیث کے دائرے سے باہر جانے نہیں دیا۔ یوں ان کی شاعری افراط وناہمواری کا شکار ہونے سے بچ گئی۔ ○❖○

ڈاکٹر سراج احمد قادری (مدیر: دبستانِ نعت)

نعتِ نبی اکرمؐ: نظریاتی افکاروخیالات کی نذر

(تین کتابوں کے حوالے سے ایک مکالمہ، ایک محاکمہ)

نعتیہ ادب کے حوالے سے اس وقت تین اہم کتابیں میرے پیش نظر ہیں۔ اولاً ''نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ'' ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی، جوان کا تحقیقی مقالہ ہے۔ جس پر راجستھان یونیورسٹی، جے پور، راجستھان نے ان کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری ایوارڈ کی ہے۔ دوسری ''نعت گوئی اور اس کے آداب'' جو پروفیسر عبداللہ شاہین صاحب (ایوارڈ یافتہ) کی ادبی و تحقیقی کتاب ہے۔ اور تیسری کتاب ''عربی میں نعتیہ کلام'' جو مشہور اسلامک اسکالر ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (مرحوم) سابق استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماءؒ، لکھنؤ و سابق استاذ جامعہ ملک عبدالعزیز، مکۃ المکرمہ کی ہے۔ تینوں کتابوں کا موضوع صرف اور صرف نعتیہ شاعری ہے۔ جب ہم ان کے لکھنے والوں پر ایک گہری نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں تینوں حضرات دانشوروں کی صف میں بھی صف بستہ نظر آتے ہیں اس لیے کہ تینوں حضرات کے پاس ڈاکٹریٹ کی ڈگری ہے۔ مگر جب ان کی فکری تب و تاب پر نظر ڈالتے ہیں تو ہمیں ان تینوں حضرات کے مابین بعض مقامات پر افکار و خیالات میں تفاوت نظر آتا ہے۔ اپنی بات کو آگے بڑھاتے ہوئے بحث یا گفتگو کا آغاز ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی صاحب کے تحقیقی مقالہ ''نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ'' سے کرتے ہیں۔

ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی صاحب نے اپنا مذکورہ مقالہ ڈاکٹر ریاض الدین۔ شعبۂ اردو راجستھان یونیورسٹی، جے پور کی نگرانی میں قلم بند کیا ہے۔ ڈاکٹر صاحب کے مذکورہ مقالے پر مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی، مہتمم دارالعوم ندوۃ العلما، لکھنؤ، مدیر البعث الاسلامی، لکھنؤ، و پروفیسر عبدالحق، سابق صدر شعبۂ اردو، دہلی یونیورسٹی، دہلی وغیرھم جیسی عظیم شخصیات نے دل نواز نظریاتی مقدمے تحریر کیے ہیں، پروفیسر عبدالحق صاحب نے تو ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی صاحب کے مذکورہ مقالے کو ڈاکٹر ریاض مجید، فیصل آباد کے تحقیقی مقالہ ''اردو میں نعت گوئی'' کے بعد دوسری سب سے بڑی کاوش قرار دیا ہے، چناں چہ وہ تحریر فرماتے ہیں:

''یہ میرا ذاتی تاثر ہے اور کسی استصواب کے بغیر عرض کر رہا ہوں کہ ڈاکٹر ریاض مجید (فیصل

آباد) کے بعد یہ دوسری سب سے دلاویز پیش کش ہے۔ جس کے لیے میں فخر بے جا کا جواز بھی رکھتا ہوں۔''[1]

نیز آگے چل کر اپنے اسی مقدمے میں تحریر فرماتے ہیں:

''بغیر کسی ادعایت کے عرض کرنا چاہوں گا کہ یہ مقالہ ایک طرح کا دائرۃ المعارف یا انسایکلو پیڈیا ہے، جس میں نعت شہ کونینؐ سے متعلق ممکنہ معلومات کا ذخیرہ جمع کر دیا گیا ہے۔ ان کے متعلقات بھی زیر بحث لائے گئے ہیں۔ عربی فارسی، اور اردو کے نعتیہ تحقیق کاروں کو ترتیب کے ساتھ تذکرے میں شامل کیا گیا ہے۔ بہ صورت دیگر یہ ایک ارتقائی تاریخ کے لیے بھی حوالے کی حیثیت رکھتا ہے۔ نعت کے اس خوشہ وخرمن کے مجموعے کو برق وباراں کا کوئی خطرہ نہیں ہے۔ راقم ان کی کاوش کو ہدیہ تبریک پیش کرتا ہے کہ انہوں نے ادب وانتقاد کو ارجمندی بخشی ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ ہماری کوتاہ بینی نے نعت کو صنف شاعری قرار دینے میں بخل برتا۔ اگر مثنوی ومرثیہ اصناف شعر تسلیم کیے جاسکتے ہیں۔ اور نصاب میں شامل ہو سکتے ہیں۔ تو نعت سے گریز پائی کیوں ہے؟ تنگ دلی اور ترقی پسندی ہی سنگ راہ بنی۔ نام نہاد نظریہ اور ایک خاص عقیدے نے اس صنف ادب کو جز ونصاب نہ بننے دیا''[2]۔

ڈاکٹر صاحب نے تحریر فرمایا ہے کہ ''نام نہاد نظریہ اور ایک خاص عقیدے نے اس صنف کو جز و نصاب نہ بننے دیا'' ڈاکٹر صاحب کو اس نام نہاد نظریے اور اس خاص عقیدے کے لوگوں کی وضاحت و پہچان اپنی اس تحریر میں کر دینی چاہیے تھی جس سے کہ ان لوگوں کا محاسبہ اور محاکمہ کیا جاسکتا۔ اور میری دانست میں اس حقیقت کا انکشاف تو ان کو بہت پہلے ہی اہل علم وادب کے سامنے کرنا چاہیے تھا جس وقت کہ وہ دہلی یونیورسٹی کے صدر شعبۂ اردو تھے۔

ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی صاحب کے مقالے کا موضوع ''نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ'' ہے۔ ڈاکٹر صاحب کو تو چاہیے تھا کہ وہ اپنے موقف پر قائم رہ کر نعت گوئی کے موضوعات پر قرآن واحادیث، سیرتِ رسول اکرمؐ اور صحابۂ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین نیز دربارِ رسالت مآبؐ کے ان جلیل القدر شعرائے کرام کے اقوال واشعار سے ان موضوعات کی تحقیق وتفحص کر کے نشان دہی کرتے جس سے کہ عصر حاضر یا بعد کے نعت گو شعرا یا نعت خواں حضرات کو راہ راست کی ضیا ملتی۔ مگر ایسا نہ کر کے انہوں نے اپنے اس تحقیقی مقالے کو بالکل نظریاتی مقالہ بنا دیا اور گھما پھرا کر وہی باتیں تحریر کی ہیں جو ان کے اپنے من کی بات یا ان کا اپنا خود کا عقیدہ ونظریہ ہے۔ بہتر تو یہ ہوتا کہ جب ان کو نظریاتی مقالہ لکھنا ہی تھا تو وہ

کسی اور موضوع کا انتخاب کرتے۔ اتنے حساس اور نازک موضوع کا انتخاب بہت سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے تھا۔ اور اگر توفیق رب سے انہوں نے اس موضوع کا انتخاب کر ہی لیا تھا تو قلم کی دھار کو بہت سنبھال کر استعمال کرتے اس لیے کہ نعت نبی اکرمؐ سے عشاق جہاں کے دل وابستہ ہیں۔ عشاق رسولؐ کے احساس کا اندازہ میر تقی میرؔ کے درج ذیل شعر سے کیا جا سکتا ہے۔ اگر چہ میرؔ صاحب نے اس شعر کو کسی اور مقام کی مناسبت سے تحریر کیا ہے۔

لے سانس بھی آہستہ کہ نازک ہے بہت کام
آفاق کی اس کار گہ شیشہ گری کا

ڈاکٹر رحیمی صاحب نے مقالے کے چند ہی صفحات کے بعد اپنے دل کی باتیں تحریر کرنا شروع کر دیں چناں چہ خواجہ الطاف حسین حالیؔ کی مشہور زمانہ نظم

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے
امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے

کے زمرے میں اظہار خیال کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں:

''یہ بات بالکل درست معلوم ہوتی ہے، اس سے نعت کو مزید عروج اور مقبولیت بھی حاصل ہوئی لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ اس نعت میں تو مولانا حالی نے امت کی بددینی اور درپیش مسائل کا ذکر آں حضرتؐ کے حضور کیا ہے۔ مگر بعد میں شعراؑ اس سے پھسل کر استغاثہ، استمداد اور استعانت تک پہونچ گئے، جو قطعی مناسب معلوم نہیں ہوتا۔ کیوں کہ اگر کسی سے فریاد کی جا سکتی ہے۔ کسی سے مدد مانگی جا سکتی ہے تو وہ ذات صرف اللہ وحدہ لاشریک کی ہے۔''[۳]

آگے چل کر ڈاکٹر صاحب کا اسلوب نگارش کچھ الگ طرح کا ہی روپ اختیار کرتا ہے اور اپنے مذکورہ تحقیقی مقالے کے باب اول کے اختتامیہ پر تبلیغ و ترہیب کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں۔

''یاد رہنا چاہیئے کہ براہ راست فریاد کرنا، مدد چاہنا، اور پناہ مانگنا، (استمداد، استعانت، استغاثہ، استعاذہ) وغیرہ بھی شریعت کے دائرے سے باہر ہیں۔ آپؐ کے توسل اور طفیل سے دعاؑ مانگنے سے ہی بعض علماؑ منع کرتے ہیں تو پھر آنحضرتؐ روز قیامت اپنی امت کی شفارش بھی اللہ رب العزت کے حکم سے ہی فرمائیں گے۔ بیشک اللہ ہی قادر مطلق ہے اس امر کا ہر وقت لحاظ رکھنا ضروری ہے ورنہ شاعر اور شاعری دونوں خسر الدنیا والآخرۃ کا مصداق بن سکتے ہیں۔''[۴]

مجھے تو ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اس مقام پر ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی صاحب کھل کر اپنے دل کی بات

تحریر نہیں کر سکے اس لیے کہ انہوں نے سوچا ہوگا اگر میں خواجہ الطاف حالی جیسی مقتدر ہستی پر کھل کر قلم اٹھاتا ہوں جن کا خود تحقیق و تنقید میں ایک اعلیٰ مقام ہے۔ تو میری بڑی جگ ہنسائی ہوگی۔ اسی لیے انہوں نے حزم و احتیاط کی زبان استعمال کرنے میں ہی اپنی بھلائی سمجھی۔ مگر افسوس صد افسوس کہ انہیں کے ایک ہم نوا پروفیسر عبداللہ شاہین صاحب جو ڈاکٹریٹ بھی ہیں، اور ایوارڈ یافتہ بھی، ان کی دریدہ دہنی اور بے باکی اوج ثریا کو بھی مات دیتی ہوئی نظر آتی ہے۔ انہوں نے خواجہ الطاف حسین حالی کیا؟ عظیم عاشق رسولؐ حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے عقیدے اور نظریئے کا نشانہ بناتے ہوئے ''ملت اسلامیہ کی اجتمائی تباہی و بربادی'' کا ذمہ داران کو ٹھرایا ہے۔ چناں چہ وہ اپنی تحقیقی کتاب ''نعت گوئی اور اس کے آداب'' میں تحریر فرماتے ہیں۔

''امام بوصیری کا قصیدہ بردہ جو انفرادی مصائب کا نمونہ ہے اور ملت اسلامیہ کی اجتمائی تباہی و بربادی کا المیہ جسے حالی جیسے موحد شاعر نے بھی (ٹھوکر کھاتے ہوئے) روایتی شاعری کی رو میں بہ کر بصورت ''استغاثہ'' بدرگاہ رسالت پیش کیا ہے۔

اے خاصۂ خاصان رسل وقت دعا ہے /// امت پہ تری آکے عجب وقت پڑا ہے
فریاد ہے اے کشتی امت کے نگہباں /// بیڑا یہ تباہی کے قریب آن پڑا ہے''۵۔

اس مقام پر ٹھہر کر میں اپنی علمی کم مائیگی کو پیش نظر رکھتے ہوئے ڈاکٹر رحیمی صاحب سے ان کے ایک جملے کی وضاحت چاہوں گا انہوں نے بریکٹ میں تحریر فرمایا ہے کہ (استمداد۔۔۔۔استعاذہ) یہ استعاذہ کیا ہے؟ اسکو لوگ کب مانگتے ہیں؟ اور کس سے مانگتے ہیں؟ کیا کوئی بندۂ مومن اللہ کے پیارے حبیبؐ سے بھی استعاذہ مانگتا ہے؟ میرے اپنے علم میں استعاذہ علم القراۃ کی اصطلاح ہے اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھنے کو استعاذہ کہتے ہیں اور بسم اللہ الرحمٰن الرحیم پڑھنے کو بسملہ کہتے ہیں۔ اور اگر اسکے علاوہ کوئی اور صورت ہو تو میرے علم میں اضافہ فرمائیں۔ میں آپکا مرہون منت ہوں گا۔

افسوس صد افسوس اس بات کا ہے کہ ان حضرات کی نگاہیں حقائق کی طرف کیوں نہیں جاتیں۔ اور اگر جاتی بھی ہیں تو حقائق سے کیوں اغماض برتتے ہیں؟ میں ڈاکٹر رحیمی صاحب اور پروفیسر عبداللہ شاہین صاحب دونوں حضرات کو ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب کی کتاب ''عربی میں نعتیہ کلام'' سے ہی آئینہ دکھانا چاہتا ہوں کہ میرے اپنے خیال میں یہ دونوں حضرات بھی انہیں کے ہم عقیدہ و ہم نظریہ بھی ہیں۔ مگر انہوں نے بہت سے مقامات پر حقائق کو اپنی مذکورہ کتاب میں جگہ دی ہے۔ چناں چہ انہوں نے اپنی اسی کتاب میں ایک مشہور جلیل القدر صحابی رسول حضرت عبداللہ بن زبعریٰ رضی اللہ

تعالیٰ عنہ کی ایک نعت پاک نقل فرمایا ہے۔ جس میں حضرت زبعریٰ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے سرور کائنات حضور رحمت عالم، سید عالم روحی فدا جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفیٰؐ سے اپنے گناہوں کی معافی طلب کی ہے۔ حضرت عبداللہ بن زبعریٰ رضی اللہ تعالیٰ کے احوال و آثار کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام قبول کرنے سے پہلے آپ حالت کفر میں اسلام کے خلاف کفار مکہ کو بھڑکایا کرتے تھے۔ اور حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ کا مقابلہ اشعار سے قریش کی طرف سے کیا کرتے تھے۔ مگر آقا و مولیٰ حضور رحمت عالم، سید عالم روحی فداؐ کے دامن کرم سے وابستہ ہونے کے بعد کتنے عاجزانہ انداز میں اپنی گزشتہ زندگی پر اظہار ندامت کرتے ہوئےؔ آقا علیھم السلام سے اپنی گناہوں کی معافی طلب کی ہے۔ ان کی نعت پاک کے درج ذیل شعر سے اس قدر محبت رسولؐ ٹپک رہی ہے جس کو پڑھنے کے بعد ہر عاشق رسول کی روح وجد کرنے لگتی ہے اور ایمان میں فرحت و تازگی آجاتی ہے۔ ملاحظہ ہو وہ روح افزا شعر ؎

فاغفر فدیً لك والدی کلاهما ذنبی ،فانك راحم مرحوم

ترجمہ۔ لہٰذا معاف فرما دیجیے میرا گناہ میرے ماں باپ دونوں آپ پر قربان ہوں، کیوں کہ آپ رحم فرمانے والے ہیں۔ ۶؎

یہی وہ مقام ہے جہاں عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کی خوشبو اپنے شیدائیوں کو ایسا اپنی گرفت میں لے لیتی ہے کہ جسے دنیا کا کوئی عقیدہ اور نظریہ متاثر نہیں کرسکتا۔

میں ڈاکٹر رحیمی صاحب اور پروفیسر شاہین صاحب سے ادب کے ساتھ پوچھنا چاہوں گا کہ کیا حکم صادر فرمائیں گے اس جلیل القدر صحابی رسول کے بارے میں جنھوں نے آقا علیھم السلام سے براہ راست اپنے گناہوں کی معافی طلب کی؟ جبکہ قران پاک تو ارشاد فرماتا ہے۔ واللہ غفور الرحیم۔ حضرت سیدنا امام محمد بن سعید بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے عشق رسول اور نعت مصطفیٰؐ کا جو عظیم سرمایہ ہمیں عطا کیا ہے۔ اس کا کوئی نعم البدل نہیں۔ پوری دنیا کے عشاق رسول مل کر اگر انکے اس عظیم کارنامے کا بدل دینا چاہیں تو مجھے ممکن نہیں لگتا ہے کہ دنیا کی کوئی شئے ان کے اس کارنامے کا کوئی بدل بن سکتی ہے۔ میں تو یہی کہوں گا کہ نہ ان کے عشق رسولؐ کا کوئی بدل ہے اور نہ ہی ان کے نعتیہ سرمایہ کا۔

ڈاکٹر عبداللہ شاہین صاحب نے اپنی مذکورہ کتاب ''نعت گوئی اور اسکے آداب'' میں جا بجا عاشق رسول حضرت امام محمد بوصیری رحمۃ اللہ علیہ پر زبردست چوٹ کی ہے۔ جیسا کہ اُوپر آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ ایک دل دوز اقتباس اور ملاحظہ فرمائیں۔

''لیکن اس واضح ارشاد کے باوجود ساتویں صدی ھجری میں جب تصوف اور بدعت نے زور

پکڑ لیا تھا، اہل تصوف نے اسلام کے منہج اور مدح کے طریقے سے یکسر خلاف نبیؐ کی شان اقدس میں ایسے قصیدے لکھنے شروع کر دیے جن میں نبیؐ کو اُلوہیت کے درجے پر فائز کرنے کی کوشش کی گئی اور آپ کو صفاتِ الٰہیہ سے متصف کر دیا گیا۔

اس رسم بد کی ابتدا محمد بن سعید بوصیری کے ہاتھوں ہوئی جو ۶۹۵ھ میں اسکندریہ میں ہلاک ہو گیا تھا۔ اس نے نبیؐ کے متعلق قصیدے لکھے جن میں سے دو بہت مشہور ہوئے۔ ایک قصیدہ ہمزیہ اور دوسرا قصیدہ میمیہ۔ ان میں سے موخر الذکر کو بہت شہرت حاصل ہوئی۔ بوصیری نے اس قصیدے کا نام ''الکو اکب الدریہ فی مدح خیر البریہ'' رکھا۔ اس کے مرنے کے بعد اس کے اسی جیسے فاسد العقیدہ پیروکاروں نے جھوٹ اور افترا کی بنیاد پر اس کا نام ''قصیدہ بردہ'' رکھ دیا۔ جس میں بے بنیاد اور جھوٹے خوابوں کی تشہیر کر کے ثابت کرنے کی کوشش کی گئی کہ اس قصیدے کے سننے سے نبیؐ بہت خوش ہوئے اور انعام کے طور پر خواب ہی میں اپنی چادر عنایت فرمائی اور پھر وہ چادر بیدار ہونے کے بعد مولف قصیدہ کے ہاتھ میں تھی۔ اسی وجہ سے اس کا نام قصیدہ بردہ پڑ گیا۔ یہ باتیں بالکل باطل اور بے سند ہیں۔ بہر حال بوصیری کے بعد نبیؐ کی مدح ونعت میں غلو وافراط کا عنصر شامل ہوتا گیا یہاں تک کہ برصغیر کی نعتیہ شاعری میں غلو وافراط بھی آخری حدوں سے تجاوز کر گیا۔''[۲]

لیکن جب ہم ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی کے مذکورہ تحقیقی مقالہ ''نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ'' کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں ان کے اس مقالے میں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر بڑی سادگی اور حسن سلیقہ سے ملتا ہے۔ جس میں انہوں نے نہ تو ان کی شخصیت پر کوئی چوٹ کی ہے اور نہ ہی ان کی شاعری کو طعن وتشنیع کا نشانہ بنایا ہے بلکہ قدرے پزیرائی ہی کی ہے چناں چہ وہ تحریر فرماتے ہیں۔

''عہد رسالت کے بعد ایک قصیدہ بہت ہی مشہور ہوا، بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ اس کی شہرت ما قبل کے تمام مدحیہ اور نعتیہ قصائد پر غالب آ گئی، اسکے شاعر ساتویں صدی ھجری کے ایک نامور مورخ مداح نبی محمد بن سعید البوصیری (۶۰۸ھ تا ۶۹۷) ہیں۔ شاعر نے اس قصیدے کا نام ''الکواکب الدریہ فی مدح خیر البریہ'' رکھا تھا۔ لیکن بعد میں قصیدہ بردہ کے نام سے موسوم ومعروف ہوا۔ روایت ہے کہ بوصیری کے نصف جسم پر فالج کا حملہ ہوا، اسی حال میں انہوں نے یہ قصیدہ کہا اور خواب میں آپؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے، آنحضرتؐ نے ان پر اپنی چادر ڈال دی اور سر پر دست مبارک پھیرا۔ بوصیری صبح کو بیدار ہوئے تو فالج سے صحت یاب ہو چکے تھے۔ سارا قصیدہ عشق رسول میں ڈوب کر کہا گیا ہے۔ اس لیے اسے عالم اسلام میں اتنی مقبولیت حاصل ہوئی کہ بطور وظیفہ پڑھا جانے لگا، اپنی شہرت و

مقبولیت میں یہ قصیدہ کعب بن زہیر کے قصیدہ سے بھی آگے بڑھ گیا۔ اب تک لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے، متعدد زبانوں میں اسکا ترجمہ ہو چکا ہے، سیکڑوں شعرأنے اس کی بحر میں اپنے قصیدے لکھے، اس کی تضامین کہیں (۴۲) اس قصیدے کے مضامین کی ترتیب یہ ہے۔

۱۔ تشبیب کے بعد نفسانی فریب کاریوں سے آگاہی

۲۔ گریز، مدح رسولؐ ۳۔ ولادت نبوی اور معجزات کا ذکر

۴۔ قران مجید، واقعہ معراج اور جہاد کا ذکر ۵۔ توسل اور مناجات ۸ ـ

اور ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب اپنی کتاب عربی "میں نعتیہ کلام" میں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کا ذکر اور ان کی ستودائی کرتے ہوے تحریر فرماتے ہیں۔

"علامہ بوصیری جن کا پورا نام محمد بن سعید ہے، ساتویں صدی ہجری کے ایک مصری شاعر اور طریقہ شاذلیہ کے صاحب نسبت و اجازت صوفی بزرگ تھے۔ مصر کے علاقہ بنی سویف میں ابوصیر انکا دادیہال اور دلاص نانیہال تھا، ابوصیری اس گاؤں کی طرف نسبت ہے، جو مخفف ہو کر ابوصیری سے بوصیری ہو گیا۔

ان کی ولادت دلاص میں ۶۰۸ھ اور وفات اسکندریہ میں ہوئی، نعت نبوی ان کی شاعری کا موضوع تھا۔ "قصیدہ بردہ" کے علاوہ بھی ان کی متعدد نعتیں ہیں، خاص طور سے انکا قصیدہ "ہمزیہ" بہت مقبول عام قصیدہ ہے۔ اس کے علاوہ "قصیدہ بانت سعاد" کی زمین میں ایک طویل قصیدہ علامہ نبہانی نے نقل کیا ہے، جس کا مطلع ہے:

الی متی انت باللذات مشغول و انت عن کل ما قدمت مسؤل

یعنی تم کب تک لذت اندوزی میں مشغول رہو گے، حالاں کہ جو کچھ اس دنیا میں کرو گے اس کے تنہا ذمہ دار تم ہی ہو گے۔ ان کے اشعار کا مجموعہ مطبوعہ اور قلمی دونوں موجود ہے، پورا دیوان نعتیہ کلام پر مشتمل ہے۔ ہر قصیدہ روایتی تشبیب سے شروع ہوتا ہے، اور ہر حرف تہجی میں انکا قصیدہ نعتیہ موجود ہے۔

صاحب "فوات الوفیات" نے ان کا ایک اور قصیدہ نقل کیا ہے۔ جس میں علامہ بوصیری نے "شکوہ" بہ بارگاہ رب العالمین پیش کیا ہے، مصر کی اجتماعی حالت پر اس قصیدے سے روشنی پڑتی ہے۔، علمأ کی بے حسی، حکام کی خدا سے بے خوفی اور جرات، اہل کارواں کی رشوت خوری، محرمات کا عام ہونا، فرائض کی ادائیگی سے جان چرانا، اس قصیدے کے مضامین ہیں، جو بہت لطیف انداز میں طنز کے پیرایہ میں نظم کئے گئے ہیں۔ اور آخر میں اللہ سے فریاد کی ہے کہ وہی اصلاح فرمائے اس کا مطلع ہے۔

نقدت طوائف المستخدمینا /// فلم أرفیھم حراً أمینا

لیکن ان کی شہرت و مقبولیت کا سبب ''قصیدۂ بردہ'' ہے، جس کے متعلق یہ روایت ہے کہ ان کے جسم کے نصف حصے پر فالج گر گیا تھا اس حال میں انہوں نے یہ قصیدہ لکھا تھا، خواب میں حضور انورؐ کی زیارت سے مشرف ہوئے، اور آپؐ نے ان پر اپنی چادر ڈال دی اور دست مبارک ان کے رخسار اور سر پر پھیرا، جب بیدار ہوئے تو اپنے فالج شدہ حصۂ جسم میں نشاط محسوس کیا اور فالج کا اثر ختم ہو گیا، صبح کو کہیں جا رہے تھے کہ کوئی فقیر ملا اس نے کہا کہ بوصیری! وہ قصیدہ لاؤ جو تم نے رسول اللہؐ کی نعت میں کہا ہے، بوصیری نے اس قصیدے کا حال کسی کو نہیں بتایا تھا، مگر رسول اللہؐ کے اس معجزے پر یقین تھا، اس لیے انہوں نے اس فقیر سے یہ بات سن کر تعجب کا اظہار نہیں کیا کہ تم کو کیسے معلوم ہوا، مگر خود اس فقیر نے کہا کہ میں نے رات دیکھا کہ تم آں حضرت کی مجلس شریف میں اپنا قصیدہ سنا رہے ہو، اور حضورؐ پر وجد کی کیفیت طاری ہے، چناں چہ اس قصیدے کی شہرت اس فقیر کے ذریعے ہوئی۔ اس قصیدے کا عنوان علامہ بوصیری نے ''الکوکب الدریہ فی مدح خیر البریہ'' رکھا تھا، لیکن اپنی مقبولیت کی وجہ سے ''قصیدہ بردہ'' کے نام سے مشہور ہو گیا، بعض لوگوں نے کعب بن زہیرؓ کے ''قصیدہ بردہ'' اور اس قصیدہ کے درمیان تمیز کرنے کے لیے بوصیری کے قصیدہ کو ''بردہ منامیہ'' بھی کہا ہے، کیوں کہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کو عالم رویا میں بردہ مرحمت فرمایا گیا تھا، عوام میں مشہور ہے کہ شیخ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ جب خواب سے بیدار ہوئے تو انہوں نے بردہ مبارک کو موجود پایا جو خواب میں ان کو مرحمت فرمایا گیا تھا، لیکن یہ بات صحیح نہیں ہے، اور نہ کسی معتبر تاریخ میں کہی گئ ہے، لیکن جو بات صحیح ہے وہ یہ کہ یہ قصیدہ جس درجہ مقبول ہوا اس درجہ قصیدہ ''بانت سعاد'' کو بھی مقبولیت حاصل نہیں ہوئی، لاکھوں کی تعداد میں شائع ہو چکا ہے، اور ہمیشہ کوئی نہ کوئی نئ شرح لکھتا رہتا ہے، سیکڑوں (بلا مبالغہ) قصیدے اس زمین پر کہے جا چکے، پچاسوں تضمینیں اور مشطر، مخمس، مسدس، مسبع، اور معشر کہے گئے۔''۹؎

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب نے اس قصیدے کے عرب شارحین کی ایک فہرست بھی تحریر کی ہے جسکی تفصیل اس طرح ہے: ۱۔ ابن الصایغ، م ۶۷۷ھ ۲۔ علی بن محمد قلصائی، م ۸۹۱ھ

۳۔ شہاب الدین ابن العماد، م ۸۰۸ھ ۴۔ علاء الدین بسطامی، م ۸۷۵ھ

۵۔ یوسف بن ابی اللطف القدسی، م ۱۰۰۰ھ ۶۔ یوسف البسطامی۔ نویں صدی ہجری کے بزرگ ہیں، سن وفات مذکور نہیں ہے۔ ۷۔ ملا علی قاری م، ۱۰۱۴ھ

۸۔ شیخ زادہ محی الدین۔ تاریخ وفات لا معلوم، لیکن ان کی شرح کے قدیم نسخہ پر تاریخ تصنیف ۹۴۹ھ مذکور ہے۔ ۹۔ جلال الدین المحلی ۸۶۴ھ (تفسیر جلالین کے ایک حصے کے مصنف)

۱۰۔ محمد بن المرزوقی، م ۸۸۱ھ (شارح حماسہ) ۱۱۔ عبدالحق بن عبدالفتاح (بارہویں صدی ھجری) ۱۲۔ محمد المصری (گیارہویں صدی ھجری) ۱۳۔ زکریا الانصاری، م ۹۳۶ھ ۱۴۔ عمر الخربوتی (تیرہویں صدی ھجری) ۱۵۔ علامہ قسطلانی (شارح بخاری) م ۹۲۳ھ ۱۶۔ محمد بن مصطفی المرونی (تیرہوں صدی ھجری)
۱۷۔ محمد عثمان المرغنی (تیرہویں صدی ھجری) ۱۸۔ شیخ الحسن العددی الخمرادی ۱۳۰۳ھ
۱۹۔ الباجوری ۱۲۷۶ھ" ۱۰۔

نیز ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب نے اسی کے بعد "قصیدۂ بردہ" کا فنی تجزیہ بھی پیش کیا ہے۔ جو کافی بلیغ اور تحقیقی ہے۔ میں اس مقام پر قارئین کرام کی توجہ اس امر کی جانب مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ آپ نے ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی اور ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحبان کا تجزیہ اور تاثر ملاحظہ کیا۔ مگر ان دونوں حضرات نے نہ تو علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ کو جھوٹ قرار دیا اور نہ ہی ان کی شخصیت پر کسی طرح کی کوئی طعن و تشنیع کی، جیسا کہ پروفیسر عبداللہ شاہین صاحب نے اپنی مذکورہ کتاب "نعت گوئی اور اسکے آداب" میں علامہ بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے قصیدہ بردہ کو "انفرادی مصائب کا نمونہ اور ملت اسلامیہ کی اجتماعی تباہی و بربادی کا المیہ قرار دیا ہے۔"

اگر کسی شاعر یا نعت گو کے پیش نظر یہ تینوں کتابیں ہوں اور وہ ان کا مطالعہ کرنے کے بعد نعت پاک کی رقم طرازی کرنا چاہے تو کیا یہ ممکن کہ وہ شریعت کی روشنی میں شعر گوئی یا سخن طرازی کر سکتا ہے؟ میری سمجھ سے تو ناممکن ہے اس لیے کہ ان تینوں کتابوں کے مابین جو نظریاتی اختلافات ہیں وہ اسی میں الجھ کر رہ جائے گا۔ جب کہ اگر دیکھا جائے تو تینوں کتابوں کے لکھنے والے زمانے کے محققین کی صف میں صف بستہ ہیں۔ اور تینوں حضرات کا یہی دعویٰ ہے کہ ان کی کتابیں نعتیہ ادب کی سچی ترجمان ہیں ان کو شریعت اسلامیہ کی روشنی میں قلم بند کیا گیا ہے۔

پروفیسر عبداللہ شاہین صاحب نے علامہ بوصیری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ کے متعلق جو باتیں تحریر کی ہیں کیا وہ تحقیقی معیار کی لگتی ہیں؟ مجھ جیسے ہیچ مداں اور کم علم کو تو اس میں تحقیق کا شائبہ تک نظر نہیں آتا، ان کی تحریر کردہ باتیں محض ان کے عقائد و نظریات کی ترجمان ہیں۔ میری سمجھ سے دنیا کا ہر دانشور اور منصف مزاج انسان ان کی مذکورہ تحریر پڑھنے کے بعد یہی رائے قائم کرے گا، کہ پروفیسر صاحب کے اپنے خود کے عقائد و نظریات ہیں۔ ان کی مذکورہ تحریر عاشقانِ مصطفی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے لیے سوہان روح ہے۔

ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی صاحب نے اپنی مذکورہ کتاب "عربی میں نعتیہ کلام" میں علامہ بوصیری

علیہ الرحمہ کے'' قصیدہ بردہ'' شریف کے جن ۱۹ رعرب شارحین کا ذکر کیا ہے جو اپنے زمانے کے منفرد المثال محقق، محدث، مفسر قرآن وغیرہ علوم متداولہ پر کامل دسترس رکھنے والے تھے۔ جن کی عظیم خدمات کا صلہ ہے کہ آج دین ہم تک پہنچا۔ انہوں نے اپنی زندگی کو فروغ اسلام کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ علامہ بوصیری علیہ الرحمہ پر طعن وتشنیع کی زبان وا کرنے سے پہلے ان حضرات کے مبلغ علم پر بھی پروفیسر عبداللہ شاہین صاحب کو ایک نظر ڈال لینا چاہیے تھا۔ کیا ان حضرات نے بغیر کسی تحقیق وتفحص کے علامہ بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے قصیدہ بردہ شریف کو قبول کر لیا ہوگا؟ جو علم دین کے پارکھ تھے۔ اور تفقہ فی الدین کے اعلیٰ مرتبے پر فائز تھے۔ آگے چل کر پروفیسر عبداللہ شاہین صاحب اپنی مذکورہ کتاب'' نعت گوئی اور اس کے آداب میں'' تشبیہ واستعارہ'' کے تحت تحریر فرماتے ہیں۔'' نعت کے اظہار میں ایسی تشبیہ یا استعارے سے گریز کرنا چاہیے جس سے نعت کی پاکیزگی اور شائستگی متاثر ہوتی ہو، مثلاً!

دیکھے ہو گا ''سری کرشن'' کا کیوں کر درشن
سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل (محسن کاکوروی)

شعر مذکور میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے'' سری کرشن'' (جو ہندوؤں کا دیوتا اور ان کے عقیدے کے مطابق بھگوان کا اوتار) کا استعارہ استعمال کیا گیا ہے۔ (نعوذ باللہ من ذالک) یہ انتہائی سوء ادب ہے۔ ۱۱

مجھے پروفیسر عبداللہ شاہین صاحب کی ہر دلیل اور ہر بات پر بے ساختہ ہنسی آتی ہے شاید کہ وہ اپنے قاری کو ناخواندہ یا بُزِاخفش سمجھتے ہیں، اور اپنے زعم فاسد میں بڑی دلیری اور بے باکی سے جس طرح وہ اپنے نظریات وخیالات کو بیان کر کے اپنی گرفت میں اپنے قاری کو لینا چاہتے ہیں ایسے مقام پر ان کا مبلغ علم اور دانش وبینش سب کچھ ان کا ساتھ چھوڑ جاتے ہیں۔ اس خود وارفتگی میں ان کو یہ بھی یاد نہیں رہتا کہ اگر میرے کسی قاری نے اصل ماخذ کی جانب رجوع کیا یا تحقیقی وتنقیدی تجزیہ کیا تو کیا ہوگا؟

اس وقت'' کلیات نعت محسن'' مرتبہ نور الحسن (جو حضرت محسنؔ کاکوروی کے بڑے صاحبزادے ہیں) مطبوعہ اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۲ء میرے پیش نظر ہے۔ محسنؔ کاکوروی کے جس شعر کا ذکر انہوں نے اوپر کیا ہے اس قصیدے کی شروعات اس طرح ہوتی ہے اور محولہ بالا شعر تشبیب کا ہے ملاحظہ ہو۔

سمت کاشی سے چلا جانب متھرا بادل/// برق کے کاندھے پہ لائی ہے صبا گنگا جل
گھر میں اشنان کریں سرو قدان گوکل/// جا کے جمنا پہ نہانا بھی ہے اک طول امل
خبر اڑتی ہوئی آئی ہے مہابن میں ابھی/// کہ چلے آتے ہیں تیرتھ کو ہوا پر بادل
کالے کوسوں نظر آتی ہیں گھٹائیں کالی/// ہند کیا ساری خدائی میں بتوں کا ہے عمل

جانب قبلہ ہوئی ہے یورش ابر سیاہ/// کہیں پھر کعبہ میں قبضہ نہ کریں لات و ہبل
دہر کا ترسا بچہ ہے برق لیے جل میں آگ/// ابر چوٹی کا برہمن ہے لیے آگ میں جل
ابر پنجاب تلاطم میں ہے اعلیٰ ناظم/// برق بنگالہ ٔ ظلمت میں گورنر جنرل
نہ کھلا آٹھ پہر میں کبھی دو چار گھڑی/// پندرہ روز ہوے پانی کو منگل منگل
دیکھئے ہوگا سری کرشن کا کیوں کر درشن/// سینۂ تنگ میں دل گوپیوں کا ہے بیکل ۱۲

پروفیسر صاحب کیا یہ بتانے کی زحمت فرمائیں گے کہ حضرت محسنؔ کاکوروی نے اپنے مذکورہ قصیدہ میں لفظ ''سری کرشن'' کا جو استعمال فرمایا ہے کیا یہ استعارتاً آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰؐ کے لیے استعمال کیا گیا ہے یا حقیقتاً سری کرشن کے لیے؟۔ کیوں کہ میری اپنی معلومات میں مذکورہ شعر حضرت محسنؔ کاکوروی کے مذکورہ قصیدہ'' قصیدہ مدیح خیر المرسلینؐ'' کے تشبیب کا شعر ہے جو اپنے اصل معنیٰ میں استعمال ہوا ہے ۔اس لیے کہ قصائد کی تشابیب میں اس طرح کے الفاظ کی بندش کوئی نئی چیز نہیں۔ اس سے شاعر کا مقصد اصل موضوع کو تیز تر کرنا، اور اس میں جان پیدا کرنا ہوتا ہے۔ جب ہم نعت گوئی کی تاریخ کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں عہد نبویؐ کے مشہور شاعر اور صحابی رسول حضرت سیدنا کعب بن زہیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے قصیدہ'' بانت سعاد'' کی تشبیب میں بھی اس طرح کے الفاظ ملتے ہیں جو زمانۂ جاہلیت میں ان کی معشوقہ کی یادوں سے وابستہ تھے۔ نیز انہیں کی اتباع میں کہے گئے حضرت امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ کے'' قصیدہ بردہ شریف'' میں بھی تشبیب کا یہی حال ہے۔ جب یہ تشبیب کا شعر ہے تو استعارتاً سرور انبیاؐ پر چسپا کرنا، اور انتہائی سوٗ ادب بتانا کہاں کی علمی دیانتداری ہے؟ ان کی مذکورہ تحریر خود ان کے مبلغ علم اور ان کے افکار و خیالات کی غماض ہے۔ میرے اپنے قول یا نظریئے کی تائید ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی صاحب کی درج ذیل تحریر سے بھی ہوتی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں۔

ایک اعتراض یہ اٹھایا گیا کہ اس کی تشبیب میں (جو اس قصیدے کی روح ہے) غیر مشروع موضوعات کو جگہ دی گئی ہے، لیکن یہ اعتراض زیادہ قوی نہیں ہے، کیوں کہ تشبیب کی روایت اردو میں عربی سے آئی ہے اور عربی روایت کے مطابق تشبیب میں موضوع کی کوئی قید نہیں ہے ہر طرح کے مضامین کو نظم کیا جاسکتا ہے، یہی وجہ ہے کہ عربی کے بہترین نعتیہ قصائد میں مختلف موضوعات پر مشتمل تشبیب ملتی ہے، قصدہ بردہ (بانت سعاد) کو آپؐ نے پسند ہی نہیں فرمایا بلکہ اس میں اصلاح بھی کی، جب کہ اس کی تشبیب میں محبوبہ سعاد کا ذکر کیا گیا ہے، اللہ کے رسول کے مقابل سعاد کی کیا حقیقت ہوسکتی ہے، ایسا ہی اس قصیدے کی تشبیب میں کیا گیا ہے کہ کفر و اسلام دو متضاد چیزوں کو ایک ساتھ بیان کیا گیا ہے۔ دراصل

یہاں کفر کی نفی کر کے اسلام و ایمان کی ترغیب دی گئی ہے۔ امیرؔ مینائی نے اس اعتراض کا جواب بہت مناسب طریقے سے دیا ہے۔ بادی النظر میں شبہ ہوتا ہے کہ قصیدۂ نعت میں متھرا، گوکل، و کنہیا کا ذکر بے محل ہے۔ لہٰذا دفع دخل کیا جاتا ہے کہ نعت میں تشبیب کے معنی ہیں ذکر ایام شباب کرنا اور اصلاح شعر میں مضامین عشقیہ کا بیان کرنا۔ اساتذہ نے تخصیص مضامین عاشقانہ کی قید بھی نہیں رکھی، کوئی شکایت زمانہ کرتا ہے کوئی متفرق مضامین کی غزل لکھتا ہے، کوئی غزل میں کسی طرح کا خاص تلازم ملحوظ رکھتا ہے۔

الغرض متبعان کلام اساتذہ حقیقت شناسان تشبیب و قصیدہ پر پوشیدہ نہیں کہ مضامین تشبیب کے محصور نہیں ہیں اور نہ کچھ مناسبت کی قید ہے کہ حمد و نعت و منقبت میں قصیدہ ہو تو تشبیب میں بھی اسی کی رعایت رہے، مرزا اسد اللہ غالبؔ دہلوی نے منقبت میں قصیدہ لکھا جس کا مطلع ہے :

صبح کہ در ہوائے پرستاری وثن /// جنبد کلید بتکدہ، در دست برہمن

اور اس قصیدے کی تشبیب میں بھی ایسے ہی مضامین لکھے ہیں، عمدہ تر سند اس کے جواز کی یہ ہے کہ حضرت سرور کائنات خواجۂ ہر دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کے حضور میں قصیدہ بانت سعاد جس کی تشبیب مشروع نہیں ہے پڑھا گیا اور حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زبان مبارک سے اس کی تحسین فرمائی۔''۱۳؎

ڈاکٹر عبد اللہ عباس ندوی صاحب نے اپنی کتاب ''عربی میں نعتیہ کلام میں'' تشبیب کے مفہوم کے حوالے سے بڑے پتے کی بات نہایت ہی ظریفانہ انداز میں تحریر کی ہے ملاحظہ ہو۔

بعض لوگوں کے خیال میں ''تشبیب'' کے لفظی معنیٰ ہیں ''آنچ تیز کرنا'' (نہ کہ ایام شباب کا یاد کرنا، مادہ کے لحاظ سے دونوں مفہوم کی گنجائش ہے) قدیم شعراُ کا اس سے مطلب یہ ہوتا تھا کہ اصل مضمون کو بیان کرنے کے لیے محبوب کو یاد دلانے والے اس سے نسبت رکھنے والے مقامات کا ذکر کریں۔ تا کہ ''آتشِ شوق'' تیز ہو، اور جس وقت اصل مضمون پر آئیں۔ اس وقت بیان کرنے والے کا جوش اور سننے والے کا اشتیاق نقطۂ کمال پر پہونچ چکا ہو، تشبیب کا یہ مضمون عام طور سے قصیدہ کے ایک تہائی یا نصف پر حاوی ہوتا ہے، امام بوصیری رحمۃ اللہ علیہ نے ان دو شعروں سے وہ مقصد کو حاصل کر لیا، جس کے لیے تشبیب کے مضمون کو طول دیا جاتا تھا، عاشق کی والہانہ کیفیت کا اظہار مطلع کے پہلے ہی لفظ سے ہونے لگتا ہے، جبکہ وہ اپنے آپ سے پوچھتا ہے کہ یہ آنسو جن میں خون جگر کی آمیزش ہے کیوں بہنے لگے آخر تیرے زخم کو کس نے چھیڑا، کیا دیکھ لیا؟ کیا سن لیا؟ کیا دیار محبوب کے سمت کسی پہاڑی پر بجلی چمکی، یا اس رخ کی کوئی ہوا چلی یا اس قرب و جوار کے باشندے یاد آ گئے۔

سوز دروں کے اظہار کا یہ شاعرانہ اسلوب بہت ہی دل نشیں اور لطیف ہے کہ محبوب یا دیار محبوب کا

نام بھی زبان پر نہ آے، صرف انداز بیان سے عشق و وارفتگی کی روح جھلکنے لگے، شاعر یہاں عشق کی ایک خاص کیفیت بیان کر رہا ہے جبکہ عاشق کو ہر شئی میں محبوب کا جلوہ نظر آنے لگتا ہے، ہر بات میں اسکی بات یاد آنے لگتی ہے، اس کے زخم کو کریدنے کے لیے ایک اشارہ چاہیے، اس کے رونے کے لیے ایک بہانہ درکار ہے۔ اردو میں کلیمؔ کا یہ شعر بھی اسی کیفیت کا ترجمان ہے ۔

لگتی ہے اب تو قلقل مینا سے دل پہ ٹھیس
وہ دن گئے کلیمؔ کہ یہ شیشہ سنگ تھا

ایک دوسرے شاعر نے اس مضمون کو اس طرح باندھا ہے ۔

محبت میں اک ایسا وقت بھی آتا ہے انساں پر
ستاروں کی چمک سے چوٹ لگتی ہے رگ جاں پر ۱۴ ۔

حضرت محسنؔ کاکوروی کو اپنی حیات ہی میں اپنے مذکورہ قصیدے کی تشبیب پر لوگوں کی ذہنی فکر کا اندازہ ہو گیا تھا کہ لوگ طرح طرح سے اس کی تشبیب پر اعتراضات کریں گے۔ اسی لیے انہوں نے خود اپنی زندگی ہی میں اس طرح کے بے بنیاد اعتراضات کے جواب دے دئے تھے۔ مزید امیر الشعرا حضرت امیرؔ مینائی رحمۃ اللہ علیہ نے ان کی حمایت میں دیباچہ لکھ کر تائید و توثیق کی مہر ثبت کر دی تھی اور جملہ اعتراضات کا دفاع کر دیا تھا۔ کیا حضرت امیرؔ مینائی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر محسنؔ کاکوروی کے مذکورہ شعر پر نہیں گئی ہوگی؟ آخر ان کو اتنی بڑی غلطی کیوں نظر نہیں آئی؟ میں یقین کامل کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ اگر حقیقتاً غلطی ہوتی تو ان کو ضرور نظر آتی۔ آج بھی امیر الشعرأ کی وہ تقریظ یا دیباچہ محسنؔ کاکوروی کے مذکورہ دیوان میں موجود ہے۔ شائد کہ یہ حقیقت پروفیسر عبداللہ شاہین صاحب کی نظر سے نہیں گزری، اور نہ ہی انہوں نے اس کے حوالے سے کوئی کوشش ہی کی، ورنہ اگر وہ محسنؔ کاکوروی کی کلیات ''کلیات نعت محسنؔ'' کا ایک نظر مطالعہ کر لیتے تو اس طرح کا اعتراض ہی نہ کرتے، جب کہ انہوں نے اپنی مذکورہ کتاب کے فرنٹ پر ہی یہ عبارت لکھ رکھی ہے۔ ''حمد و نعت کے لطیف موضوع پر منفرد ادبی و تحقیقی کتاب'' اور گزرتی بھی کیسے اس لیے کہ انہیں تو حمد و نعت کی آڑ میں اپنے افکار و خیالات کی تبلیغ کرنی تھی۔

چناں چہ حضرت محسنؔ کاکوروی فرماتے ہیں ۔

گو قصیدے سے جدا ابر بہار تشبیب///فکر کے تازہ و تر کرنے کو ہے مستعمل
مختلف ہوتے ہیں مضمون کہیں عشق کہیں حسن///کہیں نغمہ ہے، کہیں پھول ہے اور ہے کہیں پھل
جیسا لکھا ہے امیر الشعرأ نے دم طبع///اس کی پیشانی پہ دیباچہ ما قل و دل

تا ہم اک لطف ہے خاص اس میں جو سمجھے دانا///کہ سخن اور سخن گو کو ہے نازش کا محل
پڑھ کے تشبیب مسلماں معہ تمہید و گریز///رجعت کفر بایماں کا کرے مسلہ حل
کفر کا خاتمہ بالخیر ہوا ایماں پر///شب کا خورشید کے اشراق سے قصہ فیصل
چشم انصاف سے دیکھو تو قصیدے کی شبیہ///نیم رخ تھی اسی رنگت سے ہوئی مستقبل
ظلمت اور اس کے مکارہ میں ہوا طول سخن///مگر ایمان کی کہیے تو اسی کا تھا محل
غلبہ و سطوت ظلمت کے بیاں میں مضمر///شوکت اس نور کی ہے جس نے کیا مستاصل
کفر و ظلمت کو کہا کس نے کہ ہے دین خدا///مَے و نغمہ کو لکھا کس نے کہ ہے حسن عمل
مدعا یہ ہے کہ رندوں کی سیہ بختی سے///ظلمت کفر کا جب دہر میں چھایا بادل
ہوا مبعوث فقط اس کے مٹانے کے لیے///سیف مسلول خدا نور نبی مرسل
مہر توحید کی ضو اوج شرف کا مہ نو///شمع ایجاد کی لو بزم رسالت کا کنول ۱۵۔

ڈاکٹر عبداللہ شاہین صاحب نے اپنی کتاب ''نعت گوئی اور اس کے آداب'' میں جگہ جگہ ایسی باتیں تحریر کی ہیں جنہیں پڑھنے کے بعد دل و دماغ پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوتی ہے اور دل میں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا ڈاکٹر صاحب نے ہوش و حواس کے عالم میں ہی یہ باتیں تحریر کی ہیں یا کسی اور کیفیت میں ڈوب کر، ایک اقتباس اسی قبیل کا اور ملاحظہ فرمائیں۔

''مذکورہ شعرأ کا نقطۂ انتہا نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے دعا کرنے کی استدعا پر ہی منتج ہوتا ہے۔ ان شعرأ کا یہ انداز بھی حرام، بدعتی اور شرکیہ ہے جس سے احتراز واجب ہے، البتہ ہندوستانی مسلمان یہاں کے ہندو مذہب سے خاصے متاثر ہوئے اور ان کے عقائد و افکار میں ہندوانہ رنگ و آہنگ نے جگہ پائی۔ دیوی دیوتاوں کی سرزمین پر مسلمانوں نے بھی ہندوؤں کی دیکھا دیکھی اپنے اکابر اور پیروں کو مافوق الفطرت ہستیاں ثابت کرنے میں بے سروپا حکایات و روایات کا سہارا لیا اور انہی کی طرح اپنے اولیأ اور بزرگوں کو اپنا حاجت روا اور مشکل کشا بنا کر پیش کیا۔ اس طرح بزرگوں سے برتر ہستی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات گرامی تو اور بھی زیادہ حاجت روائی کا منبع تصور کی گئی لہٰذہ نعت گوؤں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت و منقبت اس طرح کہنی شروع کر دی جیسے ہندو کرشن جی کے بھجن کہتے تھے ۱۶۔ مجھے تو یہ معلوم نہیں کہ ہمارے پروفیسر صاحب کی زاد بوم کیا ہے؟ وہ عربی النسل ہیں یا عجمی النسل، اگر وہ عجمی النسل ہوں گے تو یقیناً ان کے آبا و اجداد کا تعلق نہ موجودہ ہندوستان صحیح ماضی کے متحدہ ھندوستان سے تو ضرور ہی ہوگا۔ انہوں نے ہندوستانی مسلمانوں کے جن عیوب کو بڑے فخر سے بیان کیا ہے یقیناً انہیں عیوب میں ان

کے آباواجداد بھی ملوث رہے ہوں گے۔ الحمدللہ اگرچہ ہم دیوی دیوتاوں کے ملک میں رہتے ہیں مگر اس کے باوجود اپنے اسلام کی حفاظت وصیانت کرنا جانتے ہیں، ہمارے ایمان آقا و مولیٰ جناب احمد مجتبیٰ محمد مصطفی V کی محبت ان سے اعانت واستعانت کی ہی وجہ سے محفوظ ہے۔ آج اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود ہمارے اہل وطن ہمیں عزت وتوقیر کی نگاہ سے ہی دیکھتے ہیں۔ ہم اپنے رب کے شکرگزار ہیں کہ اس نے اپنے فضل واحسان سے ہمیں اس بات کا بخوبی علم وشعور عطا کیا ہے کہ کن اقوال وافعال کے صدور سے آدمی دایرۂ اسلام میں داخل ہوتا ہے اور کن افعال واقوال کے صدور سے آدمی دایرۂ اسلام سے خارج ہوجایا کرتا ہے۔ کب وہ مشرک و بدعتی ہوا کرتا ہے معاذ اللہ رب العالمین۔ ہماری نعتوں اور منقبتوں کا تعلق کبھی بھی کرشن جی کے بھجنوں سے نہیں رہا ہے۔

میں نے ۱۹۹۳ء میں حج سے واپسی پر روضۂ اطہر صلی اللہ علیہ وسلم کی زیارت کے موقع پر مسجد نبوی شریف میں اہل عرب کو قرآن مقدس کا تکیہ لگا کر آرام کرتے ہوئے بھی دیکھا ہے۔ مجھے ایک دن کا واقعہ یاد آرہا ہے کہ میں اپنے استاذ محترم حضرت علامہ محمد نعمان خان علیہ الرحمہ کے ساتھ مسجد نبوی شریف میں بعد نماز ظہر قرآن مقدس کی تلاوت میں مصروف تھا کہ اسی اثنا میں ایک عربی تشریف لائے اور انہوں نے تین قرآن پاک اٹھا کر فرش پر رکھکر ابھی وہ ان کا تکیہ لگانے ہی جارہے تھے کہ اتنے میں میرے استاذ محترم کی نگاہ ان پر پڑ گئی ان کے ایمانی جذبے نے جوش مارا اور وہ قرآن کی بے حرمتی کو برداشت نہیں کرسکے انہوں نے اتنی زوردار آواز میں ان کو ڈانٹا کہ انہوں نے پیچھے مڑکر بھی نہیں دیکھا، اور وہاں سے چلتا ہوئے۔ میں پروفسر صاحب سے نہایت ہی ادب کے ساتھ عرض کرنا چاہوں گا کہ ہم ہندوستانیوں کا اسلام یہی ہے کہ دین اسلام پر اگر کہیں بھی ضرب آرہی ہوتی ہے تو ہماری مذہبی غیرت ہمیں للکارنے لگتی ہے اور پھر ہم اس پر سب کچھ قربان کرنے کے لیے کمربستہ ہوجاتے ہیں۔ ہمارے دلوں میں قرآن کی محبت آج بھی اسی طرح جاں گزیں ہے کہ اگر اس کا ایک بھی ٹکڑا روے زمین پر کہیں بھی گرا ہوا دکھائی دیتا ہے تو ہماری حمیت یہ گوارہ نہیں کرتی کہ بغیر اس کی حفاظت کیے ہوئے ہم آگے بڑھ جائیں۔

پروفیسر صاحب جب ہم قبر انور شریف پر مواجہ اقدس صلی اللہ علیہ وسلم میں حاضر ہوتے ہیں اور مطوع حضرات کو آقا علیہم السلام کے رخ زیبا کی طرف پشت کئے ہوئے دیکھتے ہیں تو ہمارے دلوں پر کیا گزرتی ہے، ہم اسے الفاظ میں بیان نہیں کرسکتے، اور ہم اپنی وارفتگی کو کیسے قابو میں لاتے ہیں اسے بھی ہم بتا نہیں سکتے۔ کیا آقا علیہم السلام کا یہی حق ہے؟ کیا ان کا مقام ادب یہی ہے کہ ان کے رخ زیبا کی طرف پشت کرکے کھڑا ہوا جائے؟ کیا اسی عشق رسول کا جام آپ ہم کو پلانا چاہتے ہیں؟

دیکھیے، مولانا احمد رضا خاں بریلوی علیہ الرحمہ پوری امت مسلمہ کو روضۂ اقدس صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر حاضری کے آداب کی تعلیم کس طرح فرماتے ہیں، ان کے اقوال عشق رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں کس قدر ڈوبے ہوئے ہیں تعلیم وترہیب کا انداز ملاحظہ فرمائیں وہ عاشقان مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تنبیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔

''خبردار جالی شریف کو بوسہ دینے یا ہاتھ لگانے سے بچو کہ یہ خلاف ادب ہے بلکہ چار ہاتھ فاصلے سے قریب نہ جاؤ، یہ ان کی رحمت کیا کم ہے کہ تم کو اپنے حضور بلایا، اپنے مواجہ اقدس میں جگہ بخشی۔ ان کی نگاہ کریم اگرچہ ہر جگہ تمھاری طرف تھی اب خصوصیت اور اس درجہ قرب کے ساتھ ہے۔ والحمدللہ۔''

الحمدللہ! اب دل کی طرح تمھارا منھ بھی اس پاک جالی کی طرف ہوگیا۔ اللہ عزوجل کے محبوب عظیم الشان V کی آرام گاہ ہے۔ نہایت ادب ووقار کے ساتھ، آواز حزیں وصورت درد آگیں ودل شرم ناک و جگر چاک چاک معتدل آواز سے نہ سخت و بلند (کہ ان کے حضور آواز بلند کرنے سے عمل اکارت ہو جاتے ہیں) نہ نہایت نرم و پست (کہ سنت کے خلاف ہے) اگرچہ وہ تمھارے دلوں کے خطروں تک سے آگاہ ہیں جیسا کہ ابھی تصریحات ایمہ سے گزرا۔''۱۷

ایک امتی جس وقت اپنے آقا ومولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حضور حاضر ہوتا ہے اس وقت وہ اپنی پوری زندگی کے گناہوں کے بوجھ سے زیر بار ہوتا ہے۔ گناہوں کے بوجھ سے اس کی کمر ٹوٹ رہی ہوتی ہے۔ میدان محشر کے ہولناک منظر کے تصور سے وہ لرزہ براندام ہوتا ہے۔ ایسے ہی وقت کے لیے رب کے حضور آقا علیہم السلام کو اپنا شفیع بننے کے لیے منت وسماجت کرتا ہے۔ کیا یہی انصاف کا تقاضہ ہے کہ استدعا کے لیے ہاتھ اٹھتے ہی شرک کی بولی بول کر اسے وہاں سے بغیر اپنی عرض داشت پیش کیے دربدر کردیا جائے۔

پروفیسر صاحب آپ ہی نے اپنی اسی مذکورہ کتاب میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ''جذب القلوب'' کے حوالے سے تحریر فرمایا ہے کہ ''امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مدینہ طیبہ میں اپنے گھوڑے پر سوار نہ ہوتے تھے۔ فرماتے تھے کہ مجھے شرم آتی ہے کہ میں اس زمین کو گھوڑے کے سموں سے پامال کروں جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مبارک قدموں نے چھوا ہے۔

حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ مدینہ منورہ کی حدود شروع ہوتے ہی جوتا اتار لیتے تھے اور اپنے وقت کے امام، عظیم محدث اور فقیہ ننگے پاؤں مدینے کی سرزمیں پر چلتے تھے کہ مبادا جس جگہ نبی اکرم V نے قدم رکھے ہوں، وہاں وہ اپنی جوتیاں رکھ دیں۔''۱۷

اسی کتاب میں حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی علی الرحمہ تحریر فرماتے ہیں۔

''جب سرور عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کسی سفر سے واپس تشریف لاتے تھے اور جب مدینہ کے قریب پہنچتے

تھے تو اپنی سواری کو حرکت دے کر اور تیز کر دیتے تھے، اور یہ اس لیے تھا کہ آپ وفورِ شوق سے بے چین ہو جاتے تھے کہ کسی طرح جلد از جلد مدینہ میں داخل ہو جائیں۔ آپ کا قلب مبارک یہاں پہنچ کر سکون پاتا کا شانہ مبارک میں چادر بھی نہ اتارتے اور فرماتے تھے کہ یہ ہوائیں طیبہ ہیں۔

اے نفس خورم باد صبا///از بر یار آمدہ مرحبا

مرحبا پیاری نسیم مشک بو/// پہلوے محبوب سے آتی ہے تو

جو گرد وغبار آپ کے چہرۂ انور پر پڑ جاتا اس کو صاف نہ فرماتے، اگر صحابہ میں سے کوئی شخص اپنے چہرہ اور سر کو گرد وبار کی وجہ سے چھپاتا تو آپ منع فرماتے اور فرماتے کہ خاک مدینہ میں شفا ہے جیسا کہ اس کے نام شافیہ سے ظاہر ہے۔ جناب علی مرتضیٰ سلام اللہ علیہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کیا ہے کہ شیاطین شہر مدینہ میں اپنی عبادت سے مایوس ہو گئے ہیں۔ آپ دریافت کریں گے کہ شیاطین کی عبادت کیا ہے وہ یہ ہے کہ یہ لوگوں کو برائی کی طرف برانگیختہ کرتے ہیں۔"١٨۔

آج بھی عشاقانِ جہاں مدینہ طیبہ پر اپنی جاں وارفتہ کیے ہوئے ہیں۔ خاک طیبہ کا ایک ایک ذرہ آج بھی ہماری جاں سے عزیز ترین ہے۔ ہمارا یہی وہ اثاثہ ہے جو ہمیں دنیا میں سرخرو بنائے ہوئے ہے اور آج ہم اسی نسبت عظیم کی وجہ سے زندہ و تابندہ ہیں۔ جس دن یہ نقوش ہمارے دلوں سے دھندھلے پڑنے لگیں گے شائد کہ وہ دن ہماری ہزیمت کا سب سے بڑا دن ہو۔ ہم کبھی بھی ان نقوش کو اپنے قلوب سے مٹنے نہیں دیں گے۔ پروفیسر صاحب کیا یہ بتانے کی زحمت فرمائیں گے کہ ہمارے اسلاف حضرت امام مالک اور حضرت امام احمد حنبل علیہم الرحمہ جب مواجہ اقدس میں حاضری دیتے تھے تو کیا ان کے زمانے میں بھی اسی طرح مطوع رخ انور صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف پشت کر کے کھڑے رہتے تھے؟ اور زائرین طیبہ کو بغیر اپنی عرض داشت پیش کیے ہی دور کر دیا کرتے تھے؟ ایسا ہرگز نہیں ہو سکتا یہ وہ لوگ تھے "ہر آں کہ دلش زندہ شد بعشق ہرگز نہ بمیرد" جو اپنی جانوں کو قربان کر دینا تو گوارہ کر لیتے مگر یہ کیفیت برداشت نہ کر سکتے تھے۔ یہ بدعت آپ کو آج تک نظر نہیں آئی، آپ نے اپنی مذکورہ کتاب میں کہیں بھی اس فعل قبیح کا ذکر نہیں کیا جو عاشقان مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سوہان روح ہے۔

مجھے اس بات کا شدید احساس ہے کہ آج نعت گو سے زیادہ نعت خواں حضرات اس صنف ادب کو نقصان پہنچا رہے ہیں۔ اس لیے کہ نعت گو حضرات جو بھی نعت پاک یا نعت کے اشعار کہتے ہیں اس پر ان کی کڑی نظر ہوتی ہے اور وہ یہ سوچتے رہتے ہیں کہ کہیں مجھ سے کوئی لغزش نہ ہو جائے، اور میں شرعی گرفت میں آ جاؤں۔ وہ اس خوف سے ہمیشہ لرزاں و ترساں رہتے ہیں اور بار بار اپنے اشعار پر نظر ثانی

بھی کرتے رہتے ہیں۔ نیز جس کو وہ اس میدان کا شہ سوار اور استاد سمجھتے ہیں اس سے اصلاح سخن بھی لیتے رہتے ہیں۔ الحاصل سخن گو یا شاعر قطعی نہیں چاہتا کہ اس کے کلام میں کہیں کسی طرح کی کوئی کجی یا کمی رہ جائے جس سے کہ وہ شرعی زد میں آئے۔ مگر نعت خواں حضرات کا حال دگرگوں ہے۔ وہ مجالس نعت یا سیرۃ المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلسوں اور محفلوں میں عجب طرز و آہنگ میں نعت خوانی کرتے ہیں، کبھی تو وہ فلمی گانوں کی دھنوں پہ نغمہ سرا ہوتے ہیں، کبھی وہ اپنی سحر آمیز آواز سے لوگوں کو گرفت میں لینا چاہتے ہیں، کبھی کبھی وہ فضائل نعت بیان کر کے مجلس کو سرگرم کرنا چاہتے ہیں۔ کبھی اعضائے جسم سے اس طرح کی ایکٹنگ کرتے ہیں کہ جس سے نعت کی مجلس کا ادب جاتا رہتا ہے، اور اس بات کا اندازہ ہی نہیں ہو پاتا کہ یہ نعت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس ہے یا کوئی اور مجلس۔ اس پر طرفہ یہ کہ اناونسر حضرات جب کسی نعت خواں کو آقا و مولیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں نعت پاک پڑھنے کے لیے دعوت دیتے ہیں تو اس وقت وہ اپنی پوری صلاحیت اس کے اوصاف بیان کرنے میں صرف کرتے ہیں، کہیں اس کے کلام کی خوبیوں کو بیان کرتے ہیں، تو کہیں اس کی ساحری کو، اور کہیں اسکے منفرد لب ولہجہ کو۔ میں کبھی کبھی سوچتا ہوں کہ اگر اس وقت ان کے پاس حضرت اسرافیل علیہ السلام کا صور ہوتا اور وہ اس کے پھونکنے پر قادر ہوتے تو وہ شائد کہ صور پھونکنے میں بھی کوئی فروگزاشت نہیں کرتے۔ جس سے ان کا مقصد صرف اور صرف عوام الناس کی واہ واہی اور خوش نودی حاصل کرنا ہوتا ہے۔ جب کہ مجلس نعت یا محفل نعت میں ثنا خوانی یا نعت خوانی کرتے نعت خواں حضرات کا یہ تصور ہونا چاہیے کہ یہ سید کونین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی محفل ہے۔ آقا علیہم السلام حاضر مجلس ہیں جہاں وہ ہمارے کلام کو سماعت فرما رہے ہیں وہیں ہمارے حرکات وسکنات پر بھی ان کی نظر ہے۔

ہمارے جسم کے اعضا سے کسی ایسے فعل کا صدور نہ ہو جائے جو ان کی ناپسندیدگی یا ناراضگی کا سبب بنے۔ میرے اپنے خیال میں اگر شعرا یا نعت خواں اس تصور کے ساتھ نعت خوانی کریں تو سامعین حضرات کو بھی مجلس نعت خوانی کا پورا پورا لطف آئے گا۔ اور نعت گوئی یا نعت خوانی کے اصل مقصد کا حصول بھی۔ ورنہ اس سے ہٹ کر نعت خوانی دونوں جہاں میں ہماری ہزیمت ورسوائی کا پیش خیمہ ثابت ہوگی۔

آخر میں میں اپنے دانشور حضرات سے بڑی معذرت کے ساتھ التماس کرنا چاہوں گا کہ نعت مقدس کے موضوع پر بڑی سنجیدگی سے غور وخوض کرنے کے بعد ہی اپنے نقطۂ نظر کا اظہار کریں اس لیے کہ ادب کی یہ واحد صنف سخن ہے جس کا تعلق ہمارے اقوال واعمال سے ہے۔ یہی وہ صنف سخن ہے جس میں ناموس رسالت کی پاسداری ہر ہر قدم پر ہم سے متقاضی ہوتی ہے۔ ہم سبھی لوگوں کی یہ ذمہ داری ہے کہ اس کو صنف ادب کا درجہ دلانے میں ہر ممکن کوشش کریں، بہتر تو یہ ہوگا کہ ایک پلیٹ فارم پہ

اکٹھا ہو کر ایک لایحۂ عمل تیار کر کے اپنی آواز کو ادب و احترام کے دائرے میں بلند کریں۔ اگر ہم نے اس طرح کے اقدامات کیے تو یقیناً ہمیں کامیابی ملے گی۔ ورنہ اگر ہم انفرادی طور پر صرف اپنا نقطۂ نظر مسلط کرتے رہے پھر تو یہ سلسلہ دراز چلتا رہے گا۔

حوالے

۱۔ نعت نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ۔ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی۔اریب پبلیکیشنز، دریا گنج، نئی دہلی ۱۹۔ ۲۔ ایضاً ص ۲۰ ۳۔ایضاً ص ۴۷ ۴۔ایضاً ص ۸۷

۵۔نعت گوئی اور اس کے آداب، پروفیسر عبداللہ شاہین، دارالسلام، لاہور، ص ۲۰۳

۶۔عربی میں نعتیہ کلام، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ لکھنؤ، ص ۸۲

۷۔نعت گوئی اور اس کے آداب، پروفیسر عبداللہ شاہین، دارالسلام، لاہور ۲۷

۸۔ نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ۔ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی، اریب پبلی کیشنز، دریا گنج، نئی دہلی، ص ص ۱۰۹۔۱۱۰

۹۔عربی میں نعتیہ کلام ، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ،مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ، ص ص ۱۰۳۔۱۰۵ ۱۰۔ ایضاً ص ص ۱۰۳۔۱۰۵

۱۱۔ نعت گوئی اور اس کے آداب، پروفیسر عبداللہ شاہین، دارالسلام، لاہور، ص ۱۷۷

۱۲۔کلیات نعت محسن، محمد نور الحسن، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ص ص ۹۵۔۹۷

۱۳۔نعت گوئی کا موضوعاتی مطالعہ، ڈاکٹر حبیب الرحمن رحیمی، اریب پبلی کیشنز، دریا گنج، نئی دہلی، ص ص ۲۴۱۔۲۴۲

۱۴۔عربی میں نعتیہ کلام، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی، مکتبۂ اسلام، گوئن روڈ، لکھنؤ، ص ص ۱۱۴۔۱۱۵

۱۵۔کلیات نعت محسن، محمد نور الحسن، اتر پردیش اردو اکادمی، لکھنؤ، ص ۹۴

۱۶۔نعت گوئی اور اس کے آداب۔۔ پروفیسر عبداللہ شاہین، دارالسلام، لاہور، ص ۱۰۷

۱۷۔شمائم النعت، ڈاکٹر سراج احمد قادری، رضوی کتاب گھر، دہلی، ص ۴۵

۱۸۔جذب القلوب الیٰ دیار المحبوب (اردو ترجمہ)، حضرت شیخ عبدالحق محدث دہلوی، رضوی کتاب گھر، بھیونڈی، ص ۲۱۔۲۲

○❖○

مدیر

کشمیر میں نعتیہ شاعری کی صورتحال

ایک ناتمام تذکرہ

یہ بات بلاخوفِ تردید کہی جاسکتی ہے کہ ریاست جموں وکشمیر میں ایسے شعراء کی تعداد نہایت قلیل ہے، جن کو معروف معنوں میں نعت گو شعراء کہا جاسکتا ہے۔ یہ اس وجہ سے کہ یہاں خالصتاً نعتیہ مجموعہ یا نعتیہ دیوان شائع کرنے والے شعراء نظر ہی نہیں آتے، اِلّا ماشاء اللہ۔ پوری ریاست میں اُردو یا کشمیری زبان میں حمدیہ ونعتیہ مجموعہ کے حامل شعراء کی تعداد ایک درجن سے زیادہ نہیں ہوگی۔ اس کے برعکس شعراء کی اکثریت ایسے فنکاروں پر مشتمل ہے، جن کا نعتیہ کلام "رسمی نعت" کے ذیل میں آتا ہے۔ اُردو میں بقول ڈاکٹر ریاض مجید: "...رسمی انداز میں کثیر تعداد میں نعتیں لکھی گئی ہیں، لیکن چونکہ ان کے لکھنے والوں نے انہیں محض حصول ثواب وبرکت اور جوشِ عقیدت کی بناء پر حمد کے ساتھ تمہیداً بطورِ تبرّک لکھا ہے، لہٰذا اُن کی حقیقت محض ایک رسم کی رہ گئی ہے اور اُن کے اندر وہ کیف نہیں جو حقیقی نعت کی جان ہے۔" اگرچہ ڈاکٹر صاحب کی اس رائے کو اُردو کے کُل اثاثۂ نعت کے ضمن میں قاعدہ کلیہ کے طور پر قبول کرنے میں تامل ہے، تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ جموں وکشمیر میں اُردو نعت کی صورتحال اِس سے زیادہ مختلف نہیں ہے۔ چنانچہ عصر حاضر میں کشمیر کے متعدد اردو شعراء کے یہاں اِکا دُکا نعتیں ہی نظر آتی ہیں۔ ہر چند کہ کوئی ایسا شاعر دکھائی نہیں دیتا، جس نے سنجیدگی کے ساتھ نعت کی طرف توجہ کر کے اعلیٰ معیار کے نعتیہ نمونے پیش کئے ہوں، لیکن اس بات سے انکار ممکن نہیں کہ کشمیر سے تعلق رکھنے والے ہر دور کے بیشتر اردو شعراء نے دیگر اصناف سخن کے ساتھ (رسمی طور ہی سہی) نعت میں بھی طبع آزمائی کی ہے۔ یہ سلسلہ بظاہر ۱۸۷۷ء سے شروع ہوتا ہے، جب سید محمد انور شاہ (ساکنہ: بجبہاڑہ۔ جنوبی کشمیر) کی صاحبزادی زینب بی بی محجوبؔ نے ''گلبن نعت'' کے نام سے اپنا نعتیہ مجموعہ مرتب کیا۔1؎ محجوبؔ نے یہ مجموعہ صرف پندرہ روز میں مکمل کیا۔ اس سے قبل وہ خواب میں نبی برحقؐ کی زیارت سے مشرف ہو چکی تھیں۔2؎ ''گلبن نعت''، جس کا مخطوطہ محکمہ آرکائیوز میں محفوظ ہے،3؎ میں قرآنی الفاظ واصطلاحات کا استعمال عام ملتا ہے۔ یہ شعر دیکھئے ؎

عیاں واللیل سے ہے وصف گیسوئے معنبر کا
سراسر والضحیٰ تعریف رخسار منور ہے

ترا وصفِ مقدس ہے الم نشرح لک صدرک
تری مدح و ثناء میں سورۂ والنجم و کوثر ہے
ہوا ہے شوق بیماری میں تریٔ نعت گوئی کا
تعالی اللہ کہ سیدھا آج کل میرا مقدر ہے4؎

شاعرہ استغاثہ کے انداز میں اپنی خستہ حالی پر بارگاہِ رسالت پناہؐ میں یوں فریادکناں ہے ؎

یا رسول عربیؐ شاہسوارِ مدنی
دیکھ لے آکر مری خستگی و دل شکنی5؎

مولانا عبدالقدیر بدریؔ (ولادت ۱۸۶۳ء) کے کلام میں بھی نعتیہ عناصر موجود ہیں۔ان کی ایک مثنوی ''دُرِ یتیم''، جو کشمیری اور اردو کے تین ہزار سے زائد اشعار پر مشتمل ہے،6؎ نبی برحقؐ کے معجزات کے مضامین سے عبارت ہے۔

ضیاء الدین ضیاؔ کشتواڑی (م ۱۸۹۵ء) کے فرزند غلام محی الدین محیؔ کے اردو نعتیہ کلام کا ذکر کرتے ہوئے عبدالقادر سروری نے ان کے درج ذیل نعتیہ اشعار درج کئے ہیں ؎

چشم الفت میں روشنائی ہے
پر تو نور والضحائی ہے
خود تماشا ہے اور تماشائی
سر حق نور مصطفائی ہے
پادشاہوں سے بڑھ کے عزت ہو
اس گلی کی اگر گدائی ہے
مرحبا، مرحبا ہو بخت رسا
کوئے جاناں میں اب رسائی ہے7؎

غلام احمد مہجورؔ (۱۸۸۷ء-۱۹۵۲ء) کا شمار کشمیری زبان کے صفِ اوّل کے سر برآوردہ شعراء میں ہوتا ہے۔انہوں نے اردو میں بھی شعر کہے ہیں۔ان کی کچھ نظمیں بیک وقت دو زبانوں کشمیری اور اردو میں ملتی ہیں۔''سلام مہجورؔ'' کے زیرِ عنوان نظم ان میں سے ایک ہے۔اس میں کبوتر کے ذریعے روضۂ اقدس تک ہدیۂ سلام بھیجا گیا ہے۔اور اپنے رنج و آلام کے علاوہ عالم اسلام کو درپیش مصائب و مشکلات کی آسانی کے لئے مہجورؔ نے بارگاہِ رسالتؐ میں امداد کی التجا کی ہے۔ملاحظہ ہوں اس نظم کے چند اشعار ؎

آپؐ ہیں غمخوار امت کیا بڑی سرکار ہے
شاہ عالم دور کر دے رنج و غم میرے تمام
کب ترےؐ کوچے میں پہنچوں تو فدا ہو جاؤں میں
میں تب فرقت میں جلتا رہتا آیا ہوں مدام
پہنچئے گا داد کو، بے داد ہے بیداد ہے
لے رہا ہے کفر اب اسلامیوں سے انتقام8؎

چودھری خوشی محمد ناظرؔ (م ۱۹۴۰ء) کی نعتوں میں مدح وثنائے خواجہؐ کے ساتھ ساتھ امت مسلمہ کی زبوں حالی پر ان کے دل کی غمناک کیفیت بھی عیاں ہے ؎

ہوئی عالم میں تیری ذات والا
دلیل رحمت باری تعالیٰ
کیا انسان کا ہمسر تو نے انسان
برابر کر دیا سب پست و بالا
تری امت کو اے دریائے رحمتؐ
پڑا موج حوادث سے ہے پالا9؎

پروفیسر محمد طیب صدیقی ضیغمؔ (۱۹۰۴ء-۱۹۷۲ء) کی نعتوں میں متصوفانہ رنگ جھلکتا ہے۔ ان کا ایک سلام جو ''عرض سلام بدرگاہ حضرت خیر الانام صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم'' کے عنوان سے ہے، ۱۸ بندوں پر مشتمل ہے۔ ضیغمؔ کہتے ہیں ؎

السلام اے سرفرازو ہر دو عالم السلام
السلام اے دلنواز رب اکرم السلام
السلام اے شاہباز عرش اعظم السلام
السلام اے کارساز نوحؑ و آدمؑ السلام
السلام اے شاہد بطحا و یثرت السلام
السلام اے زینت شمشیر و منبر السلام
السلام اے فاتح احزاب و خیر السلام
السلام اے ساقی تسنیم و کوثر السلام

السلام اے شافع امت بہ محشر السلام
السلام اے شاہد بطحا و یثرب السلام10؂

اسی دور کے ایک غیر مسلم شاعر چودھری دینا ناتھ رفیقؔ (ولادت ۱۹۰۴ء) کے مجموعہ کلام ''سنبل و ریحان'' میں نعت رسولؐ اور منقبت امام حسینؓ میں کئی نظمیں ملتی ہیں۔ایک طویل نعتیہ نظم جو طویل بحر میں ہے، نبی برحقؐ سے شاعر کی عقیدت ومحبت کی منہ بولتی تصویر ہے۔رفیقؔ کہتے ہیں ؂

بانی دین اسلام تیری ثنا، کس میں طاقت ہے تحریر میں لا سکے
میری ننھی زباں، اس میں قدرت کہاں، گیت لطف وکرم کے ترے گا سکے
تو غریبوں کا ملجا و ماویٰ رہا، تو یتیموں کے دل کا سہارا رہا
تھی بھنور میں جو کشتی پڑی قوم کی، اس کا ساحل بنا، تو کنارا بنا11؂

سعدالدین تارہ بلی کی نعتیں مضمون کی بلندی اور زبان و بیان کی پختگی سے عام طور پر عاری دکھائی دیتی ہیں۔حالاں کہ وہ نبی برحقؐ کے پیغام اور مقصد بعثت کو واضح کرنا چاہتے ہیں۔نمونہ کلام کے طور پر دو شعر ملاحظہ ہوں ؂

کاش میدان سیاست کے یہ راہی جانیں
کہ محمدؐ ہے محمدؐ کا خدا اچھا ہے
اور پیغام محمدؐ سے وفا آب حیات
یہی دستور، یہی صدق و صفا اچھا ہے12؂

طالب حسین رندؔ بھدرواہی کی نعتوں میں عشق رسولؐ کی والہانہ تڑپ موجود ہے ؂

کیوں نہ ہوں مجھ پہ گہربار رسول عربیؐ
دونوں عالم کے ہیں سرکار رسول عربیؐ
میں ہوں مشتاق بلا لیجئے روضے پہ مجھے
لحمہ ہے گراں بار رسول عربیؐ13؂

غ۔م۔طاؤسؔ (ولادت ۲۲؍مئی ۱۹۲۰ء) کے مجموعہ کلام ''موج موج'' (سال اشاعت ۱۹۸۰ء) میں ''حضور رسالت مآبؐ میں'' کے زیرعنوان ایک استغاثہ درج ہے، جو کشمیر کے اردو نعت گو شعراء کے نعتیہ نمونوں میں ایک خاص مقام رکھتا ہے۔اس نعت میں بیک وقت کئی پہلو قاری کی توجہ اپنی جانب کھینچ لیتے ہیں۔اس میں درود وسلام کا انداز ہ بھی ہے اور مدح وثنائے رسولؐ کے اشعار بھی۔شاعر کے واردات قلبی کا اظہار بھی

ہے اور امت مسلمہ کی زبوں حالی کی دلدوز تصویر تھی۔ پھر بھی بارگاہ رسالت مآبؐ میں فریاد اور استغاثہ نہ صرف یہ کہ موثر ہے، بلکہ درد و سوز میں ڈوبا ہوا ہے۔ طاؤسؔ اس شاہکار نعتیہ نمونے میں کہتے ہیں ؎

سلام اے ظل سبحانی! سلام اے فضل رحمانی
سلام اے شاہ شاہاں! مظہر انوار یزدانی
اک وہ تھے جن کی ضربت سے زمانہ کانپ اٹھتا تھا
اک ہم ہیں جن کو لے ڈوبی ہے بے ذوقی تن آسانی
کہوں کیا داستان اپنی کلیجہ منہ کو آتا ہے
مسلمان ویسے ہم بھی ہیں مگر ننگ مسلمانی
ہوئے محکوم کھو بیٹھے متاع آبرو مندی
گئی ہمت، گئی غیرت، گئی وہ شعلہ سامانی
نظر اے سید اولاد آدم! سرور عالمؐ
در اغیار پر ہے ملت بیضا کی پیشانی14؎

ابوالاشرف قاری سیف الدین کی نعتوں میں نبی برحقؐ سے عقیدت و شیفتگی کے ساتھ زبان و بیان کی تازگی اور شگفتگی دیکھنے کو ملتی ہے۔ نمونہ نعت ملاحظہ ہو ؎

بخشا گلوں کو حسن لقا اک نگاہ سے
اللہ رے! وہ باغباں کتنا حسیں تھا15؎

☆☆☆☆☆

سلام اس روئے زیبا پر جو نور حق کا مطلع تھا
سلام اس پاک گوہر پر نبوت کا جو مقطع تھا16؎

میر غلام رسول نازکیؔ (ولادت ۱۴/ مارچ ۱۹۱۰ء) کشمیر کے اردو شعراء میں ایک خاص مقام رکھتے ہیں۔ بقول عبدالقادر سروری:

''وہ وادی کشمیر کے کہنہ مشق شاعروں میں سے ہیں اور اردو زبان میں اظہاری نزاکتوں کے شعور بیان کے انداز پر قدرت نے انہیں اساتذہ کے مرتبہ پر پہنچا دیا ہے''۔17؎

نازکی کا پہلا مجموعہ کلام ''دیدہ تر'' کے نام سے ۱۹۴۹ء میں شائع ہوا۔ اس کے بعد ان کے کئی اور مجموعے بھی منظر عام پر آ گئے، جن میں ''آواز دوست'' اور ''نزاکت'' وغیرہ شامل ہیں۔ انہوں نے نعتیں

بھی کثرت سے لکھی ہیں۔ان کا ایک نعتیہ مجموعہ ''چراغ راہ'' ۱۹۸۹ء میں چھپ کر سامنے آ گیا۔اس مجموعہ نعت میں شامل نعتوں کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ نبی برحقؐ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ کو قلبی واردات، وجدانی مشاہدات اور روحانی تجربات کے ساتھ بیان کرنا نازکیؔ کا محبوب مشغلہ ہے۔ نعتیہ منظومات کے علاوہ انہوں نے نثر میں بھی نعتیہ ادب پر کئی مضامین اور نعت گو شاعر عبدالاحد نادمؔ کے حالات اور کلام سے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔نمونہ نعت ملاحظہ ہو ؎

میرا قرآن مصحف روئے رسول ہاشمیؐ
حوض کوثر خوی دلجوئے رسول ہاشمیؐ
میرا فردوس بریں کوئے رسول ہاشمیؐ
شاخ طوبیٰ عکس گیسوئے رسول ہاشمیؐ
دین میرا شوق پابوس رسول ہاشمیؐ
عشق میرا رقص طاؤس رسول ہاشمیؐ
میری عزت خواجہ یثرب کی عزت پہ نثار
میرا مذہب، حفظ ناموس رسول ہاشمیؐ[18]

مرزا غلام حسن بیگ عارفؔ (ولادت ۱۹۱۰ء) کے کلام میں متعدد اردو نعتیں بھی ملتی ہیں۔دو شعر ملاحظہ ہوں، جن سے عارفؔ کا اسلوب نعت ہویدا ہے ؎

چھڑا یا ما سوا سے جس نے آدمؑ کو محمدؐ ہے
جھکا یا حق کے آگے جس نے عالم کو محمدؐ ہے
وہ نور لم یزل جو رحمۃ للعٰلمینؐ بھی ہے
اخوت کے اٹھایا جس نے پرچم کو محمدؐ ہے

سرون ناتھ آفتابؔ (ولادت ۱۹۰۸ء) نام کے ایک ہندو شاعر کے کلام میں کئی نعتیں نظر آتی ہیں۔ایک نعت مختصر بحر میں ہے ؎

پیام محمدؐ نشانِ اخوت
ہے دنیا میں راحت تو عقبیٰ میں دولت
غریبوں کا مولیٰ یتیموں کا آقا
تھی ذات اس کی سب کے لئے باب رحمت

سردار وزیر محمد خاں وزیرؔ (م ۱۹۶۶ء) کی شاعرانہ صلاحیتوں کا بھرپور اظہار ان کے نعتیہ کلام میں ہوا ہے۔ پروفیسر سروری نے لکھا ہے کہ جج بن جانے کے بعد وزیرؔ کا جی شاعری سے اکتا گیا اور انہوں نے غزل کا سارا سرمایہ ضائع کر دیا اور اپنی توجہ نعت ومنقبت کی طرف مبذول کی۔ 19 نمونہ نعت ملاحظہ ہو ؎

ہوں بحر و بر افلاک وز میں جس کے حوالے
کیا کہنا پھر اس بار امانت کے امیں کا
دنیا میں وزیرؔ ان کے سوا کون ہوا ہے
جو باعث تخلیق ہو افلاک وز میں کا

پروفیسر ایم سے شیداؔ (ولادت ۱۹۲۷ء) کا نعتیہ کلام اگرچہ مختصر ہے، مگر اس میں ایمان بالرسالت کی حرارت، جذبہ حب رسولؐ کی صداقت، آداب ولوازم نعت کی واقفیت اور زبان وبیان کی حلاوہ ہر جگہ نمایاں ہے۔ یہ شعر دیکھئے ؎

جلال حق کمال ارتقاء آئین پیغمبرؐ
مثال ماہ جمال مصطفیٰؐ آئیں پیغمبرؐ
یہ اسوہ ارفع و اعلیٰ عدالت کا قیادت کا
زمیں پر قاطع جو رو جفا آئین پیغمبرؐ
ہوئی کافور ظلمت مطلع انوار رحمت سے
اندھیرے میں چراغاں کر گیا آئیں پیغمبرؐ
زمانہ پھر پلٹ کر آرہا ہے اپنی منزل پر
ہو یدا ہو رہا ہے دلکشا آئیں پیغمبرؐ

سید جلال الدین اعجازؔ کا مجموعہ کلام ''نغمہ اللہ ہو'' حمد، نعت، منقبت اور قومی وملی منظومات پر مشتمل ہے۔ ۱۶ر صفحات پر پھیلا ہوا ''حصہ نعت'' بحر طویل اور بحر مختصر کی متعدد نعتوں سے عبارت ہے۔ اعجازؔ کے کلام پر علامہ اقبالؔ کے افکار اور اسلوب کی گہری چھاپ نمایاں ہے۔ ان کی نعتوں میں نبی برحقؐ کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق فاضلہ کے ذکر کے ساتھ ساتھ مقصد بعثت کا بیان بھی ملتا ہے۔ نمونہ کلام ملاحظہ ہو ؎

اس خدا کے پیمبر پہ لاکھوں سلام
جس پہ نازل ہوا ہے خدا کا کلام

وہ یتیموں کا غمخوار دلبر بھی تھا
بے کسوں کا سہار بھی سرور بھی تھا
جس کا لطف و کرم دوست دشمن پہ عام
اس خدا کے پیمبر پہ لاکھوں سلام20؂

☆☆☆☆☆

قیصر نہ تاب لا سکا کسریٰ نہ لاسکا
بدر و حنیں میں دیکھ کے سطوت رسولؐ کی
دنیا اب آزما کے کرے کیوں نہ اعتراف
قابل ہے پیروی کے قیادت رسولؐ کی
دنیا کو پھر سے مل سکے گی دائمی نجات
ہو جائے گی جب عام سیادت رسولؐ کی21؂

مشتاقؔ کاشمیری کشمیری زبان کے ایک معروف شاعر ہیں۔ ان کا اردو مجموعہ ''فغان کشمیر'' کے نام سے شائع ہو چکا ہے۔ اس میں دیگر منظومات کے ساتھ نعتیہ نظمیں بھی نظر آتی ہیں۔ دراصل مشتاقؔ نے اپنی پوری شاعری ہی قرآن وسنت کی ترجمانی اور تبلیغ کے لئے وقف کر دی ہے، جس کے سبب ان کی عام منظومات میں بھی کہیں نہ کہیں ذکر رسولؐ یا ذکر پیغام رسولؐ کسی نہ کسی صورت میں ملتا ہے۔ نعت میں مشتاقؔ کاشمیری کے موضوعات سے مدح وثنائے نبیؐ سے لے کر ملی وقومی مسائل ومشکلات کے تذکار اور امت مسلمہ کی زبوں حالی، بے عملی اور بے حسی پر اشک غم واندوہ بہانے تک محیط ہیں ؎

میری طلب ہے ساقیٔ کوثر کی رفاقت
تجھ کو سرود و رقص و مے و جام چاہئے
سزا مجھ کو ملی اس بات پر ان کی عدالت سے
کہ میں صبح و مسا خیر البشرؐ کی بات کرتا ہوں

کشمیر کے دیگر اردو شعراء میں جن کے ہاں اکا دکا نعتیہ نمونے نظر آتے ہیں، مرحوم محمد دین فوقؔ، حسن ابن علی، ماسٹر زندہ کول ثابتؔ، وشوا ناتھ درجو ماہؔ، مرزا کمال الدین شیداؔ، سید مبارک شاہ فطرتؔ، پنڈت نند لال بے غرضؔ، ملک محی الدین قمرؔ، سید محمد رضوی، رساؔ جاودانی، نشاطؔ کشتواڑی، مولانا ابوالحسن مبارکی، پنڈت جیا لال بھان برقؔ، پروفیسر جگن ناتھ آزادؔ، پروفیسر محمد زماں آزردہؔ، غلام رسول آزادؔ،

عشرتؔ کشتواڑی، شہ زورؔ کاشمیری، شیخ غلام علی بلبلؔ، مفتی ضیاء الدین ضیاءؔ، ثناء اللہ عاجزؔ، تنہاؔ انصاری، غلام رسول کامگارؔ، فاضل کاشمیری، عبدالحق برقؔ، اکبر ہاشمی، سیفیؔ سوپوری، سائف کھوروی، امین کاملؔ، حبیبؔ کامران، شوریدہؔ کاشمیری، حامدیؔ کاشمیری، رحمان راہیؔ، قیصر قلندرؔ، اکبر جے پوری، شہزادی کلثوم، طاؤسؔ بانہالی، شبیبؔ رضوی، سلطان الحق شہیدیؔ، فرحتؔ گیلانی، قاضی غلام محمد، حکیم منظور، سجودؔ سیلانی، مرغوبؔ بانہالی، عاشقؔ کاشمیری، عاجزؔ ترالی، رفیق رازؔ، خالد بشیر، فاروق مضطرؔ، مقبول احمد، جاوید آزرؔ اور عبدالرحمان طالبؔ وغیرہ شامل ہیں۔ بد قسمتی سے ان میں سے اکثر شعراء کے پاس اتنا نعتیہ کلام اردو میں جمع نہیں، جس سے ایک مجموعہ ترتیب دیا جاسکے۔ اس کے برعکس ان لوگوں نے یا تو از راہِ تبرّک یا اپنے شعری مجموعوں کے آغاز میں روایت کے طور پر نعتیں سجائی ہیں، جن کو پڑھ کر کشمیر میں نعتیہ شاعری کے حوالے سے نہ تو کوئی تبصرہ ممکن ہے اور نہ ہی اس کے موضوع و مضمون اور ہیئت و اسلوب سے متعلق کسی واضح رجحان کی نشاندہی کی جاسکتی ہے۔ یوں یہ کہنے میں کوئی قباحت محسوس نہیں ہوتی کہ کشمیر کے اردو شعراء کے یہاں نعت نگاری کا وہ ذوق وشوق اور شغف مفقود ہے، جس کی بدولت اس صنف میں موضوعاتی اور ہیئتی سطح پر نئے تجربے کئے جاسکتے یا فکر وفن کے اعتبار سے اس کے معیار میں کوئی قابل قدر اضافہ کیا جاسکتا۔ اردو نعت کے حوالے سے اس مایوس کن صورت حال کے باوجود نئے لکھنے والے چند نوجوان شعراء کے یہاں نعت کے بعض عمدہ نمونے نظر آتے ہیں، جن کو دیکھ کر تازہ ہوا کے جھونکے راحت قلب وجگر کا سامان کرتے ہیں۔ ان میں سے چند نمونے درج ذیل ہیں:

اے کہ ترا وجود ہے بزم جہاں کی آرزو
شمس و قمر ہیں تیرا عکس لالہ و گل میں تیری بو
تیرے کرم سے ہے ابھی قلب چمن میں زیرو بم
پھولوں کے رخ تو زرد ہیں باد سموم چار سو
تخریب باغیان سے تنکے بکھر بکھر گئے
''حبل خدا'' کی بات کر، پھر کہہ دے ''لا تفرقو''
اے جان انقلاب آ، کملی کی رسم پھر سکھا
لوگوں نے پھر بھلا دیا جو حرف تھا ''قل العفو''
چہروں کے اس ہجوم میں پھرتا ہوں درد دل لئے
زخم دروں کی بات ہے، جزؔ تیرے ہے کہاں رفو22؎

معروف شاعر ڈاکٹر نذیر آزاؔد کے ان (مندجہ بالا) نعتیہ اشعار میں نہ صرف وہ جہانِ کرب چھپا ہوا ہے جس سے موجودہ کشمیر کا چپہ چپہ کراہ رہا ہے، بلکہ اس میں رحمۃ للعٰلمینؐ سے استغاثہ و استمداد کے انداز میں چارہ گری کی التجا بھی کی گئی ہے۔

ڈاکٹر حیات عامرؔ حسینی کے دو شعری مجموعے ''نیم وحشی رات'' اور ''اب کے جنگ کہاں پر ہوگی؟'' کے نام سے منظر عام پر آ چکے ہیں۔ تیسرا مجموعہ کلام ''شاخ طوبیٰ'' کے نام سے زیر ترتیب ہے، جس میں کئی نعتیں شامل ہیں۔ عامرؔ کی نعتوں میں اس داستان خونچکاں کی جھلک تناظر میں جلوہ گر ہے، جو ۱۹۸۹ء کے بعد کشمیر میں مسلسل قتل و غارت گری، خون ریزی اور انسانی اقدار و حقوق کی پامالی سے لکھی جا رہی ہے۔ عامرؔ حالات کی ستم رانیوں سے کشمیری مسلمان کا قافیہ حیات تنگ ہو جانے پر بارگاہ رسالت پناہؐ میں یوں فریاد کناں ہیں ؎

زندگی طوفان زدہ ہے، موت ہے رقصاں یہاں
ہر گلی اک کربلا ہے یا محمد مصطفیٰؐ

میں اسیر شامِ غم ہوں زندگی ویران ہے
آپؐ ہیں والفجر آقا صبح نو کر دے عطا

ہر گلی دہشت زدہ ٹھٹھری ہوئی
اک نگاہ پُر کرم اے والضحیٰؐ

میری کشتی ڈوبتی ہی جائے ہے
ہر طرف آشوب محشر ہے بپا

نالہ و فریاد، آہ و زاری اور استغاثہ و استمداد کی یہ لے آگے چل کر اور بھی تیز ہو جاتی ہے۔ یہ اشعار دیکھئے:

ہر چمن اجڑا ہوا خاموش ہے
میرے آقاؐ دیکھئے کیا کیا ہوا

ظالموں نے ہر زبان تاراج کی
ہر بدن بکھرا ہوا یا مصطفیٰؐ

لوگ کہتے ہیں قیامت آئے گی
ہر نظر ہے لالہ وش رنگین قبا

ہر سحر اجڑی ہوئی صبح نشور
ہر شفق خونیں بدن مشکل کشاؐ

تاریخ کشمیر کا یہ بھیانک ترین دور (آغاز:1988ء)، جس میں ہزاروں قیمتی جانیں تلف ہوئیں، لوگوں کے گھر جلے، اثاثے لٹے اور بستیاں تاراج ہوئیں، تادم تحریر اپنی تمام ترحشر سامانیوں اور تباہ کاریوں کے ساتھ رقص کناں ہے۔ اس دور کی بے بسی اور مظلومیت سے اٹھنے والی دلدوز چیخیں ہر حساس فنکار کو جھنجھوڑنے کے لئے کافی ہیں۔ چنانچہ نئی نعتیہ شاعری کے پس منظر میں تاریخ کشمیر کے یہ روح فرسا واقعات لو دے رہے ہیں۔ آج سلیم نازؔ بریلوی جیسا نوجوان شاعر انہی ناگفتہ بہ خراب حالات سے دل شکستہ ہو کر حالیؔ کے انداز فریاد کو یوں اپنا کر پکار اٹھتا ہے ؎

کشمیر میں امت پہ عجب وقت پڑا ہے
''اے خاصہ خاصان رسل وقت دعا ہے''
آقا اسے خوشنودی مولا بھی دلا دے
کشمیری مسلماں کا جو انداز وفا ہے

جوہرؔ قدوسی (راقم الحروف) کی نعتوں میں بھی عصری مسائل ومصائب کے حوالے سے درد وکرب کا اظہار جگہ جگہ نمایاں ہے ؎

پامال غم ہیں اور ہم وقفِ ملال بھی
اے عشق مصطفیؐ ہمیں اب تو سنبھال بھی
چھلنی ہے جگر، قلب ہے اپنا لہو لہو
زخمی ہیں پھول اور چمن خستہ حال بھی

☆☆☆☆☆

ارض وطن پہ ہیں ظلمت کے سائے
اب روشنی ہم کو آقا! دکھائیں
پھولوں کے چہرے بھی مرجھا گئے ہیں
ایسی چلیں یاں خزاں کی ہوائیں

کچھ نوجوان شعراء ایسے بھی ہیں، جن کے نعتیہ کلام میں ملی مسائل ومشکلات کی بجائے ان کی اپنی ذات کے حوالے سے اشعار ملتے ہیں۔ مثلاً:

ہو تحریر میری کہ تقریر میری
میں کرتا ہوں ذکر نبیؐ لا محالہ

وہ نور تجلا وہ رحمت کا پیکر
کیا جس نے حسن جہاں کو دو بالا

ڈاکٹر فرید پربتی

یہ حرف و صوت کی تعریف بس گذارا ہے
جمال رب کا محمدؐ ہی استعارا ہے
جہاں بھی موجہ تاریکیٔ زمانہ اٹھی
خدا نے نور محمدؐ کا چاند اتارا ہے

شفقؔ سوپوری

حواشی

1۔ تا 5۔ کشمیر میں اردو (جلد دوم) عبدالقادر سروری، سری نگر، ۱۹۸۴ء صفحات ۱۲۲، ۱۱۳، ۱۱۴
6۔ ایضاً ص ۱۹۸ 7۔ ایضاً ص ۲۰۴
8۔ مہجورؔ نمبر، ''شیرازہ'' سری نگر، اگست تا نومبر ۱۹۸۴ء ص ۳۹۲
9۔ رسولؐ نمبر (جلد دہم) ''نقوش'' لاہور ص ۵۲۴
10۔ رشحات کلام صرفیؔ، طیب صدیقی ضیغمؔ، مطبوعہ مرکنٹائل پریس سرینگر، ۱۹۶۴ء ص ۴
11۔ کشمیر میں اردو (جلد دوم) ص ۳۶۷
12۔ من وتو، سعد الدین، سرینگر، ۱۹۸۲ء ص ۳
13۔ محبوب کبریا ص ۳
14۔ موج، موج، غ۔م۔ طاؤس، سرینگر، ۱۹۸۸ء صفحات ۸۴، ۸۵
15۔ تا 16۔ متاعِ زنداں، قاری سیف الدین، سرینگر، ۱۹۸۱ء صفحات ۱۶، ۲۴
17۔ کشمیر میں اردو (جلد دوم) ص ۳۸۵
18۔ چراغ راہ، میر غلام رسول نازکیؔ، سرینگر، ۱۹۸۹ء ص ۳۴
19۔ کشمیر میں اردو (جلد دوم) ص ۴۱۷
20۔ تا 21۔ نغمہ اللہ ہو، جلال الدین اعجازؔ، رتنی پورہ، ۱۹۸۹ء صفحات ۳۱، ۳۲
22۔ نغمہ زنجیر پا، نذیر آزادؔ، قویل پلوامہ، ۱۹۹۲ء صفحات ۱۹، ۲۰

○❖○

مشتاق فریدی (ڈوڈہ۔جموں وکشمیر)

وادیٔ چناب کے چند نعت گوشعراء

وادیٔ کشمیر کی طرح وادیٔ چناب میں بھی نعت گوشُعراء کی منتشر کہکشاں ہے۔ان مدح خوانانِ تاجدارِ دو جہاں ﷺ کا نعتیہ کلام سوز و گداز اور عشق رسولِ رحمت ﷺ کی شبنمی تاثیر سے معمور ہے۔الیکٹرانک میڈیا سے رسائی نہ ہونے کی وجہ سے ان ثناخوانانِ خیرالوریٰ ﷺ کا نعتیہ کلام ان کی بیاضوں، کتابوں میں بے طباعت پڑا ہوا ہے۔ان مدح سراہانِ سرورِکون ومکان ﷺ میں جن شعراء کی رسائی سیاسی یا ذاتی اثر ورسوخ سے دور درشن سرینگر، ریڈیو کشمیر سرینگر تک ہے، ان کا نعتیہ کلام کبھی کبھار سامعین وناظرین سن پاتے ہیں۔

مرحوم رسؔا جاودانی، غلام نبی ڈولوال جانباز کشتواڑی مرحوم غالباً پہلے نعت گوشاعر ہیں جن کا نعتیہ کلام ان اداروں سے نشر ہو کر ہزاروں سامعین اور ناظرین کو محظوظ کرتا ہے۔

ان مرحوم نعت گوشعراء نے دربارِ رسولِ رحمت ﷺ میں عشق ومحبت کے گلہائے رنگا رنگ نعتوں کی صورت بطورِ نذرانہ پیش کئے ہیں۔ان میں سے چند شعراء کا نمونہ کلام پیش ہے:

غلام رسول کامگارؔ پُر جمال وجیہہ شخصیت کے مالک تھے۔مرحوم کی مقبول عام وخاص نعتِ شریف (کشمیری) کے دوشعر ملاحظہ ہوں ؎

گرٛھکنا صحکے واوَو مدینس
وَنکھ احوال میانی شاہِ دینس
نہین نا میؤن زُو مشتاق گومُت
ییہ وند تن مرقدِ سلطان دینس

رسا جاودانی مرحوم رسا جاودانی کو اللہ تعالیٰ نے شاعری کے ساتھ ساتھ دلکش ترنم سے نوازا تھا۔ اکثر مشاعروں میں اپنی شیریں آواز میں اپنا کلام پڑھتے تھے۔ان کی نعتوں کو بھی قبولِ عام حاصل تھا۔ نمونۂ کلام (کشمیری) ؎

مرسلن منز چھُ تھدے پایہِ رسولِ عربیؐ
لا مکانس چھُ شرف پاے رسول عربیؐ

شب اکہ اسی آسی پنہ نِس حسابس
اسہِ ڈیوٹھ جلواہ خوابس منز

نشاط کشتواڑی کا نعتیہ کلام زبان زدِ عام ہے۔میلاد کی محفلوں اور جلسوں میں اکثر نعت خواں ان کا کلام سوز و گداز کے ساتھ پڑھتے ہیں۔نمونۂ کلام (کشمیری) ؎

نشاطس چھُنا اکھ بوڈ پُشت باناہ
سُہ مسکیں پرور، رسولِ دو عالم
نشاطِ حزیں چھُس بہ چونوی غلاماہ
کرکھ نا مے کُن اکھ نظر یا محمدؐ

مرحوم غلام نبی ڈولوال جانباز کشتواڑی نے جہاں اپنے احباب شعراء کو اپنی سحر آفریں آواز سے زبان عطا کی، وہیں اپنے نعتیہ کلام سے بھی دھوم مچائی۔

جانباز کشتواڑی کی بلند طالع دختر جہاں آراء جانباز کی مسحور کن آواز میں یہ (کشمیری) نعت شریف عاشقانِ رسول عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دل و دماغ میں گداز پیدا کر کے رکھ دیتی ہے مطلع:؎

شوژ شراے گژھ مدینس کوترو، کوترو
میانی شیچھ ہیتھ شاہِ دینس کوترو کوترو

عشرت کاشمیری مرحوم نے اپنی سروس کے دوران شعر و سخن کی مجلسوں کا انعقاد کر کے ادبی ذوق و شوق کو عام کرنے میں اہم رول ادا کیا ہے۔ان کی نظم و نثر جادو کی تاثیر رکھتی ہے۔

سرورِ کونین کی مہمان نوازی مرحوم کی شہکار نعتیہ نظم ہے۔نمونہ کلام:

خجل غلماں ہیں حوریں زرد ہیں، یوسف پریشاں ہیں
چھڑا فردوس میں ہے تذکرہ اُس دُرِّ درخشاں کا

اُلفت کشتواڑی کشمیری زبان کے نامور شاعر تھے۔نمونہ کلام: (کشمیری)

لگے مدینہ کہِ مسافرو، میآنی نبی کریمس سلام ونی زیم
دہاں چھلِتھ بہ مشکِ آب زمزم بصد احترام سلام ونی زیم

محمد امین شوکت فریدی مرحوم اردو، کشمیری زبان پر کمال دسترس رکھتے تھے۔نمونہ کلام: (کشمیری)

چھُ حسنِ ازل در بہارِ مدینہ
ز جنت چھُ خوشتر دیارِ مدینہ

وفا بھدرواہی مرحوم رسؔا جاودانی کی طرح ہی شاعر وگلوکار تھے۔ان کونعت پڑھنے کا خاص انداز تھا۔نمونہ کلام:(کشمیری)

تھود بجر چون صلِ علیٰ
لا مثالو مثالس لگے

یہ تھے چند مرحوم نعت گوشعراء۔اب چند مقتدر بقید حیات شعراء کے نعتیہ کلام سے چند اشعار ملاحظہ فرمایئے۔

پروفیسر مرغوب بانہالی: اگر شفقتوں،محبتوں اور دلنوازی کا پیکرِ عظمت دیکھنا ہوتو مرغوب بانہالی کو دیکھیے۔ان کا کلام للّٰہیت اور عشقِ تاجدارؐ دوعالم سے دلوں میں سوز وگداز پیدا کرتا ہے۔نمونہ کلام (کشمیری) ؎

بہ کیاہ پیش کرہ تس بجز شرمسآری
کران یُس خدا پانہ مدحت نگآری
بہترین تخلیق ذاتس آنجاب صلی اللہ علیہ وسلم
اسوہ حسنہ حیاتس آنجاب صلی اللہ علیہ وسلم

بشیر بھدرواہی کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کرمِ خاص سے نوازا ہے۔ان کی دلاویز شخصیت بیک نظر دیکھتے ہی متاثر کر کے رکھ دیتی ہے۔دورانِ حج اور مدینہ منورہ میں روضہ اطہر کی پُرکیف و پُرنور فضاؤں آخری سلام کر کے اپنے مضطرب احساسات کا یوں اظہار کرتے ہیں (کشمیری) ؎

رچھ رچھ مے تھوؤم اوش بے سود اچھن منز
وقتِ وداع رود پیو کتہِ رؤد اچھن منز

اسیر کشتواڑی قلم وقرطاس کے شہسوار ہیں۔نثر ونظم پر یکساں دسترس رکھتے ہیں۔تقریباً بیس کتابوں کے مصنف ومولف ہیں۔ان کے قلم سے نعت ومنقبت کی لہریں رواں ہوتی ہیں۔زودنویس ہیں۔ادبی دنیا میں منفرد مقام رکھتے ہیں۔نعتیہ اشعار:(کشمیری)

گاش چشمن پھیرم ڈیشتھ جمال
روے نازس پردہ تُل تو نا نبیؐ
انتظارس تُھندس منز چُھس اسیرؔ
عشقہ پنہ نے سینہ بھرہ تو یا نبیؐ

پروفیسر محمد اسد اللہ وانی تحقیق وتنقید میں مصروف رہتے ہیں جب شعر گوئی کی طرف توجہ کرتے ہیں تو یوں عشقِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا اظہار کرتے ہیں ۔

محمدؐ کا زباں پر میری یا رب جب بھی نام آیا
نگاہیں جھک گئیں لب پر درود آیا سلام آیا
مبارک ہو اسدؔ تجھ کو رتبہ جو ہوا حاصل
محمدؐ کے ثنا خوانوں میں اب تو تیرا نام آیا

غلام قادر بیرواڑی ناخواندہ شاعر ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں شعر گوئی کا جو ملکہ عطا فرمایا ہے، اس کی مثال وادی چناب میں نہیں ہے۔ ان کو جب آمد آتی ہے تو شعر کہتے جاتے ہیں اور لکھواتے جاتے ہیں۔ نمونہ کلام (کشمیری): ۔

نظر یلہِ ژ کرہس ژلن قادرس غم
بلن داد جگرس عشقِ دل حزینس
نۓ قلم کاغذ نے چھم ناخواندس
زار چھس یاد تھاوان زبان یا نبیؐ

جگدریش راج رانا (عشاق کشتواڑی) کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ موصوف کے دل میں وحدت کی چنگاری سُلگ رہی ہے اور دماغ میں کوئی غیر مرئی مورتی انگڑائی لیتی رہتی ہے۔ خدا خیر کرے۔ دربارِ سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم میں یوں عقیدت کا نذرانہ پیش کرتے ہیں ۔

کیا دور تھا کہ عرب کے صحرا میں ایک دن
اِک پیکرِ انوار کا ظاہر ہوا وجود
اس ہستیٔ عظیم کو عشاقؔ صد سلام
حاصل نصیب اس کا صلہ سب کو عام ہو

شمیم اختر شمیم بانہالی: (کشمیری) ۔

چھُس روے انور بتھ آبِ کوثر
شوبہ ؤن پاراو سبحان اللہ
عالم چھُ توشن، ملکوت روشن
شبنم ستھ تھاو سبحان اللہ

شمیمہ دیو آزاد کو گلوکاری نے شاعرہ بنا دیا۔ ان کا نعتیہ کلام عشقِ فخر دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم تابندہ ہے۔ نمونہ کلام (کشمیری): ۔

دادِ نے کرتم دوا، یا رسولِ عربیؐ
بوزِتو میوئے صدا یا رسولِ عربیؐ
داد لد پانس غم چھِم لگ مت
خم چھُم گومُت سرِو قدس

ہاجرہ بیگم پرواز گول (کشمیری): ۔

حق چھُ ونان رسولِ عربیؐ
محترم تہِ ذی شان رسولِ عربیؐ
لول چونٔے چھُ ہاجرسٓ در دِل
چانہِ برہ تل چھُے یِوان رسولِ عربیؐ

مہتاب بیگم مغل، بھدرواہ : (کشمیری) ۔

کر آباد اسہِ ون دوبارے
یا رسولِ عربیؐ

نیلوفر ڈوڈہ : ۔

سرکارؐ دو عالم کی شفاعت کی اُمید رکھ
نہ ہو ملول نیلوفرؔ روزِ حساب کے غم سے

○❖○

"جہانِ حمد ونعت"
کی اشاعت پر مبارکباد

خطبۂ حجۃ الوداع

خطبۂ حجۃ الوداع انسانی حقوق کی تاریخ کا مبداو منتہی (آغاز وانجام) ہے،
جس کے اہم نکات درج ذیل ہیں :

۱۔جان، مال، عزت وآبرو اور اولاد کے تحفظ کا حق۔
۲۔امانت کی ادائیگی، قرض کی وصولیابی اور جائیداد کے تحفظ کا حق۔
۳۔سود کے خاتمہ کا تاریخی، جو کہ اعلان انسانیت پر احسان عظیم ہے۔
۴۔پر امن زندگی اور بقائے باہمی کا حق۔
۵۔ملکیت، عزت نفس اور منصب کے تحفظ کا حق۔
۶۔انسانی جان کے تحفظ اور قصاص و دیت میں مساوات کا قانونی حق۔
۷۔انسانی مساوات کا حق اور انسانی تفاخر و طبقاتی تقسیم کے خاتمہ کا تاریخی اعلان۔
۸۔عورتوں کے حقوق کا تاریخی اعلان۔
۹۔غلاموں کے حقوق کا تاریخی اعلان۔
۱۰۔عالمگیر مساوات انسانی اور مواخات کا حق۔تلک عشرة كاملة

منجانب :
ڈاکٹر عبدالمجید

تفہیمات

حمد و نعت: اِنتقادِ سخن، احتسابِ اسلوب

[حمدیہ و نعتیہ فن پاروں پر تبصرے اور تاثرات]

ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی (مالیگاؤں)

حمدیہ مجموعہ ’’ربنا لک الحمد‘‘ از: جمالؔ ناصر

جمالؔ ناصر کی شاعری کا ایک خاص وصف یہ ہے کہ انھوں نے شاعری میں اپنا پسندیدہ رویہ حمد نگاری کو بنایا۔ بارگاہِ رب العزت جل جلالہٗ میں نت نئے انداز اور طرزِ ادا کے ساتھ حمد پاک کا نذرانہ پیش کیا۔ یہاں تک کہ اردو کے تقدیسی شعری سرمائے میں ایک مکمل مجموعۂ حمد ’’ربنا لک الحمد‘‘ کا گراں قدر اضافہ کیا جسے شہر عزیز مالیگاؤں میں اولین حمدیہ مجموعے کا اعزاز حاصل ہے۔ ’ربنا لک الحمد‘ یقیناً ہر اعتبار سے لایقِ تحسین کارنامہ ہے۔ اللہ عز و جل کی عظمت و کبریائی، تسبیح و تمجید، تہلیل و تکبیر اور تحمید و تقدیس کا کماحقہٗ حق ادا کرنا کسی بھی انسان کے بس کی بات نہیں۔ ہاں! اظہارِ بندگی اور سجدۂ نیاز ادا کرتے ہوئے شعرا اس کی بارگاہ میں عاجزانہ حمدیہ اظہار کرتے ہیں۔ جمالؔ ناصر اس لحاظ سے شہرِ ادب مالیگاؤں میں نمایاں قرار دیے جانے کا مکمل استحقاق اپنے نام محفوظ رکھتے ہیں کہ انھوں نے مثالی انداز میں حمدِ باریِ تعالیٰ کا نذرانہ بارگاہِ صمدیت میں پیش کیا۔ ان کی حمدیہ شاعری میں رب کائنات جل جلالہٗ کی تعریف و توصیف اور اپنی عاجزی وانکساری کے جلو میں جس انداز سے فنی محاسن کی جلوہ گری، جذبہ و تخیل کی بلندی، اور جذبات کی صداقت نظر آتی ہے اس کو دیکھتے ہوئے بے ساختہ سبحان اللہ! ماشآء اللہ! کی داد نہاں خانۂ دل سے ابھرتی ہے۔ ان کے یہاں سنجیدگی ہے، متانت ہے، کیف ہے، سوز ہے، گداز ہے، ربِ کائنات جل جلالہٗ کی صفات کا نت نئے آہنگ کے ساتھ شاعرانہ اظہار کی چند مثالیں نشانِ خاطر کریں ؎

خلوصِ دل بھی اس کی جستجو میں ہو اگر شامل
جہاں چاہو، جہاں سوچو، جہاں دیکھو، وہاں ہے وہ
اُسی کے حُسنِ تدبر کا فیض ہے ورنہ
نظر نواز نظاروں کی آب و تاب ہے کیا ؟
خدا یوں ہی نہیں کرتا کسی کو مبتلائے غم
مکافاتِ عمل ہے سر بسر، آفات کا ہونا
تری یادوں میں کھو کر آدمی محفوظ رہتا ہے

قلق سے، رنج سے، آزار سے، غم سے، تفکر سے
ہاں ترے دیدار کو چشمِ بصیرت بھی تو ہو
واقعہ یہ ہے کہ ہر شئے سے ترا اظہار ہے

''اردو کی حمد یہ شاعری میں صنائع و بدائع'' عنوان کے تحت ایک تحقیقی مقالہ قلم بند کرنے کے دوران راقم کو جمال ناصر کے حمد یہ مجموعے ''ربنا لک الحمد'' کو بالاستیعاب پڑھنے کا موقع ملا۔ جمال ناصر نے اپنی حمد یہ شاعری میں جس احسن انداز سے صنائع کے نجوم درخشاں کیے ہیں اور بدائع کے مہر و مہ جگمگائے ہیں ان سے ان کے شعری وفنی محاسن پر گہری گرفت کا اندازہ ہوتا ہے۔

صنائع و بدائع شاعری کے حُسن وزیور ہیں۔ اس سے کلام میں حُسن اور لطف کی کیفیت میں اضافہ ہوتا ہے۔ لہٰذا اس کو لوازمِ شاعری میں شمار کیا جاتا ہے۔ البتہ صنائع و بدائع کا استعمال بڑی سلیقہ مندی کا متقاضی ہے۔ حدِ اعتدال سے زیادہ اس کا استعمال کلام میں حُسن و خوبی کے بجائے بے کیفی اور عیب جوئی کی کیفیت پیدا کر دیتا ہے۔

اردوٗ کے شعرا نے جہاں ایک طرف شاعری سے اپنی شناخت قائم کی وہیں دوسری طرف انھوں نے اردوٗ شاعری کو وہ بلندیاں اور رفعتیں بخشی ہیں کہ جن کی وجہ سے آج اردوٗ ہر لحاظ سے ایک مکمل اور پختہ زبان ہونے کا فخر حاصل کر چکی ہے۔ شاعری ایک تخلیقی فن ہے۔ ادبی صنعتیں اس میں حُسن پیدا کرتی ہیں۔ اس لیے بجا طور پر کہا جا سکتا ہے کہ اردوٗ زبان کی جملہ صفات میں ایک اہم اور نمایاں خوبی اس کی ''صنعتی شاعری'' ہے۔ اردو میں یہ فنّی حُسن دوسری اصناف کی طرح عربی و فارسی زبانوں سے آئی ہے۔

اصنافِ غزل و قصیدے میں صنائع و بدائع کے استعمال کی بڑی گنجایش ہے کیوں کہ اس میدان میں مبالغہ اور غلو پر کوئی پابندی یا قدغن نہیں ہے۔ لہٰذا شعرا صنائع و بدائع کے استعمال کو پسندیدگی کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ غزل اور قصیدہ میں صنائع بدائع کا استعمال آسان ہے۔ جب کہ حمد و نعت کے تنگنائے میں اس کا استعمال بے حد دشوار اور مشکل ترین امر ہے۔ اس لیے کہ یہاں غلو اور مبالغہ کا ہرگز گذر نہیں۔ البتہ حمد میں صنعتِ تلمیح، صنعتِ تلمیع، لف ونشر مرتب و غیر مرتب، مراعاۃ النظیر، صنعتِ اقتباس (قرآن و حدیث کے حوالے یا اشارے وغیرہ) خاص طور سے استعمال کیے جاتے ہیں۔ لیکن ان کے استعمال کے لیے بھی شعری تجربہ اور سلیقہ درکار ہے۔

صنعتوں سے کلام میں حسن ظاہری کے ساتھ معنوی وسعت بھی آشکارا ہوتی ہے۔ پھر یہ کہ حمد یہ شاعری میں شاعر کے داخلی کیف و سرور کا بھی پتا ملتا ہے۔ اپنے مالکِ حقیقی کے ساتھ اس کا تعلقِ

خاطر اسے منفرد حمدیہ شاعری پر اکساتا ہے۔یہی وجہ ہے کہ صنائع وبدائع کا استعمال، کلام کی فطری جلوہ سامانیوں کا مرقع بن کر جلوہ گر ہوتا ہے۔اس سے یہ اندازہ لگانا مستبعد نہیں کہ حمدیہ شاعری کا دامن بھی فنی کمالات اور انفرادی خصوصیات سے مالا مال ہے۔قدیم اردو کے حمد نگار شعرا نے صنعتوں کا خاص التزام کر کے اپنے حمدیہ اشعار کو خوبصورت پیکر عطا کیے ہیں،بعض ایسے شعرا بھی پائے جاتے ہیں جن کے یہاں صنعتوں کا استعمال تو ہوا ہے لیکن ان میں آمد ہی آمد ہے آورد کا نام ونشان نہیں ملتا۔فرط عقیدت میں شاعر نے ایک شعر کہہ دیا لیکن جب اس میں شعری حسن تلاش کیا گیا تو صنعات لفظی ومعنوی سے وہ معمور نظر آیا۔جمال ناصر کی حمدیہ شاعری میں بڑی خوب صورتی اور فن کارانہ چابکدستی سے صنائع معنوی اور لفظی دونوں کا استعمال کیا گیا ہے۔جس کا سرسری جائزہ پیش خدمت ہے:

صنائع معنوی

تعریف: ظاہری طور پر معنویت پر منحصر صنعتوں کو صنائعِ معنوی کہتے ہیں،شعرا جب مختلف الفاظ کا استعمال کرتے ہوئے اپنے کلام میں رنگارنگ معنویت کو پیدا کرتے ہیں تو اُسے صنائع معنوی کہتے ہیں ،لیکن الفاظ کے بغیر معنوی صنعت کا وجود ممکن نہیں۔ایہام،مبالغہ،مراعاۃ النظیر ،تضاد،تنسیق الصفات، لف ونشر مرتب وغیر مرتب، تلمیح،حُسنِ تعلیل اور ہجو وغیرہ معروف صنائعِ معنوی ہیں۔

(۱) مراعاۃ النظیر:

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں ایک لفظ کی رعایت سے اس کے مترادف الفاظ کا استعمال کرتا ہے تو اسے مراعاۃ النظیر کہتے ہیں۔مثلاً: برسات کا ذکر اس طرح کیا جائے کہ بارش، بادل، گرج، چمک،بجلی وغیرہ کا ذکر بھی ہو۔یا چمن کا ذکر اس طرح ہو کہ پھول، پتی،شاخ،خوشبو،وغیرہ کا بیان ہو، ہر صنفِ شاعری میں یہ صنعت عام طور سے استعمال کی جاتی ہے اس سے کلام میں حُسن پیدا ہو جاتا ہے، جمالؔ ناصر مالیگ کے مجموعہ حمد ''ربنا لک الحمد'' سے مراعاۃ النظیر کی چند دل کش مثالیں نشانِ خاطر کریں ؎

سرد ہو یا گرم ہو ، مرطوب ہو یا معتدل
کس سے ہو تبدیلیِ آب و ہوا تیرے سوا
(سرد،گرم،مرطوب،معتدل،آب وہوا میں رعایت لفظی ہے)

گل زار و دشت ، کوہ و دمن ، نخل و ریگ زار
بحرِ عمیق اور کنارے خدا ہے ہیں

(گل زار، دشت، کوہ، دمن، نخل، ریگ زار میں رعایت لفظی ہے)

ہر پھول، کلی ، برگ ، شجر ،خارِ مغیلاں
گھنگھور گھٹا ، مست ہوا تجھ کو پکارے
(پھول، کلی، برگ شجر، خارِ مغیلاں میں رعایت لفظی ہے)

شجر اُس کے، ثمر اُس کے، اُسی کے لالہ و گل
وہی باغِ جہاں کی باغبانی کررہا ہے
(شجر، ثمر، لالہ و گل میں رعایت لفظی ہے)

----

(۲) تضاد:

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جو ایک دوسرے کی ضد ہوں تو اسے صنعتِ تضاد کہتے ہیں۔ اس صنعت کو تکافو، طباق اور مطابقت بھی کہتے ہیں۔ یہ صنعت بھی حمدیہ شاعری میں بہ کثرت استعمال ہوئی ہے، جمال ناصر کے یہاں بھی اس کے بڑے خوب صورت نمونے ملتے ہیں، ذیل کا شعر دیکھیں اس میں حق و باطل اور ظفر مندی کے ساتھ ذلت کا استعمال بڑی عمدگی سے کیا گیا ہے ؎

برائے 'حق' ہمیشہ کے لیے رکھ دی' ظفر مندی'
رہا 'باطل' تو اس کے واسطے 'ذلت' عطا کی ہے
(حق و باطل/ظفر مندی و ذلت)

جمال ناصر کا مرقومہ تضاد کا یہ شہ پارہ بھی دیکھیں، کیا خوب ہے ؎

'ظاہر' و 'باطن' سے ہر بندے کے ہے تو باخبر
کیا عمل 'خلوت' میں ہے اور کیا عمل 'جلوت' میں ہے
(ظاہر و باطن/خلوت جلوت)

'سرد' ہو یا 'گرم' ہو ، مسرطوب ہو یا معتدل
کس سے ہو تبدیلیِ آب و ہوا تیرے سوا
(سرد و گرم)

'روز و شب'، 'شام و سحر'، موسم، ہوائیں، برگ و گل
ہر قدم پر مظہرِ حق ، صورتیں ہیں بے شمار
(روز و شب/شام و سحر)

جمالِ بے بصر کو اے خدا اتنی بصارت دے
کہ اُس کو امتیازِ 'خیر و شر' فوراً نظر آئے
(خیر و شر)

----

(۳) تنسیق الصفات:

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں کسی کا ذکر صفاتِ متواتر سے کرے تو اسے صنعتِ تنسیق الصفات اور تواتر کہتے ہیں۔ اس صنعت پر مشتمل جمال ناصر کے دو حمدیہ شعر خاطر نشین کریں ؎

کریم ہے تو ، رحیم ہے تو ، علیم ہے تو ، عظیم ہے تو
جمال کا یہ سخن ہے تیری ہی رفعتوں کا بیان والا

تو ناصر بھی ، تو یاور بھی ، تو مونس بھی ، تو مشفق بھی
جب کوئی ہمارا ہو نہ سکے ، اک تو ہی ہمارا ہوتا ہے

صنائعِ لفظی

تعریف: وہ صنعتیں جن میں منفرد الفاظ کا ہنر مندی سے استعمال کیا جائے صنائعِ لفظی کہلاتی ہیں۔ تجانیس، ایک یا زائد لفظوں کا استعمال، سجع، تلمیع، اقتباس، ردالعجز، مسمط، تاریخ گوئی، نقطوں یا بغیر نقطوں کی صنعت اور معمّا وغیرہ معروف صنائعِ لفظی ہیں۔

(۱) صنعتِ تجنیس:

تعریف: جب شاعر کسی شعر یا کلام میں ایسے دولفظوں کا استعمال کرے جو تلفظ میں یک ساں اور معنی کے اعتبار سے مختلف ہوں تو اسے صنعتِ تجنیس کہتے ہیں۔ صنائعِ لفظی میں صنعتِ تجنیس کو سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ صنعتِ تجنیس کی متعدد قسمیں ہیں لیکن ان میں ''تجنیسِ تام'' سب سے زیادہ پسندیدہ ہے۔

(الف) تجنیس تام کی مثالیں:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ استعمال کرتا ہے۔ جو لکھنے پڑھنے اور بولنے میں ایک جیسے ہوں لیکن ان کے معنی جدا جدا ہوں تو اسے صنعتِ تجنیسِ تام کہتے ہیں، جمالؔ ناصر کی حمدیہ شاعری سے تجنیسِ تام کی دو خوب صورت مثالیں نشانِ خاطر ہوں ؎

اس چشم پر 'جمالؔ' تصدق ہزار بار
جس چشم پر 'جمالِ' خدا آشکار ہو

خدا کی راہ پر چل کر ہی 'منزل' پائیں گے ورنہ
عبث گم کردۂ 'منزل' ہمارا قافلہ ہوگا

جمالؔ ناصر کے ان اشعار میں پہلے شعر کے مصرعِ اولیٰ کے 'جمالؔ' کا استعمال بہ طورِ تخلص ہوا ہے جب کہ دوسرے 'جمال' کا معنی جلوہ یا تجلی ہے۔ دوسرے شعر میں ایک منزل کا معنی 'مقام' اور دوسری منزل کا معنی 'راستہ' ہے۔

(ب) تجنیس مضارع:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جو تلفظ میں یکساں ہوں لیکن بعض حروف مختلف اور قریب المخرج ہوں تو اسے صنعتِ تجنیسِ مضارع کہتے ہیں، جمالؔ ناصر کا ایک شعر ؎

تجھ پہ ہے موقوف 'عشرت' اور 'عُسرت' کی عطا
تجھ پہ ہی موقوف ہے دارو مدارِ زندگی

('عشرت' اور 'عُسرت' کے دوسرے حروف مختلف لیکن قریب المخرج ہیں، یہ شعر تکرار مع الوسائط کی بھی عمدہ مثال ہے، ''عشرت اور عسرت'' میں تکرار مع الوسائط ہے)

(ج) تجنیس مذیّل:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرے جن میں سے ایک میں دو حرف

زائد ہوں تو اسے صنعتِ تجنیسِ مذیّل کہتے ہیں۔ مالیگاؤں کے اولین حمدیہ مجموعے ''ربنا لک الحمد'' از: جمالؔ ناصر سے تجنیسِ مذیّل کی مثالیں ؎

'کبر' ذاتِ 'کبریا' کو زیب دیتا ہے فقط
وہ معاذ اللہ ! کیوں انسان کے اندر رہے
('کبر' اور 'کبریا' میں تجنیس مذیل ہے)

افکارِ صالحہ کو پھر سے عروج دیدے
اِس دورِ 'بے حیا' میں پھیلے 'حیا' کی خوشبو
('بے حیا' اور 'حیا' میں تجنیس مذیل ہے)

(د) تجنیس قلبِ بعض:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو ایسے الفاظ کا استعمال کرتا ہے جن میں الفاظ کے بعض اجزا کی تقلیب ہوتی ہے اور ایک سے دوسرے کے معنی حاصل ہوتے ہیں تو اسے صنعتِ تجنیسِ قلبِ بعض کہتے ہیں بہ طورِ مثال جمالؔ ناصر مالیگ کا ایک شعر ؎

ہے ذات تری 'کامل' و 'اکمل' یارب
سارے ہی کمالات سے تُو واقف ہے
(''کامل'' اور ''اکمل'' میں تجنیس قلبِ بعض ہے)

----

(۲) مسمّط:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں اصل قافیے کے علاوہ تین مسجع یا ہم وزن فقرے یا قافیے مزید نظم کرے تو اسے صنعتِ مُسمّط کہتے ہیں۔ جمالِ ناصر مالیگانوی کے مجموعۂ حمد ''ربنا لک الحمد'' سے مسمط کی مثالیں خاطر نشین ہوں ؎

ترا ہر کام ہے کتنا منظم ، رواں ہے کاروبارِ پیہم
زمیں تا عرش موجوداتِ عالم ، ہیں سب تیری شہادت دینے والے
کروں دن رات میں تیری اطاعت ، ترے محبوب کی ہو دل میں الفت

عنایت کر دے پائے استقامت، مجھے راہِ شریعت دینے والے
کبھی ملتا نہیں ساحل کسی کو، عطا کر دی کبھی منزل کسی کو
رعایا میں کیا شامل کسی کو، کسی کو بادشاہت دینے والے
تری حکمت تو ہی سمجھے ہے بہتر، کوئی مفلوک کوئی صاحبِ زر
زمیں کو پستیاں دی ہیں سراسر، فلک کو اوج و رفعت دینے والے

----

(۳) تکرار یا تکریر:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں ایک ہی لفظ یا ترکیب یا مصرعے کی بار بار تکرار کرے، اس کو صنعتِ تکرار یا تکریر بھی کہتے ہیں، اس کی کئی قسمیں ہیں۔

(الف) تکریرِ مطلق:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں ایک ہی لفظ مکرر لائے خواہ دونوں مصرعوں کے شروع میں یا درمیان میں، جمال ناصر کے کلام سے تکریرِ مطلق کی خاطر نشین کریں۔

تیرا ہی یہ وصف کہ تُو ہے حاضر بھی اور ناظر بھی
'بستی بستی'، 'کوچہ کوچہ'، 'گھر گھر' تُو ہے اے مولا

(ب) تکریر مع الوسائط:

تعریف: جب شاعر کسی شعر میں دو لفظِ مکرر کے درمیان کوئی لفظ بہ طور واسطہ استعمال کرے، خواہ وہ لفظِ مکرر شعر کے دونوں مصرعوں میں ہوں یا ایک ہی میں، اس کو صنعتِ تکریر مع الوسائط کہتے ہیں۔ ربنا لک الحمد سے ایک بہترین مثال

'لب بہ لب' پاک نام اُس کا
تذکرہ صبح و شام اُس کا

جمال ناصر کے حمدیہ مجموعے ''ربنا لک الحمد'' کے سرسری مطالعہ سے صنائع معنوی ولفظی کی درج بالا مثالیں خوان مطالعہ پر سجائی گئی ہیں۔ اگر اس دل کش حمدیہ مجموعے کا بہ نظر غائر جائزہ لیا جائے تو مزید مثالیں بھی اخذ کی جاسکتی ہیں۔

○❖○

مفتی محمد اسحاق نازکی قاسمی (بانڈی پورہ)

علامہ انور شاہ کشمیریؒ کا قصیدۂ معراجیہ

علامہ انور شاہ صاحب کشمیریؒ (جو یقیناً اپنے زمانے میں اکابر سلف صالحینؒ کی ایک زندہ مثال تھے) کے عربی منظوم کلام المعروف ''قصیدہ معراجیہ'' نقل کرنے کو اپنی بڑی سعادت اور اس عنوان کی قبولیت کا باعث سمجھتا ہوں۔ علامہ لکھتے ہیں: ؎

تَبَارَكَ مَنْ اَسْرىٰ وَ اَعْلىٰ بِعَبْدِهٖ — اِلىٰ الْمَسْجِدِ الْاَقْصىٰ اِلىٰ الاُفُقِ الْاَعْلىٰ

اِلىٰ سَبْعِ اَطْبَاقٍ اِلىٰ سِدْرَةٍ كَذَا — اِلىٰ رَفْرَفٍ اَبْهىٰ اِلىٰ نَزْلَةٍ اُخْرىٰ

وَ سَوّٰى لَهٗ مِنْ حَفْلَةٍ مَلَكِيَّةٍ — لِيَشْهَدَ مِنْ آيَاتِ نِعْمَتِهٖ الْكُبْرىٰ

بُرَاقٌ يُسَاوِىْ خُطُوْهُ مَدَّ طَرَفِهٖ — اُتِيْحَ لَهٗ وَاخْتِيْرَ فِيْ ذَالِكَ الْمَسْرىٰ

وَ اَبْدىٰ لَهٗ طَيَّ الزَّمَانِ فَعَاقَهٗ — رُوَيْداً عَنِ الْاَحْوَالِ حَتَّاهُ مَا اَجْرىٰ

وَ كَانَتْ لِجِبْرِئِيْلَ الْاَمِيْنِ سَفَارَةٌ — اِلىٰ قَابَ قَوْسَيْنِ اِسْتَوىٰ ثُمَّ مَا اَقْصىٰ

اِذَا خَلَّفَ السَّبْعَ الطِّبَاقَ وَرَائَهٗ — وَصَا دَفَ مَنْ اَوْلىٰ لِرُتْبَتِهٖ الْمَوْلىٰ

وَ كَانَ عِيَاناً يَقْظَةً لَا يَشُوْبُهٗ — مَنَامٌ وَلَا قَدْ كَانَ مِنْ عَالَمِ الرُّؤْيَا

قَدِ الْتَمَسَ الصِّدِّيْقُ ثَمَّ فَلَمْ يَجِدْ — وَ صَحَّحَ عَنْ شَدَّادِ اَلْبَيْهِقِيُّ كَذَا

رَأَىٰ رَبَّهٗ لَمَّا دَنىٰ بِفُؤَادِهٖ — وَ مِنْهُ سَرىٰ لِلْعَيْنِ مَا زَاغَ لَا يَطْغىٰ

رَأىٰ نُوْرَهٗ اَنّٰى يَرَاهُ مُوَمِّلٌ — وَ اَوْحىٰ اِلَيْهِ عِنْدَ ذَالِكَ بِمَا اَوْحىٰ

بَحَثْنَا فَآلَ الْبَحْثُ اِثْبَاتُ رُؤْيَةٍ — لِحَضْرَتِهٖ صَلّٰى عَلَيْهِ كَمَا يَرْضىٰ

وَ سَلَّمَ تَسْلِيْماً كَثِيْراً مُبَارَكاً — كَمَا بِالتَّحِيَّاتِ الْعُلىٰ رَبُّهٗ حَيّٰى

كَمَا اِخْتَارَهُ الْحِبْرُ اِبْنُ عَمِّ نَبِيِّنَا — وَ اَحْمَدُ مِنْ بَيْنِ الْاَئِمَّةِ قَدْ قَوّٰى

فَقَالَ اِذَا مَا اَلْمَرْوَزِيُّ اِسْتِبَانَهٗ — رَاٰهُ رَأَىَ الْمَوْلىٰ فَسُبْحَانَ مَنْ اَسْرىٰ

رَوَاهُ اَبُوْ ذَرٍّ بِاَنْ قَدْ رَأَيْتُهٗ — وَ اَنّٰى اُرَاهُ لَيْسَ لِلنَّفِيْ بَلْ لِلثَّبْتَا

نَعَمْ رُؤْيَةُ الرَّبِّ الْجَلِيْلِ حَقِيْقَةً — يُقَالَ لَهَا الرُّؤْيَا بِاَلسِنَةِ الدُّنْيَا

وَ اِلَّا فَمَرْأٰى جَبْرَئِيْلَ عَوَادَةً — وَ لَيْسَ بَدِيْعاً شَكْلُهٗ كَانَ اَوْ اَوْفٰى

وَ ذَالِكَ فِي التَّنْزِيْلِ مِنْ نَظْمِ نَجْمِهٖ — اِذَا مَا رَعٰى الرَّاعِىْ وَ مَغْزَاهٗ قَدْوَفٰى

وَ كَانَ بِبَعْضٍ ذِكْرُ جَبْرَئِيْلَ فَانْسَرٰى — اِلٰى كُلِّهٖ وَالطُّوْلُ فِي الْبَحْثِ قَدْ عَنّٰى

وَ كَانَ اِلَى الْاَقْصٰى سَرىً ثُمَّ بَعْدَهٗ — عُرُوْجاً بِجِسْمٍ اَنَّ مِنْ حَضْرَةٍ اُخْرٰى

عُرُوْجاً اِلٰى اَنْ ظَلَّلَتْهُ ضَبَابَةٌ — وَ يَغْشٰى مِنَ الْاَنْوَارِ اِيَّاهُ مَا يَغْشٰى

وَ يَسْمَعُ لِلْاَقْلَامِ ثَمَّ صَرِيْفَهَا — وَ يَشْهَدُ عَيْناً مَالَهُ الرَّبُّ قَدْ سَوّٰى

وَ مَنْ عَضَّ فِيْهِ مِنْ هَنَاتِ تَفَلْسُفٍ — عَلٰى جُرُفٍ هَارٍ يُقَارِنُ اَنْ يَرْدّٰى

كَمَنْ كَانَ مِنْ اَوْلَادِ مَاجُوْجَ فَادَّعٰى — نَبُوَّتَهٗ بِالْغَيِّ وَالْبَغْيِ وَالْعَدْوٰى

وَمَنْ يَتَّبِعُ فِي الدِّيْنِ اَهْوَآءَ نَفْسِهٖ — عَلٰى كُفْرِهٖ فَلْيَعْبُدِ اللَّاتَ وَالْعُزّٰى

آسان اُردو زبان میں ترجمانی

''قصیدۂ معراجیہ'' کی آسان اُردو زبان میں ترجمانی ترتیب اشعار کے ساتھ ملاحظہ فرمائیں:

قصیدے کا پورا عربی نام ''اَلْقَصِيْدَةُ الْمِعْرَاجِيَّةُ فِيْ مَدْحِ خَيْرِ الْبَرِيَّةِ'' ہے۔

۱۔ بابرکت ہے وہ ذات والا صفات (یعنی حضرت اللہ جل مجدہٗ) جو اپنے محبوب ترین بندے کو راتوں رات مسجد اقصیٰ تک پھر وہاں سے بلند آسمانوں تک پھر وہاں سے بھی آگے لے گئی، بہت دور تک، بہت اونچائی تک۔

۲۔ یعنی ساتوں آسمانوں تک پھر ان سے آگے سدرۃ المنتہیٰ تک پھر وہاں سے انتہائی خوبصورت رَفرف پر سوار کرا کے پھر بارگاہِ قدس تک لے گئی۔

۳۔ حضرت اللہ جلَّ مَجدُہٗ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے اعزاز و اکرام میں شاہانہ محفل سجائی (جس میں حضرات انبیائے کرام کے مثالی اجسام مبارکہ اور ملائکہ رحمٰن عرشی وفلکی اور ارضی سب) تھے تا کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اپنے رب کی بڑی بڑی نعمتوں اور نشانیوں کا بچشم خود مشاہدہ فرمائیں۔

۴۔ ایسی تیز رفتار سواری (جنتی شاہی) تھی کہ جہاں تک اس کی نظر جاتی تھی وہاں اس کے قدم پڑتے تھے یہ شاہی سواری آپ ہی کے لیے تھی اور اس سفر مبارک کے لیے یعنی سیر گاہِ الٰہی کے لیے منتخب کی گئی تھی۔

۵۔ پورے اوقات کو (گھنٹوں کو منٹوں میں اور منٹوں کو سیکنڈوں میں) آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے تئیں لپیٹ کر

حضرت خالق کائنات جل مجدہٗ نے عملاً دکھلایا اس طرح کہ اس زمانے کی رفتار ہی کو روک لیا کچھ مدت کے لیے یہاں تک کہ وہ زمانہ چلا نہیں کیونکہ خالقِ زمان و مکان نے اس کی رفتار یا تو بالکل سست کر دی یا اس کی رفتار کا چکہ جام کر دیا۔

۶۔ حضرت جبرئیل امین علیہ السلام اس سفر میں صرف آتے جاتے وقت مکہ سے سدرۃ تک یا قاب قوسین تک پھر وہاں سے واپس مکہ تک سفیر محض تھے، رہبر تھے مگر امیر امیر انبیاء و مرسلین تھے۔ وہ آگے نہیں بڑھ پائے کیونکہ ان کی پرواز ختم ہوگئی تھی۔ یعنی جہاں سید الملائکہ کی پرواز ختم ہوگئی وہاں سید الانبیاء والمرسلین کی پرواز شروع ہوئی۔ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

۷۔ جب عالم افلاک سے بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آگے تشریف لے گئے تو آپ نے وہ سب کچھ پالیا اور حاصل کرلیا جو حضرت اللہ جلّ مجدہٗ کو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے مقام و منصب کے اعتبار سے آپ کو عطا کرنا مطلوب تھا۔

۸۔ یہ سارا سفر معراج مکمل بیداری کی حالت میں طے ہوا تھا نیند یا اُونگھ یا خواب نہیں تھا یعنی کچھ نیند ہو اور بیداری ہو نہیں ایسا نہیں تھا۔

۹۔ یقیناً حضرت صدیق اکبرؓ نے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اس دوران تلاش کیا لیکن آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نہیں ملے، حضرت شدادؓ بن اوس جیسے جلیل القدر صحابی سے حضرت امام بیہقیؒ نے صحتِ سند کے ساتھ یہ واقعہ نقل کیا ہے۔

۱۰۔ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہِ قُدس میں حاضری ہوئی تو یقیناً اپنے قلب مبارک سے حضرت اللہ جل مجدہٗ کو دیکھ لیا۔ یہ رُؤیَتِ قلبی (دل سے دیکھنا) رُویتِ عَینی (آنکھ سے دیکھنا) کی طرف منتقل ہوگئی لہٰذا آنکھ نے جو دیکھا صحیح دیکھا البتہ کیفیت معلوم نہیں نہ وہ اِدھر بہکی اور نہ وہ اپنی حد سے آگے بڑھ گئی۔

۱۱۔ اس طرح ہمارے پیارے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت اللہ جل مجدہٗ کو دیکھا یعنی نورِ الٰہی کو محض تمنا اور خواہش کرنے والا کہاں دیکھ سکتا ہے۔ یہ تو اللہ نے خود ہی اپنے محبوب کو اپنا دیدار کرایا اور اس موقعہ پر حضرت اللہ جل مجدہٗ نے اپنے بندے پر وحی نازل فرمائی بغیر کسی واسطہ کے جو بھی وحی نازل کرنی تھی یعنی اب "اَحَدٌ" جَلَّ جَلَالُہٗ اور "اَحْمَدٌ" صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی تھے۔ بس ایسے (اللہ محمد) البتہ کیفیت معلوم نہیں۔ اللہ اللہ ہی ہے۔ جَلَّ جَلَالُہٗ، مُحَمَّدٌ مُحَمَّدٌ ہی ہے صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔ وہ معبود برحق ہے اور یہ عابد حقیقی۔ وہ مسجود خلائق ہے تو یہ محبوبِ خلائق۔ وہ معبود ہے تو یہ عبد۔ اَللّٰھُمَّ

اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ۔

۱۲۔ حضرت علامہ کشمیریؒ فرماتے ہیں کہ ہم نے اس عنوان پر بہت تحقیق کی ہے (دیکھئے مشکلات القرآن، انوار الباری، ملفوظات محدث کشمیریؒ) جس کا حاصل یہی ہے کہ یقیناً ہمارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان مبارک آنکھوں سے اللہ جل مجدہٗ کی زیارت ہوئی ہے۔ اللہ جل مجدہٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنے درود وسلام بھیجے جتنی مقدار میں حضرت نبی صلی اللہ علیہ وسلم راضی ہوں۔ رضا کی کوئی حد نہیں لہٰذا درود وسلام کی بھی کوئی حد نہ ہو۔ یا اللہ جل مجدہٗ ہی اپنی رضا کی بقدر درود و سلام بھیجے جس کی کوئی حد نہ ہو۔

۱۳۔ بکثرت ہدیۂ سلام ہو بابرکت سلام ہو جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ''اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ'' کی صورت میں تعظیمی کلمات اللہ کی بارگاہ میں پیش کئے ہیں۔ (اس کی وضاحت آ چکی ہے)۔

۱۴۔ سیدنا حضرت عبداللہؓ بن عباسؓ خاندانِ نبوت کے چشم و چراغ، صحابہ میں سب سے بڑے مفسر قرآن کریم) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچازاد بھائی کے یہاں یہی صحیح مذہب ہے اور ائمہ مجتہدین میں سے محدث جلیل حضرت امام احمدؒ بن حنبلؒ نے محدثانہ تحقیقات کی روشنی میں اس کو قوی مذہب بتایا ہے (کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو رویت بالبصر سے نوازا گیا ہے)۔

۱۵۔ چنانچہ جب امام مروزیؒ نے آپؒ سے اس کے بارے میں پوچھا تو حضرت الامامؒ نے جواب دیا جی ہاں، حضرت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کو دیکھا ہے شب معراج میں۔

۱۶۔ سیدنا حضرت ابوذر غفاریؓ کی روایت میں بھی یہی ہے اور اَنّٰى اُرَاهُ نفی کے لیے نہیں ہے بلکہ اثبات کے لیے ہے۔ یہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بطورِ تواضع وانکساری کے فرمایا ہے [جیسا کہ ایک اور حدیث میں ہے کہ مجھے حضرت یونس علیہ السلام پر فضیلت مت دو حالانکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بالاتفاق تمام انبیائے کرام علیہم السلام سے افضل ہیں] یہ بھی اسی قبیل سے ہے۔ حدیث پاک کے کلمات یہ ہیں: لَا تُفَضِّلُوْنِيْ عَلٰى يُوْنُسَ بْنِ مَتّٰى)۔

۱۷۔ جی ہاں دیدارِ خداوندی ایک حقیقت ہے جس کو رُؤیا کہا گیا ہے۔ اہل زبان اسی کو رویتِ عین سے تعبیر کرتے ہیں (یعنی کھلی آنکھ سے دیکھنا، جس میں کوئی مجاز یا استعارہ نہ ہو اور نہ تاویل کی ضرورت ہو)۔

۱۸۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بارہا حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ہے (چار بار اپنی اصلی شکل میں۔ مشہور

صحابی حضرت دِحیہ کلبیؓ کی صورت میں بھی دیکھا ہے حتیٰ کہ بعض علماء کی تحقیق کے مطابق حضرت جبرئیل امین علیہ السلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چوبیس ہزار بار حاضر ہوئے ہیں)۔

۱۹۔ رویتِ باری تعالیٰ کا یہ مسئلہ کلام پاک کے پارہ ۲۷ سورۂ شریفہ النجم میں ہے جب غور کرنے والا آیاتِ کریمہ کے سیاق وسباق میں کرے اور اس کے پس منظر اور پیش منظر کو دیکھے تو وہ اس مقصود کو ضرور پائے گا۔

۲۰۔ ہاں بعض حضرات نے ان آیات میں تاویل کی راہ اختیار کی ہے اور وہاں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بجائے جبرئیل امین علیہ السلام کو مراد لیا ہے یعنی حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وہاں حضرت جبرئیل علیہ السلام کو دیکھا ہے (مگر یہ تاویل بارد ہے وجہ نمبر ۱۸ میں گذر چکی ہے تاہم جبرئیل امین علیہ السلام کو اصلی صورت میں دیکھنا بھی ثابت ہے۔ نیز دوسری صحیح اور مضبوط روایتوں سے دیدارِ خداوندی کا ثبوت ملتا ہے)۔ بہرحال یہ تھکا دینے والی بحث ہے۔

۲۱۔ مکہ مکرمہ (زَادَھَا اللّٰہُ شَرَافَۃً) سے مسجدِ اقصیٰ (حَرَّرَہُ اللّٰہُ عَنِ الْیَھُوْدِ الْمَلْعُوْنِیْنَ) تک کا سفر اِسرآء کہلایا پھر وہاں سے اوپر کا سفر معراج کہلایا۔ جسم مبارک کے ساتھ یہ سارا سفر طے ہوا (یہ کوئی وہم یا خیال یا خواب نہیں تھا)۔

۲۲۔ (بارگاہِ قُدس کے پاس تمام نورانی حجابات کو طے کر کے کبریائی حجاب کے پیچھے) خصوصی تجلیات الٰہیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم اقدس کو ہر طرف سے گھیر لیا، ان انوارِ ربانیہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈھانپ لیا۔ (ڈھانپنے اور گھر لینے کی کیفیت کیسی تھی)۔ واللہ اعلم بالصواب۔

۲۳۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم وہاں پہونچے جہاں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تقدیر لکھنے پر مامور فرشتوں کے لکھنے کی آواز بھی سنی اور سر مبارک کی ان مبارک آنکھوں سے وہ سب کچھ دیکھتے تھے جو حضرت اللہ جل مجدہٗ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دکھلانا چاہتا تھا۔

۲۴۔ نقل صحیح سے ہٹ کر (یعنی قرآن وسنت کو چھوڑ کر) جو لوگ عقل نارسا (کچی عقل، محض اٹکل پچو، کیوں؟ کیسے؟ کیا؟) سے استدلال کرتے ہیں (اور عقل ہی کو معیارِ حق قرار دیتے ہیں) ایسے لوگ حمقائے زمانہ کی ان غلیظ باتوں کو تسلیم کرتے ہیں (تو وہ لوگ دین کے حوالے سے سخت خطرے میں ہیں) بس سمجھ لو ہلاکت کے کنارے پر کھڑے ہیں۔

۲۵۔ ایسا لگتا ہے کہ وہ شخص جو شریعت اسلامیہ کے ثابت شدہ احکامات (عقائد وعبادات) کو پس پشت ڈالتا ہے وہ باطل جماعت یا جوج ماجوج کی اولاد اور نسل سے ہوگا اس طرح صاحب

نبوتِ حقہ کے ارشادات کو جھٹلا کر گویا اس نے اپنی نبوت (صداقت) کا دعویٰ کیا ہے جو خالص گمراہی ہے، بغاوت ہے، شرارت ہے (ظلم ہے اور کم عقلی ہے)۔

۲۶۔ اس طرح دینی عقائد اور مسلمہ احکامات میں جو تحریف کرتا ہے اور ان کی تشریح اپنی خواہشات کے تابع رکھ کر کرتا ہے وہ گویا اپنے اس صریح کفر میں باطل کی پرستش کرتا ہے۔(وَالْعِيَاذُ بِاللهِ الْعَظِيْمِ)

اَللّٰهُمَّ اهْدِنَا وَ سَدِّدْنَا وَقَارِبْنَا وَلَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بِحَقِّ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللهِ ﷺ

ایک اہم وضاحت

''قصیدہ معراجیہ'' کو ملفوظات محدث کشمیریؒ سے مِن وعَن نقل کیا گیا ہے پھر عاجز راقم السطور [نازکی] نے خوب غور وفکر کے ساتھ اس پر صحیح صحیح اعراب (زبر، زیر، پیش) لگانے اور حتی الامکان آسان زبان میں اس کی ترجمانی کی کوشش کی ہے مگر ہر ہر شعر کی الگ الگ وضاحت، حوالہ جات اور ان کی تخریج کی ضرورت محسوس نہیں کی گئی ہے تاہم اہل علم اصل کتاب کو دیکھیں اس میں ان امور کی تفصیل ملے گی۔ کیونکہ یہ خواص علماء سے متعلق ہے نیز یہ کافی طوالت کا باعث ہے میری اس کتاب میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت محدث کشمیریؒ کو فارسی اور عربی پر اتنا عبور تھا جتنا کسی زمانے میں حضرت شیخ سعدی شیرازیؒ کو فارسی ادب پر اور ابوطیب متنبی کو عربی ادب پر عبور حاصل تھا۔ بڑے بڑے علمائے عرب کی زبان آپؒ کے سامنے گونگی ہو جاتی تھی۔

تمام نقلی اور عقلی علوم وفنون میں حضرت شاہ صاحبؒ کو کامل اجتہادی صلاحیت تھی بقول علامہ اقبالؒ:

''اِدھر عالم اسلام پچھلے پانچ سو سال سے مولانا انور شاہ کشمیریؒ کی نظیر پیش سے خالی ہے''۔

اور بقول حکیم الامۃ مجدد الملۃ حضرت علامہ اشرف علی صاحب تھانویؒ ''اگر مجھ سے کوئی شخص اسلام کی صداقت کے بارے میں دلائل مانگے تو میں یہ دلیل دوں گا اور یہ دلیل دوں گا اور آخر میں یہ دلیل بھی دوں گا کہ اسلام کی صداقت کی دلیل حضرت علامہ کشمیریؒ کا مسلمان ہونا ہے۔ اگر خدانخواستہ اسلام سچا مذہب نہ ہوتا تو مولانا انور شاہ صاحبؒ مسلمان نہ ہوتے''۔ ○❖○

حمد یہ ونعتیہ مجموعہ ''بحرِ تجلیات''

''بحرِ تجلیات'' نامی حمد یہ اور نعتیہ مجموعہ کلام معروف شاعر ریاض ندیم نیازی کا ہے، جسے لاہور کے مشہور اشاعتی ادارے ''ماورا پبلشرز'' نے شایع کیا ہے۔ ریاض ندیم نیازی بلوچستان کے شہر سبی میں قیام پذیر ہیں اور تواتر کے ساتھ حمد، نعت، غزل اور نظم نگاری کر رہے ہیں۔ ان کی اب تک کئی کتابیں منظرِ عام پر آ چکی ہیں، جن میں خوش بُو تری جوئے کرم، ہوئے جو حاضر درِ نبیؐ پر (نعتیہ مجموعے) تمھیں اپنا بنانا ہے (مجموعۂ غزل، نظم) اس طرح انہوں نے کچھ کتابیں تالیف بھی کی ہیں، جن میں نعتیہ اور غزل کے اشعار پر مشتمل اٹھارہ انتخاب کے علاوہ بچوں کے لیے دو کتابیں بھی شامل ہیں۔

اب ان کا یہ تازہ حمد یہ اور نعتیہ مجموعہ سامنے آیا ہے، حسبِ سابق اس مجموعے پر بھی کم و بیش بارہ معروف اہلِ قلم کے تاثرات موجود ہیں، جن میں اعجاز رحمانی، راجا رشید محمود، ماجد خلیل، عارف منصور، حسن اکبر کمال وغیرہ نے ریاض ندیم نیازی کو ان کے پاکیزہ خیالات، عشقِ حقیقی اور عشقِ رحمتِ دو جہاںؐ کی سرشاری کی داد دی ہے، اور انہیں حمد یہ اور نعتیہ شاعری کو قرینے سے بیان کرنے پر شاباش دینے کے ساتھ۔ اس راہ پُرخار کی نزاکتوں سے بھی آگاہ کیا ہے۔

''بحرِ تجلیات'' میں موجود حمد یہ اور نعتیہ کلام کی خاص بات، اس کی منفرد اور تازہ کار ردیفیں ہیں، مثلاً چراغ، ارتقا، یقیں، فروزاں، بحرِ تجلیاتِ، گلی گلی، آئینہ، حرا، شہِ کونینؐ اور ایسی ہی مہکتی اور تازہ تر ردیفیں اس تین سو باون صفحات پر مشتمل اس مجموعے میں موجود ہیں اور اپنی بہار دکھا رہی ہیں۔ یہ نئی ردیفیں دراصل دبستانِ وارثیہ کراچی کے تحت ہونے والے ردیفی مشاعروں کی دین ہیں، جن کے مشاعرے کراچی کے علاوہ کوئٹہ اور پورے پاکستان میں منعقد کیے جاتے رہے اور بیرونِ ملک بھی ان مشاعروں کا سلسلہ جاری ہے۔ دبستانِ وارثیہ کے نعتیہ مشاعرے ایک تحریک کے طور پر بھی دیکھے جا سکتے ہیں، اور ان مشاعروں میں ملک کے نامور شعرا نے عقیدت کے نذرانے سرکارِ دو عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کیے ہیں۔ اسی تحریک سے ریاض ندیم نیازی بھی متاثر ہوئے اور انہوں نے بھی تمام منفرد ردیفوں پر نعت کے ساتھ ساتھ حمد یہ اشعار بھی لکھے۔ یوں یہ ایک قابلِ قدر کاوش قرار دی جا سکتی ہے، جو ایک باشعور قلم کار کی گہری عقیدتوں کے مہکتے ہوئے نذرانے سمجھے جا سکتے ہیں۔ اب جہاں تک ریاض ندیم نیازی کے طرزِ سخن اور مشاقی کی بات ہے، تو انہوں نے واقعی ایک ایک حمد اور نعت میں اپنی جانب سے خلوص، جذبے، نیت اور شوق کے ساتھ عقیدت اور حضوری کی منزلیں طے کی ہیں۔ (ابن عبداللہ)

O❖O

مدیر

کشمیری نعتوں کا نمائندہ انتخاب

عربی کے بعد دنیا کی دیگر سیکڑوں زبانوں کی طرح کشمیری زبان میں بھی نعت گوئی اور نعت نگاری کی ایک طویل روایت نظر آتی ہے جو چودھویں صدی عیسوی میں شروع ہو کر آج تک قائم و دائم ہے۔ دیگر زبانوں بالخصوص فارسی اور اردو میں جہاں نعت کے حوالے سے بے حد وحساب تحقیقی وتنقیدی کام ہوا ہے، وہاں کشمیری زبان میں اس کا وجود چند کتابوں سے آگے نہیں بڑھا ہے۔ ایسا ضرور ہے کہ اس زبان میں کتابوں کی طباعت واشاعت کے آغاز کے بعد ہی چند ایسے نعتیہ گلدستے نعتیہ مجموعے کئی کتب فروشوں کے ذریعے شائع ہوتے رہے، جن میں مختلف شعراء کے نعتیہ نمونے درج ہیں لیکن اس سلسلے میں کوئی سنجیدہ علمی وتحقیقی کوشش بہ مشکل نظر آتی ہے۔ جن نعتیہ گلدستوں کا میں نے ذکر کیا، ان میں بیشتر گلدستے وہ ہیں جن میں :

۱۔ صحت متن کا کوئی خیال نہیں رکھا گیا ہے اور نعتیں نقل کرتے وقت متن میں تغیر وتبدل ہوا ہے۔
۲۔ انتخاب کرتے وقت حقیقی نعت کا کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے بلکہ جو کچھ ہاتھ لگا، وہ شامل کر لیا گیا ہے۔
۳۔ کشمیری زبان کے مروجہ رسم الخط کو یکسر نظر انداز کیا گیا ہے۔
۴۔ کہیں پر شاعر کا نام ہے اور کہیں پر نعت گو شاعر کے نام کے بغیر ہی نعتیہ نمونہ درج کیا گیا ہے۔
۵۔ جن شعراء کی نعتیں شامل کی گئی ہیں، ان کے ذاتی وسوانحی کوائف کے بارے میں کچھ بھی پتہ نہیں چلتا۔

اس طرح قدیم عرصے سے کشمیری سماج کے اندر روایتی عقیدت ومحبت کے ساتھ پڑھے جانے والے ان نعتیہ گلدستوں کی مقبولیت کے علی الرغم ان سے نعت گوئی کے فن کی خدمت نہیں ہوسکی۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ کئی برسوں میں ایسے اصحاب فکر ودانش سامنے آگئے، جنہوں نے کشمیری زبان میں نعت گوئی کی روایت اور اس کے ارتقاء سے متعلق تحقیقی مواد ترتیب دینے کے ساتھ ساتھ کشمیری نعتوں کے نمائندہ مجموعے مرتب کرنے کی کوشش کی۔ ادارہ جاتی سطح پر اس ضمن میں شعبہ کشمیری کشمیر یونیورسٹی کے سالانہ مجلہ ''انہار'' کے ''نعتیہ ادب کلچرل اکادمی سے شائع ہونے والے شیرازہ کا نعت نمبر'' اور اسی ادارے کے

اہتمام سے شائع شدہ ''نور آگر'' وغیرہ کا بطور خاص تذکرہ کیا جاسکتا ہے۔ انفرادی سطح پر جو کام اس سلسلے میں منظر عام پر آیا ہے، وہ سابق ڈائریکٹر کالجز پروفیسر ڈاکٹر مظفر احمد خان فروتن کا ۲۰۰۲ء میں شائع کردہ ''نعت مصطفیٰ'' نام کا مجموعہ ہے، جو ۴۵۰ صفحات پر مشتمل ہے اور جس کے اب تک دو ایڈیشن چھپ چکے ہیں۔ ڈاکٹر خان نے پہلی بار صحت متن کے اہتمام کے ساتھ کشمیری نعتوں کے ۱۲۸ منتخب نمونے کتاب میں شامل کئے اور ساتھ ہی نعت کے آداب ولوازم کے بارے میں ایک مبسوط مقالہ اور کتاب کے آخر میں فرہنگ شامل کتاب کردی۔

ڈاکٹر حاجنی کتاب ''کاشری نعت'' معلوم سطح پر اس سلسلے کی دوسری کڑی ہے۔ ڈاکٹر خان نے جہاں نعتوں کا انتخاب کرتے وقت کوشش کے باوجود چند ایسے نمونے بھی درج کر دیئے ہیں، جن کو نعت کی تعریف کے دائرے میں رکھنا مشکل ہے، وہاں کتاب ھذا کے ترتیب کار ڈاکٹر عزیز حاجنی صاحب نے ایسے نعتیہ نمونوں (جو نعت کے حقیقی معیار سے فروتر ہیں) کو چھانٹ کر الگ کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے۔ کتاب کل ملا کر ۳۴۹ صفحات پر مشتمل ہے اور اس کی اشاعت اول رواں سال (۲۰۰۷ء) ہی میں ساہتیہ اکادمی کے اہتمام سے سامنے آئی ہے۔ کتاب میں ۱۵۰ شعراء کے نعتیہ نمونے درج ہیں، جو ایک ریکارڈ ہے۔ کتاب کی ایک نمایاں خصوصیت ''گوڈ کتھ'' کے عنوان سے ۵۴ صفحات پر پھیلا ہوا وہ مبسوط مقدمہ ہے، جس میں کشمیری نعتیہ شاعری کی پوری تاریخ پر طائرانہ نظر ڈالی گئی ہے۔ یہ گویا سات سو سالہ تاریخ کے طویل دور کو مٹھی میں مقید کرنے کے برابر ہے یا پھر یوں کہیے کہ سمندر کو کوزے میں بند کرنے کی کامیاب کوشش ہے۔

ڈاکٹر عزیز حاجنی کشمیری زبان کے معروف شاعر، محقق اور نقاد ہونے کے علاوہ ایک صاحب علم و دانش اور عاشق رسول بھی ہیں۔ اس کتاب کے نثری حصے میں رسول کائنات ﷺ کے ساتھ ان کی والہانہ شیفتگی کئی جگہ چھلک کر سامنے آتی ہے۔ یہ حصہ گویا کتاب کی جان ہے۔ نعت کی صنفی حیثیت سے بات شروع کر کے فاضل مؤلف نے اس لفظ کے لغوی اور اصطلاحی معنوں سے بحث کرتے ہوئے دور نبویؐ میں نعت کے آغاز اور اس کے اسباب ومحرکات کا چابکدستی سے جائزہ لیا ہے۔ پھر عربی زبان میں نعت گوئی کے آغاز وارتقاء اور یہاں سے آگے چل کر فارسی زبان میں اس کی آمد اور فارسی زبان کے اہم نعت نگاروں کی کاوشیں ان سب کا احاطہ اور وہ بھی چند ہی صفحات میں، یہ واقعی کمال ہے۔ کتاب کے صفحہ نمبر ۳۰ سے کشمیری زبان میں نعتیہ شاعری کی روایت اور اس کے آغاز وارتقاء کی بحث شروع ہوتی ہے، جو صفحہ ۶۸ تک جاری رہتی ہے۔ فاضل مؤلف نے کشمیری میں نعت گوئی کے آغاز کا سہرا

شیخ العالمؒ کے سر باندھتے ہوئے ان کے کلام میں اولین نعتیہ نمونے تلاش کئے ہیں۔ بات کو آگے بڑھاتے ہوئے کشمیری نعتیہ شاعری کے مختلف ادوار کا تعین کیا گیا ہے اور اختصار و ایجاز سے کام لیتے ہوئے کم وبیش ان تمام شعراء کا تذکرہ کیا گیا ہے، جن کا کشمیری نعت گوئی کے سلسلے میں کوئی قابل ذکر کردار رہا ہے۔ درمیان میں کہیں کہیں پر محققانہ چابکدستی اور تنقیدی بصیرت سے کام لے کر ایسے بیانات کا محاکمہ کیا گیا ہے، جن سے واقعاتی صداقت پر آنچ آنے کا خطرہ ہے۔ اس ضمن میں جناب پروفیسر رشید نازکی صاحب کے سہو کا تذکرہ صفحہ ۲۶، ۳۵ اور ۴۵ پر کیا گیا ہے، جب کہ فارسی نعتوں کے سلسلے میں کلچرل اکادمی کے 'نور آگر' میں درج غلط معلومات کا مواخذہ بھی کیا گیا ہے۔

کتاب کا بیشتر حصہ ۱۵۰ شعراء کے منتخب نعتیہ نمونوں پر مشتمل ہے، جس کی نمایاں خصوصیت یہ ہے کہ اس میں متقدمین، متوسطین اور متاخرین شعراء کی نمائندہ نعتیں یکجا ہو کر سامنے آگئی ہیں اس کی وجہ سے یہ مجموعہ کشمیری نعتوں کا اب تک کا سب سے زیادہ نمائندہ مجموعہ بن گیا ہے۔ مجموعی طور پر صوری و معنوی اعتبار سے یہ ایک خوبصورت مجموعہ ہے اور جو لوگ کشمیری زبان کی پوری تاریخ کی نعتیہ روایت سے باخبر ہونا چاہتے ہیں، ان کے لیے یہ کتاب نہایت اہم ہے۔ کمپیوٹر کتابت کی معمولی غلطیوں سے قطع نظر کتاب کی اہمیت وافادیت نہ صرف یہ کہ مسلم ہے بلکہ کشمیری نعت کے حوالے سے دستاویزی نوعیت کی حامل ہے۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ 'کاشری نعت' کی اشاعت کے صرف سات مہینے بعد ان کا ایک اور نعتیہ گلدستہ ''نورِ نوران'' منظر عام پر آیا، جو کئی اعتبار سے پہلے انتخاب کے مقابلے میں زیادہ لائق توجہ اور قابل تحسین ہے۔ ۳۲۰ صفحات پر مشتمل اس انتخاب میں پہلی بار کشمیری نعت گو شعراء کے کلام کے ساتھ ساتھ اُن کے سوانحی کوائف درج کئے گئے ہیں اور بعض نعت نگاروں کے نعتیہ کلام کا بھرپور انتخاب پیش کیا گیا ہے، جس سے یہ فائدہ ہوا ہے کہ قاری کے سامنے ایک ہی مجموعے میں مشہور کشمیری نعت گو شعراء کا نمائندہ نعتیہ کلام آسکا ہے۔ اس کے علاوہ اس انتخاب کے آغاز میں جو مسبوط پیش لفظ ڈاکٹر صاحب نے تحریر کیا ہے، وہ لاجواب ہے۔ یہ انتخاب سرینگر کے ایک مشہور و معروف ناشرِ کتب نے شائع کیا ہے، جس کی وجہ اس کی عام اشاعت آسان ہوگئی ہے۔ چنانچہ راقم کی اطلاع کے مطابق جہاں ساہتیہ اکادمی کے شائع کردہ نعتیہ انتخاب کے طبع شدہ تمام نسخے فروخت ہو کر اب نایاب ہو گئے ہیں، وہاں ثانی الذکر انتخاب کی بکری ریاست اور بالخصوص وادی کے اطراف واکناف میں بڑے پیمانے پر ہو رہی ہے اور خاص بات یہ ہے کہ عوام الناس اس کتاب کو ہاتھوں ہاتھ لے رہے ہیں۔ یہ امر یقیناً ہم سب کے لیے باعثِ اطمینان اور باعثِ مسرت وانبساط ہے۔ ❍❖❍

ڈاکٹر احسان اللہ طاہر (گوجرانوالہ)

حافظ محمد الیاس کا نعتیہ دیوان "سبیلِ عطا"

اہلِ علم و ہنر نے ہمیشہ اپنے فن اور تحقیق سے وقت کی ضرورتوں اور تقاضوں کو سمجھا ہے۔اسی سمجھ بوجھ، دور اندیشی اور وقت شناسی نے ان لوگوں سے لازوال کام کروائے۔ ایسے کام جن کے اثرات رہتی دنیا تک انسانی ماحول کو، جہاں کئی حوالوں سے فائدہ پہنچا رہے ہیں، وہیں اُن کی یاد کو بھی تازہ رکھے ہوئے ہیں۔ ہر دور کی ایجادات اور دریافتوں سے انسانی سفر ترقی کی منزل کی طرف تیزی سے بڑھا ہے۔ گو کہ ہر ایجاد اور دریافت نے اپنے تئیں معاشرے کو مصروف کر کے سماجیات چھینیں، اخلاقی اقدار کو بھی زوال پذیر کیا، مگر کیا ہر زوال کا سبب سائنسی ایجادات ہی ہیں؟ کیا ہم نے ان کے استعمالات اپنی نسلِ نو پر فائدے اور نقصان کے اعتبار سے کھول کر رکھے یا شرماتے ہی رہے؟ آج کا عہد کمپیوٹر، فیس بک، ٹویٹر اور انٹرنیٹ کا ہے۔ ان کے موجدوں کے ذہن و فکر میں ان ایجادات کے حوالے سے یقیناً وہ ساری قباحتیں ہوں گی جو آج ہم دیکھ اور سن رہے ہیں مگر محقق کے پیشِ نظر ہمیشہ اس ایجاد کے فوائد ہوتے ہیں۔ اُس کی مثبت سوچ کبھی بھی اسے اپنی ایجاد سے پیچھے نہیں ہٹنے دیتی۔ اگر ہم آج اس گلوبل ولیج میں دیکھیں تو ایک دوسرے کے کتنے قریب ہیں۔ دنیا بھر میں شائع ہونے والے علمی و ادبی، سائنسی اور صنعتی و حرفتی مقالات ہمیں ہمارے گھر کی الماری میں پڑے نظر آتے ہیں۔

انٹرنیٹ نے ہماری ترجیحات، سماجیات اور جستجوئے علم کا انداز بدل کر رکھ دیا ہے۔ اہلِ علم و فن نے اپنے پیش روؤں کے پیش کردہ تحقیقی رویوں کو عملی طور پر زندہ رکھا اور انہیں جدید سے جدید تر بنایا یہاں تک کہ ہر ایجاد وقت کی ضرورتوں کے ساتھ ہم آہنگ ہوتی چلی گئی۔ کبھی وقت کی تیزی نے اس میں تبدیلی ضروری سمجھی تو کبھی اس کی تبدیلی نے وقت میں تیزی پیدا کر دی۔ یہی کچھ انٹرنیٹ کے ساتھ ہوا۔ اس ایجاد سے جہاں ہماری زندگی کے ہر پہلو میں تبدیلی پیدا ہوئی وہیں ہمارے علم و ادب کی ترویج و احیاء میں بھی ایک نئے دور کا آغاز ہوا۔

اہل علم و ہنر کی جماعتوں میں محقق، نقاد، ادیب اور شاعر بھی ہیں۔ شاعر لوگوں نے اس عہد میں بھی مشاعروں کی روایت کو زندہ رکھا ہوا ہے۔ اب شاعر صرف شاعر نہیں رہا۔ وہ اس کے علاوہ بھی بہت کچھ ہے۔ وہ اس تیز رفتار معاشرے کا رُکن ہے جہاں ہر کوئی مصروف ہے۔ کوئی روٹی روزی کے چکر میں تو

کوئی اپنی برتری کے احساس میں آگے بڑھتی دُنیا سے بھی آگے نکل جانے کا متمنی ہے۔مگر یہ شاعر لوگ خدا خوف بھی ہیں اور اطاعت رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے جذبے سے سرشار بھی۔انہوں نے اپنے پیش رو علامہ اقبال کی بات کو پلے باندھ کر کہ "ہمیں ان جدید علوم کو اسلامیانہ ہے"، انٹرنیٹ کی دنیا میں فیس بک (Facebook) کو اس مقصد کے حصول کے لیے مل بیٹھنے کی جگہ بنالیا ہے۔

فروری 2015 میں فروغِ نعت خانیوال کے سرپرست جناب عباس عدیم قریشی نے آن لائن ایک نعتیہ تحریک کا آغاز کیا۔ان کے پیشِ نظر "دیوان" کی دم توڑتی روایت کا بصورتِ نعتیہ دیوان، احیاء تھا۔ دیوان اس مجموعہء کلام کو کہتے ہیں جن میں تمام کلام حروفِ تہجی کی ترتیب سے "الف" تا "ی" ردیفوں پر لکھے جاتے ہیں۔گذرے وقتوں میں تقریباً ہر شاعر صاحبِ دیوان ہوا کرتا تھا لیکن ماضی قریب میں شاذ ہی دیوان منظرِ عام پر آئے جبکہ نعتیہ دیوان تو پہلے ہی خال خال تھے۔اس مبارک فکر کے ساتھ فیس بک پر "فروغِ نعت" کے نام سے پہلے سے موجود پلیٹ فارم پر ایک ایسے ایونٹ کا آغاز کیا گیا جس میں اس مقصد کے حصول کے لیے طرحی ردیفی مشاعروں کا اہتمام تھا۔مذاکرے "غزل جب باوضو ہوجائے تیری نعت ہوتی ہے" سے شروع ہونے والا یہ مبارک سفر کم وبیش اڑھائی سال پوری آب و تاب سے جاری رہا۔"غزل جب باوضو ہوجائے تیری نعت ہوتی ہے" سے کئی غزل گو شعراء باوضو ہوکر نعتیہ شاعری کرنے لگے۔اس مذاکرے کے بعد باقاعدہ طرحی نعتیہ مشاعروں کا آغاز کیا گیا۔اس سلسلے کا پہلا مشاعرہ اعلیٰ حضرت کے مصرعے "بھیک تیرے نام کی ہے استعارہ نور کا" پر منعقد کیا گیا۔ابتدا میں ان مشاعروں میں فی البدیہہ اشعار بھی کہے جاسکتے تھے۔ان مشاعروں میں شعراء اپنے کلام خود ہی پوسٹ کرتے تھے۔ تاہم چند ایک مشاعروں میں آنے والے کلاموں کے معیار پر سوالیہ نشان اٹھے جن کو دیکھتے ہوئے "فروغِ نعت" کے سرپرست جناب سید شاکر القادری نے فیصلہ کیا کہ آنے والے تمام کلاموں پر تنقیدی و اصلاحی گفتگو کی جائے گی۔کچھ اساتذہ فن کا خیال تھا کہ نعت پر سرِعام تنقید کو شعراء پسند نہیں کرتے لہذا شعراء کرام اپنا کلام نہیں بھجوائیں گے لیکن جناب سید شاکر القادری نے اس خیال کو رد کردیا اور نعت پر تنقید کو لازم قرار دیا بھلے ایک یا دو کلام ہی پیش کیے جائیں۔تاہم بے لاگ تنقید کے مقصد کے حصول کے لیے شعراء کرام کے نام صیغہء راز میں رکھنے کا فیصلہ کیا گیا۔اب شعراء کرام بجائے خود کلام پوسٹ کرنے کے انتظامیہ کو بھیجنے لگے اور انتظامیہ ان کلاموں کو بغیر شعراء کے ناموں کے پوسٹ کرنے لگی۔ ہر کلام کے فنی محاسن، شرعی امور، عروضی موشگافیوں، زبان و بیان، صنائع بدائع اور ظاہری و باطنی معانی و مفہوم پر سیر حاصل گفتگو ہونے لگی۔ایک ایک پہلو کو جانچا اور پرکھا جانے لگا۔تجاویز دی جانے لگیں جس کے نتیجے میں

ہر شاعر کا کلام نکھرنے اور پہلے سے بدرجہا بہتر ہونے لگا۔ ملک کے طول وعرض سے شعراء کرام کی کثیر تعداد شریک سفر ہونے لگی جن میں جونیئر اور سینئر شعراء شامل تھے۔ ان مشاعروں میں اندرونِ ملک اٹک، خانیوال، گوجرانوالہ، واہ کینٹ، پشاور، لاہور، کراچی، سیالکوٹ، حافظ آباد، آزاد کشمیر، چکوال، اسلام آباد، کامونکی وغیرہ اور بیرون ملک سے بھی شعراء کرام شرکت کرتے رہے۔ اب یہ مشاعرے، تنقیدی نشست اور طرح مصرع کی روایت ایک مکمل تحریک کا روپ دھار چکے تھے جہاں کئی غزل گو شعراء کی ذہنی وفکری تربیت ہوئی اور ان کی اصلاح ہوئی۔ طرح مصرع کے بعد الفاظ مثلاً " عارض "، " شب وروز " وغیرہ اور حرف کو بھی بطور ردیف دیا گیا جیسے " ع "، " ن " وغیرہ۔ یوں حروفِ ابجد کے حوالے سے مشاعرے ہوئے۔ شعراء کرام کو مزید تحریک دینے اور عمدہ کلام پر ستائش کے لیے تعریفی سند کی طرح ڈالی گئی۔ اس مقصد کے لیے سینئر ترین اور فنی اعتبار سے بہت مضبوط شعراء پر مشتمل ایک پینل تشکیل دیا گیا جو ہر ایونٹ کے لیے الگ احباب پر مشتمل ہوتا تھا۔ یہ احباب ہر کلام کو اس کی فنی خصوصیات کے لحاظ سے پرکھتے اور تمام پیش کردہ کلاموں میں سے اول، دوم اور سوم کلام منتخب کیے جاتے جن میں سے اول کلام والے شاعر کو توصیفی سند سے نوازا جاتا۔ ایونٹ میں پیش کیے جانے والے ایسے تمام کلام جو فکری وفنی اعتبار سے عمدہ ہوتے، انہیں ڈیزائن کر کے گروپ میں پوسٹ کیا جاتا۔ یہ مشاعرے ابتدا میں پندرہ روزہ رکھے گئے لیکن پھر انہیں ماہانہ کر دیا گیا۔ خاص ایام کے حوالے سے الگ خصوصی ردیفی مشاعروں کا اہتمام کیا گیا جن میں عید میلاد النبی صلی اللہ علیہ وسلم، محرم الحرام، معراج شریف، اور درود وسلام شامل ہیں۔ ان مشاعروں میں پیش کیے گئے، بہت سے کلاموں کو سہ ماہی مجلّے " فروغِ نعت " میں بھی شائع کیا گیا۔ اس تحریک کے زیرِ اثر کئی شعراء کے نعتیہ دیوان مکمل ہوئے جن میں سے پہلا دیوان " سبیلِ عطا " کے نام سے منصۂ شہود پر آیا جس کے خالق کا نام حافظ محمد الیاس ہے۔ راقم " فروغِ نعت " کے اس فورم کا اُن دنوں میں حصہ تو نہیں رہا مگر چوں کہ گوجرانوالہ میں بحیثیت سر پرستِ اعلیٰ، فروغ نعت کے سر پرست اور روحِ رواں سید اعجاز شاہ عاجزؔ کے ساتھ مل کر اس کارِ خیر میں برابر کا شریک ہے اس لیے اس ساری تاریخ اور اس دیوان کے پس منظر کا مکمل علم ہے۔ اسی حوالے سے جاوید عادل سوہاوی کی تحریر دیکھیں۔

" حمد ونعت کے حوالے سے فیس بک پر چند ایک فورم قائم کیے گئے ہیں جن میں " فروغِ نعت " اور " نعت ورثہ " قابلِ ذکر ہیں۔ بہت اچھے نعت گو شعراء کی ایک اچھی خاصی تعداد یہاں موجود ہے جن کی نعت پڑھ کر لگتا ہے کہ حبِ رسول اور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ثنا گوئی کے لیے ایسے لوگ بطورِ خاص منتخب کیے گئے ہیں "۔

اسی طرح سید شاکر القادری جو کہ "فروغِ نعت" پاکستان کے بانی و چیئرمین ہیں، اس اعتبار سے "سبیلِ عطا" میں" حافظ محمد الیاس کا سفرِ نعت" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ

"مجھے خوشی ہے کہ چند سال پہلے سوشل میڈیا پر ہم نے "فروغِ نعت" کے لیے جس مثبت سرگرمی کا آغاز کیا تھا آج اس کے ثمرات سامنے آرہے ہیں اور" فروغِ نعت" ایک عالمگیر تحریک کی صورت اختیار کرتی چلی جا رہی ہے۔ حافظ محمد الیاس کا یہ نعتیہ دیوان بھی" فروغِ نعت" کی جانب سے سوشل میڈیا پر کی جانے والی سرگرمیوں کا ایک ثمر ہے"

"سبیلِ عطا" پڑھتے ہوئے میرے من میں جس چنبے کی بوٹی کی مُشک پھیلی وہ درود وسلام کا موضوع تھا۔ مجھے حافظ محمد الیاس کا ہر شعر جہاں سچے جذبات پر کھڑا نظر آیا وہیں مجھے وہ اس کی وارداتِ قلبی بھی لگی کہ نہ تو ان میں مبالغہ آرائی تھی اور نہ کوئی بات خلافِ حقیقت۔ موصوف نے درود وسلام کے ان اشعار میں اپنے عقیدے اور عقیدت کو ایسے خوشبودار الفاظ میں بیان کیا ہے کہ الفاظ، جذبہ اور شعر تینوں مل کر دل وجاں میں ایک ایمانی کیفیت کو روشنی بخشتے ہیں۔ شعر کو بار بار پڑھنے کو دل کرتا ہے اور یوں لگتا ہے جیسے کوئی ہمارے سامنے عمل کی راہ سے گذر رہا ہو۔

عہدِ حاضر کا موضوع نعت ہی ہے مگر نعت میں موضوعات کے تنوع کے اندر بھی وسعت اور گہرائی آرہی ہے۔ مثلاً درود وسلام کا موضوع ہی لے لیں۔ اس میں فکری حوالے سے اور اس کی ترغیب کے حوالے سے ہٹ کر اس کے ثمرات اور نعمتوں کا ذکر بھی کمال انداز میں کیا جا رہا ہے۔ حافظ محمد الیاس نے بھی اس موضوع کو خاص طور پر "سبیلِ عطا" میں اپنی فکری بساط کے مطابق بیان کیا ہے۔ موصوف کہیں بھی وعظ اور شعلہ بیانی پہ نہیں اترے بلکہ بات کو یوں سلیقے سے بیان کیا ہے جیسے کوئی محبتوں کے پھول نچھاور کر رہا ہو۔ اس اعتبار سے ان کے کچھ اشعار دیکھیں۔

روح پر رحمت ہوئی، جاں پر ہوئی برکت طلوع
جب ہوئی لب پر درودِ پاک کی کثرت طلوع

جبینِ شوق کے سجدوں کا اعتبار درود
مری دعا کے تیقّن کا انحصار درود

جو ہیں ان کے درود میں شامل
کس قدر ہیں وہ جاں فزا الفاظ

کھلیں گے نعت کے ابوابِ نو خیالوں میں

بس آپ پڑھیے محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پہ بے شمار درود
بھیج حافظؔ ہر گھڑی ان پر درود

زیست کا قرآن کو دستور رکھ

حافظ محمد الیاس نے عشق کو نعت اور نعت کو محفلِ نعت کہا ہے۔ وہ ان باتوں کو ایک تسلسل کے ساتھ یوں بیان کرتے ہیں کہ اہلِ عشق محفلِ نعت میں نعتِ رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پڑھتے یا سنتے دکھائی دیتے ہیں۔ اسی طرح وہ خوشبوئے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو جسم و جاں پہ سجاتے ہوئے اپنے کردار کو مہکانے کی بات یوں کرتے ہیں کہ ان کے لفظ بھی مہک مہک جاتے ہیں۔ عہدِ حاضر کو نعتِ رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بہت ضرورت ہے اور اللہ رب العزت نے اس خاص کام کے لیے اپنے کچھ ایسے نیک بندوں کو چُنا ہوا ہے جو کہ کردار اور سیرت کے حوالے سے اسوۂ رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں ڈھلے ہوئے ہیں۔ یوں ان کی بات بھی دلوں پر اثر رکھتی ہے اور حافظ محمد الیاس تو حافظِ قرآن ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے اشعار میں بڑے محتاط اور معتدل الفاظ ملتے ہیں۔ وہ بات کو مکمل پیرائے میں کرتے ہیں۔ سہلِ ممتنع میں ایسے لکھتے ہیں کہ بڑی بڑی باتیں چھوٹے چھوٹے اشعار میں دل و دماغ کو متاثر کرتی ہیں۔

وہ اس اسوہ کے چراغ کی روشنی کو اس دنیا تک ہی محدود نہیں سمجھتے بلکہ اسے لحد کی روشنی اور زادِ راہ بھی کہتے ہیں وہ اپنی نعتوں میں نعت کو بھی اسی روشنی کا حصہ کہتے ہیں کہ یہ عمل بھی اسی روشنی کو پھیلانے کا ذریعہ بن رہا ہے۔ چند اشعار ملاحظہ کیجیے۔

روشن رہے گی ان کی لحد اس چراغ سے
وہ جو چراغ عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا جلا گئے

دیارِ فکر و نظر جگمگائے رکھتے ہیں
نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نعت کی محفل سجائے رکھتے ہیں

تا قیامت میں چمکتا ہی رہوں گا حافظؔ
خلقِ احمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا دیا ہے مرے کردار کے پاس

تو مکمل چاہتا ہے رہنا گر
خود کو عشقِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں چور رکھ

حافظ محمد الیاس نے ذاتِ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دل و ذہن میں مذکور رکھنے کو زندگی کہا ہے۔ وہ نعت کو نور کہہ کر زندگی کو معمور رکھنے کا عمل سکھاتے ہیں اور ایسے عمل سے دور رہنے کی دُعا کرتے ہیں جس

میں منشائے نبی ﷺ شامل نہ ہو۔ان کی نعت میں جا بجا درود وسلام کے نغمے بکھرے دکھائی دینے کی بڑی وجہ ہی نعت ہے۔وہ جب اپنی سخن گوئی پہ نعتِ نبی ﷺ کی شال کرتے ہیں تو ان کے ردیف و قوافی و بحر درود پڑھتے سنائی دینے لگتے ہیں۔

"سبیلِ عطا" میں موصوف نے دیارِ فکر ونظر اور جان وروح کو جگمگانے اور روشن کرنے کی بات بھی نعت کی محفل کے انعقاد سے ہی کی ہے۔وہ خود بھی ایک ایسے ہی نعت گو ہیں جن کے دیارِ دل میں ہر وقت نامِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی جگمگ جگمگ کر رہی ہے۔یہی خیال وہ اپنی نعت میں یوں پروتے ہیں۔

شعور میں گلِ رعنا مہکنے لگتے ہیں
میں جب بھی شہرِ نبی ﷺ کا خیال کرتا ہوں
خیال سے بھی اندھیرے گذر نہیں سکتے
ہم اُن کے عشق کی شمع جلائے رکھتے ہیں
خیالِ حسنِ رُخِ مصطفیٰ ﷺ ملا جب سے
ہر اک خیال کو دل سے بھلائے رکھتے ہیں

مدحتِ مصطفیٰ کریم ﷺ میں حافظ محمد الیاس کے اشعار آپ ﷺ کے معجزات سے جُڑے ہوئے ہیں۔انہوں نے اپنے اشعار میں ایسی تلمیحات استعمال کی ہیں کہ ان کو سیرتِ رسول ﷺ کا گہرا مطالعہ کرنے والے ہی جان سکتے ہیں۔

حافظ محمد الیاس کا نعتیہ دیوان "سبیلِ عطا" انٹرنیٹ اور فیس بک، جس پہ لوگوں نے خبر اور خیر کو یوں ڈی ویلیو کیا ہے کہ سچائی کی پہچان کرنا مشکل ہو گیا ہے، کی دین ہے۔یہیں عشقِ رسول ﷺ کی شمع جلانے والوں نے ایک گوشے میں اپنے لیے ایسی محفل سجائی ہوئی ہے جہاں کئی بھولے بھٹکے آ کر اپنے دامنِ دل میں روشنی بھرتے ہیں اور دل و جاں کو منور کر کے اٹھتے ہیں، باوضو ہوتے ہیں اور پھر ماسوا سے ایسے تائب ہوتے ہیں کہ اسمِ محمد ﷺ اور درود وسلام ہی ان کے لبوں پر ذکر ہوتا دکھائی دیتا ہے۔پھر وہ اس فیض کو محدود نہیں ہونے دیتے بلکہ بانٹتے ہیں جیسے موصوف بانٹ رہے ہیں۔"فروغِ نعت" کی یہ تحریک ابھی اور بھی کئی ایسے دیوان منظرِ عام پر لانے کی کوشش کر رہی ہے۔مجھے پورا یقین ہے کہ یہ روشنی، جس کا ابھی آغاز ہوا ہے، ہر اس جگہ پہنچے گی جہاں اردو زبان بولنے اور سمجھنے والے اور عشقِ محمد ﷺ کی طلب رکھنے والے موجود ہیں۔

○❖○

"نعتیہ شاعری کے فروغ میں 'نعت رنگ' کی خدمات"

مقالہ نگار: حلیمہ سعدیہ منگلوری

بیسویں صدی کے آخری ربع کو نعت کے تخلیقی امکانات کا عہد کہا جائے تو غلط نہ ہوگا۔اس عہد میں نہ صرف تخلیقی امکانات کو فروغ حاصل ہوا بلکہ نعت کے تنقیدی رجحان اور مطالعاتی منہج نے بھی نمایاں طور سے فروغ پایا ہے۔ خصوصاً نعت کی فنی وفکری پرکھ کے لیے برسوں سے مروّج تنقیدی اصولوں کی جگہ نئے تنقیدی نظریات کے تناظر میں مطالعۂ نعت کی ضرورت واہمیت کا احساس اجاگر ہوا ہے۔

نعت کے فروغ وارتقا اور نعت کے اظہار وابلاغ کے ضمن میں اُن رسائل وجرائد کے کردار سے بھی صرفِ نظر نہیں کیا جا سکتا جنھوں نے اپنی اشاعتی سرگرمیوں کو نعت کے فروغ اور ارتقا کے لیے مخصوص کیا، اور نعت نگاروں کے ساتھ ساتھ نعت پر تاریخی اور تحقیقی کام کرنے والے اصحابِ تحقیق سے بھی اہلِ ادب کو روشناس کرایا۔اس حوالے سے کتابی سلسلہ "نعت رنگ" کی خدمات بہت نمایاں ہیں۔

گزشتہ دوعشروں سے "نعت رنگ"، نعت کے ادبی فروغ کے لیے ہمہ جہت خدمات سرانجام دے رہا ہے۔نعت رنگ کی تحریک کے نتیجے میں صنفِ نعت کی تنقید وتحقیق اور تدوین وتخلیق کے حوالے سے جو وقیع کام ہوا ہے وہ اردو زبان وادب کی تاریخ میں عقیدت نگاری کے باب میں اب تک کی جانے والی متفرق کوششوں کو ایک واضح اور منفرد جہت عطا کرتا ہے۔

"نعت رنگ"، ہی کی تحریک کا نتیجہ ہے کہ نعت کو نہ صرف ایک باقاعدہ صنفِ سخن تسلیم کیا گیا بلکہ اہلِ علم ودانش نے اس کا اعتراف بھی کیا۔ 19 اکتوبر 2014ء کو آرٹس کونسل آف پاکستان، کراچی کے زیراہتمام ساتویں عالمی اردو کانفرنس منعقد ہوئی۔اس کانفرنس میں پہلی بار نعت پر بطور صنفِ سخن ایک اجلاس منعقد کیا گیا جس کا عنوان "اردو زبان اور نعتیہ ادب" تھا۔ جب کہ 17 جنوری 2015ء کو انجمن ترقی اردو، کراچی نے پہلی مرتبہ ایک مذاکرہ بعنوان "صنفِ نعت، ادبی اور ثقافتی ورثہ" منعقد کیا۔

مدیر نعت رنگ سید صبیح الدین صبیح رحمانی رقم طراز ہیں:

"نعت رنگ میں تنقیدی مباحثوں اور مکالموں کے روشن ہونے سے آدابِ نعت گوئی کے

باب میں شعرا کا احساسِ ذمے داری بڑھتا ہوا دکھائی دیتا ہے۔ نعت کو تنقیدی کسوٹی پر پرکھنے میں جو اندیشے مانع تھے وہ دور ہوئے ہیں اور علمی، لسانی، عروضی اور تنقیدی زاویوں سے بے لاگ گفتگو کی ایک ایسی فضا قائم ہوئی ہے جس سے ادبی سطح پر نعت کی مقبولیت میں بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔ نعت کو دانستہ یا نادانستہ نظر انداز کرنے والے حلقوں میں بھی اس کو بطورِ صنفِ سخن دیکھنے اور اس کی اہمیت کو تسلیم کرنے کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں۔''

اس انقلاب میں بہت حد تک نہ صرف ''نعت رنگ'' کے مقالات اور ان کے مباحث، بلکہ صبیح رحمانی کی ذہانت، صلاحیت اور جدوجہد کا بھی حصہ ہے۔ اردو تنقید کے معتبر ناموں کا اس کارواں میں شامل ہونا یقیناً ''نعت رنگ'' کے سفر کو اعتبار عطا کر رہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نعت رنگ کا دائرۂ عمل برصغیر پاک و ہند تک محدود نہ رہا، نعت رنگ کی اثر آفرینی نے اکنافِ عالم میں اردو کی نئی بستیوں میں بسنے والے اہلِ علم و قلم کو بھی اس تحریک سے وابستہ کر دیا۔

راقم الحروف کی معلومات کے مطابق نعت کے موضوع پر ایم۔اے، ایم۔فل اور پی ایچ۔ڈی کی سطح کے ساٹھ سے زائد تحقیقی مقالات ہندوستان و پاکستان کی جامعات میں لکھے جا چکے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کے حوالے سے شائع ہونے والی کتب کی تعداد سات ہے، جبکہ نعت رنگ میں شائع ہونے والے لوازمے پر مشتمل کتابوں کی تعداد پندرہ سے زائد ہے۔ اب نعت رنگ کا شعری، ادبی، تخلیقی اور تنقیدی اثاثہ اس اہمیت کا حامل ہو گیا ہے کہ آئندہ صنفِ نعت پر کسی بھی کام کے لیے اسے لازمی حوالے کی حیثیت حاصل رہے گی۔ یہی وجہ ہے کہ اب نعتیہ ادب کے حوالے سے خود ''نعت رنگ'' کی ادبی خدمات کو مختلف جامعات میں موضوعِ تحقیق بنایا جا رہا ہے۔

اس وقت ہمارے پیشِ نظر حلیمہ سعدیہ منگلوری کا مقالہ ''نعتیہ شاعری کے فروغ میں 'نعت رنگ' کی خدمات'' ہے جس پر انھیں شعبۂ اردو، ہزارہ یونیورسٹی مانسہرہ نے ایم۔فل کی سند عطا کی ہے۔ حلیمہ سعدیہ کا یہ مقالہ چھے ابواب پر مشتمل ہے۔ باب اوّل میں مقالہ نگار نے ادبی رسائل کی روایت و ارتقا، افادیت اور ادبی رسائل کی تاریخ کا مختصر جائزہ لیا ہے۔ ساتھ ہی ساتھ نعتیہ شاعری، پاکستان میں نعت کے فروغ، نعتیہ ادب میں نعت نمبروں، میلاد نگاری کی روایت، نعتیہ تذکرہ نگاری کی روایت، نعتیہ گل دستوں اور انتخابِ نعت کی روایت کا جائزہ لیتے ہوئے ''نعت رنگ'' کے اجراء کی ضرورت و اہمیت پر روشنی ڈالی ہے۔

دوسرے، تیسرے اور چوتھے باب میں بالترتیب نعت رنگ کے اداریوں، تنقیدی اور تحقیقی

مقالات کا شمارہ وار مطالعہ کیا گیا ہے۔ جب کہ پانچویں باب میں نعت رنگ میں شائع ہونے والے شخصی وتعارفی مضامین، کتابوں پر تبصرے، حمدیہ ونعتیہ کلام اور نعت رنگ کے حمد ونعت گو شعراء، وفیات، مکاتیب، شخصی خاکوں اور نعت رنگ میں شائع ہونے والے مذاکروں کا شمارہ وار مطالعہ کیا گیا ہے۔ آخری باب میں حاصلاتِ تحقیق کو بیان کیا گیا ہے۔ حلیمہ سعدیہ لکھتی ہیں:

''نعت رنگ کے بحیثیتِ مجموعی تنقیدی، تحقیقی، تخلیقی اور دیگر شعری وادبی معیارات اور میراث نے نعتیہ ادب کے خزانے میں گراں قدر اضافے کیے ہیں۔ نعت رنگ نے تنقیدِ نعت کو ایک باوقار سمت عطا کی ہے۔ اس کی اشاعت سے نعت کے فن کو بطورِ خاص ایک ثروت منداور تنقیدی تسلسل حاصل ہوا، جسے بجا طور پر 'تنقیدی دبستان' کہا جاسکتا ہے۔ نعتیہ مباحث پر تنقیدی وتحقیقی مضامین کے تسلسل کی سعادت نعت رنگ ہی کا مقدر ٹھیری ہے۔ نعت رنگ کے اجرا کے نتیجے میں برصغیر پاک وہند میں نعتیہ تنقید نگاری کی جو فضا پیدا ہوئی اور نعت نگاری کے ماحول پر اس کے جو اثرات مرتب ہوئے وہ بہت حوصلہ افزا اور لائقِ تقلید وتحسین ہیں۔''

حلیمہ سعدیہ کا یہ مقالہ نعت رنگ کی ہمہ جہت خدمات کا ایک جامع مطالعہ پیش کرتا ہے۔ یہ مقالہ نعت رنگ کے 24 شماروں کا احاطہ کرتا ہے اور صنفِ نعت اور نعتیہ ادب کے فروغ کے باب میں بجا طور پر ''نعت رنگ'' کی خدمات کا اعتراف ہے۔

مقالہ نگار حلیمہ سعدیہ کا تعلق خیبر پختون خوا کے ایک گاؤں منگلور سے ہے۔ ڈاکٹر سید عبداللہ اور ڈاکٹر ممتاز منگلوری جیسے اہلِ علم ودانش کا تعلق اسی گاؤں سے تھا۔ منگلور کی شرحِ خواندگی تقریباً سو فیصد ہے۔ اسی گہوارۂ علم وعرفاں سے تعلق رکھنے والی حلیمہ سعدیہ منگلوری بھی زمانۂ طالب علمی ہی سے لکھنے پڑھنے کا شوق رکھتی ہیں۔ 1998ء سے حلیمہ سعدیہ درس وتدریس سے وابستہ ہیں۔ 2011ء میں ترکی کی سلجوق یونیورسٹی (قونیہ) کے شعبۂ اردو میں بھی تدریس کے فرائض انجام دیے۔ ایم۔ اے اردو کرنے کے بعد ہزارہ یونیورسٹی سے ڈاکٹر محمد سفیان صفی کی زیرِ نگرانی ''نعتیہ شاعری کے فروغ میں 'نعت رنگ' کی خدمات'' کے موضوع پر ایم۔ فل کیا۔

بجا طور پر یہ امید کی جاسکتی ہے کہ نعت میں، نظم ونثر کی صورت میں ادبِ رسالت کے مختلف پہلوؤں پر جو سرمایۂ عظیم اردو میں جمع ہو رہا ہے اس پر اسی طرح تحقیقی مقالات لکھے جاتے رہیں گے، کہ یہ ہماری ادبی وتہذیبی ضرورت بھی ہے۔

O❖O

ڈاکٹر ریاض مجید

''نعت رنگ'' کی تنقیدی خدمات

عقیدت نگاری ہر زبان اور ہر زمانے میں کی جانے والی شاعری کا ایک اہم حصہ رہی ہے۔ اردو میں حمد، نعت اور منقبت اس عقیدت آثار شاعری (Devotional Poetry) کی نمایاں اصناف ہیں جن کے ابتدائی نمونے اردو زبان وادب کی تاریخ کے آغاز ہی سے ملنا شروع ہو جاتے ہیں۔ اگرچہ ان اصناف کا تخلیقی پس منظر عربی، فارسی اور دوسری زبانوں (جو اسلامی معاشروں میں بولی جاتی ہیں) کے حوالے سے کئی صدیوں کو محیط ہے مگر ان پر تنقیدی و تحقیقی کام بہت بعد میں شروع ہوا۔ خصوصاً نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے حوالے سے تخصیص رسائل و جرائد کی تاریخ نصف صدی سے پرانی نہیں۔ ان خصوصی شماروں کا غالب حصہ بھی نعتیہ انتخابات پر مشتمل ہے۔

''نعت رنگ'' جس کا آغاز ۱۹۹۵ء میں ہوا، اس اعتبار سے ایک وقیع حوالہ کا حامل ہے کہ اس سے نعت اور اس سے متعلقہ دوسرے موضوعات (سلام، درود، سیرت، نعتیہ کتب، شخصیات، مقامی مطالعات، میلانات) پر پہلی بار تنقیدات کے تسلسل کا آغاز ہوا۔ ''نعت رنگ'' کے گزشتہ ۲۰ کے قریب شماروں کا بحیثیت مجموعی مطالعہ کیا جائے تو اس کی وقعت اور کارکردگی (Contribution) کا اندازہ ہوتا ہے۔ ''نعت رنگ'' نے اردو ناقدین کو ایک ایسا فورم (Forum) مہیا کیا جس سے نعت کی صنف، نعت کے موضوعات، نعت کا فن، نعت کے مختلف اسالیب، نعت کے مختلف انتخابات، نعتیہ شعری مجموعے اور نعت گو شاعروں کے مختلف ادوار، میلانات اور اسالیب پر گراں قدر مضامین و مقالات کا ذخیرہ سامنے آیا۔ یوں نعت کی صنف اور فن کے حوالے سے نہ صرف تازہ بحثیں سامنے آئیں بلکہ بعض پُرانے اہم حوالہ جات کی جمع آوری بھی ممکن ہوئی۔

''نعت رنگ'' نے نعت کی تنقید کو ایک باوقار نہج عطا کی، اس کی اشاعت سے نعت کے فن کو بطورِ خاص ایک ثروت مند تنقیدی تسلسل حاصل ہوا۔ اس سے قبل اور اس کے بعد بھی اگرچہ مختلف رسائل میں فکر وفنِ نعت کے حوالے سے اردو کے اہلِ قلم اپنے خیالات کا اظہار کرتے رہے ہیں اور کر رہے ہیں۔ مگر نعتیہ مباحث پر تنقیدی و تحقیقی مضامین کے تسلسل کی سعادت ''نعت رنگ'' ہی

کے حصے میں آئی۔ اس رسالے کا ہر شمارہ نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے باب میں ایک تنقیدی حوالے کا درجہ رکھتا ہے۔ ''نعت رنگ'' کے ادارتی نظم وضبط (Editorial Discipline) کی یہ خوبی لائقِ تحسین ہے کہ اس کے وابستگان نے فروعی مسائل میں الجھنے کے بجائے نعت کے مرکزی ومحوری مقصد اور اثر آفرینی کو پیشِ نظر رکھا، اور:

ہم اہلِ نعت فروعات میں الجھتے نہیں
ہمیں تو اُنؐ کی محبت کو عام کرنا ہے

کے ساتھ ساتھ نعت کی صنف کو ایک فنی۔۔۔ اعلیٰ فنی مقام پر رکھنے اور دیکھنے کی ایک غیر محسوس کوشش کی۔ ''نعت رنگ'' کے مرتب کے سامنے نعت ''اظہارِ محض'' کے بجائے محاسن شعری سے لبریز ایک اعلیٰ صنف کے طور پر رہی۔ ایک ایسی صنف جو عقیدت وعقیدہ کا اظہارِ محض نہیں بلکہ جس کے وجود اور امکانات ہر اعتبار سے اعلیٰ شاعری کے دائرۂ تحقیق میں آتے ہیں۔ ''نعت رنگ'' کی خدمات کے ذیل میں صبیح رحمانی تعریف کے مستحق ہیں۔ ہر ادارے کی مساعی کے عقب میں ایک مرکزی شخصیت ہوتی ہے۔ گلدستہ کے پھولوں کے گرد لپٹی ہوئی گرہ کی طرح صبیح نے ''نعت رنگ'' کے ذریعے سیکڑوں نعت کاروں کو جوڑا ہوا ہے۔ ان نعت کاروں میں نعت کی تخلیق، تدوین، تحقیق، تنقید اور نعت کو اپنی صدائے لحن سے تزئین بخشنے والوں کے ساتھ ساتھ نعت کے قارئین کا ایک وسیع حلقہ بھی موجود ہے۔

خدا اس کی نعت آثار مساعی کو ہمیشہ تر وتازہ رکھے۔ آمین ○❖○

ملک الظفر سہسرامی

"نعت رنگ کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ"

(پروفیسر شفقت رضوی کی کتاب پر ایک تبصرہ)

پاکستان کے قیام کے بعد سے آج تک اتنے نعت گو شعرا شعر و ادب کے منظر نامے پر آئے کہ اردو زبان کی پوری نعتیہ شاعری کی تاریخ میں اتنے شعرا نہ ہوں گے۔ یہ بات کمیت کی رہی لیکن اگر کیفیت کے اعتبار سے دیکھا جائے تو یہاں بھی رطب و یابس کی کمی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اتنے کثیر سرمائے کو نقد و نظر کی کسوٹی پر پرکھنے کی بھی ضرورت کا احساس شدید سے شدید تر ہوتا گیا چناں چہ کراچی، پاکستان سے صبیح رحمانی اور ان کے چند رفقائے کار اس اہم موضوع کی جانب متوجہ ہوئے۔ اور پھر دیکھتے دیکھتے اس کے سولہ ضخیم شمارے منظر عام پر آ گئے۔ ایسا نہیں کہ نعتیہ ادب کے افق پر فکر و فن کی پہلی کرن "نعت رنگ" ہے، بلکہ اس سے قبل بھی نعتیہ ادب پر نقد و نظر کے کارہائے نمایاں انجام دیے گئے۔ لاہور کی ادبی صحافت کے باوقار جریدے "شام وسحر" کے سر اس کی اوّلیت کا سہرا بندھتا ہے۔ اردو ادب کی زندہ و بیدار تحریک، تنقیدی اصول اور عملی تنقید کا نقطۂ آغاز وہی ہے۔ پندرہویں صدی ہجری کی پہلی عید میلاد النبی ﷺ کے موقع پر نعت نمبر کا خصوصی شمارہ منظر عام پر آیا باستثنائے ۱۹۸۴ء یہ سلسلہ ۱۹۸۷ء تک جاری رہا۔ چھ ضخیم نعت نمبر نعتیہ ادب کے سنگ میل کی حیثیت منظر عام پر آئے۔ تقریباً تین ہزار صفحات پر پھیلے ہوئے یہ خاص شمارے نعتیہ ادب کی آبرو ہیں۔ راجہ رشید محمود لاہوری نے بھی ماہنامہ "نعت رنگ" کے حوالے سے نعتیہ ادب کے شاہراہ پر فکر و فن کی قندیلیں روشن کرنے میں غیر معمولی کردار ادا کیا۔ لیکن یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ "نعت رنگ" کی تحریک کے زیرِ اثر نعتیہ ادب کے آفاق پرستاروں کی ایک انجمن آراستہ ہوگئی، "نعت رنگ" کے پہلے شمارے کی اشاعت سے لے کر آج تک جو تسلسل ہے وہ اس کے قابلِ قدر مدیر صبیح رحمانی کی اَن تھک جد و جہد، محنت اور خلوصِ بے پایاں کی ثمرہ ہے۔ تحریک فروغِ نعت ہی صبیح رحمانی کے لیے اب مشغلۂ حیات ہے۔ یوں بھی شاعری کے حوالے سے نعت صبیح رحمانی کی شناخت و پہچان ہے:

میں ہوں وقفِ نعت گوئی، کسی اور کا قصیدہ /// مری شاعری کا حصہ کبھی تھا، نہ ہے، نہ ہوگا

نعت کے تعلق سے جس شخصیت سے بھی کسی قسم کی وابستگی کا سراغ صبیح رحمانی کو ملتا ہے۔ یہ ہمہ تن مخلص مردِ مجاہد اس کی خوشامد میں لگ جاتے ہیں۔ تحریک، تشویق، ترغیب مسلسل سے اس کو نعتیہ ادب کی زندہ و بیدار تحریک سے بالآخر وابستگی پر مجبور کر کے ہی چھوڑتے ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی تحریر کرتے ہیں۔ دیر تک میرا ''نعت رنگ'' سے تعلق خواندگی کی حد تک رہا۔ میں نے اس مقدس اور پاکیزہ محفل میں دخل اندازی کی جسارت نہیں کی۔ اس نوجوان کے خلوص اور محبت نے میرا پیچھا کیا۔ وہ کوئی توقع وابستہ کیے بغیر مجھے زیر بار احسان کرتا رہا اور ''نعت رنگ'' کی ہر کتاب مجھے ملتی رہی۔ میں عام طور پر ہتھیار ڈالنے کا قائل نہیں لیکن اس کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر مجبور ہوا۔ (''نعت رنگ'' کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ ص: ۸)

صبیح رحمانی نے ''نعت رنگ'' کے اشاعتی تسلسل کا آغاز تو بے سروسامانی کے عالم میں کیا یعنی:

میں اکیلا ہی چلا تھا جانب منزل مگر
لوگ ساتھ آتے گئے اور کارواں بنتا گیا

اس بات کے اعتراف و اقرار میں اب کسی تامل کی گنجائش باقی نہیں رہ گئی کہ صبیح رحمانی ایک کارواں نعت شناس کے ساتھ نعتیہ ادب کو منزل بہ کنار کرنے میں مخلصانہ رویوں کے ساتھ مصروفِ عمل ہیں۔ ''جس ادبی دنیا میں نام ور نقاد اور تجزیہ نگار اسے موضوعاتی شاعری قرار دے کر اور موضوعاتی شاعری پر اظہارِ خیال کو ممنوع قرار دے کر اپنا دامن بچاتے ہیں وہاں ہر کتاب کے لیے درجن ڈیڑھ درجن مضامین کہاں سے حاصل کرے گا'' ابتدا میں یہ خیالات تھے پروفیسر شفقت رضوی کے۔ لیکن صبیح رحمانی کی مشکل پسند طبیعت نے اس سنگلاخ زمین میں شیریں چشموں کی کھوج لگانے میں کامیابی حاصل کر لی اور بعض ایسی شاداب جھیلوں کو نعتیہ ادب گلستان سے جوڑ دیا جن کی عملی و تحقیقی عظمت و رفعت کا ایک زمانہ معترف ہے۔ چناں چہ فکر وفن کے نوع بنوع گل ہائے رنگا رنگ سے نعتیہ ادب کے گلشن کی زیب و زینت کا سامان ہونے لگا۔ مثلاً ڈاکٹر سیّد ابوالخیر کشفی، ڈاکٹر اسحاق قریشی، پروفیسر شفقت رضوی، پروفیسر اقبال جاوید رشید وارثی، ڈاکٹر عاصی کرنالی، پروفیسر محمد اکرم رضا۔ یہ وہ چند نام ہیں جو علم و ادب کے آفاق پر مہ و نجوم کی مثل چمک رہے تھے لیکن صبیح رحمانی کی مسلسل تشویق، تحریک اور ترغیب نے ان کے خامہ زرنگار کو نعتیہ ادب کی جانب مبذول کر دیا۔ نتیجے میں آج نعتیہ ادب کے دامن میں قابلِ ذکر سرمایہ حاصل ہو چکا ہے۔

''نعت رنگ'' کے تقریباً ساڑھے پانچ ہزار صفحات کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ ایک غیر جانبدار ناقد نے پیش کیا ہے۔ ''نعت رنگ'' کا اشاعتی تسلسل ۱۹۹۵ء سے ۲۰۰۳ء تک محیط ہے تادمِ تحریر سلسلۂ

الذہب جاری ہے۔ ۴۳۲رصفحات کی اس ضخیم کتاب میں پروفیسر شفقت رضوی نے ہر تحریر کا تجزیاتی و تنقیدی مطالعہ ایک جانب دار ناقد کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔اس تحریر کا ایک خاص پہلو یہ ہے کہ کسی مضمون سے جس قدر متعلقات آج شائع ہو چکے ہیں اور جو گفتگو جواب کی شکل میں سامنے آئی ان کا اظہار بھی تجزیاتی مطالعہ کے ساتھ کیا ہے۔لیکن اس قسم کے بعض مقامات پر وہ اپنا کوئی ریمارک اور تبصرہ پیش کیے بغیر ہی آگے بڑھ جاتے ہیں اور زیر بحث موضوع سے متعلق اپنی کوئی رائے نہ دے کر قاری کو تشنہ لبی کا احساس دلا جاتے ہیں۔اس کتاب نے پروفیسر شفقت رضوی کے علم، وسعتِ مطالعہ اور بالغ نظری کی کئی جہتیں روشن کی ہیں۔یہ الگ بات ہے کہ کہیں کہیں موصوف کی تنقید پر بھی کلام کی گنجائش ہے۔

زیرِ تبصرہ کتاب اپنی گونا گوں خوبیوں کی بنیاد پر ایک اہم، معیاری اور قابلِ قدر کتاب ہے تاہم چند گوشے قابلِ توجہ بھی ہیں۔مثلاً پروفیسر شفقت رضوی نے اپنے مقالات کے تعلق سے تجزیاتی وتنقیدی تحریر سپردِ قلم فرمائی ہے اس میں ایک غیر جانب دار مبصر اور ناقد کی حیثیت سے ان کی شبیہ متاثر ہوئی ہے، گو کہ کہیں غیر جانب داری کا پہلو بھی نمایاں ہو کر سامنے آتا ہے لیکن اگر موصوف اپنے مقالات کے تجزیہ وتنقید کے لیے کسی دوسرے اہل الرائے کے قلم کا سہارا لیتے تو تحریر پرُ لطف ہو جاتی۔بعض مقامات پر تو ایسا بے لاگ تبصرہ فرمایا ہے کہ قلم چوم لینے کو جی چاہتا ہے۔

نعتیہ ادب، ادب کی زندہ و بیدار روایتوں کا حصہ کب تھی، ناقدانِ فن نے تو اسے شجرِ ممنوعہ قرار دے کر ہاتھ لگانا بھی ادبی گناہ تصور کیا۔لیکن جادو وہ جو سر چڑھ کر بولے۔ چناں چہ آج نعتیہ ادب پر فکر وفن کے نو بنو چراغ جگمگا رہے ہیں۔ پروفیسر شفقت رضوی کی نعتیہ ادب سے وابستگی روایتی قسم کی نہیں بلکہ مخلصانہ ہے۔ وہ بعض دوسرے اربابِ فکر کی طرح اسے صنف سخن تسلیم کرنے میں کسی قسم کے تامل کو راہ نہیں دیتے بلکہ جا بجا اس کی بھر پور اور پرزور وکالت فرماتے ہیں۔ پتا نہیں نعت کو صنف سخن کے طور پر تسلیم کیے جانے میں کون سی رکاوٹ ہے۔ جب مرثیے کو صنف سخن کے طور پر تسلیم کیا جا سکتا ہے تو نعت کو صنف سخن نہ کہہ کر موضوع سخن کہنا کہاں کا انصاف ہے۔نہیں معلوم مذہبی ادب کے تعلق سے عصبیت کا یوں کھلا مظاہرہ کیوں کیا جاتا ہے۔ پروفیسر شفقت رضوی بھی اس تعلق سے اپنا کرب زیرِ قلم لانے پر مجبور نظر آتے ہیں۔ایک نعت پر ہی منحصر نہیں سارے مذہبی اور نیم مذہبی لٹریچر کا یہی حال ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ ہے کہ اس قسم کے ادب کو تقدس کا لبادہ پہنا کر احترام کی ایسی چیز بنائے رکھا گیا جو چومنے، آنکھوں سے لگانے اور طاق میں سجانے کے قابل تھی۔ دوسرے مغرب زدہ نقادوں نے مغربی فکر کی خوشہ چینی میں ان کی لے سے لے ملاتے ہوئے اسے ''موضوعاتی شاعری'' قرار دیا جو لائق تنقید

نہیں۔(''نعت رنگ'' کا تجزیاتی وتنقیدی مطالعہ ص:۸)

مغربی فکر کی عینک مستعار لے کر مذہبی ادب کا مطالعہ ایک غیر مستحسن فعل ہے۔ پروفیسر موصوف نے بعض مقامات پر اس رویے کی سخت مخالفت فرمائی ہے۔ایک مقام پر وہ یوں رقمطراز ہیں ''موجودہ زمانے کی تحریروں کا رویہ بن گیا ہے کہ جب بات کی جائے تو آدھی اردو میں ہو آدھی انگریزی میں!اور پھر مغرب کی جانب رُخ کیے بغیر سجدے کا تصور بھی نہیں کیا جاتا''(بحوالہ ایضاً ص:۹)

مغربی افکار کے زیرِ اثر آنے والے قلم مذہبی ادب کے حوالے سے انصاف پسند نہیں رہ سکے اور انھوں نے مذہبی ادب کو قابلِ تنقید سمجھا ہی نہیں۔اس غیر تعمیری فکر سے لسانیات کا جس قدر نقصان ہوا اس کا صحیح اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

پروفیسر شفقت رضوی نے اس ضخیم تنقیدی کتاب میں ''نعت رنگ'' کے شائع شدہ پندرہ ہزار صفحات کے جائزے اور تنقید کا مکمل حق ادا فرمایا ہے۔البتہ شرعی مباحث پر وہ اپنے قلم کو صبر وضبط کی تحریک کرتے ہیں اور کچھ اظہارِ خیال کیے بغیر یہ کہہ گزر جاتے ہیں کہ میں اس راہ کا راہی نہیں،نعتیہ ادب کے حوالے سے ''نعت رنگ'' کی قابلِ ذکر خدمات میں پروفیسر شفقت رضوی کی یہ کتاب قابلِ ذکر حصہ بن کر سامنے آئی ہے۔ ○❖○

//

عرفی شیرازی کا اظہارِ عجز

عرفی مشتاب ایں رہِ نعت است نہ صحرا
آہستہ کہ رہ بر سرِ تیغ است قدم را

عرفی شیرازی نے تو یہاں تک کہہ دیا کہ نعت کہنا تلوار کی دھار پر چلنا ہے۔ذرا سی لغزش ہوئی اور اس راہ میں پاؤں ہی کٹ گئے۔

بے بر گئی من داغ نہد بر دل سامان
بے مہریٔ من زرد کند روئے درم را

عرفی اِس دوسرے شعر میں کہتے ہیں کہ ستائش رسول ﷺ کے لئے ایک طرف تو ایسا فقر چاہیے جس کی بے سروسامانی کو دیکھ کر دلِ سامان داغ ہو جائے اور مال وزر سے ایسی بے اعتنائی درکار ہے جس کو دیکھ کر اشرفی کا چہرہ زرد ہو جائے۔

//

اطہر علی ہاشمی+ندیم صدیقی (ممبئی)

'نعت رنگ' کا 27 واں اور 28 واں شمارہ

نعت رنگ (شمارہ 27)

سید صبیح الدین رحمانی پر اللہ پاک کا خاص فضل ہے کہ اس نے ان کو نعتیہ ادب کا قافلہ سالار بنایا ہے اور ان کی سرداری میں یہ ادبی قافلہ رواں دواں ہے۔ نعت رنگ ایک ایسا مجلہ ہے جس نے اپنے تخصیصی، تحقیقی اور تنقیدی مقالات اور مضامین سے جہانِ ادب میں جہانِ نو پیدا کیا ہے اور اس نے نعت کے ادبی مقام کو منوالیا ہے۔

جناب رئیس امروہوی نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق فرماتے ہیں:؎

نعت کیا ہے؟ نغمۂ پر کیفِ روحانی ہے نعت
نعت کیا ہے؟ اہلِ حق کی زمرمہ خوانی ہے نعت
نعت کیا ہے؟ ایک آہنگِ صداقت روح کا
نعت کیا ہے؟ نغمہ سازِ عقیدت روح کا

27 واں شمارہ حسبِ سابق متنوع مضامین کی کہکشاں سے آراستہ و پیراستہ ہے۔ ایک نظر مشمولات پر:
1 دھنک 1.1 اداریہ 2.1 تحقیق 3.1 تنقید 4.1 فکروفن 5.1 مکالمات 6.1 مطالعاتِ/ جائزے
7.1 ایوانِ مدحت 8.1 نعت نامے

تحقیق: اُردو کا اوّلین نعت گو۔ ڈاکٹر افضال احمد انور// نصرتی کے معراج نامے۔ ڈاکٹر سیّد یحییٰ نشیط// نعتیہ برکات (فارسی) ماہنامہ صوفی کے آئینے میں۔ پروفیسر محمد اقبال جاوید// بر سبیل نعت۔ تحقیق و تنقید۔ ڈاکٹر ریاض مجید// نعتیہ گلدستہ سفینۂ نجات، دہلی۔ ڈاکٹر اشفاق انجم// اُردو کی ابتدائی ملی شاعری میں نعتیہ موضوعات۔ ڈاکٹر محمد طاہر قریشی// گوئٹے کی نظم 'نغمۂ محمدی' کے تین تراجم۔ خان حسنین عاقب// نعت میں ادبِ اطفال۔ تنویر پھول// اُردو ادب میں نعتیہ شاعری کا مقام۔ پروفیسر فتح محمد ملک// نعت کچھ روایتی اور کچھ غیر روایتی معروضات۔ ڈاکٹر ناصر عباس نیر۔

تنقید: نقدِ نعت میں تنقیدی دبستانوں کی بوقلمونی: عزیز احسن// اُردو نعت میں صنعتِ تلمیح: خالد ندیم// انتقادی اسالیب اور صنفِ نعت: انوار احمد زئی// اُردو میں نعت گوئی کا تہذیبی مطالعہ: قاسم یعقوب// نعت میں نظریاتی افکار وخیالات: سراج احمد قادری// نعت کی نو دریافت دُنیا: زاہد ہمایوں۔

فکر وفن: داغؔ کے کلام میں حمد ونعت: ڈاکٹر داؤد رہبر// کلامِ محسنؔ کاکوروی ایک تنقیدی مطالعہ: سلیم شہزاد// مسدس حالیؔ کا اسلوبیاتی مطالعہ: ڈاکٹر محمد اشرف کمال// اقبال سہیل اور موجِ کوثر: پروفیسر مولا بخش// حسرت موہانی کا شعرِ عقیدت: خورشید ربانی// کلامِ رضا پر ایک نظر: ڈاکٹر ارشاد شاکر اعوان// حافظ مظہر الدین جدید اُردو نعت کا پیش رو: امین راحت چغتائی// اُردو نعت کا چہار چمن: ڈاکٹر تحسین فراقی// میری نعت: امین راحت چغتائی// افضل خاکسار کی نعتیہ شاعری: ڈاکٹر رابعہ سرفراز// کیفِ مسلسل (مہر جہاں افروز-ایک تاثر): پروفیسر محمد اقبال جاوید// عزیز احسن کا نعتیہ سفر، تہذیبی ورثے کی بازیافت: کاشف عرفان// مشاہد حسین رضوی کی نعتیہ شاعری: سلطان سبحانی// منظر عارفی لمحہ موجود کا ممتاز نعت گو: محسن اعظم ملیح آبادی۔

مکالمات: مذاکرہ: محمد جنید عزیز خان// انٹرویو: سحر انصاری: ڈاکٹر عنبرین حسیب عنبر// مطالعاتِ/ جائزے: دبستانِ کراچی کا نعتیہ منظر نامہ: صبیح رحمانی// نعت رنگ شمارہ ۲۶ پر ایک نظر: احمد صغیر صدیقی// نعت رنگ شمارہ ۲۶ کا تجزیاتی مطالعہ: کاشف عرفان// خورشید ناظر کی نعتیہ خدمات: ڈاکٹر نعیم نبی// شاہ محمد ولی الرحمن ولی نعمانی القادری: منظر عارفی۔

ایوانِ مدحت: اثر زبیری لکھنوی تبسم، صوفی غلام مصطفی اسعد شاہجہاں پوری اختر الحامدی الرضوی انور مسعود امجد اسلام امجد ریاض حسین چودھری بدر ساگری انجم رومانی ایاز صدیقی الطاف احسانی صابر ظفر باقی احمد پوری آثم نظامی اسد ثنائی بشیر احمد بشیر اختر سہیل احمد صغیر صدیقی ضیاء الدین نعیم کوثر نقوی قاسم یعقوب کاشف عرفان منظر عارفی نذر عابد از ہر درانی اقبال حیدر سمیعہ ناز، برطانیہ۔

اداریہ میں سیّد صبیح رحمانی نے جوش وہوش کی آمیزش سے اپنے بلیغ خیالات کا اظہار ان الفاظ میں کیا ہے:

> ’’اس عہد میں بعض اہلِ نظر کے یہاں یہ احساس نمایاں طور پر موضوعِ گفتگو بنا ہوا ہے کہ اس وقت تہذیب وروایت کا وہ نظام اور قدریں مکمل طور سے معرضِ خطر میں ہیں جن کا ذرا سا بھی تعلق ہمارے مذہبی افکار وتصورات سے ہے۔ یہ خیال غلط نہیں ہے۔ اس لیے کہ ہم دیکھ سکتے ہیں، عصرِ حاضر میں اسلام کا معاملہ بہ یک وقت کئی طرح کی متحارب قوتوں سے ہے۔ ایک طرف وہ مذہب دشمن قوتیں ہیں جو اُسے ہر ممکن مٹانے کے درپے ہیں۔ یہ قوتیں عالمی سطح پر

کام کر رہی ہیں اور ان کا مقصد یہ ہے کہ مذہب کو انسانی زندگی سے کسی نہ کسی طرح یکسر نکال دیا جائے۔ اس کے بعد یہ دنیا اُن کے لیے آسان ہدف ہو جائے گی اور دنیا بھر کے انسانوں کو اخلاق وعدل سے عاری نظام حیات کے ذریعے اپنے مقاصد کی تکمیل کے لیے باسہولت استعمال کیا جاسکے گا۔ ان کے پس منظر میں وہ لوگ اور ادارے کارفرما ہیں جو زر پرست ذہنیت رکھتے ہیں۔ یہ سرمایہ دار دنیا کے نمائندے ہیں اور اس کے جال کو بچھانے میں مشغول ہیں۔

دوسری طرف وہ نظریات وافکار ہیں جو زر پرست ذہنیت کو تو بے شک رد کرتے ہیں لیکن ساتھ ہی کسی گہری بنیادی غلط فہمی کی بنا پر مذہب کو بھی انسانی ترقی اور سماجی مساوات واستحکام کے لیے ایک رکاوٹ سمجھتے ہیں۔ حالاں کہ حالات وواقعات نے اس مفروضے کو اس عہد تک آتے آتے کلیتاً غلط ثابت کر دیا ہے، لیکن اس کے باوجود ان کی غلط فہمی کسی طرح رفع نہیں ہوتی، اور وہ اس حقیقت کو سمجھنے سے قاصر ہیں کہ وہ جس مساوات، عدل، استحکام اور خوش حالی کی بات کرتے ہیں، اس کا حصول مذہبی نظام سے ہم آہنگی میں بدرجہا بہتر اور قدرے جلد ممکن ہے۔ اس لیے کہ مذہب تو ان سب امور کو انسانی سماج کے لیے ایک بنیادی تقاضے کے طور پر اختیار کرتا ہے۔ اگر وہ مذہب کے حلیف بن کر سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف صف آرا ہوں تو نتائج دیکھتے ہی دیکھتے کچھ سے کچھ ہو جائیں گے۔ تیسری طرف حقیقی روحِ اسلام سے ناواقف مسلمانوں کا وہ گروہ ہے جو اسلام کی اصل تصویر کو ذاتی تاویل وتفسیر کے ذریعے دانستہ نادانستہ مسخ کر رہا ہے، اور اس کے تعمیری اور انقلابی پیغام کو غیر مؤثر بنانے میں دشمنوں کا آلہ کار بن کر رہ گیا ہے۔

اسلامی افکار واحکام سے صریح دشمنی اور دیدہ دانستہ ہر ممکن ضرر رسانی کی اس فضا میں مذہبی افکار کی حقانیت اور سربلندی کے لیے کام کرنا اور دینی رشتوں سے اپنے آپ کو منسلک رکھنا، توحید ورسالت کا اثبات واعلان کرنا، محبتِ رسولؐ کے نغمے چھیڑنا معمولی بات نہیں، لیکن دل کشا حقیقت یہ ہے کہ آپ کو مذہبی شعور اور اس کے نظام اقدار سے گہری اور پُرخلوص وابستگی کے مظاہر بھی یہاں سے امریکہ تک جہاں جہاں اسلامی معاشرہ قائم ہوا ہے وہاں وہاں واضح طور پر نظر آئیں گے۔ اس لیے کہ مسلمان کی انفرادی زندگی میں ختمی مرتبت نبیِ آخر الزماں حضرت محمد مصطفیٰؐ کی محبت ایمان کا لازمی جزو ہے تو اجتماعی دائرے میں آپؐ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہونا اسلام کا لازمی تقاضا ہے۔ یہ محبت اور تقاضا دونوں مل کر ایک ایسی مضبوط اساس اور مستحکم رابطے کی نوعیت اختیار کر لیتے ہیں جس پر اسلامی عقائد وعبادات ہی نہیں، بلکہ باہمی انسانی اخوت واخلاص کی عمارت بھی استوار ہوتی ہے۔ بقول اقبالؔ:

عقل و دل و نگاہ کا مرشدِ اوّلیں ہے عشق
عشق نہ ہو تو شرعِ دیں بت کدۂ تصورات
شوق ترا اگر نہ ہو میری نماز کا امام
میرا قیام بھی حجاب، میرا سجود بھی حجاب

اس تناظر میں ہم ایسے مسلمانوں کی زندگی اور اُن کی شعری تخلیقات پر نظر ڈالتے ہیں جو ساری عمر عشقِ نبی کریمؐ کو بصد خلوص نہ صرف نبھاتے رہے، بلکہ اپنے افکار و خیالات میں اعلانیہ اپنے ایمان کی اس اساس اور مستحکم سماجی رابطے اور عشق وشوق کے اس تسلسل کا والہانہ اقرار و اظہار بھی غیر مشروط طور پر کرتے رہے۔ یہ وہ خوش بخت لوگ ہیں جو ایک طرف تو اس اقرار و اظہار سے اپنے اور اُمتِ مسلمہ کے دینی جذبات واحساسات کی تکمیل و تسکین کا سامان کرتے رہے اور دوسری طرف انہوں نے اسلام دشمن قوتوں، تحریکوں اور نظریات کی پھیلائی ہوئی فکری تیرگی کے انسانیت دشمن ماحول میں عشقِ نبی کریمؐ کے وسیلے سے عزم وہمت اور وفاداری وجاں نثاری کے چراغوں کو فروزاں کرکے حقِ غلامی بھی ادا کیا۔ اسلامی تہذیب سے آراستہ معاشروں، ملکوں اور زبانوں میں نعت گوئی انہی جذبات واحساسات کا بلیغ ترین مظہر ہے''۔

''عربی و فارسی کے بعد اُردو زبان میں بھی نعتیہ شاعری کو قبولِ عام حاصل ہوا۔ اُردو میں نعتیہ شاعری کی ایک طویل روایت ہے، اور یہ روایت صرف اظہار کے پیرایوں اور پیمانوں کی نہیں، بلکہ اس کا تعلق ان آداب اور محتاط رویوں سے بھی ہے جو مضامینِ مدحت کو تخیلی پیکر دینے اور برتنے میں نزاکتیں پیدا کرنے کا سبب بنتے ہیں۔ اُس بارگاہ میں نہ تو بے باکیوں کی گنجائش ہے اور نہ ہی غیر معتدل مبالغے کی پذیرائی۔ اس لیے نعتیہ شاعری روایتی شاعری سے کہیں زیادہ مشکل ہے، لیکن ان مشکلات اور پابندیوں کے باوجود نعتیہ شاعری کو رسمی طرزِ سخن کے خانے میں رکھ کر نہیں دیکھا جا سکتا، کیوں کہ نعتیہ شاعری گہری ارادت اور عقیدت سے تحریک تو ضرور پاتی ہے، لیکن اسے محض عقیدت ومحبت کا اظہار سمجھنا اس کی فکری وفنی قدر و قیمت کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔ یہ غزل، نظم یا کسی بھی دوسری صنفِ ادب کی طرح ایک ایسی صنفِ اظہار ہے جس میں نازک خیالات اور گہرے افکار کو سہارنے کی پوری سکت ہے۔ نعت کا تخلیقی تناظر اس امر کی صداقت کا ثبوت فراہم کرتا ہے۔

ہمارے عہد تک آتے آتے اُردو میں نعتیہ شاعری عظمت، رفعت، علمی وقار، لسانی بلندی ولطافت کی مقبولیت کی کئی منازل طے کر چکی ہے اور آج یہ اپنے موضوع کے لحاظ سے اُردو شاعری میں ایک امتیازی شان سے جلوہ گر ہے۔ گزشتہ چند دہائیوں میں اُردو نعت گوئی میں فکری اور تخلیقی اعتبار سے جو توانا

رجحانات سامنے آئے ہیں، وہ خوش کن ہی نہیں فکر افروز بھی ہیں۔ عصرِ حاضر کے نعت گو شعرا کا نظامِ فکر و وجدان، قرآنی تعلیمات اور اسلامی اقدار و شعائر کے تحت تشکیل پا کر سامنے آتا ہے۔ آج کا نعت نگار اجتماعی، انفرادی اور کائناتی دکھوں کے مداوے کے لیے سیرتِ اطہر سے روشنی کشید کر رہا ہے۔ یوں ہماری نعت اسلام اور روحِ اسلام، کائنات اور مقصدِ کائنات، رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور حیاتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی تفہیم کا ایک وسیلہ بن کر محض عقیدت کا معاملہ نہیں رہی، بلکہ فکری و فنی سطح پر بھی ادب و تہذیب کا معتبر حوالہ بن گئی ہے''۔

سیّد صاحب نے مبسوط اداریہ لکھا ہے جو پڑھنے کے قابل ہے۔ اللہ پاک سے دعا ہے کہ وہ ان کے ارادوں کو قوی رکھے اور ان کے قلم کی ضیا باریاں قائم رکھے۔ اللہم زد فزد۔

یہ اپنی ظاہری اور باطنی خوبیوں سے آراستہ منفرد مجلہ ہے۔ (تحریر: اطہر علی ہاشمی)

نعت رنگ (شمارہ 28)

نعت رنگ، (کراچی، پاکستان سے) اپنے موضوع پر شائع ہونے والا منفرد اور مثالی مجلہ ہے جس کا 28 واں شمارہ جو پانچ سو سے زائد صفحات پر مشتمل، حال ہی میں موصول ہوا ہے، جسکے مشمولات اپنے روایتی معیار کی شہادت ہیں۔

موضوعات کی مناسبت سے کوئی سات الگ الگ ابواب میں اس شمارے کو تقسیم کیا گیا ہے۔ بابِ تمجید، تحقیق و تنقید، فکر و فن، انٹرویو، ایوانِ مدحت، مطالعاتِ نعت اور نعت نامے۔ بابِ اوّل میں ڈاکٹر ریاض مجید کی حمدیں ہیں تو تحقیق و تنقید کے باب میں چودہ مضامین ہیں جن میں پاکستان کے ممتاز اہلِ علم و قلم میں مبین مرزا، ڈاکٹر ریاض مجید، ڈاکٹر عزیز احسن اور ڈاکٹر نوید احمد گل جیسے نام ہیں تو وہیں ہندوستان کے قلم کاروں میں ڈاکٹر محمد اسماعیل آزاد فتح پوری، ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط، ڈاکٹر اشفاق انجم، خان حسنین عاقب، شاہ اجمل فاروق ندوی اور ڈاکٹر مشاہد حسین رضوی بھی ہیں، اسی طرح دیگر ابواب میں بھی ہندوستانی شعرا و ادبا کی تحریریں (نظم و نثر) اس کا حصہ ہیں۔

اِنٹرویو کے باب میں مشہور اہلِ ادب ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی (علی گڑھ) اور ڈاکٹر محمد اسلم انصاری کی گفتگو ہمیں پڑھنے کو ملی۔ یہ حصہ دراصل سوالنامے کے جوابات پر مشتمل ہے۔ ایک الگ صفحے پر کوئی بارہ سوال درج ہیں اور اگلے صفحات پر دونوں حضرات کے تفصیلی جوابات ہیں۔

سوال نمبر دو (اُردو کے شعری لہجے کی ساخت میں، کیا آپ سمجھتے ہیں کہ نعت بھی شامل رہی ہے؟)

کے جواب میں ابوالکلام قاسمی نے کہا ہے کہ ''جہاں تک اُردو کی شعری روایت میں بحیثیت صنفِ سخن کے، نعت کی قدر و منزلت کا سوال ہے تو افسوس کی بات یہ ہے کہ ابھی چند دہے قبل تک ادبی و فنی، تخلیقی اور جمالیاتی اعتبار سے نعت کو برتنے اور اس کے معیار کو فنی بنیادوں پر بلند کرنے کی طرف کوئی خاص توجہ نہیں دِی جاتی تھی۔ نعت کو مسلمان شعرا نے اس انتہا پسندی کے ساتھ عقیدت کے اظہار اور حصول ثواب کی نیت کے ساتھ گلے سے لگائے رکھا کہ بظاہر نعت کی فنی اور جمالیاتی خوبیوں پر بحث و تمحیص تو درکنار، درخورِ اعتنا بھی نہیں سمجھا گیا۔ شاید یہی وجہ ہے کہ خصوصی طور پر نعت گو شعرا کو اعلیٰ تو کیا اوسط درجے کے شعرا میں بھی شمار نہیں کیا جاتا تھا۔ حیرت تو اس پر ہوتی ہے کہ عربی زبان تک میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی حیاتِ طیبہ میں یا اس کے بعد قرونِ اولیٰ کے مسلم شعرا تک کے کلام میں عقیدت و محبت اور وارفتگی کی فراوانی تو بے پناہ ہے مگر فنی خصوصیات برائے نام ہی ملتی ہیں۔''

اس شمارے کا آخری حصہ جو خطوط پر مبنی ہے وہ بھی اپنے متن میں وقیع ہے۔ اس باب کا اوّلین خط ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط کا ہے جس میں اُنہوں نے 'نعت رنگ' کے 27ویں شمارے پر اپنے تاثرات کو تفصیل سے (سات صفحات پر) بیان کیا ہے جس میں موصوف نے (اپنے مضمون 'غالب کی مثنوی بیان معراج کا تنقیدی مطالعہ' پر) ڈاکٹر اشفاق انجم کے اعتراض (''یہ قرآن و حدیث سے متصادم ہے'': اشفاق انجم) کے جواب میں اشفاق انجم ہی کے اشعار نقل کرتے ہوئے، (نشیط نے) کہا ہے کہ ''یہ (اشعار) نہ تو قرآن و احادیث سے لگّا کھاتے ہیں نہ اس واقعے کے تاریخی پہلو سے ان کا واسطہ ہے، بلکہ شاعر کی عقیدت تو ان ساروں کو جھٹلا رہی ہے۔ پھر بھی یہ اشعار فیوض و برکات کا ثمرہ سمجھے گئے ہیں۔ ان شواہد سے یہ بات صاف ہو جاتی ہے کہ اگر نعتیہ شاعری کو بالقصد قرآن و احادیث کی میزان پر پرکھنے کی کوشش کی جائے تو اس کا شاید نو، دس فیصد سرمایہ دریا بُرد کرنا پڑے گا اور تقدیسی شاعری کی بربادی کا یہ بڑا سانحہ قرار پائے گا، نیز ہمیں اپنے کلاسیکی ادب سے بھی ہاتھ دھونا پڑے گا۔''

'نعت نامے' کے باب میں اور بھی کئی خط اہمیت کے حامل ہیں مثلاً مشہور ناقد و شاعر پروفیسر سحر انصاری کے خط میں سلیم شہزاد کے (مرزا غالبؔ کی مثنوی ابرِ گہربار) منظوم ترجمے کی خوب داد دِی گئی ہے۔ پروفیسر سحر لکھتے ہیں کہ ''اس (مثنوی) کے نثری ترجمے ہوئے ہیں لیکن سلیم شہزاد کا منظوم ترجمہ بہت رواں اور شستہ ہے۔ ترجمے کی بحر بھی وہی ہے جو غالب کی فارسی نعت کی ہے۔'' سحر نے آگے یہ بھی لکھا ہے کہ ''سلیم شہزاد کے ترجمے کو میں بہ جائے ترجمانی کہوں گا،۔۔۔ اُنہوں نے لفظی ترجمے کے بہ جائے خیال کو اہمیت دی ہے۔'' پروفیسر سحرؔ نے واضح لفظوں میں لکھا ہے کہ ''سلیم شہزاد کی قدرتِ سخن،

فارسی اور اُردو پر ان کی دست رس لائقِ ستائش ہے، فارسی سے عبرت انگیز دوری کے اِس دور میں سلیم شہزاد جیسے اسکالر خال خال نظر آتے ہیں۔''

اسی شمارے میں ڈاکٹر اشفاق انجم کا جو مضمون (نعت: غلطی ہائے مضامین) ہے اس میں انہوں نے جن ہندوستانی نعت گو شعرا کے کلام پر گرفت کی ہے ان میں سے چند نام یوں ہیں: جاوید ندیم ناگپوری، فراز فتح پوری اظہر کرجانوی، ڈاکٹر صابر سنبھلی، محمد شائق کوپاروی، گہر مالیگانوی، ممتاز نادر، اطہر کامٹوی، غنی اعجاز اکولوی، جوہر چاندوڑی، شفق آکوٹوی، شکیل شرف دھولیوی، شریف ناگپوری، حسن بھائی ناگپوری، ظہور شاہد کھنڈوی، نعیم اللہ نقیب اکولوی (شاید یہ فصیح اللہ نقیبؔ ہیں)، قاضی صولت حسین ناگپوری، صابر دانش آکوٹوی، مولانا اعجاز کامٹوی، جہانگیر خاں جوہر پاتوروی، سیفی آروی، اسعد پاتوروی، عبدالکریم درویش، نادر اسلوبی، آذر خورجوی، مسلم برہانپوری، کیفی کامٹوی، محمد امجد رضا امجد ناگپوری، مجید کوثر، عزیز اشرفی بھیونڈی، صلاح الدین نیر (حیدر آباد)، اشتیاق کامل، کامل بہزاد، امان افسر ایولوی، عظیم وقار اکولوی، سالم ناگپوری اور مشاہد رضوی مالیگانوی وغیرہ۔ اسی شمارے میں 'مالیگاؤں میں اُردو نعتیہ شاعری کی روایت' کے عنوان سے ڈاکٹر محمد حسین مشاہد رضوی کا مضمون بھی اپنے موضوع کے تعلق سے ایک اہمیت کا حامل ہے جس میں انہوں نے خاصی محنت سے اس عنوان کا حق ادا کرنے کی کوشش کی ہے۔ مالیگاؤں کے شعرائے قدیم کے حوالے اور غیر مطبوعہ نعتیہ دواوین اور مجموعوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔

مجموعی طور پر 'نعت رنگ' کا یہ شمارہ اپنی سابقہ اشاعت کی ایک اضافی کڑی محسوس ہوتا ہے۔ چند برس قبل زبیرؔ قادری نے دہلی سے 'نعت رنگ' کا ہندوستانی ایڈیشن شائع کرنے کی کوشش کی تھی مگر جیسی پذیرائی کی توقع انہوں نے کی ہوگی وہ پوری نہیں ہوئی لہٰذا وہ پہلی کوشش ہی آخری سعی ثابت ہوئی۔ دراصل ہندوستان میں محبانِ رسول کم نہیں مگر شعر و ادب اور بالخصوص نعت کے تعلق سے (علمی و عملی) فضا جس طرح پاکستان میں ہے وہ یہاں مفقود نہ سہی لیکن کم کم ہے۔ 'نعت رنگ' کے طالب تو یہاں دو چار نہیں پچاسوں مل جائیں گے مگر اس کے ویسے قاری جو سرحد پار ہیں وہ یہاں گنتی کے ہونگے، دوسری بات یہ بھی مذکور ہو جائے کہ پاکستان سے 'نعت رنگ' یہاں پہنچنے میں مہنگا ڈاک خرچ مانع ہے۔

یہ جریدہ ایک مدت سے ہم پڑھ رہے ہیں، نعتیہ ادب کے تعلق سے جس معیار کے مضامین اس جریدے میں یکجا ہو جاتے ہیں وہ اس طرح کہیں اور نہیں ملتے، یہ ایک طرح سے عطیۂ خداوندی سے کم نہیں۔ ہمیں یہ کہتے ہوئے کوئی تردّد یا تکلف نہیں کہ 'نعت رنگ' کے یہ شمارے اپنے آپ میں 'نعتیہ ادب' کی متنوع کتابیں ہیں، جو اس موضوع کی نئی راہوں کے متلاشیوں کے لئے مینارۂ نور کا کام کریں گی۔ (تحریر: ندیم صدیقی) ○❖○

ڈاکٹر منصور فریدی

'ثنا کی نکہتیں': عشق رسولؐ کا استعارہ

سید نور الحسن نور کا یہ طرۂ امتیاز ہے کہ سخت زمینوں کو بہ آسانی نرم و گداز بنا دیتے ہیں ۔'' ثنا کی نکہتیں'' اس طور بھی منفرد ہے کہ دیوان غالب کی زمینوں کی سنگلاخی دیکھیں اور ان کے ہنر کا کمال، کس طرح سر سبز و شاداب بناتے چلے جاتے ہیں ؎

سر جھکا دے ان کے در پر خامۂ تحریر کا///کھول دیتے ہیں مرے سرکار در تقدیر کا
ہو چبھن ایسی کہ بن جائیں یہ آنکھیں اشکبار///کاش ہو جائے نشانہ دل نبی کے تیر کا
جب سے جاگا ہے خیال مصطفیٰ کا ماہتاب///ایک حلقہ سا مرے اطراف ہے تنویر کا

اب اس زمین پر غالب کی غزل دیکھ لیں۔ بعض لوگوں نے اگر چہ غالب کے اس کلام کو حمد کا بھی درجہ دیا ہے تاہم اس سے صرف نظر کرتے ہوئے دونوں کی زبان و بیان کا موازنہ کیا جائے تو نور صاحب کی شاعری کی جاذبیت کا اعتراف کیے بغیر نہیں رہ سکتے ۔ دوسرا کلام اپنی روایتی شان کے ساتھ جلوہ بار ہے ۔ یہاں قابل ذکر دو ایسے اشعار پیش کرتا ہوں جہاں روایت پسندی ،ترقی پسندی ، جدیدیت اور مابعد جدیدیت مفاہیم و تراکیب دیکھ کر سب کے سب سر بہ گریباں ہیں کہ آخر ایک خانقاہ کا پروردہ الفاظ کے ادراک کا دروبست اور نشست و برخاست کا عالمِ بصیرت افروز کیوں کر ہوا۔

آخر یہ برف پگھلی تو نعت رسول سے ///ورنہ خیال و فکر پہ طاری جمود تھا
گھر میں چراغ نعت تھا روشن تمام شب///اک سیل رنگ و نور کا پیہم ورود تھا

برف کا پگھلنا اور فکر و خیال کا جمود طاری ہونا مناسبات لفظی کی رعایت کا کتنا خوب صورت مرقع ہے۔ یہ اہل فن پر آشکار ہے۔ گھر میں چراغ رات کا روشن ہونا اور سیل رنگ و نور کا پیہم ورود صرف محسوس کرنے کی شے ہے ۔نوؔر صاحب کا ہی یہ خاصہ ہے جو عرق نعت سے اپنی ذات و کائنات روشن کرنے میں حق بجانب ہیں جہانِ فکر و خیال کی رعنائیاں ان کے افکار و تصورات پر تصدق ہونے میں کوئی تاخیر نہیں کرتے ؎

سوچتا رہتا تھا میں کیسے ہے روشن آسماں///خاکِ طیبہ دیکھ کر راز مہِ اختر کھلا
نعت آقا نے عطا کی ایسی بینائی کہ بس///جب مری آنکھیں کھلیں مجھ پر نیا منظر کھلا

جھک گیا میرا قلم نعت نگاری کے لیے///ورنہ آسان نہ تھا اتنا نمایاں ہونا
میری بستی میں بہاروں کی خبر لایا ہے///یاد آقا تری زلفوں کا پریشاں ہونا
کاش اے نوؔر قدم رکھ دیں شہ کون ومکاں///چاہتا ہے مرا سینہ مہ تاباں ہونا
جو فراق مصطفیٰ میں مری آنکھ سے نکلتے///مرے بہتے آنسوؤں پر مہ نو نثار ہوتا
شب خواب وعدہ ہوتا جو حضور کے کرم کا///در آرزو پہ روشن گل انتظار ہوتا ہے
در مصطفیٰ سے میری کبھی واپسی نہ ہوتی ///مجھے اپنی زندگی پر اگر اختیار ہوتا

مذکورہ اشعار میں ذرۂ خاک طیبہ کو مہ واختر پر ترجیح دینا،نعت آقا سے بینائی کا ملنا، نیا منظر کھلنا ،نعت لکھ کر خود کو نمایاں کرنا، زلف آقا کے لہراتے ہی بہاروں کی خبر، کف پائے اقدس سے سینے کو منور کرنا، یاد مصطفیٰ میں نکلنے والے آنسوؤں پر مہ نو کا نثار ہونا، شب خواب،گلِ انتظار، اپنی زندگی پر اختیار، یہ وہ کیفیات ہیں جو اہل دل کو خاص رحمت کے طور پر ملا کرتی ہیں ورنہ الفاظ کے ادھیڑ بُن کسے نہیں آتے۔مفہوم کی ادائیگی کے لیے مناسب الفاظ کا انتخاب بڑے فنکاروں کا حصہ ہے یا پھر ان کا جن پر نزول رحمت کا موسم رم جھم رم جھم شب و روز جاری رہتا ہے۔آمد کے اشعار دوسروں کی زمین میں خود ایک کرامت ہے۔گویا شاعر نے اپنا سب کچھ محبوب حقیقی کے لیے قربان کر دیا ہے ورنہ آورد کے اشعار اتنے اچھے کیوں کر ہو سکتے ہیں۔اسی طرح آگے کہتے ہیں ؎

اشارے کر رہی ہے اے صبا کیا ؟///بلاتے ہیں مجھے شاہ ہدیٰ کیا
ترے قدموں کی آہٹ سن رہا ہوں///مرا دل بن گیا غارِ حرا کیا
در سرکار سے بڑھ کر بھی کچھ ہے///پلٹ کر سوئے دنیا دیکھنا کیا
کِھل رہے ہیں نعت پاک سرور دیں کے گلاب///اب مکانِ دل مرا جنت نشاں ہو جائے گا
مکتب عشق نبی سے جس کو مل جائے سبق///حکمت و دانش کا وہ کوہِ گراں ہو جائے گا
دل کو بس یہ ملال رہتا ہے ///میں گدز گاہِ مصطفیٰ نہ ہوا

اس کیفیت کے اشعار سے''ثنا کی نکہتیں'' نہ صرف یہ کہ منور ہے بلکہ کشت سخن کی آبیاری میں قاری کی فکر کو مہمیز کرنے میں معاون بھی۔ان کا ایک اک شعر اور اس کی روانی سیلاب وقت کی طرح معنی کی تہوں میں پہنچا دیتی ہے ؎

ملا جو بوسہ کبھی پائے ناز آقا کا///مزاج پوچھوں گا پھر میں عرش اعلیٰ کا
نبی کا نام سپر بن کے آ گیا فوراً///مری طرف جو غم کائنات نے تاکا

سید نورالحسن نور کے نعتیہ کلام کا مطالعہ اس حقیقت کا انکشاف کرتا ہے کہ انھوں نے نعت گوئی میں ان روایات کی پاسداری کی ہے جو قدیم نعت گو شعرا کے یہاں ملتی ہے۔نور صاحب اس حقیقت سے اچھی طرح واقف ہیں کہ نعت گوئی کا معاملہ شاعری کی دیگر اصناف سے ذرا مختلف ہے۔ یہاں پر شوکت الفاظ کے اہتمام اور آہنگ کی پُرخروش آوازوں سے شاعری کو معراج حاصل نہیں ہوتی بلکہ پہلے قلب وجگر کی تطہیر کرنی پڑتی ہے پھر سوز ومستی کے ساتھ جذب وشوق کے ناپیدا کنار محسوسات میں اپنے وجود کو گم کرنا پڑتا ہے۔محویت کی کیفیت شاعر کو عظیم فنکار بناتی ہے تب نعت کا ایک ایک شعر عقیدت ومحبت کا حسین گلدستہ بن کر دل کی دنیا کو منور ومعطر کرتا ہے۔خانقاہی نظام کا یہ اثر ہے کہ انھوں نے نعت رسول اکرم کے لیے اُنھی مضامین وموضوعات کو اختیار کیا ہے جن کا ذکر قرآن وحدیث میں ملتا ہے۔ کیوں کہ آداب نعت گوئی کے اس نکتے سے بھی یہ خوب واقف ہیں۔اظہار عقیدت کی دھن میں آگ کے دریا میں کود پڑنا تو آسان معلوم ہوتا ہے البتہ اس کے شعلوں کی لپٹ سے خود کو بچائے رکھنا کمالِ فن کا عین تقاضا ہے۔کامیاب وہی ہے جو اس تقاضے کو پورا کرنے کا فن جانتا ہو اس کے لیے محض فنکارانہ مہارت ہی درکار نہیں بلکہ صاحب نعت کے مقام ومرتبے سے واقف ہونا بھی از حد ضروری ہے۔ناعت کے دل میں عشق وعرفان کا چراغ کس درجہ منور ہے، آیئے اس روشنی میں اِن کے کچھ اشعار کا مطالعہ کرتے ہیں۔

عشق سرور دیں ہے میر کارواں اپنا///کیوں نہ راستہ دیکھے گلشن جناں اپنا
عشق سرکار دو عالم میں فنا ہو جانا///زندگی تیرا ہے محروم قضا ہو جانا
بوسۂ گنبد خضرا کی تمنا ہے تو پھر///مشورہ یہ ہے وہاں بادِ صبا ہو جانا
گذرتے ہیں دن رات نعت نبی میں///خدایا رہے میری فرصت سلامت
مٹا دے گا خود کو جو عشق نبی میں///رہے گا وہی زیر تربت سلامت
اے ناقۂ دیار صبا تو کدھر ہے آج///شہر شہ امم مرے پیشِ نظر ہے آج
مہتاب نعت پاک کی بکھری ہے چاندنی///لگتا ہے روشنی کا شجر میرا گھر ہے آج
غبار کوئے نبی سے جو غسل دلو ادو///بہار تازہ کی دیں گے خبر در و دیوار
قدم پڑے تری یادوں کے جو مرے گھر میں///تو نعت پڑھنے لگے جھوم کر در و دیوار
موجوں نے خود ہی پار کیا میری ناؤ کو///ہاتھوں میں ان کے نام کی پتوار دیکھ کر
دامن میں آگئے مرے تسکین کے گلاب///اسم نبی کو ہونٹوں پہ ضو بار دیکھ کر
جنت نے بڑھ کے چوم لیے عاصیوں کے پاؤں///محشر میں مصطفیٰ کو طرفدار دیکھ کر

ان اشعار کا مطالعہ دل و دماغ اور روح کی تازگی کا سامان فراہم کرتے ہیں۔ نیز ایک اک لفظ کی نشست و برخاست عشق و آداب رسالت کے ساتھ ساتھ نت نئے تراکیب سے اپنے نبی کو یاد کرنے کا جو سلیقہ نور الحسن نور کی شاعری میں موجزن ہے یہ کتنوں کو پانی بھرنے پر مجبور کرتا ہے۔ محروم قضا ہو جانا، فرصت کا سلامت رہنا، بادِ صبا ہو جانا، روشنی کا شجر ہونا، یادوں کا قدم پڑتے ہی در و دیوار کا نعت خواں ہو جانا۔ نام نبی کی پتوار، اسم نبی کی ضیا باریاں دیکھ کر گلاب کا دامن میں آنا، جنت کا بڑھ کر عاصیوں کے قدم چومنا یہ وہ تراکیب ہیں جو اختراعی ہیں۔ بعض اشعار تو ایسے ہیں جہاں استادانہ مہارت کے ساتھ حضور سے عقیدت و محبت اور اپنے پاکیزہ جذبات کو انتہائی دلکش، شیریں، مترنم اور مناسب الفاظ میں پیش کیا ہے۔ ادب و احترام کا عنصر ہر شعر میں نمایاں طور پر سامنے آتا ہے۔ منفرد لب و لہجہ اور دلکش طرز بیان نے تقدیس رسالت کا عمدہ نمونہ بنا دیا ہے۔ حضور کے اوصاف حمیدہ اور اخلاق کریمانہ کا ذکر قرآن و حدیث سے جس طرح مترشح ہوتے ہیں بعینہٖ اُنھی کی ترجمانی اپنے اشعار سے کرتے ہیں۔

''ثنا کی نکہتیں'' کا مطالعہ جہانِ نعت سے متعارف کراتے ہوئے اپنے اسلوب و آہنگ کو منوانے میں کامیاب ہے۔ اپنے مخصوص لفظیات اور جدید لب و لہجے کی بنیاد پر اپنے ہم عصروں ہی نہیں بلکہ ماضی قریب اور مستقبل قریب کی نسلوں کو تحیر میں ڈالنے کے لیے ان کی شاعری کامیاب ہے۔ اخاذ طبیعت کا مالک ان کی شاعری سے خوشہ چینی کا شوق پورا کر سکتا ہے۔ فکر و فن کی اس تطہیر و تقدیس میں اس منفرد شاعری کی بنیاد پر نور صاحب کتنا کامیاب ہیں یہ مجھ سے زیادہ بہتر آپ قارئین اندازہ لگا سکتے ہیں۔ میں نے ایک طالب علم کی حیثیت سے ''ثنا کی نکہتیں'' کا مطالعہ کیا ہے، جس نے قدم قدم پر سنبھلنے کا موقع فراہم کیا اور آداب عشق رسالت کے جام الست سے مست کیا۔ مری یہ تحریر ''ثنا کی نکہتیں'' کے لیے آغاز سے زیادہ نہ سمجھی جائے۔ ○❖○

//

ابوالمیزاب محمد اویس رضوی

سلیم شہزاد کا تقدیسی شاعری کا مجموعہ ''کشفیہ''

مالیگاؤں (ہند) سے تعلق رکھنے والے محترم سلیم شہزاد کا تقدیسی شاعری کا مجموعہ ''کشفیہ'' پڑھنے کی سعادت ملی۔ دورانِ مطالعہ اس بات کا خوشگوار انکشاف ہوا کہ سلیم شہزاد کو شاعری اور کتاب کو ابواب میں منقسم کرنے کے معاملے میں عبدالعزیز خالد مرحوم سے حیرت انگیز مماثلت ہے۔کئی اشعار نے عبدالعزیز خالد مرحوم کی مرقومہ مناقب ''ثانیِ لاثانی'' اور ''بوتراب'' کی یاد تازہ کرادی، سلیم شہزاد کے کلام پڑھ کر قاری پر یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں ہوجاتی ہے کہ سلیم شہزاد کثیر المطالعہ ہونے کے ساتھ ساتھ تاریخی واقعات کو اشعار میں ڈھالنا بخوبی جانتے ہیں۔سارا مجموعہ ہی شاندار اور لاجواب ہے مگر صفحہ 113 سے شروع ہونے والا باب ''ثنائے حرفِ آگہی'' (جو صفحہ 130 تک جاری رہتا ہے) نے شاعرِ محترم کی صلاحیتوں کا نہایت عمدہ اظہار کیا ہے۔ثنائے حرفِ آگہی یارانِ رسول یعنی چار اصحابِ کبار علیہم الرضوان کی منقبت پر مشتمل کلام ہے اور سیدنا صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ، سیدنا عمر فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ، سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ اور سیدنا مولائے کائنات حیدرِ کرار رضی اللہ عنہ کے کمالات وصفات کا بیان ہے۔چند منتخب اشعار ؎

وہ حرفِ آگہی جو حرفِ حق ہے، حرفِ صدق ہے/// بجز یقین کیا ہے ماورائے حرفِ آگہی
وہ صادق و صدیق، وہ رفیقِ آشنائے حق/// یقینِ صدق سے ہوا فنائے حرفِ آگہی
اُسے طلب کیا علوئے حرفِ حق کے واسطے/// تو حق نے کی عطا اُسے ضیائے حرفِ آگہی
جلائے حرفِ آگہی سے اور محترم ہوا/// وہ بابِ عدل جس پہ ہے جلائے حرفِ آگہی
کبھی حبش، کبھی مدینۃ النبی کو گھر کیا/// متاع و مال، ترک سب کرائے حرفِ آگہی
کہا کہ کر طواف، تو احاطۂ حرم میں ہے/// کہا، ''نہیں بغیر آشنائے حرفِ آگہی''
میں بابِ شہرِ علم پر گدائے حرفِ آگہی/// کبھی مری طرف بھی چل صبائے حرفِ آگہی
کبھی تو بابِ شہرِ علم وا ہو مجھ غریب پر/// کبھی غریبِ حرف کو عطائے حرفِ آگہی

ایک سو پندرہ اشعار پر مشتمل یہ بے مثال کلام اپنی مثال آپ ہے۔ ○❖○

عقیل ملک

نقش: سرمایۂ نعت میں ایک گراں قدر اضافہ

دلاور علی آزر کی غزل کا اعتراف تو ہم کر ہی چکے تھے کہ اس نے نعت کے مشکل سفر کو چُن لیا اور اس کے منہاج و اسلوب کے تعین میں بھی اپنا بھرپور کردار ادا کرنے کے درپے ہے۔ دلاور علی آزر نے نعت کی سمت کے تعین میں سوال اٹھایا ہے کہ نعت جن اسلوبیاتی و موضوعاتی زنجیر میں جکڑی ہوئی ہے، اسے اب اس زنجیر سے نکال کر ایسی فضا میں لانا ہے جہاں ادب کے طالب کو روحانی تسکین بھی حاصل ہو اور وہ تنقیدی معیارات پر اسے پرکھ بھی سکے۔ دلاور جیسا خلاق شاعر کسی کسی عہد کو نصیب ہوتا ہے۔

اردو نعت نے خود کو جن چند مضامین میں قید کر رکھا ہے اس کی بنیادی وجہ وہ پابندیاں ہیں جو ایک سچے اور کھرے شاعر کے لیے ذہنی تناؤ کا باعث بنتی ہیں۔ یہ جان لینا بے حد ضروری ہے کہ کوئی بھی سچا اور کھرا شاعر کبھی نہیں چاہے گا کہ وہ اسلام کی عظیم اور مقدس ہستیوں کی شان میں ارادی طور پر گستاخی کا مرتکب ہو جب وہ نعت کے بنیادی اصولوں کا مطالعہ کرتا ہے تو اس کی فکر قلم کا ساتھ نہیں دے پاتی نتیجہ یہ کہ نعت کہنا تو دُور اس کا نعت کہنے کے بارے میں سوچنا بھی دشوار ہو جاتا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ شعرا کو اجازت دینا چاہیے کہ وہ نعت کے مضامین میں آزادانہ تخلیقی رو کو بروئے کار لاتے ہوئے نعت کہنے کی جانب متوجہ ہوں اگر اس تخلیقی رو کے سامنے اڑچن پیدا ہو گی تو (روایتی نعت کے مضامین کے تناظر میں) نعت گوئی کو ناقابلِ تلافی نقصان ہو گا۔

ایسے تنگ نظر ماحول میں دلاور علی آزر نے دلاوری کا مظاہرہ کیا اور نعت کے برتے ہوئے مضامین سے ہٹ کر اس نے الگ نوع کے موضوعات کو اپنی نعت کا حصہ بنایا۔ دلاور نے کمال چابک دستی کے ساتھ غزلیت کو نعت سے ہم آہنگ کیا ہے۔ اب معاملہ یوں ہے کہ نعت میں غزلیت کا ذائقہ لانا ناگزیر ہو چکا ہے۔ نعت میں غزلیت کی راہ ہموار کرنے میں دلاور علی آزر کو یوں بھی فوقیت حاصل ہے کہ ہمیں غزلیہ ہیئت تو دستیاب تھی مگر نعت میں غزلیت کا تصور خال خال ہی ملتا تھا جسے دلاور نے اہتمام کے ساتھ برتا ہے۔ اس کی وجہ شاید یہ بھی ہو کہ دلاور غزل کے اسرار و رموز سے حرف بہ حرف واقف ہے۔ اب نعت کی غزلیہ ہیئت کے ساتھ ساتھ غزلیت مسلمہ ہے۔ نعت پر غزل کے اثرات ہیئت اور

اسلوب ہر دو طرح سے مرتب ہوئے ہیں۔ دلاور کی غزل کی ایمایئت اور نفاست نے اس کی نعت کے متن کے لیے نہ صرف راہ ہموار کی بلکہ نعت کے اندر غزلیت کے تناسب کو بھی بڑھایا ہے۔ یہ غزلیت حقیقت میں دلاور علی آزرؔ کے باطن کی سچائی کا وہ نغمہ ہے جو اسے نہ صرف خیر و شر کی تمیز عطا کرتا ہے بلکہ ملائمت دیتے ہوئے فکری مسائل کو قاری کے لیے قابل قبول بھی بناتا ہے۔ نعت نے دلاور علی آزرؔ کی تخلیقی رو کے Dual Function کی بنیاد پر غزلیت کو قبول کیا ہے۔

''نقش'' میں موجود نعوت کے متن میں غزلیت کا تناسب ایسا ہے جس نے مجھ ایسے قارئین کو فوری طور پر اپنے حصار میں لے لیا ہے۔ دلاور علی آزرؔ کے دلِ وحدت آشنا کے آئینے میں جمالِ رسولِ عربیؐ کا پرتو قلم کے ذریعے قرطاس پر بکھرتا چلا جاتا ہے۔

جز اس کے سرِ لوحِ ازل کچھ بھی نہیں تھا///تجھ اسم پہ رکھے گئے آثارِ دو عالم
خاک خوشبو میں بدلتی ہے، یہ کیا آمد ہے///اے گُلِ تازہ نفس اے گُلِ ریحانِ عرب
میں ایسی آتشِ سرسبز کی تلاش میں ہوں///جو میرے دل میں فروزاں کرے شرارۂ نور
ہوائے شہرِ مدینہ اُڑا کے لے جائے///سراغ دیتی ہوئی گل کے ساتھ میں بھی تو ہوں
وہ عکس منظرِ ہستی میں جب دمک اُٹھے///تمام آئینے ضوبار ہونے لگتے ہیں
ہوا کا دل بھی اسی نام سے دھڑکتا ہے///چراغ بھی تو یہی ورد کرتے رہتے ہیں

جس غزلیت کی بنا پر دلاور علی آزرؔ نے اپنی نعت کے نقش کو رنگا ہے اسے برتنا ہر ایک کے بس میں نہیں کیوں کہ اسے یہ اذنِ حضورؐ کی مؤدت کے بدلے میں ملا ہے۔ مندرجہ بالا اشعار سرسری نگاہ پڑتے ہی ہمیں مل جاتے ہیں، ایک عمیق نظر قاری ایسے کتنے ہی اشعار سامنے لا سکتا ہے۔ اس نے آپؐ کی ذاتِ مبارکہ کے اندر بشریت کو بھی جاننے کی کوشش کی ہے اور آپؐ کی نورانی خاصیتوں کو بھی دیکھنے کی تگ و دو کی ہے۔ یہ امتزاج ہمیں عہدِ حاضر اور اس سے قبل شعرا کے ہاں دکھائی نہیں دیتا۔ یہ وہ نکتہ ہے جس نے دلاور علی آزر کی نعتوں کو کہی جانے والی دوسری نعوت سے بالکل الگ تھلگ کر دیا ہے۔ ہمیں جہاں دلاور کے ہاں حسن و جمال، آہنگ کی چاشنی، فکری مسائل اور جمالیاتی تحرک جیسے عوامل ملتے ہیں وہیں نور و بشر کی بحث کی ذیل میں دونوں خصوصیات کا امتزاج بھی ہاتھ آتا ہے:

روشنی اُس کی مہ و مہر سے بڑھ کر نکلی///وہ ستارہ جو نمودار مدینے سے ہوا
آ کر یہاں ملتے ہیں چراغ اور ستارہ///لگتا ہے اسی غار میں دربارِ دو عالم
اک لحہ اُلٹتا ہے ورق نظمِ زمن کا///کھلتی ہے زمانے میں کتابِ شبِ معراج

جب تک ہم یہ تسلیم نہیں کر لیتے کہ ہم نے اردو نعت کے مجموعی مزاج اور موضوعات کو محدود کر رکھا ہے اس وقت تک ہم نعت کے میدان میں تنوع پیدا کرنے سے قاصر رہیں گے۔ مدینہ منورہ جانے کا اظہار، مدینہ کو جنت سے تشبیہہ دینا، گنبدِ خضریٰ، حرم اور اس جیسے کتنے ہی موضوعات ہم مسلسل لکھتے چلے آ رہے ہیں جبکہ مدینہ شہر کے حوالے سے اگر احادیث کا مطالعہ کیا جائے تو نہ جانے اور کتنے ایسے پہلو ہیں جو تشنہ رہ گئے ہیں اور ان پر شعرا کی نظر نہیں پڑی۔ دلاور علی آزر نے مدینے کی مناسبات کو بدل بدل کر دکھایا ہے اور روایتی موضوعات سے ہٹ کر شفاف انداز میں مدینے کو از سرِ نو دریافت کیا ہے۔

نعت میں شعورِ حیات اور تسکینِ دل کے ساتھ غزلیت کا عنصر نہایت ضروری ہو گیا ہے۔ بدقسمتی سے ہمارے موجودہ عہد کے شعرا ان تینوں عناصر سے لاتعلق ہیں۔ چند شعرا ہیں جن کے اشعار کے اندر کہیں کہیں ان عناصر کو دریافت کیا جا سکتا ہے مگر مجموعی طور پر ہمیں اس کا مشاہدہ نہیں ہوتا۔ دلاور علی آزرؔ کے کلام کے مطالعے کے دوران ہمیں اس بات کا ادراک ہوتا ہے کہ اس نے قاری کے لیے ان تینوں عناصر کا ذائقہ اپنی نعوت کے اندر رکھا ہوا ہے۔

تمام آئینے مجھ پر اُتاری جا رہی تھیں/// اِک ایسے وقت میں جس وقت بے نشان تھا میں
میں اکیلا تھا زمیں پر کہکشاں تک لے گیا/// آسمانی شخص آیا آسماں تک لے گیا
بعید کیا کہ مری خاک بھی دمک اُٹھے/// کہ اُس چراغ کی جھلمل کے ساتھ میں بھی تو ہوں
اسی چراغ نے روشن کیا ستارۂ نُور/// خمیرِ ذاتِ محمد ہے استعارۂ نُور

دلاور نے روایت کے تسلسل میں نعت ضرور کہی ہے مگر اس کی نعت میں روایتی احساس بالکل بھی نہیں ہے۔ اس کی نعت کے اندر تازگی، ایمائیت اور ابہام کا تناسب دیدنی ہے۔ اس نے اپنی نعت کے لئے ان لفظیات کا چناؤ کیا ہے جو ہماری روایتی نعت قبول نہیں کرتی۔ دلاور جانتا ہے کہ شاعر تنِ تنہا مکمل حیثیت نہیں رکھتا لہٰذا روایات کے تسلسل میں رہتے ہوئے جدید طرزِ اظہار سے اس نے کمالِ فن کاری کے ساتھ نعت کے نورانی دھاگوں کو بُنا ہے۔ اسے یہ بھی معلوم ہے کہ فکرِ انسانی کی بالیدگی دو زمانوں کی فکریات کے مابین تقابل سے جڑی ہوئی ہوتی ہے۔ مگر مابعد جدیدیت اس جڑت سے انکار کرتے ہوئے ترغیب دیتی ہے کہ ماقبل متونِ لایعنی ہو چکے ہیں متن وہی ہے جس کا مطالعہ مابعد جدیدیت کی نظریاتی اساس کی مدد سے کیا جا سکتا ہے۔ مابعد جدیدیت اس سے بالکل نا آشنا ہے کہ کوئی بھی لفظ جدید یا قدیم نہیں ہوتا، متن کے اندر رہتے ہوئے معنی یابی جدید یا روایتی ہو سکتی ہے لہٰذا کلی طور پر ماقبل متون کا ردعجیب سا محسوس ہوتا ہے۔ شاعر یا ادیب پر ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ مختلف نظریات کا مطالعہ اپنے

تہذیبی دائرے میں رہ کر کرے، دوسری صورت میں بجائے مثبت تبدیلی کے معاشرے پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ مابعد جدیدیت نکتۂ نظر رکھنے والے مفکرین کو سمجھنا چاہیے کہ ہر اچھا شاعر ہمیشہ اپنا لسانی ذائقہ خود بناتا ہے اور مروجہ ڈھانچوں اور اس کے نظام کو توڑتا ہے مگر یہ عمل تہذیبی دائرے میں رہتے ہوئے ظہور پذیر ہوتا ہے۔ دلاور نے بھی نعت کے لئے اپنا اسلوب وضع کیا ہے جو روایت کا تسلسل تو ہے مگر روایتی بالکل بھی نہیں ہے۔

سرکار کی آمد پہ کھلا منظرِ ہستی /// آئینہ ہوئے یوں در و دیوارِ دو عالم
چمک رہی ہے سفینے کے آئینے میں وہ موج /// دمک رہا ہے کہیں راہ میں کنارۂ نُور
بعید کیا کہ مری خاک بھی دمک اُٹھے /// کہ اس چراغ کی جھلمل کے ساتھ میں بھی تو ہوں
نیند اِسے جسم کے زندان سے لے کر بھاگی /// پھر مرا خواب گرفتار مدینے سے ہوا
داخل جو ہوئے خواب علاقے میں احد کے /// کھلتی ہی گئی سیرتِ دنیائے محمدؐ

کتنی روشن ہے چراغوں کی سنواری ہوئی رات
نعت کہنے کی تمنا میں گزاری ہوئی رات

آپ کا نام حوالہ ہے مرے ہونے کا /// آپ کا عشق مری ذات کی سچائی ہے
میں دیکھتا ہوں محمد کو ایک منبر پر /// میں ڈھونڈتا ہوں خدا کا جواز مسجد میں
ہاتھ آجائے اگر گنجینۂ نعتِ رسول /// میرا اک اک لفظ ہو آئینۂ نعت رسول

ہر بڑا شاعر الفاظ کے چناؤ اور اس کے برتنے کے حوالے سے ایسے حربے استعمال کرتا ہے جن کے نتیجے میں الفاظ کی سطح مختلف ہوجاتی ہے۔ دلاور کے ہاں نعت کی لغت تبدیل کرنے کا معاملہ شعوری نہیں بلکہ اس کے وفور اور جذبے کی دین ہے، شعوری سطح پر لسانی تشکیل یا تو معنی سے عاری ہوتی ہے یا غزلیت سے دُور ہوتی ہے۔ اگر ان دونوں کا امتزاج ہوجائے تو یہ کارفرمائی شعوری نہیں کہلائی جاسکتی۔ یہ ضرور ہے کہ اگر شاعر تاریخی تناظرات سے واقفیت نہیں رکھتا تو اس کا شعور اور لاشعور ہم آہنگ نہیں ہو پاتے، نتیجے کے طور پر محض وہی نعت ظہور پذیر ہوتی ہے جو ہم تواتر سے پڑھتے سنتے چلے آرہے ہیں۔ اپنی عقیدت کا بھرپور اور بلا تکلف اظہار تو ہوتا ہے مگر شعری رویہ مفقود ہوکر رہ جاتا ہے یہ فوقیت دلاور علی آزرؔ کو نصیب ہوئی ہے کہ اس نے اپنی نعت کے تانے بانے شعور اور لاشعور کی آمیزش سے انسانِ کامل کے ساتھ ملا لیے ہیں اور ہمارا ماننا ہے کہ یہ بغیر اذنِ رسول عربی، ممکن نہیں ہے۔ اس بات کا اظہار مختلف نعوت کے اندر تو دلاور علی آزرؔ نے بھی کیا ہے۔

دلاورعلی آزر کا سماجی کردار اور تحرک ہمارے سامنے ہے۔ یہ تحرک اس کی نعت کے اندر بھی نامحسوس طریقے سے در آیا ہے۔ سماجی تصورِ حیات کو سمجھے بغیر شاعری کا مطالعہ ممکن نہیں۔ عہدِ حاضر میں نعتیہ شاعری بھی سماجی علائم کے بنا نامکمل ہی تصور کی جائے گی۔ دنیا جس شکست و ریخت کے مراحل سے نبرد آزما ہے اس نے ہر فرد کو متاثر کیا ہے۔ اس عہد کے جملہ مسائل کے ساتھ اگر دلاورعلی آزرؔ کی نعتیہ شاعری جڑنے میں کامیاب ہوتی ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اس نے خود کو اس سماجی شعور اور تجربے سے الگ نہیں رکھا جس سے ہمارے معاشرے کا ہر فرد روز مرہ زندگی میں گزرتا ہے۔ دلاورعلی آزرؔ نے نعتیہ شاعری میں جس رخ پر دریچے کھولے ہیں اسے نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس نے اپنے عہد کے موضوعات کے انتخاب اور اسلوب کے چناؤ میں دھوکہ نہیں کھایا۔

فی زمانہ ہمارے اُدَبا نے مہابیانیے کے مرکزی نظامِ فکر سے خود کو یکسر الگ کر رکھا ہے۔ اس کے باوجود جینیاتی سطح پر ہمارے اجتماعی شعور کے لاشعور میں مرکزی نظامِ فکر کے ساتھ جڑت کو ابھی تک نہیں توڑا جا سکا۔ یہی وجہ ہے کہ شعرائے کرام کے گروہ میں دلاور جیسے خلاق شاعر سامنے آجاتے ہیں جو اپنی کثیرالمعنٰی شاعری کے ذریعے سماجی شعور پر اثر انداز ہوتے ہیں اور اپنی نعت کے وسیلے سے سماجی طور پر بکھرے ہوئے افراد کو محبت، امن اور روحانیت کے رشتے کے ساتھ منسلک کر کے اپنا وہ فرض نبھاتے ہیں جو انھیں خالقِ کون ومکاں ودیعت کرتا ہے۔

نئے تجربات ہمیشہ کسی بھی صنفِ سخن کے ارتقا کے لئے معاون ثابت ہوتے ہیں بشرطیکہ کیے جانے والے تجربات کی بنیادیں اپنی تہذیب کے اندر پیوست ہوں۔ اردو نعت اس نعتیہ مجموعے کے بعد ایک نئے دور میں داخل ہو چکی ہے۔ یہ دور اردو نعت گوئی کا تابناک دور ہوگا کیونکہ اس مجموعے نے نئے امکانات کو تلاش کیا اور انھیں شعری قالب میں غزلیت سمیت ڈھالا ہے۔ مندرجہ بالا تمام معروضات دلاورعلی آزرؔ کی نعتیہ شاعری کے ساتھ جڑے ہوئے ہیں۔ ایک غلط فہمی کا امکان پیدا ہو سکتا ہے کہ خدانخواستہ دلاورعلی آزرؔ نعت کو غزل بنانا چاہتا ہے جبکہ میری گفتگو کا مفہوم یہ ہے کہ وہ غزل کو نعت کرنے کا خواہش مند ہے۔ ؎

غزل کا مرتبہ بڑھتا ہے آزرؔ
جو ہم آواز ہو نعتِ نبیؐ سے

○❖○

رفیع الزمان زبیری

"پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر"

ایک تبصرہ

ڈاکٹر عزیز احسن اپنی کتاب "پاکستان میں اردو نعت کا ادبی سفر" کے تعارف میں لکھتے ہیں کہ ان کا مقصد یہ بتانا ہے کہ پاکستان میں کن کن شعرا کی شعری کاوشیں منظر عام پر آئیں، کن شعرا نے نعت کو با قاعدہ صنف سخن کے طور پر اپنایا اور وہ شاعر کون ہیں جو مدحیہ شاعری میں اپنی تخلیقی صلاحیتوں کو بروئے کار لائے پھر یہ بھی دیکھنا ہے کہ نعت گوئی کا علمی سطح پر کہاں تک تنقیدی اور تحقیقی جائزہ لیا گیا اور یہ کام کس طرح اطمینان بخش ہے۔ یہ بھی دیکھنا ہے کہ کیا مختلف شعرا کے نعتیہ مجموعوں کی اشاعت کے ساتھ ساتھ ان کے اجتماعی انتخاب بھی مرتب ہوئے، کن اہل فکر و نظر نے اس کام کی طرف توجہ دی اور کیا ان کی کاوشوں سے نعتوں کو ادبی سطح پر روشناس کرانے میں کوئی مدد ملی؟

ڈاکٹر عزیز احسن نے پاکستان کے ابتدائی دور کے نعت گو شعرا کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے کہ یہ تمام شعرا جن میں انھوں نے حفیظ جالندھری، ماہر القادری، اثر صہبائی، صبا اکبر آبادی، رسول محشر نگری، رعنا اکبر آبادی، اقبال صفی پوری کو شامل کیا ہے، شعر و سخن کی کلاسیکی قدروں کے محافظ تھے۔ ان کی نعتوں میں زبان کی صفائی ہے اور قادر الکلامی کی شان بھی۔

ڈاکٹر عزیز احسن بتاتے ہیں کہ 1967 کی دہائی میں تقریباً ستر نعتیہ مجموعے شایع ہوئے۔ ان میں سے کچھ تو اس سے پہلے شایع ہو چکے تھے اور کچھ پہلی بار شایع ہوئے۔ جن معروف شعرا کے نعتیہ مجموعے شایع ہوئے ان میں رعنا اکبر آبادی، حافظ لدھیانوی، ساغر، جعفر طاہر، احسان دانش اور عاصی کرنالی شامل ہیں۔ نعتیہ شاعری میں تضمین نگاری کا ذکر کرتے ہوئے ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں "تضمین نگاری ایک مشکل فن اور تخلیقی حوالے سے دوسرے درجے کا کام ہے کیونکہ اول درجے کی تخلیق ہمیشہ طبع زاد ہوتی ہے لیکن یہی دوسرے درجے کا تخلیقی کام بڑے بڑوں کے چھکے چھڑا دیتا ہے کیونکہ جس شاعر کے کلام کی تضمین کی جاتی ہے، تضمین نگار کو اس کے تخلیقی تجربے کو پہلے اپنے تخلیقی مزاج سے ہم آہنگ کرنا پڑتا ہے، پھر اصل شاعر کے ہر شعر پر کم از کم تین مصرعے ایسے بہم پہنچانے پڑتے ہیں جو تضمین نگار کے مصرعوں سے پیوستہ ہو کر من و تو کا احساس دور کر دیں۔ بلال جعفری نے یہ کوشش کی ہے کہ لگ بھگ 105 شاعروں کے

کلام پر بالالتزام تضمین کہی ہے اور بیشتر ان کی کاوش کامیابی سے ہم کنار ہوئی ہے۔"

پاکستان میں اردو نعت کے ادبی سفر کے اگلے عشرے یعنی 1977 سے 1986 کے دوران میں ڈاکٹر عزیز احسن کی تحقیق کے مطابق 230 شعری مجموعے شایع ہوئے۔ اسی عرصے میں ادبی رسائل میں بھی نعتوں کے اوراق وقف کیے جانے لگے۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں "مدحت مصطفیؐ کی طرف شاعروں کی توجہ مبذول ہونے میں اس دور کے مقتدر طبقے بالخصوص صدر ضیاالحق مرحوم کی فروغ نعت میں دلچسپی کو بھی دخل تھا۔ بہرحال جذبہ محرکہ کچھ بھی ہو نعت کو اس عہد میں خوب خوب فروغ ملا اور ادبی سطح پر اس صنف شعر کی پذیرائی ہونے لگی جب کہ اب تک شعرا اور ادبا مدحیہ شاعری کی طرف مجرمانہ غفلت کا شکار تھے۔"

عزیز احسن بتاتے ہیں کہ 1978 میں حفیظ تائب کا مجموعہ نعت شایع ہوا اور اس کے ساتھ ہی حفیظ تائب نعت کے لیے مختص ہو گئے پھر سرور کیفی کا پہلا شعری مرقع "چراغ حرا" اور مظفر وارثی کا "باب حرم" شایع ہوا۔ اعجاز رحمانی کی طویل مسدس "سلامتی کا سفر" اور خالد احمد کی "تشبیب" منظر عام پر آئی۔ سید قمر ہاشمی کی آزاد نظموں کا مجموعہ "مرسل آخر"، عارف عبدالمتین کی نعتیں "بے مثال" اور صہبا اختر کا نعتوں کا مجموعہ "اقرا" مقبول عام ہوا۔ "قاب قوسین" اقبال عظیم کا پہلا مجموعہ نعت تھا۔

نعتیہ ادب میں اساتذہ فن کی شمولیت کے عنوان کے تحت ڈاکٹر عزیز احسن نے جن شعرا کے نعتیہ کلام کا ذکر کیا ہے ان میں راغب مرادآبادی تابش دہلوی اور اثر زبیری شامل ہیں۔ ڈاکٹر صاحب لکھتے ہیں کہ 1986 سے 1997 کے عشرے میں تخلیقی، تحقیقی اور تنقیدی سطحوں پر کام مزید آگے بڑھا۔ تنقیدی جہت تو بالخصوص اسی عشرے میں روشن ہوئی۔ اس دورانیے میں کم و بیش پونے 4 سو نعتیہ مجموعے شایع ہوئے۔ اس عہد میں چھپنے والا کلام ادبی خوبیوں کے لحاظ سے وقیع تر، آہنگ، لہجے اور اسلوب کے حوالے سے جدید تر اور نئی شعریات کے شعور کے پھیلاؤ اور نعت میں اس کے بھرپور ادراک کے سلسلے میں لائق اعتنا ہے۔ اس دہائی میں سامنے آنیوالی کتابیں ظاہر کرتی ہیں کہ اب باقاعدہ سنجیدہ ادب تخلیق کرنیوالے شعرا بھی صف نعت گویاں میں شامل ہونے کو سعادت سمجھنے لگے ہیں چنانچہ سعید وارثی کی کتاب "ورثہ" جدید لہجے میں نعتیہ شعر تخلیق کرنے کی کوشش سے عبارت ہے۔

اسی طرح نعیم صدیقی کا نام مدحت سرکار مدینہ کو ادب کے عصری تقاضوں کے لحاظ سے شعری پیکر دینے میں ہمیشہ نمایاں رہے گا۔ سرشار صدیقی کی کتاب "اساس" نئے طرز احساس اور جدید نظریہ فن کی مظہر ہے اور احمد ندیم قاسمی کی کتاب "جمال" مدحت نگاری میں شعری جمالیات کی بھرپور عکاسی کرتی ہے۔ صبیح رحمانی کے بارے میں ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں کہ وہ "ادبی خلوص، شاعرانہ سچائی اور تخلیقی

لطافت کے ساتھ نعت گوئی میں مصروف ہیں۔فن میں جدت پسندی اور خلاقانہ قوت کے راست استعمال نے انھیں وہ مقام دلا دیا ہے جس کے لیے لوگوں کی عمریں بیت جاتی ہیں، پھر بھی حاصل نہیں ہوتا۔ صبیح کی شاعری میں شاعرانہ مصوری کی بہترین مثالیں ملتی ہیں۔"

حکیم سید محمود احمد سرو سہارنپوری کی نعتوں کے دو مجموعے منظر عام پر آئے ہیں، ایک "زخمہ دل" اور دوسرا "ثنائے خواجہ" ان کی نعتوں میں خیال کی پاکیزگی اور اظہار کی نفاست نمایاں ہے۔ 1990 سے 2000 تک نعتوں کے جو مجموعے شایع ہوئے ان میں ڈاکٹر عبدالخیر کشفی، طاہر سلطانی، اقبال عظیم، مسعود چشتی، شمیم تھراوی، علیم النسا ثنا، وقار اجمیری، علیم ناصری، خالد شفیق، مسرور جالندھری کے مجموعے قابل ذکر ہیں۔ پیر صاحب گولڑہ شریف، سید نصیر الدین کے بارے میں ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں کہ انھوں نے متین لہجے اور ثقہ متن کے اہتمام سے نعتیں کہی ہیں۔ ان کا شعری مذاق غزل کے کلاسیکی مزاج سے ہم آہنگ ہے۔ "دیں ہمہ اوست" ان کا مجموعہ نعت ہے۔ 1900 کے عشرے میں لالہ صحرائی کے متعدد نعتیہ مجموعے منظر عام پر آئے۔ ڈاکٹر عزیز احسن کہتے ہیں کہ "موضوعاتی تنوع کے باعث لالہ صحرائی کی نعتیہ شاعری کو ایک منفرد مقام حاصل ہو گیا ہے۔" اس دور میں قمر یزدانی کی نعتوں کے چار مجموعے شامل ہوئے۔ ڈاکٹر عزیز احسن کہتے ہیں "پاکستان میں جب نعتیہ شاعری کا غلغلہ بلند ہوا تو اس فن شریف کی آبیاری کرنے والے شعرا نے موضوع کی عظمت کو شعری رفعتوں سے آشنا کرنے کے لیے غالب کی زمینوں میں نعتیں کہہ کر نعتیہ شاعری کو شاعری کے اعلیٰ نمونوں سے ہم کنار کرنے کی کوشش کی۔ چنانچہ متعدد نعتیہ مجموعے اس رجحان کی عکاسی کا مظہر بن کر منصۂ شہود پر آئے۔ ساجد اسدی نے غالباً سب سے پہلے غالب کے پورے دیوان کی غزلوں پر نعتیہ غزلیں کہیں۔"

نعتیہ ادب میں ہیئتی تنوع کا اجمالی جائزہ لیتے ہوئے ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں "نعتیہ شاعری کا غالب حصہ تو غزل کی ہیئت (Form) میں ہے لیکن مدح سرور دو جہاں کسی صنف سخن کے دائرے میں محدود نہیں۔ اظہار و ابلاغ کی جتنی صورتیں اور شعر کی جتنی اصناف ہیں وہ سب کی سب نعتیہ شاعری میں برتی جاتی ہیں اور شعرا نے ہر صنف سخن میں نعت کہی ہے۔"

دنیا کی مختلف زبانوں میں لکھی گئی نعتوں کے اردو میں ترجمے بھی ہوئے ہیں۔ منظوم سیرت کی کتابیں بھی اچھی خاصی تعداد میں شایع ہوئی ہیں۔ احادیث کے منظوم ترجمے بھی سامنے آئے ہیں۔ ڈاکٹر عزیز احسن لکھتے ہیں "پاکستان کے مختلف شہروں میں نعتیہ شاعری کی رفتار اتنی تیز رہی ہے کہ اب بعض شہروں کے حوالے سے نعت کے دبستان تشکیل پاتے ہوئے محسوس ہوتے ہیں۔" ❍❖❍

ترتیب: مدیر

جناب صبیح رحمانی کی دو اہم کتابیں

=================================

(1) "غالب اور ثنائے خواجہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم"

(اشاعتِ اوّل: 2009ء: نعت ریسرچ سینٹر، کراچی؛ اشاعتِ ثانی: 2016ء: ادارہ یادگارِ غالب، کراچی)

غالب کی فکر و شاعری کا ایک پہلو حُبِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم بھی ہے۔ سید صبیح الدین رحمانی مرتبِ کتاب تحریر فرماتے ہیں:

''غالب ہمارا ایک بہت ہی بڑا فکری، ثقافتی اور تہذیبی اثاثہ بن چکا ہے اور اس کی بڑھتی ہوئی شناخت اور تفہیم روز ہمیں نئے سے نئے فکری خزانوں کی جھلکیاں دکھا رہی ہے۔

غالب پر گزشتہ ایک سو چالیس سال میں بہت کچھ لکھا جا چکا ہے جس میں حالی کی کتاب ''یادگارِ غالب'' اور ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری کی ''محاسنِ کلامِ غالب'' نمایاں ہیں۔ ''محاسنِ کلامِ غالب'' کا تو ابتدائی جملہ ہی غالب کے حوالے سے لکھا جانے والا الہامی جملہ بن گیا ہے۔ عبدالرحمن بجنوری نے لکھا تھا: ہندوستان کی الہامی کتابیں دو ہیں ''مقدس وید'' اور ''دیوانِ غالب''۔ صد سالہ جشنِ غالب پر ہندوستان اور پاکستان کے ہر ادبی اور نیم ادبی پرچے نے غالب کے فکر و فن اور زندگی پر وقیع مضامین شائع کیے اور بعض جرائد نے خصوصی نمبروں کا بھی اہتمام کیا جو اپنی ضخامت اور مواد کے حوالے سے یادگار قرار پائے، لیکن مقامِ حیرت ہے کہ غالبیات کے اس سرمائے میں ہمیں غالب کی نعت نگاری پر کوئی ٹھوس اور قابلِ قدر کام نظر نہیں آیا۔ ضمناً کسی مضمون میں اس عنوان سے تذکرہ ہو جانا کوئی قابلِ ذکر بات نہیں۔ حالاں کہ غالب کے کلام کی الہامی جہت کی طرف ڈاکٹر عبدالرحمن بجنوری نے بڑے پُرزور انداز میں متوجہ کیا تھا اور الہام کا درجہ اسلامی معاشرے میں کسی نہ کسی سطح پر دینی اقدار سے جڑا ہوا ہے۔ چنانچہ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ غالب کی فکر کے الہامی رشتوں کی تلاش شروع ہوتی، لیکن ایسا نہیں ہوا اور نہ جانے کیوں ماہرینِ غالبیات اب تک مطالعۂ غالب کے اس روشن پہلو پر خاطر خواہ توجہ نہیں دے سکے۔

الحمدللہ اس اہم موضوع پر غور و فکر کے دریچے وا کرنے کی سعادت غالب کی وفات کے تقریباً ایک سو بتیس سال بعد ''مجلہ نعت رنگ'' کے حصے میں آئی۔ نعت کے ادبی فروغ کے لیے سرگرمِ عمل اس

اہم کتابی سلسلے کے بارہویں شمارے (2001) میں غالب کی نعتیہ شاعری کے حوالے سے ایک خصوصی گوشے کا اہتمام کیا گیا جس میں پاک و ہند کے نامور اہلِ علم نے غالب کی نعتیہ شاعری اور غالب کے افکار و نظریات میں عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم اور عشقِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم پر فکر انگیز مضامین لکھ کر فکرِ غالب کی مذہبی اساس کو نمایاں کرنے کی کوشش کی''۔

بعد میں کتابی صورت میں یہ گوشہ شائع ہوا۔ اب ادارۂ یادگارِ غالب کے تحت اس کتاب کا دوسرا ایڈیشن منصۂ شہود پر آیا ہے۔ کتاب میں شامل مقالات درج ذیل ہیں:

''غالب کا نعتیہ کلام'' ضیاء احمد بدایونی۔ ''غزلیاتِ غالبؔ میں نعت کی جلوہ گری'' ڈاکٹر سید محمد ابوالخیر کشفی۔ ''غالب! حضور رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں'' پروفیسر شفقت رضوی۔ ''غالب کی نعتیہ شاعری'' ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری۔ ''غالب کے فارسی کلام میں نعت'' ادیب رائے پوری۔ ''غالب کی مثنوی 'بیانِ معراج' کا تنقیدی مطالعہ'' ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط۔ ''غالب کی ایک نعتیہ غزل'' پروفیسر محمد اقبال جاوید۔ ''غالب کی اردو شاعری میں مضامینِ نعت کا فقدان'' عزیز احسن۔ ''غزلیاتِ غالبؔ کی زمینوں پر نعت گوئی'' ڈاکٹر عاصی کرنالی۔ ''قدسیؔ کی غزل پر غالب کی تضمین'' پروفیسر سید وزیر حسن۔ ''عظمتِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم خطوطِ غالبؔ میں'' ڈاکٹر سید یحییٰ نشیط۔

ڈاکٹر تنظیم الفردوس معتمدِ عمومی ادارۂ یادگارِ غالب تحریر فرماتی ہیں:

> ''اردو زبان و ادب کی طویل و وقیع تاریخ، مذہبی اور دینی موضوعات و اسالیب کے برتاؤ کی تاریخ بھی ہے۔ ان مذہبی موضوعات میں حمد و مناجات کے علاوہ تاریخِ اسلام کے مختلف ادوار کا بیان بھی شامل ہے اور اکابر شخصیات کے مناقب بھی، لیکن اس امر سے انکار ممکن نہیں کہ اردو کے مذہبی و دینی موضوعات کا سب سے عظیم اور مہتم بالشان حصہ مدحتِ خیر المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم یعنی نعت پر مشتمل ہے۔ اصطلاحی طور پر نعت کے مفاہیم میں اتنی وسعت اور اس کے اجزائے بیان میں اتنی کثرت ہے کہ اسے بجا طور پر اردو زبان میں علیحدہ ''صنفِ ادب'' تسلیم کیا جاتا ہے۔ نعت کو علیحدہ صنف کے طور پر تسلیم کروانے کی خواہش و کوشش کی تلاش اپنی جگہ ایک موضوع ہے لیکن یہ بھی سچ ہے کہ اردو میں نعت کی بطور الگ صنفِ ادب شناخت کے قیام اور استحکام کی تاریخ مرتب کرنے والے افراد ''نعت رنگ'' اور سید صبیح الدین رحمانی کی کاوشوں سے صرفِ نظر نہیں کر سکتے۔

''نعت رنگ'' کے مدیر نے اس مقصد میں کامیابی حاصل کرنے کے لیے نعت کو بطور صنف ہر

طرح کے معیارات پر جانچنے کا سلسلہ شروع کیا۔ اس ضمن میں انہوں نے ایک جانب ''نعت رنگ'' کو اپنے موضوع کا ایک خالص علمی و تحقیقی جریدہ بنانے کی کاوش کی جس کے لیے انھیں پوری اردو دنیا سے علمی معاونت حاصل رہی۔ ساتھ ہی ساتھ انہوں نے اپنے جریدے کے لکھنے والوں کو منفرد فکری جہات پر بھی مہمیز کیا۔ ''نعت رنگ'' کو ابتدا ہی سے اعلیٰ پائے کے دانشور، مذہبی مفکرین اور زبان و ادب کے اساتذہ کا قلمی تعاون حاصل رہا جنہوں نے اس موضوع کی فکری و معنوی سطح پر مذہبی اور تخلیقی جہات کے نو بہ نو پہلوؤں کو نمایاں کیا۔ بعض نئے مباحث کا آغاز بھی کیا گیا۔ ان مباحث میں مقالہ نگاروں کے ساتھ ساتھ مبصرین اور مکتوب نویس بھی شامل ہے۔

''نعت رنگ'' نے نعتیہ مباحث کے ساتھ ساتھ اردو شاعری کی بڑی اور عظیم شخصیات کے ہاں نعت کی دریافت، بازیافت اور تجزیات بھی کروائے۔ ان ہی میں سے اردو شاعری کے عبقری مرزا اسد اللہ خان غالب بھی ہیں۔ مرزا غالب کی تخلیقی شخصیت، ان کی اردو اور فارسی شاعری کے علاوہ ان کے فارسی و اردو مکاتیب میں ظاہر ہوتی ہے۔ یہ شخصیت ایک جانب تخلیقی اظہار کے تنوعات سے بھرپور ہے تو دوسری جانب شخصی تضادات کے رنگوں سے سجی ہوئی ہے۔ ان تضادات اور تنوعات میں سے نعت اور موضوعِ نعت سے ان کی دلچسپی کے زاویوں کو اجاگر کرنے کے لیے ''نعت رنگ'' کے بارہویں شمارے میں ''گوشہ غالب'' شامل کیا گیا۔ اس گوشے میں لکھے گئے اور بعض دیگر مواقع پر شائع ہونے والے چند اہم مضامین پر مشتمل کتاب ''غالب اور ثنائے خواجہ صلی اللہ علیہ وسلم'' کے نام سے مرتب کر کے سید صبیح الدین رحمانی نے 2009ء میں نعت ریسرچ سینٹر کراچی سے شائع کی تھی۔ نعت و غالبؔ ہر دو لحاظ سے موضوع کی اہمیت ایسی تھی کہ اس کتاب کی بڑی پذیرائی ہوئی اور اب اس کی ازسرِ نو اشاعت کی طلب ہوئی۔ طبع اول میں معمولی ترامیم اور ایک مضمون کے اضافے کے ساتھ اسے دوبارہ شائع کیا جا رہا ہے۔ ادارۂ یادگارِ غالب کی روایات میں علمی اور تحقیقی کتب کی اشاعت کا سلسلہ بھی ہے۔ اپنے اسی اشاعتی سلسلے میں ہم ''غالب اور ثنائے خواجہ صلی اللہ علیہ وسلم'' مرتبہ سید صبیح الدین رحمانی پیش کر رہے ہیں''۔

یہ اعلیٰ اور عمدہ کتاب غالبیات میں ثمین اضافہ ہے۔ خوبصورت طبع ہوئی ہے، مجلّد ہے۔ ثنائے خواجہ صلی اللہ علیہ وسلم میں غالب کا یہ معروف و مشہور فارسی شعر ہے ؎

غالب ثنائے خواجہ بہ یزداں گزاشتم
کاں ذاتِ پاک مرتبہ دانِ محمدؐ است

کتاب بڑی عمدگی سے مرتب کی گئی ہے۔ اللہ پاک قبول فرمائے۔ (تحریر: ملک نواز احمد اعوان)

(2)"اردو نعت کی شعری روایت"

(اشاعتِ اوّل:2016ء:اکادمی بازیافت، کراچی)

اردو اصناف ادب میں نعت گوئی ہمیشہ سے مقبول و معروف رہی۔ تقریباً ہر دیوان اور مجموعہ کلام میں نعتیہ اشعار مل جاتے ہیں، شاعری کے علاوہ نثری کتابوں کے آغاز میں بھی اللہ تعالیٰ کی حمد وثنا کے بعد نعتیہ اشعار بھی مل جاتے ہیں۔ پھر کچھ شعراء نے اپنے آپ کو حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حمد وثنا کے لیے مخصوص کرلیا اور انھوں نے نعت کے علاوہ دوسری اصناف میں شاعری ترک کردی۔

اس نعتیہ روایت کو اس وقت زیادہ تقویت ملی جب نعت کے حوالے سے مختلف رسائل کا اجرا عمل میں آیا۔ صبیح رحمانی کا نعت رنگ اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جنھوں نے نعت رنگ کے ذریعے اردو نعت کی ترویج وفروغ میں عملی اقدامات اٹھائے۔

"اردو نعت کی شعری روایت" بھی اسی سلسلے کی ایک کڑی ہے جس میں مرتب ڈاکٹر صبیح رحمانی[1] نے نعت کے حوالے سے مختلف مضامین کو یکجا کرکے نعت پر تحقیقی وتنقیدی کام کا ایک ذخیرہ جمع کردیا ہے۔ اس کتاب میں نعت کی تعریف، تاریخ، رجحانات، اور تقاضوں کے حوالے سے جو مضامین و مقالات شامل کیے گئے ہیں وہ علمی و معلوماتی تو ہی ہیں، اس کے ساتھ ساتھ ان کے نعتیہ ادب میں اس لیے بھی زیادہ وقعت اور قدر و قیمت ہے کہ یہ آنے والے محققین کو نعت کے حوالے سے وہ مواد پیش کرتے ہیں جو آگے جا کر اس موضوع کے بارے میں سنگ میل اور اساسی ماخذ ثابت ہوگا۔

اس کتاب کے حرف آغاز میں صبیح رحمانی نے سیرتِ رسول سے ذہنی وقلبی وابستگی کا اظہار کیا ہے۔اور ایک خود آگاہ تہذیب کے لیے عصری شعور کے ساتھ ساتھ پس منظری اساس کو بھی بنیادی ضرورت قرار دیا ہے۔اس حرف آغاز میں انھوں نے اُردو میں نعت کی روایت کو سمیٹتے ہوئے نعت کے حوالے سے بہت مفید معلومات بہم پہنچائی ہیں۔نعت کے حوالے سے پہلے تحقیقی مقالے کے بارے میں لکھتے ہیں:

> ''۱۹۵۵ء میں ناگ پور یونیورسٹی (بھارت) سے ڈاکٹر رفیع الدین اشفاق نے ''اردو میں نعتیہ شاعری'' پر پہلا تحقیقی کام مکمل کیا۔ یہ تحقیقی مقالہ ۱۹۷۶ء میں اردو اکیڈمی سندھ، کراچی نے شائع کیا۔''۱؎

صبیح رحمانی یہ کتاب مرتب کرکے جہاں نعت کے حوالے سے عقیدت وخدمت کا اظہار کیا ہے وہاں اس کتاب کو معلوماتی، تحقیقی و دستاویزی بنانے کی بھی پوری کوشش کی ہے جس میں وہ بڑی حد تک

کامیاب رہے ہیں۔ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی لکھتے ہیں:

''صبیح رحمانی کی تدوین کردہ اس کتاب میں نعت کی تعریف، تاریخ، اور نعتیہ کلام سے متعلق رجحانات پر نمائندہ اور معیاری مضامین اشاعت پذیر ہو کر قارئین کی ضیافتِ طبع کے ساتھ نعت رسول پاک کی قدر و قیمت میں اضافہ کا سبب بنتے جا رہے ہیں۔''۲۔

اس کتاب میں بلا شک وشبہ نعت اور نعت گوئی کے مسائل کو اس انداز میں بیان کیا گیا ہے کہ نعت کی صنف میں نئے امکانات اور جدید رجحانات خود بخود سامنے آتے چلے جائیں گے اور جن سے صنف نعت کے فروغ کو ضرور فائدہ پہنچے گا۔

نعت کے لغوی معنی تعریف وتوصیف کرنا کے ہیں اور اصطلاحی معنی شعری اصناف میں حضرت محمدؐ کی تعریف وتوصیف کرنا ہیں۔اردو میں مختلف اصناف سخن اور مختلف ہیئتوں میں نعت لکھی جا رہی ہے۔مثلاً: قصائد، مسدس، مخمس، مثنوی، قطعات، رباعیات، مثلث، نظم اور ہائیکو کی صورت میں۔۳۔

اس کتاب میں بہت سی ایسی بنیادی باتیں اور مباحث شامل کیے گئے ہیں جو کہ نہ صرف محققین بلکہ عام قارئین کے لیے بھی فائدہ مند ثابت ہوں گے اور ان کے جنرل نالج میں اضافے کا باعث بنیں گے۔مثلاً نعت کا لفظ سب سے پہلے حضور ﷺ کی ثنا کے کے لیے کس نے استعمال کیا، اس حوالے سے ڈاکٹر سید رفیع الدین اشفاق رقم طراز ہیں:

''نعت کا لفظ جو حضور اکرم ﷺ کے وصف کے لیے حضرت علیؓ سے منقول ہے، غالباً اسلامی ادب میں اس معنی میں پہلی دفعہ کیا گیا ہے۔اس حدیث میں آپ ﷺ کے اوصاف بیان کرتے ہوئے حضرت علیؓ نے اپنے لیے بجائے واصف کے ناعت کا استعمال کیا ہے۔فرماتے ہیں:

من راہ بداھتہ ھابہ۔ومن خالطہ معرفتہ احبّہ یقول ناعتہ لمراء قلبہ ولا بعدہ مثلہ صلی اللہ علیہ وسلم (شمائل ترمذی، ص۵۶۷)

''آپ پر یکایک جس کی نظر پڑ جاتی ہے، ہیبت کھا جاتا ہے۔جو آپ سے تعلقات بڑھاتا ہے، محبت کرتا ہے۔آپ کا وصف کرنے والا یہی کہتا ہے کہ آپ سے پہلے نہ آپ کے جیسا دیکھا اور نہ آپ کے بعد آپ کے جیسا دیکھا۔''۴۔

نعت کا آغاز مکہ سے ہوا۔ابو طالب کے قصیدہ میں حضور ﷺ کی نعت کے اشعار موجود ہیں۔جن کو ہم سب سے پہلی نعت قرار دے سکتے ہیں۔ان کے بعد بچیوں کے وہ گیت متاثر کن ہیں جو انھوں

نے تاجدارِحرم کی شان میں آپ کے مدینہ تشریف لانے پر استقبال کے موقع پر گائے۔ ایک نام اعمش کا بھی ہے جس نے حضور کی شان میں قصیدہ لکھا مگر وہ ایمان کی دولت سے محروم رہا۔ ۵؎

حضرت حسان بن ثابتؓ وہ جلیل القدر نعت گو ہیں جن کے لیے مسجد نبوی میں ایک منبر مخصوص کر دیا گیا تھا جس پہ کھڑے ہو کر وہ شان نبوی میں اپنے اشعار پڑھا کرتے تھے۔ حضرت کعب بن زہیرؓ، حضرت عبداللہ بن وائلؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت فاطمہؓ، حضرت سفیان بن حارثؓ نے بھی نعتیہ کلام لکھا۔

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی کا مضمون ''اردو میں نعت گوئی کا ارتقا'' اردو نعت کی روایت پر روشنی ڈالتا ہے۔ قدیم دکنی شاعری سے لے کر عہد حاضر کی شاعری تک نعت لکھنے کے رجحان اور نعت کے شعری نمونوں کو سامنے لایا گیا ہے۔ اس مضمون میں بتایا گیا کہ نعت کی ایک روایت محسن کاکوری پہ ختم ہوتی ہے اور دورِ جدید کی نعت کا آغاز ۱۸۵۷ء کے بعد کی شاعری سے ہوتا ہے۔ جس میں حالی، شبلی، نظم طباطبائی، ظفر علی خان اور علامہ اقبال کے نام نظر آتے ہیں۔

''علامہ اقبال نے نعت کے حوالے سے جو مضامین پیش کیے اس سے نعت گوئی کے نئے افق روشن ہوئے۔'' ۶؎

حالی کی مسدس مدوجزرِ اسلام یا عرض حال بجناب سرور کائنات نے اس دور میں مقبولیت کی سند حاصل کی۔ اس کے بعد احمد رضا بریلوی نے نعد گوئی میں کمال حاصل کیا۔ مضمون نگار کی تحقیق کے مطابق دورِ جدید کا دوسرا دور ۱۹۴۷ء سے پہلے کا دور ہے۔ اس کے آغاز کے بارے میں انھوں نے کوئی اشارہ نہیں دیا۔ شاید یہ اقبال کے بعد کا دور ہے۔

اردو نعت میں وسیع تر امکانات کی صورت قیام پاکستان کے بعد سامنے آئی۔ مضامین نعت کے ماخذات میں قرآن سب سے اہم ماخذ ہے یہاں نعت سے مضامین میں عبدیت، رحمۃ للعالمین، نورِ محمدی، محبوبیت، عطائے الٰہی، بنی نوع انسان سے آپ کی رافت و رحمت، فضیلت رسولِ کریم جیسے مضامین ملتے ہیں۔ اس کے علاوہ حدیث سے بھی نعت رسول مقبول کے اہم مضامین ملتے ہیں۔

ڈاکٹر آفتاب احمد نقوی کے مضمون ''محرکات نعت'' کے حوالے سے نعت سنتِ خداوندی، عشقِ رسول، اظہارِ عقیدت، اطاعتِ رول کا جذبہ، نعت: تبلیغِ دین کا وسیلہ، ذکرِ رسول کو عام کرنے کی خواہش، نعت وسیلۂ برکت، روضۂ رسول پر حاضری کی خواہش، صوفیائے کرام اور فروغ نعت، دینی مجلسیں اور فروغ نعت محفلِ میلاد، سیرت کے جلسے، عرس اور قوالی ذرائع ابلاغ اور فروغ نعت نعتیہ مشاعرے، اخبارات و رسائل، گراموفون ریکارڈ، فلمیں اور کیسٹ، ریڈیو اور ٹی وی یہ سب وہ ذریعے یا

وسیلے ہیں جن سے نعت کو فروغ ملا۔اس کتاب کے بارے میں احمد جاوید لکھتے ہیں:

''اردو نعت کی شعری روایت دراصل فروغ اور تفہیم نعت کے نئے زاویے پیدا کرنے والی کتاب ہے جو ہمارے فکر و نظر کی گرد اتارنے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔''(۷)

ڈاکٹر یحییٰ نشیط کا مضمون اردو نعت گوئی کے موضوعات اپنے اندر موضوعاتی تنوع لیے ہوئے ہے۔نعتِ خالص کے بارے میں یحییٰ نشیط لکھتے ہیں:

''نعتِ خالص سے مراد وہ نعتیہ کلام ہے جس میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے صرف اوصاف کا بیان ہو ، جو محامد و محاسن اور تعریف کی حد تک ہی محدود ہو۔اردو کے ایسے نعتیہ ذخیرے پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے اور کئی کتابیں بھی اس ضمن میں موجود ہیں ، لیکن واقعات رسول کو نعت کے جن موجوعات کے ذیل میں قلم بند کیا گیا ہے یہاں اسی کا تذکرہ مقصود ہے۔اس ضمن میں ولادتِ رسول کو موضوع بنا کر لکھی گئیں نعتیں میلاد نامہ کے ذیل میں شمار کی جا سکتی ہیں۔''۸؎

اس مضمون میں اردو میں میلاد ناموں کی تاریخ بھی شامل کی گئی ہے۔اس کے علاوہ نور نامے، معراج نامے، وفات نامے، اسرائیلیات، اور صنیات کے حوالے سے مواد اکٹھا کیا گیا ہے۔

ظہیر غازی پوری کا مضمون نعتیہ شاعری کے لوازمات فکری نوعیت کا ہے جس میں نعتیہ اشعار میں لغزش ، غلو اور جارحانہ طرز اختیار کرنے کے حوالے سے سیر حاصل بحث کی گئی ہے۔مجید امجد بھی اس حوالے سے اپنے مضمون صنف نعت میں لکھتے ہیں:

''جناب رسالت مآب کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت گو کو حدود کفر میں داخل کر سکتی ہے۔...ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے۔ذرا سا غلو ضلالت کے زمرے میں آ سکتا ہے۔ذرا سا عجز اہانت کا باعث بن سکتا ہے فنِ شعر کے لحاظ سے اس کام کے لیے کمالِ سخن وری اور نفسِ مضمون کے لحاظ سے اس کے لیے کمالِ آگہی درکار ہے اور پھر ان دونوں چیزوں کو جلا جس چیز سے ملتی ہے وہ عشق کا سرمدی جذبہ ہے۔جو لفظوں کو تجلیات سے بھر دیتا ہے۔''۹؎

ظہیر غازی پوری نے مختلف شعروں کی مثال دے کر ان اشعار کو سامنے لانے کی کوشش کی ہے جن میں غلو سے کام لیا گیا ہے۔؎

زباں پہ بارِ خدا یا یہ کس کا نام آیا
کہ میرے نطق نے بوسے مری زباں کے لیے

دیگر مباحث کے ساتھ ساتھ ظہیر غازی پوری نے غالب کے درج با شعر کو زیر بحث لاتے ہوئے لکھا ہے:

''جناب ناوک حمزہ پوری نے لکھا ہے کہ ''اے کاش غالب نے یہ شعر بہ ارادۂ نعت کہہ کر اپنی عاقبت سنوار لی ہوتی۔ حال یہ ہے کہ غالب نے یہ شعر تجمل حسین خاں کے لیے چند ٹکے کی امید میں کہا تھا۔'' ۱۰؎

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی اردو میں نعت گوئی کا ارتقا کے عنوان سے اردو نعت کی تاریخ پر قلم اٹھاتے ہوئے مختلف حوالوں سے تین شعراء کرام کو اردو نعت کا شعر لکھنے والا پہلا شاعر قرار دیا ہے۔ مولوی عبدالحق کی کتاب اردو کی ابتدائی نشوونما میں صوفیائے کرام کا حصہ'' کے مطابق خواجہ بندہ نواز گیسو (م ۸۲۵ھ) کے اشعار کو اردو نعت کا پہلا نمونہ قرار دیا۔ وہ ڈاکٹر جمیل جالبی کی مرتبہ کتاب مثنوی کدم راؤ پدم راؤ (جسے ۸۲۵ھ تا ۸۳۸ھ کی تصنیف تسلیم کیا جاتا ہے) میں نعتیہ اشعار کو پہلا نمونہ قرار دیتے ہیں۔ اس کے علاوہ ڈاکٹر محمد اسمٰعیل آزاد فتح پوری کی کتاب اردو شاعری میں نعت کا حوالہ دیتے ہوئے ملا داؤدی کی مثنوی چندائن کو اردو زبان کا اولین لسانی وادبی نمونہ اور اس میں شامل نعت کو اردو کی پہلی نعت قرار دیتے ہیں ملا داؤد نے چندائن کو ۷۸۱ھ میں فیروز شاہ تغلق کے عہد میں تصنیف کیا تھا۔ ۱۱؎

ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی اردو نعت کو مستقل حیثیت دینے کے حوالے سے گیارہویں صدی ہجری میں پہلے صاحب دیوان شاعر محمد قلی قطب شاہ (۱۰۲۰ھ) کا نام لیتے ہیں جنھیں رسالت مآب سے والہانہ عقیدت تھی۔ ڈاکٹر انور سدید اردو میں نعت نگاری ایک جائزہ ۱۹۷۵ء تک میں قلی قطب شاہ سے لے کر ولی، مومن، ظفر، غالب، میر حسن، حالی، امیر مینائی، محسن کاکوروی، اکبرالہ آبادی، سرور جہاں آبادی، امجد حیدرآبادی، محمد علی جوہر، حسرت موہانی، ظفر علی خاں، اقبال، حفیظ جالندھری، اصغر گونڈوی، بہزاد لکھنوی، احسان دانش، ماہر القادری، اسد ملتانی، راجہ محمد عبداللہ نیاز، شورش کاشمیری، اثر صہبائی، نعیم صدیقی، عبدالکریم ثمر، عبدالعزیز خالد، حفیظ تائب، حافظ لدھیانوی، اخگر سرحدی، جعفر طاہر، شیر افضل جعفری، گویا جہان آبادی، محشر رسول نگری، یوسف ظفر، منیر نیازی، شہزاد احمد، انجم رومانی، مظفر وارثی، اطہر نفیس، انجم نیازی، عبداللہ خاور جیسے نعت گو شعراء کا تذکرہ اور ان کے کلام کا محاکمہ پیش کیا ہے۔

عارف عبدالمتین نے اپنے مضمون ''جدید اردو نعت'' میں عربی میں نعت کے آغاز کے بعد اردو نعت لکھنے والے جدید شعراء کا ذکر کیا ہے۔ ممتاز حسن نے نعت کے فکری زاویے اجاگر کیے۔ جس میں اردو شعرا کے ساتھ ساتھ فارسی شعرا کے کلام کو بھی پیش کیا۔ جن میں فیضی، جامی، قدسی، گرامی، کے نام قابل ذکر ہیں۔

جمال پانی پتی نے نعت گوئی کا تصورِ انسان کے حوالے سے اس مضمون میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نوری یا بشری صفات کو سامنے رکھا ہے اور اس حوالے سے حالی کی نظم مسدس مد و جزر اسلام

پر بات کی ہے۔ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے اپنے مضمون نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم میں شعری گورکھ دھندوں اور لفظوں کی ذومعنویت پر بات کی ہے۔لکھتے ہیں:

''لفظوں کی دنیا عجب طلسمات ہے۔الفاظ کی معنوی سطحیں، درجے اور رنگ بدلتے رہتے ہیں۔ بازاری زبان کے بعض الفاظ وقت گزرنے کے ساتھ مستند زبان کا حصہ بن جاتے ہیں۔''۱۲؎

عام بول چال میں الفاظ کے معانی کا تعین اور طرح سے ہوتا ہے جب کہ ادبی یا شعری زبان میں معانی کا تعین دوسری طرح کیا جاتا ہے یہاں الفاظ کے اصطلاحی اور علامتی معانی بھی عبارت میں اپنی جگہ بنا لیتے ہیں۔شعر میں زیادہ تر بات سیدھے سادے انداز میں نہیں کی جاتی بلکہ شعری اظہار بعض اوقات ابہام میں ملفوظ ہوتا ہے۔نئے علوم میں خصوصاً علم المعانی نے لفظ اور شے کے جو نئے رشتے دریافت کیے ہیں ان کے پیش نظر شاعری اور ادب میں معانی کی حیثیت بدل گئی ہے۔۱۳؎ اسی طرح مزید زبان اور الفاظ کی شعبدہ بازیوں کے حوالے سے ڈاکٹر ابوالخیر کشفی لکھتے ہیں:

''الفاظ کے معانی کا تعین ایک مشکل مسئلہ ہے۔ہم صنف کے الفاظ میں اپنے تجربات کا عکس بھی تلاش کرتے ہیں پھر پڑھنے والوں کا ایک ایسا گروہ بھی ہوتا ہے جو ادبی تحریروں کو اپنی غلط تاویلات سے مسخ کر دیتا ہے۔''۱۴؎

اچھی خاصی طویل بحث کے بعد وہ نعت کے موضوع کی طرف آتے ہیں جس میں الفاظ اور اس کے معنوی تعلق کو بیان کرتے ہیں۔مختلف شعراء کے نعتیہ کلام کی مثالیں پیش کرتے ہوئے نعت میں استعمال ہونے والے الفاظ کی معنوی ساخت کو زیر بحث لاتے ہیں۔

احمد ہمدانی نے جدید اردو نعت اور علامت نگاریہ کو موضوع بنایا ہے۔اور اس حوالے سے قیام خوشبو، نام خوشبو، روشنیوں کے کھیت، صورت اور چراغ، درد کا پھول، صحرا کی شال، ہاتھوں میں کرنوں کا پھول، دھند میں لپٹے باغ، ریگِ تشنہ، افقِ تیرہ، دھندلکوں کا فسوں کرنوں کی کمند، سوکھے پیڑ کی ٹوٹی شاخ جیسی علامتوں کو بیان کر کے ان کی وضاحت کی ہے۔

اسی طرح ڈاکٹر نثار ترابی کا مضمون بھی اہمیت کا حامل ہے۔ڈاکٹر عزیز احسن نے شاعری میں متنی رشتوں کی تلاش کا کام کیا ہے۔اور متن کثیر المعنویت جہت کا ذکر کیا ہے۔کاشف عرفان نے ''اردو نعت پر مابعد جدیدیت کے اثرات'' کا جائزہ لیا ہے۔اور جدیدیت سے مابعد جدیدیت تک کے سفر کو بھی بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔

مابعد جدیدیت ایک ایسے ذہنی رویے اور ادبی مزاج کا نام ہے جس میں تاریخی وثقافتی صورت

حال کو اہمیت دی جاتی ہے۔ مابعد جدیدیت تخلیق پر بٹھائے جانے والے پہروں کی کسی بھی شکل کو تسلیم نہیں کرتی۔ ۱۵۔

پروفیسر محمد فیروز شاہ کا مضمون نعت میں جدید طرزِ احساس ان کے اپنے مخصوص انداز میں لکھا ہوا مضمون ہے اس مضمون میں جدت تشبیہات واستعارات، ندرت فکر و خیال، ہم عصر فضا کی صدا، والہانہ وابستگی کا اظہار جذبہ واحساس کا ترفع، جمالِ محبوب کے تذکار حسنِ سیرت کی ضو، فریاد کی لے، لج پال نسبتوں کا تفاخر، احیائے تہذیب اسلام کی خوش بو، کے حوالے سے نعتیہ اشعار دیے ہیں اور ان پر فکری حوالے سے قلم اٹھایا ہے۔ سحر انصاری کا مضمون نقدِ نعت: تناظر اور تقاضے کے عنوان سے اردو نعت کا منظر نامہ تذکرے سے جدید نعت تک کا احاطہ کیے ہوئے ہیں۔

تحقیقِ نعت: صورتِ حال اور تقاضے کے عنوان سے ڈاکٹر معین الدین عقیل نے جامعات میں ہونے والے اردو نعت کے حوالے سے تحقیقی کام پر بات کی ہے۔ لکھتے ہیں:

''اب تک دو سو سے زیادہ مقالات، پی ایچ ڈی، اور ایم فل دونوں سطح پر، ادبی شخصیات کے احوال و آثار پر لکھے جا چکے ہیں۔'' ۱۶۔

اس مضمون میں انھوں نے مختلف نعت گو شعرا کا احوال بیان کیا ہے جو کہ تحقیقی مقالے کا موضوع بنائے گئے ہیں۔ ان کے خیال میں نعت گوئی پر تحقیق ومطالعہ کے لیے شخصیات کے بجائے کسی ایک دور، علاقے یا کسی عصری یا معاشرتی حوالے سے موضوعات کو لیا جائے تو اس طرح نعت گوئی کا اجتماعی مطالعہ بھی کیا جا سکتا ہے اور تقابلی مطالعہ بھی۔

نعت کے حوالے سے ایک اور اہم نام ڈاکٹر محمد اسحاق قریشی کا ہے جنھوں نے نعت اور نقدِ نعت۔ چند گزارشات کے عنوان سے لکھا ہے۔ اور موجودہ صدی کو نعت کی صدی قرار دیا ہے۔ ڈاکٹر ریاض مجید، ناصر عباس نیر، مبین مرزا، شمیم احمد، ڈاکٹر محمد اقبال جاوید، ڈاکٹر فرمان فتح پوری، پروفیسر سمیع اللہ قریشی کے مضامین بھی فکری حوالے سے اردو نعت کے شعبہ میں اہمیت کے حامل ہیں۔ (تحریر: ڈاکٹر محمد اشرف کمال)

حوالہ جات

۱۔ صبیح رحمانی، ص ۱۵

۲۔ فلیپ از ڈاکٹر ابوالکلام قاسمی، مشمولہ اردو نعت کی شعری روایت مرتبہ صبیح رحمانی، کراچی، اکادمی بازیافت ۲۰۱۶ء۔۔۔ ۳۔ محمد اشرف کمال، ڈاکٹر، تاریخ اصناف نظم ونثر، کراچی، رنگ ادب، ۲۰۱۵ء، ص ۲۴

۴۔ رفیع الدین اشفاق، سید، نعت کی تعریف، مشمولہ اردو نعت کی شعری روایت، ص ۲۴

۵۔گوہر ملسیانی،عصر حاضر کے نعت گو،صادق آباد،گوہر ادب پبلیکیشنز، ۱۹۸۳ء،ص ۳۳۔۳۴

۶۔محمد اقبال نجمی: نعت رسول مقبول اور کلام اقبال، مشمولہ مفیض ، نعت تبصرہ نمبر ۲، شمارہ ۸۸ ، ۲۰۱۲ء،ص ۲۷۔۔۔۔۔۔۔۔۔۷۔فلیپ از احمد جاوید مشمولہ اردونعت کی شعری روایت

۸۔یحییٰ نشیط،ڈاکٹر،اردونعت گوئی کے موضوعات،مشمولہ اردونعت کی شعری روایت،ص ۷۷

۹۔مجید امجد،صنف نعت،مشمولہ اردونعت کی شعری روایت،ص ۳۰۲

۱۰۔ظہیر غازی پوری،نعتیہ شاعری کے لوازمات،مشمولہ اردونعت کی شعری روایت،ص ۱۲۲

۱۱۔شاہ رشاد عثمانی،ڈاکٹر،اردو میں نعت گوئی کا ارتقا،مشمولہ اردونعت کی شعری روایت،ص ۱۴۶

۱۲۔ابوالخیر کشفی،ڈاکٹر،نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم،مشمولہ اردونعت کی شعری روایت،ص ۳۷۹،۳۸۰

۱۳۔محمد اشرف کمال،ڈاکٹر،لسانیات اور زبان کی تشکیل،فیصل آباد،مثال پبلشرز،۲۰۱۵ء،ص ۱۷

۱۴۔ابوالخیر کشفی،ڈاکٹر،نعت اور گنجینۂ معنی کا طلسم،مشمولہ اردونعت کی شعری روایت،ص ۳۸۰

۱۵۔محمد اشرف کمال،تنقیدی تھیوری اور اصطلاحات،فیصل آباد،مثال پبلشرز،۲۰۱۶ء،ص ۹۳

۱۶۔معین الدین عقیل،ڈاکٹر،تحقیقِ نعت:صورت حال اور تقاضے،مشمولہ اردونعت کی شعری روایت،ص ۵۶۴

O❖O

//

" اردونعت پاکستان میں "

(پی ایچ ڈی کا تحقیقی مقالہ)

زیرِ نظر کتاب کا موضوع پاکستان میں نعتیہ شاعری کا تحقیقی جائزہ ہے۔یہ ڈاکٹر شہزاد احمد کا تحقیقی مقالہ ہے۔وہ ماہرِ حمد و نعت، نقاد، ادیب اور شاعر ہیں، جامعہ کراچی سے پروفیسر ڈاکٹر محمد سعید کی نگرانی میں انہوں نے یہ مقالہ مکمل کیا۔ پاکستان میں اس موضوع کے حوالے سے یہ اولین کوشش ہے۔ڈاکٹر شہزاد احمد کا یہ تحقیقی مقالہ،جس کو کتابی شکل دی گئی ہے،کل 8 ابواب پر مشتمل ہے،جن کے عنوانات کی ترتیب کچھ یوں ہے۔نعت گوئی کا تحقیقی و تجزیاتی مطالعہ (عربی،فارسی اور اردو نعت)،قیامِ پاکستان اور استحکامِ پاکستان میں نعت گو شعراء کا حصہ، پاکستان کے چند معروف نعت گو شعراء کا تذکرہ،نعت کے سلسلے میں نمایاں خدمات انجام دینے والی شخصیات، پاکستان میں اردونعت گوئی کے آئندہ اثرات، پاکستان میں نعتیہ صحافت (ایک جائزہ) پاکستان میں نعتیہ تذکرہ نگاری کی روایت،خلاصہ،بحث اور تجاویز۔

کتاب کے آخر میں انھوں نے حمد و نعت کے تناظر میں خاص کتابوں کی فہرست بھی شایع کر دی ہے جس سے بالخصوص طلباء بھرپور استفادہ کر سکیں گے۔

کتاب میں معروف دانشور اور نعت خواں صبیح رحمانی نے بھی اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے، جس کو پڑھ کر ڈاکٹر شہزاد احمد کی حمد و نعت کے سلسلے میں وسیع تر ریاضت کے بارے میں آگاہی ہوتی ہے۔

ڈاکٹر شہزاد احمد برس ہا برس سے اپنے متعلقہ موضوع پر کام کرتے آئے ہیں۔ انھوں نے نہ صرف خود اس موضوع پر اپنی زندگی وقف کر دی، بلکہ متعدد طلباء میں بھی اس موضوع کی دلچسپی و اہمیت کو فروغ دیا۔ پاکستان بھر میں اس موضوع سے متعلقہ شخصیات سے بھی رابطے میں رہے، کسی نہ کسی صورت میں یہ اس موضوع کے لیے خود کو مرکوز کیے رکھا۔ ان کی نیت شوق اور مسلسل محنت کا ایک عملی نمونہ یہ تحقیقی مقالہ ہے، جس کو نعتیہ تحقیق کے میدان میں ایک سنگ میل کی حیثیت حاصل رہے گی۔ (ابن عبداللہ)

//

"نعت انسائیکلو پیڈیا (جلد اوّل)"

زیرِ نظر کتاب ایک نعتیہ انسائیکلو پیڈیا کی جلد اول ہے، جس کے مرتب کنندہ ڈاکٹر محمد طہور خان ہیں۔ نعتیہ تحقیق کے حوالے سے یہ ایک جامع منصوبہ تھا، جس کے تحت انسائیکلو پیڈیا کو حروفِ تہجی کی ترتیب میں سات جلدوں پر تیار ہونا تھا۔ پہلی جلد الف ممدودہ اور الف مقصورہ پر مبنی ہے، مگر ڈاکٹر صاحب کا قضائے الٰہی سے انتقال ہو گیا، جس کی وجہ سے یہ شاندار منصوبہ ادھورا رہ گیا۔ امید کی جاتی ہے کہ نعتیہ ادب سے شغف رکھنے والے محقق اور طلبا میں سے ضرور کوئی اس سلسلے کو آگے بڑھانے کے لیے اپنی خدمات پیش کرے گا تا کہ اس علمی کام کو پایہ تکمیل تک پہنچایا جا سکے۔ اس کتاب پر کاوش عمر، عبدالحمید ساقی، جاوید رسول جوہر اشرفی کے علاوہ کتاب کے ناشر شاعر علی شاعر نے اپنے تاثرات قلم بند کیے ہیں۔ زیرِ نظر تالیف کردہ نعتیہ انسائیکلو پیڈیا اس موضوع پر ایک وقیع تصنیف ہے۔ یہ اردو نعت کا عالمی انتخاب ہے، جس کی پہلی جلد میں 445 نعت گو شعراء کا تعارف اور منتخب نعتیں شامل کی گئی ہیں، جن میں پاکستان کے علاوہ دنیا بھر سے نعت کہنے والوں کو بلا تفریقِ مذہب شریک کیا گیا ہے۔

ڈاکٹر صاحب کا دیباچہ بھی نعت کے موضوع پر ان کی جدو جہد کو بیان کرتا ہے۔ نہایت باریک بینی اور وسعتِ علم کے ذریعے انھوں نے ایک شاندار علمی بنیاد ڈالی، جس کو مدِ نظر رکھتے ہوئے اب کوئی بھی محقق اس اہم کام کو آگے بڑھا سکتا ہے۔ یہ پہلی جلد اس کے لیے نمونے کا کام کرے گی۔ (ابن عبداللہ)

صبیح رحمانی

"کلیاتِ عزیز احسن": چند معروضات

ڈاکٹر عزیز احسن معاصر ادبی تناظر کی ایک فعال اور معروف شخصیت ہیں۔ انھوں نے تخلیقی و تنقیدی دونوں جہات میں اظہار کیا ہے جو اُن کے لیے شناخت اور اعتبار کا قابلِ قدر ذریعہ ہے۔ عزیز احسن نے ابتدأً شعر گوئی سے اپنے ادبی و تخلیقی سفر کا آغاز کیا تھا، بعد ازاں اُن کی تنقیدی صلاحیتیں بھی بروئے کار آنے لگیں اور وہ نقد و نظر کے شعبے میں بھی ذہانت اور سنجیدہ مزاج کی وجہ سے جلد پہچانے جانے لگے۔ میرا ایمان ہے کہ اللہ کریم جس سے جو کام لینا چاہتا ہے، اُسے اُس کے دل سے جوڑ دیتا ہے۔ عزیز احسن کے ساتھ بھی یہی ہوا۔ وہ غزل کہتے کہتے نعت کی طرف متوجہ اور تنقیدی و تجزیاتی مضامین لکھتے ہوئے مطالعۂ نعت کی جانب مائل ہوئے، اور بس جب ایک بار اس کوچۂ دل نشیں میں آئے تو پھر یہیں کے ہو رہے۔

نعت اور مطالعۂ نعت آج نہ صرف عزیز احسن کے لیے ذاتی فکر و انبساط کا ذریعہ ہے بلکہ پیرایۂ اظہار میں نظر کی گہرائی اور فکری رویے کی بدولت وہ دوسروں کے لیے بھی ذہنی بالیدگی اور علمی تسکین کا حوالہ ہے۔ عزیز احسن نے مطالعۂ نعت کے لیے جب ایک بار خود کو وقف کیا تو اپنی تمام تر توانائی اور توجہ اسی شعبے میں تسلسل اور التزام کے ساتھ بروئے کار لانے لگے۔ چناں چہ تنقیدِ نعت کی عمومی صورتِ حال کو اس سے خاطر خواہ فائدہ پہنچا، صرف ان معنوں میں نہیں کہ یہ کام اپنی جگہ وقیع تھا بلکہ اس لیے بھی کہ اس نے فضا کو تحرک دیا اور دوسروں کے لیے تحریک کا ذریعہ بنا۔ یہ کام نہ صرف تفہیمِ نعت کے لیے مفید اور گراں قدر ثابت ہوا بلکہ اس نے مطالعۂ نعت کے منہاج اور اسالیب کے تعین اور فروغ میں بھی بھرپور کردار ادا کیا۔ اہلِ نظر نے عزیز احسن کے تنقیدی کام کو قدر کی نگاہ سے دیکھا اور اِس شعبے کو اختیار کرنے والے نئے لوگوں نے اِس سے پورا استفادہ کیا۔ میں یہ سب باتیں اس لیے وثوق سے عرض کر رہا ہوں کہ ایک قریبی دوست کی حیثیت سے میں اُن کے تخلیقی و تنقیدی سفر کا گزشتہ ربع صدی سے عینی شاہد ہوں۔

عام طور پر یہ ہوتا ہے کہ جو تخلیق کار تنقید کے میدان میں اُترتے اور اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوا لیتے ہیں، اُن کی یہی جہت نمایاں ہو جاتی ہے اور لوگ اِسی کو فوقیت دینے اور اُن کا اصل کام سمجھنے لگتے ہیں۔

یہی مسئلہ عزیز احسن کو بھی پیش آیا۔ اُن کے تنقیدی کام کی وسعت، فکری گہرائی اور عالمانہ بصیرت کی وجہ سے ان کے تنقیدی کام کی گونج ادبی حلقوں میں زیادہ ہوئی اور اُن کی شعر گوئی خصوصاً نعت نگاری پس منظر میں چلی گئی۔ حقیقت یہ ہے کہ اُن کی نعت بھی سچے جذبوں، راست فکر، اسلوب کی دل کشی اور اظہار کی لطافت سے مالا مال ہے، اور بجا طور پر مستحق ہے کہ اُس کا سنجیدہ مطالعہ کیا جائے اور اِس باب میں عزیز احسن نے جو کام کیا ہے اُس کی کشادہ دلی سے داد دی جائے۔

ایک اچھے اور مطالعاتی ذوق رکھنے والے شاعر کی طرح عزیز احسن نے بھی اردو کے عظیم شاعروں سے اپنے رنگِ سخن میں ہم آہنگی اور ہم رشتگی کا اظہار کیا ہے، مثلاً اُن کے ہاں ایک طرف حالیؔ اور اقبالؔ سے اثر پذیری کا احساس ہوتا ہے تو دوسری طرف معاصرین میں فیضؔ، منیرؔ نیازی اور فرازؔ سے بھی اُن کے مزاج کی لے ملتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔ اِس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اُن کے مطالعے نے انھیں ہمارے عظیم شعری سرچشموں سے سیرابی کا کیسا خوش کن موقع فراہم کیا ہے جو یہ ثابت کرتا ہے کہ وہ اپنی روایت کا شعور ہی نہیں رکھتے بلکہ اس سے جڑے ہوئے بھی ہیں البتہ اس امر کا اظہار بلا تکلف کیا جا سکتا ہے کہ انھوں نے اِن اساتذہ کا اثر احساس کی سطح پر تو ضرور قبول کیا لیکن لہجہ اپنا بنایا ہے اور جذبہ واحساس کی رَو بھی اُن کی ذاتی ہے۔ عزیز احسن نے اپنی شاعری میں بالعموم اور نعتیہ شاعری میں بالخصوص اپنی تہذیب، تعلیم اور سیرت و کردارِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے رنگ اور روشنی حاصل کرنے کا خاص اہتمام کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے ہاں شعر کا رچاؤ ہی اپنی طرف متوجہ نہیں کرتا، بلکہ اُس کی فکری اور علمی جہت بھی قلب و نظر پر اثرات مرتب کرتی ہے اور یوں پڑھنے والے کے باطن میں بھی چراغ روشن ہوتے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر عزیز احسن نے اپنے کسی شعری مجموعے پر کوئی مضمون شامل نہیں کیا صرف ان مجموعوں کے مرتبین کی آرا ہی شاملِ کتاب رہیں۔ اس کلیات میں بھی وہی تحریریں شامل ہیں مگر میں نے عزیز احسن کی نعتیہ شاعری پر مختلف رسائل و جرائد میں شائع ہونے والے بعض اہم مضامین کو بھی شامل کر لیا ہے تاکہ عصری ادبی منظر نامے کی یہ گواہیاں بھی محفوظ ہو جائیں اور عزیز احسن کی بہتر تفہیم کا ذریعہ ثابت ہوں۔

مجھے امید ہے عزیز احسن کا یہ نعتیہ کلیات نہ صرف پڑھنے والوں کے لیے لطفِ مطالعہ کا حامل ہوگا، بلکہ اِس شاعری کے فکری، فنی اور لسانی پہلو بھی اہلِ ذوق کی توجہ حاصل کریں گے اور اہلِ نظر کو سنجیدہ اور فکر افروز مطالعات کی دعوت دیں گے۔

○❖○

خاور اعجاز

"نور نہایا رستہ" از: جلیل عالیؔ

عقائد کی پختگی اور ذاتِ باری تعالیٰ سے تعلق کو فروغ دیتی ہُوئی عالیؔ کی حمد کسی انمول خزینے سے کم نہیں جو دل پر رقت طاری کرتی اور شرمساری کے احساسات کو اُبھارتی ہے۔ وہ اِن جذبوں کی بیداری سے ربِ عظیم کے دَر سے کچھ لے کر لوٹنے کے متمنی نظر آتے ہیں۔ اُن کی حمد جہاں اُن کے الفاظ کا رشتہ براہِ راست خالقِ کائنات سے جوڑتی اور فکر کے آفاق کو وسیع کرتی وہاں پڑھنے والوں کو بھی روحانی لطافتیں بخشتی ہے، اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین و اعتقاد کو مستحکم کرتی، خدا شناسی کے مرحلوں سے آشنائی بہم پہنچاتی، خالقِ کائنات کی عظمت و جلالت بیان کرتی، انسان سے اُس کی بے پایاں محبت کی ترجمانی کرتی اور کائنات کی تغیر پذیری کے ساتھ اُس کے خالق کی ہر آن نئی شان کے ساتھ جلوہ گری اور نت نئی صورت گری کا احاطہ کرتی ہے۔

حمد کی طرح نعت گوئی بھی عالیؔ کے سوزِ دروں کا کیف آور اظہار ہے تاہم متعدد شعرا کی طرح اُن کا جذب و شوق حدِ ادب سے باہر نہیں نکلتا اور عجز و انکسار اور طاعتِ رسولؐ کے دائرے میں رہتا ہے۔ وہ سیرت اور اخلاقِ حسنہ کے مضامین کو اعتدال کے ساتھ برتتے ہیں جن سے اخلاص و محبت کی مہک آتی ہے اور الفاظ شمعوں کی طرح روشن نظر آتے ہیں۔ اُنھوں نے نعت گوئی میں حدودِ شرعیہ کا خیال رکھا، تغزل کے مضامین سے شعر کو محفوظ رکھا ہے اور غلو سے کام نہیں لیا بل کہ اِس کی جگہ سیرت اور محاسن کو سامنے رکھا ہے۔ اُنھوں نے آنحضرتؐ کے انسانی ہمدردی، مساوات اور حسنِ عمل کے پہلوؤں کو بطورِ خاص موضوع بنایا ہے۔

مرثیہ اور سلام کی ابتدا تو غالباً دکن سے ہُوئی لیکن پھر اہلِ دہلی اور بعد ازاں اہلِ لکھنو نے اِن اصناف کو فنی اور موضوعاتی وسعت عطا کی۔ جلیل عالیؔ نے سولھویں صدی عیسوی میں قائم ہونے والی اِس ادبی روایت کو اکیسویں صدی کے فکری چراغوں سے روشن تر بنایا ہے۔ اُن کے ہاں یہ روایت محض معرکۂ حق و باطل نہیں بلکہ اعلیٰ اخلاقی معیارات کی ترجمان بھی ہے۔ واقعۂ کربلا حق پرستی کی تحریک ہے جس پر خون کی گواہی ثبت ہے، اُس خون کی گواہی جس کی تابندگی وقت کے ساتھ مزید بڑھتی اور ہر عہد میں ایک نئی چمک کے ساتھ نمودار ہوتی ہے۔ عالیؔ نے کربلا کے واقعات، متعلقات اور جزئیات کو عہدِ نو کے استعاراتی نظام کے ساتھ مربوط کر کے پیش کیا ہے جس سے یہ خوبی پیدا ہوگئی ہے کہ صدیوں پیشتر رونما ہونے والے ظلم و جبر کے اِس واقعہ کی عکاسی عہدِ حاضر میں حق و صداقت کے لیے نبرد آزما طبقوں کی بھی ترجمان ہوگئی ہے۔ یوں کربلا کی تحریک عالیؔ کے تفکر سے فیض یاب ہو کر نہ صرف ملتِ اسلامیہ کی حریت پسندی کی علامت بنی بلکہ '' تا قیامت قطعِ استبداد کرد۔ موجِ خونِ اُو چمن ایجاد کرد '' کے مصداق پوری نسلِ انسانی کے واسطے بنائے لا الہ اور سامراجی قوتوں سے ٹکرا جانے کا حوصلہ اور عزم فراہم کرتی ہے۔" ○❖○

عبدالرشید فدا راجوروی (راجوری۔ جموں وکشمیر)

ڈاکٹر شمس کمال انجم کا نعتیہ مجموعہ: "بلغ العلیٰ بکمالہٖ"

مجھے برادر محترم ڈاکٹر شمس کمال انجم صاحب (صدر شعبہ عربی، بابا غلام شاہ بادشاہ یونیورسٹی، راجوری، جموں کشمیر) کے نعتیہ مجموعہ "بلغ العلیٰ بکمالہٖ" کو لفظ لفظ پڑھنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ نعت گوئی بخششِ خدوندی ہے۔ عقیدہ، ایمان اور عقیدت کی پُرخار راہوں سے یہ سفر ہوتا ہے۔ نعت گوئی مشکل صنفِ سخن ہے کیونکہ عقیدتی، ایمانی اور انتہائی اخلاص مندی کا یہ بیان ذرا سا راہ راست سے دور ہو تو دنیا کیا عاقبت برباد ہونے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

حضور اقدس صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی ذاتِ گرامی تخلیق کائنات کا بے مثال شاہکار ہے۔ آپ کی پاک سیرت کی مختلف ابعاد کا فی زمانہ احاطہ اقور ادراک ناممکن اگر نہیں تو مشکل ضرور ہو گیا ہے کیونکہ آج کے زمانی اورعصری علوم واطلاعات نے انسانی ذہنوں کو پراگندہ ہی نہیں ماؤف کیا ہے۔ دماغوں پر مادی کوائف وحقائق اور مفادات کی موٹی دبیز تہہ اس طرح بچھا دی گئی ہے کہ روحانی بصیرت و بصارت کے سارے سرچشمے عام انسانی نظروں سے اوجھل ہو گئے ہیں۔

افراط وتفریط بیانات میں علماء حضرات نے بھی انسانی اور ربانی حدود کا ادراک کئے بغیر اتنا اظہار عقیدت کیا کہ انبیاء علیہم السلام کی ذات بابرکات دیومالائی قصص معلوم ہونے لگیں۔ اس طرح عقیدتی افراط اور حقیقی تفریط کا سا مقام پیدا ہوا۔ نعت مقامِ حضور مرتبہ حضور منشاء حضور اور اس مقدس منصوبے کی تکمیل واظہار کا نام ہے جسے حضورِ انور صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے ساری عمر اپنایا، نبھایا اور آگے بڑھایا۔

ظاہر ہے نعتِ رسول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم شخصیت، سماج، کی رہ گزر سے ہوتے ہوئے آنسرورؐ کی حیات مبارکہ اور آپ کی کلہم زندگی سے مرتب ہونے والے اثرات واحساسات اور جذبہ وعقیدت کا بیان ہے، جسے نعت گو اپنی اُخروی فلاح وفیضان کا وسیلہ سمجھتا ہے۔

ہمارے نعت گو حضرات کے ہاں عقیدتی اظہار کی کثرت ہے اور حدود وقیود سے بے نیازی، ذاتی حد تک یہ روش شاید انہیں راس ہو لیکن عقیدہ، نبوت، رسالت، الٰہیات کی باریک اور مشکل راہوں پر چلنا اتنا آسان نہیں ہے۔ ہمارا علم مختصر ہے، عقیدے ناپختہ اور فہم وفراست واجبی، اس لیے لرزشیں اور

لغزشیں ہر وقت ممکن رہتی ہیں۔ خدا ہماری رہبری فرمائے۔

برادر محترم ڈاکٹر شمس کمال انجم صاحب کا یہ نعتیہ مجموعہ ہمارے یہاں کی عام روشِ بیان سے ہٹ کر ہے۔ ایک راسخ العقیدہ مسلمان کے سینے میں دھڑکتا دل اور دل میں حرارتِ ایمانی، جذبہ اور عقیدہ کی یہ آمیزش ظاہر ہے -- نہ افراط ہے نہ تفریط -- بلکہ پیغامِ محمدیؐ کی حیات آفریں گونج ہے۔ حیاتِ مبارکہ کی جھلکیاں اور تاریخ انسانی کی ستم رانیاں ہیں اور پھر سینے میں بیدار ایمانی حرارت ہے جو شعری قالب میں نعتیہ انداز میں ڈھل آئی ہے۔ انجم صاحب کی نعوتِ مبارکہ پڑھ کر زندگی کا ایک قرینہ سامنے آتا ہے اور ذکرِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے آداب کی تربیت ہوتی ہے۔ فی الواقعہ حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ مبارکہ پر حصار بند غیر حقیقی اور غیر فطری بیانات کی دبیز تہہ سے چھنتی روشنی میں یہ نعتیں آنجنابؐ کی ذاتِ مبارک کو انسانی بستی میں ایک ملجا و ماویٰ ایک مصلح، ایک دردمند، خداشناس و انسان شناس دنیا کے منفرد ترین، معتبر ترین، معزز ترین اور انتہائی حساس و باریک بین فرد کے طور پیش کرتی ہیں، جسے دو جہان کی بینائی اور علم عطا ہے اور جو خود خیرِ کل ہوتے ہوئے خیرِ کل برپا کرنے کی خاطر ساری عمر عزیز میں مصروفِ عمل رہے صلی اللہ علیہ وسلم۔ جنہوں نے عقلی نقلی علم، زندگی کے معانی اور حیات و ممات کے مفہوم کو آگاہی اور وسعت بخشی اور جن کے افکار کا نہ ہمیں شعور ممکن ہے اور نہ وجدان تا آنکہ ذاتِ خداوندی ہی وسعتِ قلب و نظر دے۔

انجم صاحب کے حق میں نعت گوئی ودیعتِ خداوندی ہے۔ انہوں نے کماحقہٗ حق ادا کیا ہے۔ مدینۂ منورہ کے شب و روز میں رہ کر فیضانِ علم اور نورِ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم حاصل کیا ہے۔ یقیناً ان کا دل وہبی وجدان سے فیضیاب ہے اور کسبی اظہارِ تاریخ، حوادث، احساسات اور شدتِ جذبہ سے سرشار۔ یہ انہی کا حصہ تھا، انہی کو ملا۔ دربارِ رسالتماب صلی اللہ علیہ وسلم سے ہر کسی کو اپنا حصہ ملتا ہے۔ اس اچھی کتاب کے لیے انجم صاحب مبارکباد کے مستحق ہیں اور میں دل کی عمیق گہرائیوں سے ان کو مبارکباد پیش کرتا ہوں۔ ○❖○

تصوّرات

حمد و نعت: اقوالِ زرّیں، افکارِ روشن

[حمد و نعت سے متعلق اصحابِ فکر و دانش کے منتخب اقوال]

نعت کا فن اور اس کے لوازمات و مقتضیات

(مشاہیر کے اقوال و افکار اور آراء کی روشنی میں)

ترتیب : مدیر

ترتیب: مدیر

نعت کا فن اور اس کے لوازمات و مقتضیات

مشاہیر کے اقوال و افکار اور آراء کی روشنی میں

نعت مروجہ اصناف سخن میں ایک نہایت ہی نازک صنف سخن ہے۔اس کی فنی نزاکتوں کا احساس کرتے ہوئے مشاہیر شعراء اور ناقدین نعت نے نعت کے فن اور اس کے بنیادی لوازمات و مقتضیات کی نشاندہی کی ہے۔اس سلسلے میں بعض نعت گو شعراء اور ناقدین نعت کے خیالات درج ذیل ہیں :

''صرف الفاظ سے نعت کا حق ادا نہیں ہوتا، بلکہ جو جذبہ الفاظ کا جامہ قبول کر کے کاغذ پر قابل اظہار بنتا ہے، وہی جذبہ ہے جسے ثنائے بے نقطہ کا نام دیا جا سکتا ہے۔جذبات کا وہ لمحہ ایسا ہوتا ہے کہ کائنات میں دل کی دھڑکن کے سوا کوئی آواز نہیں آتی۔اگر آنسو بھی گرتا ہے تو پہروں روح میں اس کی جھنکار گونجتی رہتی ہے۔اس وقت انسان اور خدا لسانی طور پر ایک سطح پر آ جاتے ہیں، کیونکہ جب کوئی درود پڑھتا ہے تو خدا فرماتا ہے کہ میں بھی درود پڑھتا ہوں۔ دوسرے لفظوں میں نعت کو پیرایۂ درود بھی کہا جا سکتا ہے''۔

احسان دانشؔ (تقریظ جلوہ گاہ از حافظ مظہر الدین ص ۱۳)

❄ ✡ ꕥ ✡ ❄
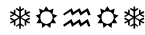
''کہنے کو تو نعت گوئی آسان ہے لیکن غور کیجئے تو اس سے مشکل کوئی صنف نہیں۔ایک طرف شاعر کا فرض ہے کہ آدابِ شریعت کا رشتہ ہاتھ سے نہ جانے دے اور دوسری طرف اس پر لازم ہے کہ لطفِ کلام اور حسن بیان میں فرق نہ آنے دے۔اگر اس میں ذرا بھر لغزش ہوئی تو سمجھئے کہ شاعر کہیں کا نہ رہا۔کلام میں آدابِ رسالت کی رعایت ملحوظ نہ رکھنا یا شعر کا جذباتِ محبت سے معریٰ ہونا، دونوں باتیں ایک اچھے نعت گو شاعر کے لئے نازیبا ہیں''۔

ضیاء احمد بدایونیؔ (تقریظ نغمۂ ربانی از مولوی ضیاء القادری ص ٦)

❄ ✡ ꕥ ✡ ❄
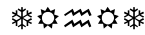
''حقیقتاً نعت شریف لکھنا بہت مشکل کام ہے، جس کو لوگ آسان سمجھتے ہیں۔اس میں تلوار کی دھار

پر چلنا ہے۔ اگر شاعر بڑھتا ہے تو الوہیت میں پہنچ جاتا ہے اور کمی کرتا ہے تو تنقیص ہوتی ہے''۔

علامہ احمد رضاؔ خان بریلوی (الملفوظ حصہ دوم، مولانا احمد رضاؔ خان بریلوی ص ۴)

❋ ✡ ✡ ❋

''نعت گوئی بظاہر بہت آسان معلوم ہوتی ہے لیکن نعت سے زیادہ اور مشکل کوئی دوسری صنف سخن نہیں ہے۔ نعت شیشوں اور آبگینوں کی کارگاہ ہے اور بڑی فکری، فنی اور روحانی ریاضت چاہتی ہے۔ آدابِ نعت کو نبھالے جانا، اس کی نزاکتوں کو نظر میں رکھنا اور اس کی حدود وشرائط کا پورا پورا خیال رکھنا ہر شاعر کے بس کی بات نہیں۔ نعت گوئی کا مقدس راستہ بڑا نازک ہے۔ اگر دینی بصیرت، مومنانہ فقاہت، کمال ہوشمندی اور پوری احتیاط کے ساتھ اس پل صراط کو عبور نہ کیا جائے تو قدم قدم پر لغزش کا امکان ہے۔ اگر عبدیت و نبوت کی شان کے خلاف کوئی بھی لفظ نکل گیا یا الوہیت و رسالت کے فرق کو نظر انداز کر دیا گیا، تو نعت نعت نہیں رہتی اور یہ کارِ ثواب کارِ معصیت بن جاتا ہے''۔

ابوالمجاہد زاہد (لمعات نور حکیم سیوؔہاری ص ۱۵)

❋ ✡ ✡ ❋

''نعت نہایت مشکل صنف سخن ہے۔ نعت کی نازک حدود کو مدنظر رکھتے ہوئے اس کی آفاقیت قائم رکھنا آسان کام نہیں۔ سرکار دو عالم ﷺ کی شانِ اقدس میں ذرا سی بے احتیاطی اور ادنیٰ سی لغزش خیال اور الفاظ اور ایمان و عمل کو غارت کر دیتی ہے''۔

عبدالکریم ثمرؔ (شاخ سدرہ عبدالکریم ثمرؔ ص ۶)

❋ ✡ ✡ ❋

''نعت گوئی کیلئے ایک خاص سلیقہ، الفاظ کی شائستگی، خیالات کی طہارت اور جذبات کی شدت کے ساتھ ساتھ حضور ﷺ سے عقیدت کا ہونا ضروری ہے۔ یہ عقیدت جس قدر گہری اور یہ جذبہ جس قدر شدید ہوگا، اس میں اسی قدر تاثیر ہوگی، اسی قدر روح میں بالیدگی پیدا ہوگی۔''

ثاقبؔ امروہی (انوار رؤف مرتب ساجد امروہی ص ۸۶)

❋ ✡ ✡ ❋

''حقیقت یہ ہے کہ جناب رسالت مآب ﷺ کی تعریف میں ذرا سی لغزش نعت کو حدود کفر میں داخل کر سکتی ہے۔ ذرا سی کوتاہی مدح کو قدح میں بدل سکتی ہے۔ ذرا سا شاعرانہ

غلو ضلالت کے زمرے میں آ سکتا ہے۔ ذراسی عجز بیانی اہانت کا باعث بن سکتی ہے۔''

مجید امجدؔ (دیباچہ بام عرش از منظوم احمد مجورؔ ص ۴)

❁ ✧ ❁ ✧ ❁
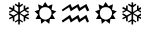
''میرے نزدیک تمام اصنافِ سخن میں نعت گوئی کا میدان سب سے زیادہ نازک اور اہم ہے۔ یہاں کامل ہوش وحواس، کامل احتیاط، کامل محبت وعقیدت اور کامل ادب واحترام کے ساتھ قدم رکھنے کی ضرورت ہے۔ یعنی ع باخدا دیوانہ باش وبامحمدؐ ہوشیار

یہ وہ مقام ہے جہاں ایک لفظ کی مقبولیت مغفرت کا باعث ہو جاتی ہے اور ایک نامعلوم سی لغزش راندہ درگاہ کر دیتی ہے۔ یہاں ان حضرات کو بھی دم مارنے کی اجازت نہیں، جنہوں نے اپنی زندگیاں عبادتِ الٰہی میں صرف کر دیں۔ ع: نفس گم کردہ می آید جنید وبایزید اینجا

قمر مرادآبادی (لمحات نور از حکیم سیوہاری (مقدمہ) ص ۱۶)

❁ ✧ ❁ ✧ ❁
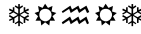
''نعت کے موضوع سے عہدہ برآ ہونا آسان نہیں۔ موضوع کا احترام، کلام کی بے کیفی وبے رونقی کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ نقاد کو نعت گو سے باز پرس کرنے میں تامل ہوتا ہے۔ دوسری طرف نعت گو کو اپنی فنی کمزوری چھپانے کے لئے نعت کا پردہ بھی بہت آسانی سے مل جاتا ہے۔ شاعر ہر مرحلہ پر اپنے معتقدات کی آڑ پکڑتا ہے اور نقاد جہاں کا تہاں رہ جاتا ہے۔ لیکن نعت گوئی کی فضا جتنی وسیع ہے، اتنی ہی اس میں پرواز مشکل ہے۔''

ابواللیث صدیقی (لکھنو کا دبستان شاعری ص ۵۴۴)

❁ ✧ ❁ ✧ ❁
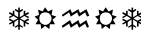
''بارگاہِ مصطفٰی محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم میں جنیدؒ وبایزیدؒ ہی نہیں، الفاظ بھی نفس گم کردہ نظر آتے ہیں۔ شرط صرف یہ ہے کہ یہ شعور کامل جسے نفس گم کردگی سے تعبیر کیا گیا ہے، شاعر کی ذات میں موجود ہو۔''

پروفیسر ابوالخیر کشفیؔ (ورفعنا لک ذکرک از ابرار کرتپوری ص ۳)

❁ ✧ ❁ ✧ ❁
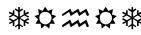
''نعت کا فن بظاہر آسان مگر بہ باطن مشکل ترین ہے۔ ایک طرف وہ ذات گرامی ہے، جس کی مدح رب العالمین نے خود کی ہے اور اس کو ''نور اور مثل بشر'' کہا ہے۔ دوسری طرف زبان اور شاعری کے جمالیاتی تقاضے ہیں''۔

پروفیسر عنوانؔ چشتی (ورفعنا لک ذکرک از ابرار کرتپوری ص ۴)

❄ ☼ ⁂ ☼ ❄

''نعت گوئی کا راستہ پل صراط سے زیادہ کٹھن ہے۔ اس پر بڑی احتیاط اور ہوشمندی سے چلنے کی ضرورت ہے۔ اس لئے اکثر شاعروں نے نعت کہنے میں اپنی بے بسی کا اظہار کیا ہے۔ جس ہستی پر خدا خود درود بھیجتا ہے، انسان کی کیا مجال کہ اس کی تعریف کا احاطہ کر سکے''۔

پروفیسر اے ڈی نسیم (اردو شاعری کا مذہبی اور فلسفیانہ عنصر، ڈاکٹر اے ڈی نسیمؔ ص ۲۹۱)

❄ ☼ ⁂ ☼ ❄

''نعت ایک نہایت مشکل مضمون ہے اور اس میں کیف واثر محض عطیہ خداوندی ہے"۔

پروفیسر نثار احمد فاروقیؔ (ورفعنا لک ذکرک ص ۲)

❄ ☼ ⁂ ☼ ❄

''نعت رسول صلی اللہ علیہ وسلم خود ایک موضوع ہے کہ جس کا ارادہ کرتے ہی شاعر مجاہد و زاہد بن جاتا ہے اور اس زمرے سے نکل جاتا ہے، جو خیالات کی وادیوں میں گم کردہ راہ شاعروں کا زمرہ ہے''۔

ڈاکٹر سید اسعد گیلانی (تقریظ ''بحضور خاتم الانبیاء'' از راغب مراد آبادی ص ۴)

❄ ☼ ⁂ ☼ ❄

"ایک شاعر نظمیں اور غزلیں تو بہت لکھ سکتا ہے لیکن اگر اس کے دل میں محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی چمک موجود نہیں تو اچھی اور کیف انگیز نعت وہ کبھی نہیں لکھ سکتا۔ اس میں صرف وہی لوگ کامیاب ہوتے ہیں جنہوں نے اپنے دل محبت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سرشار کئے ہوئے ہیں، اپنی فکر و نظر کی تربیت کی ہے اور قلب و روح کو احتیاط و اقرار کا خوگر بنایا ہے۔ ورنہ جذبات ہمیشہ دامنِ احتیاط چھوڑ کر ادھر ادھر نکل جانے کے عادی ہیں۔''

شورش کاشمیریؔ (''چٹان'' لاہور ۶ نومبر ۱۹۶۷ء، ص ۱۷)

❄ ☼ ⁂ ☼ ❄

نعتیہ شاعری میں جذبۂ عشق اور عقیدت بنیادی محرک کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ مسلمان کے ذہنی اور روحانی رشتوں میں قوی ترین رشتہ وہی ہے جو ہر مسلمان کے لئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے وابستگی کا ضامن ہے اور یہ ہی نعتیہ شاعری کا محرک حقیقی ہے۔''

پروفیسر ظہیر احمد صدیقی (ورفعنا لک ذکرک از ابرار کرتپوری ص ۲)

❊☼ ⁂ ☼❊

"اردو میں والہانہ نعتیہ شاعری اور نعتیہ نغموں کی بڑی دلآویز کڑیاں ملتی ہیں۔ اچھا شاعر اچھی فکر کے ساتھ جنم لیتا ہے جس کے سوتے کبھی خشک نہیں ہوتے۔ یہ سرچشمہ آبِ حیات کی طرح امر ہے کہ اس کا تعلق عشقِ رسولؐ سے ہے۔"

ڈاکٹر تنویر احمد علوی (و رفعنا لک ذکرک ص ۴)

❊☼ ⁂ ☼❊
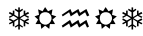
"نعت لکھنے کے لئے والہانہ پن تو ایک بنیادی شرط ہے، مگر جہاں یہ والہانہ پن دیوانہ پن سے آلودہ ہوتا ہے وہاں نعت صحیح معنوں میں نعت نہیں رہتی، بلکہ ایک نعتیہ آشوب سا بن کر رہ جاتی ہے"۔

احمد ندیم قاسمیؔ (ذکر خیر الانامؐ از حنیف اسعدی ص ۳)

❊☼ ⁂ ☼❊
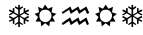
''جہاں تک رسول اکرم ﷺ کی نعت کا تعلق ہے، دنیا میں کوئی انسان اس سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا ہے۔ کیونکہ خالق کائنات جس کی تعریف وتوصیف خود کرے، تو انسان کی کیا مجال کہ اس پر قلم اٹھائے یا زبان کھولے۔ رہی ہماری نعت گوئی یہ تو عظمتِ رسول ﷺ کا اعتراف اور رحمۃ للعالمینؐ کی عطا کے لئے خالق کائنات کی شکر گزاری ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس اعتراف اور شکر گزاری میں جو جہاں تک پہنچا، وہی اس کا مقام عشق ومحبت ہے۔''

احسان دانش (خاص اشاعت ''سیارہ'' لاہور ۱۹۸۵ء ص ۱۲۸)

❊☼ ⁂ ☼❊
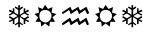
''صاحبِ عمل وہی ہوتا ہے جسے اپنے ممدوح سے عشق ہو، اکابرین علم نے اہل عشق کی پہچان یہ بتائی کہ اپنے محبوب کے اعمال واقوال کے سانچے میں خود کو ڈھال لیتے ہیں۔ انہیں صرف وہی پسند ہوتا ہے، جو ان کے محبوب کو پسند ہو اور اسے جو کچھ پسند نہ ہو، عشاق بھی پسند نہیں کرتے۔ ان کے محبوب نے جو حکم دیا ہو، اس کی تعمیل میں وہ جان بھی نذر کر سکتے ہیں۔''

سید رفیق عزیزیؔ (ذکر صلی علی از خالی القادری ص ۱۰)

❊☼ ⁂ ☼❊
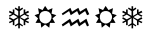
''نعت لکھنے کے لئے حضرت رسالت مآب ﷺ سے عقیدت کے ساتھ ساتھ محبت بھی ایک بنیادی شرط ہے۔ آپ ﷺ سے عقیدت تو بہت سے غیر مسلموں کو بھی رہی ہے اور

انہوں نے اچھی نعتیں کہی ہیں، مگر محبت اور ہی چیز ہے۔ع

یہ وہ نازک حقیقت ہے جو سمجھائی نہیں جاتی''

شبنم رومانیؔ (ذکر خیر الانامؐ از حنیف اسعدی ص ۱۷۰)

❊ ☼ ﷽ ☼ ❊

''نعت گوئی کے لئے حضور رسالت مآب ﷺ کی ذات سے بے پناہ عشق کی ضرورت ہے۔ شعر کا حسن و اثر اسی عشق سے پیدا ہوتا ہے۔''

علامہ احمد رضاؔ خان بریلوی (کلام رضاؔ ص ۱۰)

❊ ☼ ﷽ ☼ ❊

ڈاکٹر سید عبداللہ نے نعت کو ''سرتا سر کاروبارِ محبت'' سے تعبیر کیا ہے اور محبت بھی ایسی جس کی وجہ سے اپنے محبوبؐ کی ایک ایک بات پیاری لگتی ہے۔ اشفاق احمد نعت کو صنفِ سخن کی بجائے ''تعلق، رابطے اور گزارش احوال کا ایک ذریعہ'' کہتے ہیں، جس سے ''معمولی غلام آقائے دوجہاں کی کائناتِ کرم سے دامن بھرنے کے لئے اپنا رخ متعین کرتے ہیں۔''

ڈاکٹر سید عبداللہ (ورفعنا لک ذکرک ز راجہ رشید محمودؔ ص ۱۲۳)

❊ ☼ ﷽ ☼ ❊

''نعت شاعری کی مشکل ترین صنف ہے۔ عام شاعر شعر نگاری میں آزاد ہوتا ہے کہ جیسے چاہے، جولانیاں دکھائے۔ لیکن نعت میں معاملہ اور بھی نازک ہوجاتا ہے کیونکہ یہاں جنیدؔ و بایزیدؔ بھی نفس گم کردہ آتے ہیں اور بقول ماہر مرحوم دوہرے رجحانات میں کشمکش ہوتی ہے۔

اک سمت محبت ہوتی ہے

اک سمت شریعت ہوتی ہے

ناعت اگر دو طرفہ تقاضوں میں سے کسی کو مجروح کر جائے تو پھر نعت نعت نہیں رہتی۔ یا وہ بے جان ہوجائے گی یا سروش غلط آہنگ ہوجائے گا۔ خدا اور رسول ﷺ دونوں کے مقام اور حقوق کو الگ الگ پہچاننا ضروری ہے۔ محبت کو شریعت کے پل صراط پر سے گذرنا پڑتا ہے۔''

نعیمؔ صدیقیؒ (نور کی ندیاں رواں ص ۱۰)

❊ ☼ ﷽ ☼ ❊

''اللہ اور اس کے رسول ﷺ دونوں کی ہستیاں برگزیدہ ہیں۔ اس لئے شاعر کے لئے

دونوں کے مرتبے اور ان کے درمیان امتیازی فرق کو پیش نظر رکھنا ضروری ہے۔ یہ ایسی نازک منزل ہے جو ذراسی بے احتیاطی سے شاعر کی تمام فکری کاوشوں اور شعری ریاضتوں کا خون کر دیتی ہے''۔

ڈاکٹر کلیم سہسرامی (زادسفر از علقمہ شبلی تقریظ ص ۶)

❄ ✡ ~ ✡ ❄
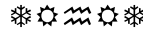
''مرسِل اور مرُسَل کے درمیان جو فرق ہے، اسے ہر حال میں ملحوظِ نظر رکھنا شاعر کے لئے ازبس ضروری ہے۔نعت میں مبالغہ اور غلو بلکہ کسی نوع کی افراط وتفریط کی کوئی بھی گنجائش نہیں۔ یہاں تو لفظوں، تشبیہوں اور استعاروں کے لئے انتخاب میں بھی انتہائی احتیاط کی ضرورت ہے''۔

ڈاکٹر فرید الدین بقائی (بحضور خاتم الانبیاء از راغب مرادآبادی، تقریظ ص ۹)

❄ ✡ ~ ✡ ❄
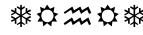
''نعتِ حبیبِ رب العٰلمین کہنا کوئی معمولی بات نہیں۔ اس مقام پر بڑے بڑوں کی رفتارِ گویائی اور پرواز وافکار دم بخود ہو جایا کرتی ہے۔ کیونکہ نعت گوئی میں فنی پابندی کے ساتھ احترام نبوت و آداب رسالت کا پاس و لحاظ رکھنا سخت اور نہایت سخت ہے۔ یہاں ہلکی سی لغزش بھی شاعر کے لئے روسیاہی کا دروازہ کھولنے کو دست بستہ ہمہ دم تیار کھڑی رہتی ہے''۔

صابر قادری (انوار معرفت از حماد احمد صابر قادری ص ۵)

❄ ✡ ~ ✡ ❄
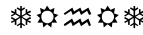
''(نعت گوئی کی) راہ میں چلنا ہر ایک کا کام نہیں۔ خاردار جھاڑیوں سے دامن بچا کر گزرنا آسان نہیں ہے۔ اس راہ کا مسافر ایک ہلکی سی ٹھوکر میں کہیں کا نہیں رہتا۔ اگر آدابِ نبوت کے خلاف ایک لفظ بھی نوکِ قلم پر آ گیا، تو شاعر کی مٹی پلید ہوتی ہے۔ یہاں تو ہر بات نپی تلی کہی جاتی ہے''۔

علامہ مشتاق احمد نظامی (والضحیٰ از بیکل اتساہی، تقریظ ص ۱۹)

❄ ✡ ~ ✡ ❄
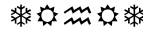
''نعت میں وہی ذکر ہونا چاہیے، جو خدا کے نبیؐ کے لئے شایان ہے اور جس کے پڑھنے اور سنانے سے لوگوں پر روحانی اور اخلاقی اثر پڑے اور معلوم ہو کہ کمال بشریت اسے کہتے ہیں، نہ یہ کہ تمام نعتیہ قصائد سننے کے بعد دل پر یہ اثر ہو کہ کسی شاہد رعنا، خوش رو، خوش اندام، نازک بدن کی تعریف ہے''۔

بابائے اردو مولوی عبدالحق (چند ہم عصر، مولوی عبدالحق ص ۳)

❋☼⁂☼❋
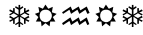
''عام نعت گو شعراء جس طرح رسول اکرم ﷺ کو معشوق نازنین فرض کرکے آپ ﷺ کے سراپا کی تفصیل بیان کرتے ہیں اور آپ ﷺ کے جسد عصری بلکہ اعضائے مبارک کی تعریف کرتے ہیں، یہ اندازِ کلام ناپسندیدہ اور سوءِ ادب کا پہلو لئے ہوئے ہے۔ آنحضور ﷺ کے شمائل ومحاسن بیان کرتے وقت وقار و متانت اور تعظیم وتقدیس کی روش اختیار کرنی چاہیے''۔

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (رسول نمبر ''محدث'' لاہور ۱۳۹۶ھ ص ۳۹)

❋☼⁂☼❋
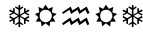
''نعت کا جو طرز ہمارے شعراء نے اختیار کیا ہے، وہ بہت قابل اصلاح ہے۔ ہمارے ہاں شاعری کی بنیاد غزل پر سمجھی گئی ہے، جو ایک لحاظ سے کمترین قسم شعر ہے۔ اس لئے تغزل کا رنگ کچھ ایسا جما کہ ہر جگہ جا و بے جا اس کی جھلک نظر آتی ہے۔ بھلا نعت میں زلف و کمر، خال وخط سے کیا تعلق؟''

مولوی عبدالحق (چند ہم عصر، مولوی عبدالحق ص ۴)

❋☼⁂☼❋
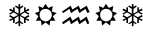
''اردو میں ایسے شعراء کی تعداد کثیر ہے جنہوں نے حضور ﷺ کے کاکل ورخ، جبین وچشم، دست و بازو، گردن وسینہ وغیرہ کے نفائس کو رواں رواں گنوا کر بیان کرنے کی کوشش کی ہے۔ یہ کیفیت عام غزلیہ شاعری میں بھی قرین متانت نہیں جانی جاتی، چہ جائیکہ ذکر حضور پُرنور جناب رسالتمآب ﷺ کا ہو۔''

پروفیسر مرزا محمد منور (ذکر خیرالانام از حنیف اسعدی (تقریظ) ص ۱۷)

❋☼⁂☼❋
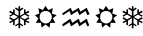
''کوئی بندہ فی الحقیقت محمدیؐ حقیقت کو کس طرح پا سکے اور کس طرح معرض اظہار میں لا سکے۔ خدائے محمدؐ ہی ان کا مرتبہ دان ہے اور بس حال یہ ہے کہ خدا شہر محمدؐ کی قسم کھائے اس لئے کہ محمدؐ وہاں اقامت یاب ہیں اور کسی پیغمبر کے شہر یا بستی کی قسم خدا نے نہ کھائی۔ خدا نے سب پیغمبروں کو ان کے نام لے کر خطاب کیا مگر محمد مصطفیٰ کو یاایہاالنبی، یاایہاالرسول، یاایہا المزمل، یاایہاالمدثر، یٰس، طٰہٰ، کہہ کر مخاطب فرمایا، بلکہ رسولؐ کو رؤف ورحیم کا لقب دے کر

اپنا ہم لقب بھی بنا دیا۔"

پروفیسر مرزا محمد منور(ذکر خیر الانام، حنیف اسعدیؔ(تقریظ (ص ۱۲)

❊ ✡ ﷽ ✡ ❊
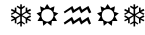
"دراصل نعت ہے ہی شانِ رسالت ﷺ کا ادب و احترام۔ احترام وہ نقطۂ مستنیر ہے، جہاں سے صنفِ نعت کے جملہ لوازمات کی شعاعیں پھوٹتی ہیں اور اسی نقطہ پر اس کے مقتضیات کے تمام دھارے آکر سمٹتے ہیں۔ ایک اعتبار سے نعت کی تخلیق میں رسول اکرم ﷺ کا احترام ہی سب کچھ ہے۔ باقی لوازماتِ نعت دراصل اسی کی مختلف شکلیں اور تفسیریں ہیں"۔

ڈاکٹر ریاضؔ مجید(اردو میں نعت گوئی، ریاض مجیدؔ ص ۳۱)

❊ ✡ ﷽ ✡ ❊
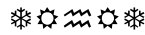
"نعت لکھنے والے کا مرتبہ انسانی اکتسابات کی معراج ہے۔ اس کا ہر سانس دیدارِ حبیبؐ کی منزل ہے۔ وہ فرشتوں کا ہم زبان ہے اور تمام ارواحِ مبارکہ کا ہم نوا ہے۔ اس کی زبان پر اس کی مدح ہے، جس کی مدح خود ذاتِ باری نے کی ہے۔"

مجید امجدؔ(بامِ عرش، سید منظور احمد مجورؔ ص ۴)

❊ ✡ ﷽ ✡ ❊
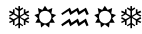
ما ان مدحت محمداً بمقالتی

لٰکن مدحت مقالتی بمحمد

ترجمہ: میں نے اپنے کلمات سے محمدؐ کی مدح نہیں کی بلکہ محمدؐ کے طفیل اپنے کلمات کی مدح عرض کی ہے اور اپنے شعروں کو لائق مدح بنالیا ہے۔

حضرت حسان بن ثابتؓ

❊ ✡ ﷽ ✡ ❊
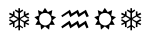
"نعت در حقیقت وزن و بحر اور قافیہ و ردیف کی حد بندی میں موزونیت الفاظ، سلاستِ زبان اور چستیٔ بندش کے ساتھ عشق رسولؐ کی نغمہ سنجی اور ترانہ سرائی کا نام ہے۔ اس لئے اس میں صداقتِ مضمون، واقعیتِ مفہوم اور حسنِ محاکات کے سوا رنگینیٔ خیال اور ندرتِ تخیل کی کوئی گنجائش نہیں۔ اربابِ سخن نے مضمون شعر کی اصلیت کو محاسن شعری میں سب سے زیادہ اہمیت کا درجہ اور اولیت کا رتبہ دیا ہے۔ لیکن اس کے مفہوم کو اتنی وسعت دی ہے کہ حقیقت

نفس الامری کی حدود و قیود سے تجاوز کر کے امکانِ عقلی، تصورِ شعری اور مسلماتِ شعری کو ہی اس میں شامل کر دیا ہے۔ نعت کی نزاکت اصلیتِ مضمون کی اس وسعت کی متحمل ہی نہیں اور حقیقت نفس الامری اور واقعیت متعینہ سے سرِ مو انحراف کرنا، یہی مسلک نعت گوئی میں ضلال مبین، حرام قطعی اور گناہ کبیرہ کی حیثیت رکھتا ہے۔''

ریاض الحسن (شعری حسن اور کلام رضا ریاض الحسن ص ۱۷)

❄ ✡ ✡ ❄

''شریعت اسلامیہ میں چونکہ حدود کی رعایت کی بہت زیادہ اہمیت ہے، لہٰذا نعت گوئی میں جھوٹ کی تو بالکل گنجائش نہیں اور ایسا مبالغہ جو حدود چھوٹ میں شامل ہو، وہ بھی جائز نہیں۔ تشبیہہ و استعارہ کلام میں استعمال کر لیا جائے، تو اس کی گنجائش ہے۔''

مفتی محمد شفیعؒ (''رسول مقبول نمبر'' محدث لاہور ص ۲۰۷)

❄ ✡ ✡ ❄

''صرف نعت ہی نہیں، ہر طرح کے کلام میں مبالغہ صرف اس حد تک جائز ہے کہ اس کے پیچھے یا اس کے نیچے اصل حقیقت بالکل چھپ کر یا دب کر نہ رہ جائے، بلکہ سامع و قاری بآسانی سمجھ لے کہ حقیقت نفس الامری کیا ہے، جسے مبالغے کے رنگ میں بیان کیا گیا ہے۔ مثال کے طور پر یہ شعر ؎

حُسن یوسفؑ، دمِ عیسیٰؑ، یدِ بیضا داری
آنچہ خوباں ہمہ دارند تو تنہا داری

اس شعر کے پہلے مصرعہ میں مبالغہ تو ہے لیکن دوسرے مصرعہ نے واضح کر دیا ہے کہ مقصود کلام یہ ہے کہ ہمارے نبیؐ کے معجزات وصفات میں جامعیت اور ہمہ گیری تھی۔ دوسرا شعر یہ ہے ؎

کیا شان احمدی کا چمن میں ظہور ہے
ہر گل میں ہر شجر میں محمدؐ کا نور ہے

اس شعر میں ایسا مبالغہ ہے، جس کی اجازت ذاتِ باری کی شانِ وحدانیت وخلاقیت نہیں دیتی اور اس کے ڈانڈے شرک سے جا ملتے ہیں۔''

سید ابوالاعلیٰ مودودیؒ (''رسول مقبول نمبر'' ''محدث'' لاہور ص ۲۰۸)

❄ ✡ ✡ ❄

''مبالغہ اگر حدودِ شریعہ سے تجاوز نہ کرے تو گنجائش ہے۔ وہ مبالغہ جو کفر و شرک اور صریح

جھوٹ پر مشتمل ہو، کسی حال میں درست نہیں''۔

علامہ محمد یوسفؔ بنوری (''رسول مقبول نمبر'' ''محدث'' لاہور ص۲۰۹)

❄✡ ✡❄
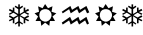
''مبالغہ ایسا جائز نہیں جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مقامِ نبوت اور مقامِ رسالت سے اٹھا کر الوہیت کی حدود میں داخل کر دیا جائے۔ باقی مقامِ رسالت کے اندر ہر قسم کی تعریف جائز ہے''۔

حافظ محمد گوندلوی (''رسول مقبول نمبر'' ''محدث'' لاہور ص۲۰۹)

❄✡ ✡❄
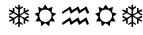
''نہ غلو کی گنجائش ہے اور نہ مبالغہ آرائی کو دخل ہے۔ اس راہ میں منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے پاسِ ادب، سلامت روی اور اعتدال شرط اولین ہے''۔

ساجدؔ صدیقی (نغمۂ فردوس، ساجد صدیقی ص۹)

❄✡ ✡❄
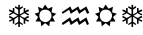
''کمال سخن وری اور نفس مضمون کے لحاظ سے کمال آگہی درکار ہے اور پھر ان دونوں چیزوں کو جِلا جس چیز سے ملتی ہے، وہ عشق کا سرمدی جذبہ ہے، جو لفظوں کو تجلیات سے بھر دیتا ہے اور معانی میں وسعتیں سمو دیتا ہے، یوں نعت ایک مقدس آزمائش ہے۔ بیانِ عقیدت کی رو سے جوہر ایمان کی آزمائش اور غایتِ غایات کی جستجو کے ضمن میں قوتِ ادارک کا امتحان۔ نعت گو کو فکر لامحدود کی حدیں متعین نہیں ہیں۔ وہ قدم قدم پر نصِ قرآنی کا پابند ہے۔ اس کا ہر لفظ سرشار احترام بھی ہے۔ احتیاط کی قدغن یہ کہ کہی گئی بات قرآن حکیم کے ارشاد کے مطابق ہو اور احترام کا تقاضا یہ کہ مدح مرتبۂ رسالت کی حقیقی سطح پر فائز ہو۔ جب تک زمان و مکان کے رموز، جس طرح کہ وہ کلام الٰہی سے منکشف ہیں، اس کی نگاہ میں نہ ہوں، اس کا بیان ناتمام اور اظہار نارسا ہے۔ نعت ان ذی فضیلت لوگوں کا منصب ہے جن کی عمر عزیز معانی قرآن کو پرکھنے اور اسوۂ رسولؐ کو اپنانے میں صرف ہوئی ہو اور جو اس روحانی سفر کے دوران پیش آنے والے واقعات کو شعری اظہار کی منزلوں تک پہنچا سکیں۔''

مجید امجدؔ (بام عرش، سید منظور احمد مہجورؔ؛ تقریظ ص ۴)

❍❖❍

تخیّلات

حمد و نعت: حمد و ثنائے ساقیٔ ازل،

مدح و ثنائے ساقیٔ کوثرؐ

[شعرائے کرام کا منظوم حمدیہ و نعتیہ کلام]

حمدومناجات: علیم صبا نویدی// سلطان الحق شہیدی//مسعود ساموں// ڈاکٹر ریاض مجید// ڈاکٹر شبیب رضوی// ذوالفقار نقوی// ریاض حسین چودھری// شرف الدین ساحل// احمد سلمان اشرف// شاذ تمکنت// صبآ اکبرآبادی// رفیق راز// رخسانہ جبیں// مشاہد رضوی// حکیم فاروق اعظم// صائمہ جبین مہک// بابر حسین بابرؔ// تنویر پھول// ڈاکٹر محبوب راہی// قاضی رؤف انجم// افتخار راغب// فدآ راجوروی// ڈاکٹر ذوالفقار علی دانش// خان حسنین عاقب

نعت و مدحت : علیم صبا نویدی // سلطان الحق شہیدی// مسعود ساموں// ذوالفقار نقوی// ڈاکٹر شبیب رضوی// سیّد رضا مرحوم// رخسانہ جبیں// مظفر ایرج// ڈاکٹر نذیر آزاد// فدآ راجوروی// صائمہ جبین مہک// مصطفیٰ دلکش// ابوالحسن خاور// سیّد اولادرسول// ڈاکٹر ذوالفقار علی دانش// عائشہ ناز// علی شیدآ// میر امتیاز آفریں// فردوس فاطمہ اشرفی// از ہر مدنی// ابوالمیز اب محمد اویس آبؔ// پرویز اشرفی// فاضل میسوری// عروس فاروقی// مشتاق کاشمیری// مشتاق فریدی// احمد جمیل// سجاد بخاری// محتشم احتشام// رفیع سرسوی// شمشاد شاد// عبدالغنی بیگ اطہرؔ// مزمل ابن عبداللہ// خان حسنین عاقبؔ// بابر حسین بابرؔ// ریاض انزنو

کشمیری میں حمدیہ ونعتیہ کلام: پروفیسر مرغوب بانہالی// رفیق راز// علی شیدا// اظہار مبشر// ناصر مسرور// فہیم عرفانی// غازی محمد شعبان// منیر سرائے بلی// حاجی بشیر// محمد یوسف عاجز// غلام حسن درویش// عابد اشرف// مقبول فایق// ایم سلطان سالک// فدآ راجوروی// طفیل شفیع

علیم صبؔا نویدی (چینئی-تامل ناڈو)

حمد ربِّ ذُوالجلال

(1)

دھڑکنوں کو نور دینے والا تو
سب سے برتر اور سب سے اعلیٰ تو

تیرے آگے سجدہ زن یہ کائنات
دین و دنیا کا ہے محور ترے ہاتھ

جسم و جان کی ڈور تیرے ہاتھ میں
تیرا پرتو دھوپ میں برسات میں

نور تیرا ذرّے ذرّے پر محیط
ذات تیری ساری دنیا پہ بسیط

کیا ثنا تیری ہو رب ذُوالجلال
تیرے الطاف و عطا ہیں بے مثال

رحمتیں تیری ہیں ہر سو بے شمار
تجھ سے ضَو کہتے ہیں یہ لیل و نہار

دامنِ رحمت میں تیرے دو جہاں
تو ہی تو ہے چار سو جلوہ فشاں

تُو ہی تُو ہے آب و تابِ دیدنی
تُو ہی تُو ہے آفتابِ دیدنی

تُو ہی تُو ہے واقفِ رمزِ حیات
تُو ہی تُو ہے نورِ ربِّ کائنات

(2)

کب تلک انتظار مسجدوں میں
ملیے پروردگار سجدوں میں

تجھ سے مانگے ہے کب شہنشاہیِ
دھڑکنوں کی قطار سجدوں میں

نور بن کر تُو جب سے اُترا ہے
آ گیا ہے نکھار سجدوں میں

خوبصورت ہے تیری پرداگری
پردہ پردہ بہار سجدوں میں

اور آئے مجال کس کی ہے
تُو ہی تُو ہمکنار سجدوں میں

دنیا داری ہوئی ہے جب رخصت
دل ہوا تاجدار سجدوں میں

عرش تُو رہے گا کب تک بول
ہم نہ مانیں گے ہار سجدوں میں

پالیا ہے صبؔا نویدی نے
ایک مبہم خمار سجدوں میں

سلطان الحق شہیدی (سرینگر۔کشمیر)

حمدِ ربّ ذُوالجلال

(1)

تو ہی اوّل تو ہی آخر ۔۔۔ تو ہی باطن تو ہی ظاہر
تو ہے تعریفوں سے بالا ۔۔۔ تو ہے سب سے عظمت والا
تیرا نام سنا، بچپن میں ۔۔۔ کچھ کچھ سمجھا تھا بچپن میں
اب جو ستر کو آیا ہوں ۔۔۔ ہر ہر جا تجھ کو پایا ہوں
ایک کِرن ہوں میں سورج کی ۔۔۔ یعنی سورج میں سورج بھی
خشکی اور سمندر تیرے ۔۔۔ ناداں سمجھے ہیں یہ میرے
نیلا امبر چاند ستارے ۔۔۔ گاتے ہیں سب گیت تمہارے
دُنیا ہے اک گیند تمہاری ۔۔۔ بلا عقل ہماری ہاری
میری آنکھ سے تو دیکھے ہے ۔۔۔ اب دیکھے ہے جب دیکھے ہے
نام ہے میرا کام ہے تیرا ۔۔۔ جگ میں ہے دو دِن کا ڈیرا
شادی ہو یا غم کی دولت ۔۔۔ ہر ہر بات میں تیری حکمت
میں اس کا ہوں وہ ہے میرا ۔۔۔ بھرم یہ ٹوٹا سب ہے تیرا
تو بِن مانگے بھی دیتا ہے ۔۔۔ ناو ہماری تو کھیتا ہے
سمجھ سمجھ کے کچھ ناسمجھے ۔۔۔ جس کو تو سمجھائے سمجھے
موت ہے یا یہ زیست ہماری ۔۔۔ تو ہی جانے میں ہوں عاری
ہم ہیں سارے بوڑھے بچے ۔۔۔ سب کچھ جان کے بھی ہیں کچے
البتہ محبوب تمہارا ۔۔۔ سچ مچ ہے مطلوب ہمارا
جب سے رشتہ تجھ سے جوڑا ۔۔۔ میں نے ہر اک بُت کو توڑا
خود کو تیرے ہاتھوں بخشا ۔۔۔ تو نقاش میں تیرا نقشہ

(2)

خدائے لم یزل تو مہربان ہے — سوائے تیرے سب وہم و گماں ہے
ثنا تیری ہر اک شئے سے عیاں ہے — سکوت اپنا کہیں جس کو بیاں ہے

تو مصدر ہے تو مخزن ہے تو معدن — نہاں ہے تو ہی اور تو ہی عیاں ہے
مسبب! ہیں ترے اسباب سارے — کہ تو بے رنگ رنگوں سے عیاں ہے

نہیں تھا کچھ تو تو تھا تو ہی ہوگا — سوا تیرے وجود اپنا کہاں ہے
تعین ہو نہیں سکتا ہے تیرا — مکاں کوئی نہ کوئی لامکاں ہے

جسے ارض و سما سمجھے ہیں ہم لوگ — وہ تیری صنعتوں کی اِک دُکاں ہے
ازل سے تا ابد جو کچھ بھی دیکھیں — ہر اک جا تیرا ہی سکّہ رواں ہے

شعور و آگہی جس جا ہے عاجز — وہیں سے ابتدائے کن فکاں ہے
ستارے چاند سورج اور فضائیں — غرض ہر چیز میں تیرا نشاں ہے

ترے ابلیس و آدم کی کہانی — مسلسل خیر و شر کی داستاں ہے
نہ کوئی خوف نے کچھ غم ہے جس کو — ولی تیرا ہے تیرا رازداں ہے

مرا دل میرا سینہ میری دھڑکن — تری بخشش کا خالص ترجماں ہے
تمہارا ذکر ہے تسکینِ خاطر — بغیر اس کے زمانہ بے اماں ہے

ثنا کے بعد ہے تو جس سے راضی — وہ مدحِ خواجۂ کون و مکاں ہے
تو اپنے آپ ہے تعریف اپنی — ترا ہمسر نہ کوئی ہم زباں ہے

(3)

تو وہ اوّل ہے کہ تیری ابتداء کوئی نہیں — تو ابد ایسا کہ تیری انتہا کوئی نہیں
تو اکیلا ہے خدا تجھ سا خدا کوئی نہیں — بندہ پرور تو ہی تو ہے دوسرا کوئی نہیں

سانس ہو یا جان ہو یا روشنی آنکھوں کی ہو — ہیں یہ وہ اسرار جن سے آشنا کوئی نہیں
تو وہ کاری گر کہ ہے تخلیق تیری کائنات — تو ہے رب العالمین ہمسر ترا کوئی نہیں

عرش اعلیٰ ہو کہ ہوں افلاک یا روئے زمین — تو ورا ثم الورا تجھ سے ورا کوئی نہیں!
مال و دولت رشتہ و پیوند ہے سارا فریب — یہ حقیقت ہے مرا تیرے سوا کوئی نہیں

آگہی سے تو مری واقف ہے اے ربِّ ودود — تجھ سے میرا ماجرا ہے ماجرا کوئی نہیں
گونجتی رہتی ہے ہر سو اِک صدائے لا اللہ — ہیں سبھی فانی یہاں رہتا سدا کوئی نہیں

عاجز و لاچار بندے درد و دکھ رکھتے ہیں سب — بس ترحّم سے ترے بڑھ کر شفا کوئی نہیں
کیا ہوا کیا ہو رہا ہے اور کیا ہونے کو ہے — جانتا ہے تو ہی تو تیرے سوا کوئی نہیں

تیری تعریفیں تری مخلوق سے ہوں کیا بیاں — عقل و دانش کچھ بھی ہو تجھ تک رسا کوئی نہیں!

مسعود ساموں (بانڈی پورہ۔کشمیر)

حمد و ثنا

محبّتوں کے نصاب سارے
اُسی کے لکھّے ہیں باب سارے

مروّتیں بے حساب اس کی
اُسی کو دینے حساب سارے

اُسی کا فرمان پانیوں پر
اُسی کی خلقت سراب سارے

اُسی کے بخشے ہیں رت جگے بھی
عطا کئے جس نے خواب سارے

کرے تو رسوائیاں مقدّر
جو دے تو عزّت مآب سارے

سکوں دلوں کو ہے یاد اُس کی
ہیں ورنہ لمحے عذاب سارے

وہی سکھائے سوال کرنا
وہ جانتا ہے جواب سارے

تمام جلوے اسی کے ساموںؔ
اسی کی ظلمت حجاب سارے

ڈاکٹر ریاض مجید

حمد و مناجات

دُور کر دے مرے اعمال کی کالک' مالک!
چمک اٹھے دلِ تاریک کی صحنک' مالک!

سنوں اُس ہادیؐ برحق کی صدا ،جس کا خیال
دیتا رہتا ہے درِ ذہن پہ دستک ' مالک!

''طلب آقاؐ نے ہے فرمایا غلام اپنے کو'
ملے پیغام کسی روز' اچانک مالک!

منفرد حمد نگاری کا ہو میرا سب سے
نادرہ کار ، رضا یافتہ مسلک ، مالک!

رہے آنکھوں میں مواجے کا بہشتی ماحول
وِرد میرا ہو 'رفعنا لک ذکرک' مالک!

اذن سے تیرے ملے اُنؐ کی شفاعت جس وقت
چاروں جانب سے صدا آئے 'مبارک' مالک!

حالِ برزخ میں رہے روح مری آسودہ
تیری رحمت سے رہے قبر میں ٹھنڈک، مالک!

ملے بخشش کی نوید اور ریاضؔ ایسے کی
لوحِ تقدیر بدل جائے یکایک، مالک!

ڈاکٹر سیّد شبیب رضوی (سرینگر۔کشمیر)

حمد باری تعالیٰ

(1)

جو سب سے اعلیٰ ہے سب سے برتر وہی خدا ہے
جو کُل جہاں کا ہے ربِّ اکبر وہی خدا ہے
وہ سب کا آقا، وہ سب کا مولا وہ سب سے اَولیٰ
نہیں ہے جس کے کوئی برابر وہی خُدا ہے
وہ شانِ واحد وہ ذاتِ تنہا وہ ربِّ یکتا
نہیں ہے جس کا شریک و ہمسر وہی خُدا ہے
ازل ابد میں ہے مُبتدا وہ ، ہے منتہا وہ
وہی مقدّم وہی موٴخّر وہی خُدا ہے
عیاں عیاں وہ ، نہاں نہاں وہ ، ہے لامکاں وہ
جو ہے ہمارے دلوں کے اندر وہی خُدا ہے
وہی ہے خالق وہی ہے مالک وہی ہے والی
فقیر کو جو کرے توَنگر وہی خُدا ہے
زمانے بھر کا کریم ہے وہ ، رحیم ہے وہ
بنادے انساں کا جو مقدّر وہی خدا ہے
جو ایک ادنیٰ کو کردے اعلیٰ وہ ذاتِ والا
بنادے قطرے کو جو سمندر وہی خُدا ہے
اُسی نے ایسا نبیؐ بنایا ، بغیر سایا
جو کردے سائے کو بھی مُنوّر وہی خُدا ہے
وہ راہ و منزل دکھانے والا بتانے والا
وہی ہے ہادی وہی ہے رہبر وہی خُدا ہے

وہ فہم ناقص ، یہ بحث مہمل ، تو پھر میں سمجھا
جسے بتائے مرا پیمبرؐ وہی خُدا ہے

(2)

یہ بھی اک فضل و کرم اُس کا ، عطا اُس کی ہے
ان لرزتے ہوئے ہونٹوں پہ ثنا اُس کی ہے
حق ہے خوشبو پہ فقط میرے مشامِ جاں کا
پھُول اُس کے ہیں ، چمن اُس کا ، صبا اُس کی ہے
سب تو اُس کا ہے مرا کیا ہے ، مرا ہے تو وہی
اس لیے لب پہ فقط حمد و ثنا اُس کی ہے
اب نہ ہے نالۂ شب اور نہ آہِ سحری
اب دعا میری ہے تاثیرِ دُعا اُس کی ہے
اشک اور آہ کے موسم سے بہت ہوں مانوس
میرے گھر کب سے یہی آب و ہوا اُس کی ہے
اب مہکتی ہوئی دھڑکن پہ ہے قدغن بے سود
میرے سینے میں یہ تحریک انا اُس کی ہے
میں اسیرِ تنِ آدم تھا ، نہیں دیکھ سکا
ہر طرف جلوہ گہِ ارض و سما اُس کی ہے
خواہشِ دربدری خود تھی مجھے جنت میں
توبہ توبہ یہ کہا کس نے خطا اُس کی ہے
بے وسیلہ کبھی مخلوق سے خالق نہ ملا
ہے محمدؐ کی زباں اور صدا اُس کی ہے

ناز ہے حُسنِ سماعت کو ازل سے اب تک
جو مری روح میں گونجی تھی نوا اُس کی ہے
سربسجدہ ہوں تو اس میں بھی نہیں میرا کمال
مجھ کو بخشی ہوئی تسلیم و رضا اُس کی ہے

(3)

کسی کا جب نہ کوئی ہو تو آسرا تُو ہے
جو سب کی بگڑی بناتا ہے اے خدا تُو ہے
بھنور کی گود سے ساحل ضرور اُبھرے گا
مرے خدا مری کشتی کا ناخدا تُو ہے
مرے لیے ترا عرفان یا تری پہچان
یہی بہت کہ محبوبِ مصطفٰیؐ تُو ہے
جو چشم وا ہو تو ہر رنگ میں ہے تو دِلکش
جو آنکھ بند کروں میں تو دل کُشا تُو ہے
قریب تر ہے رگِ جاں سے بلکہ اور قریب
جو اہلِ حق ہیں وہی جانتے ہیں کیا تُو ہے
ہر ابتدا سے بھی پہلے ہے ابتدا تیری
جو انتہا سے ہو آگے وہ انتہا تُو ہے
شبیبؔ تو ہے غریب و فقیر و کاسہ بدست
عنایت و کرم و بخشش و عطا تُو ہے

ذوالفقار نقوی (پونچھ۔جموں) موبائل نمبر: 9797580748

حمدِ باری تعالیٰ

راز بھی تو ہے، راز داں تو ہے
منکشف ہو کے بھی نہاں تو ہے

میری منزل ہے ، میرا جادہ بھی
میری عقبیٰ، میرا جہاں تو ہے

تو سمندر ہے ، میں ہوں اک قطرہ
میں اکیلا ہوں ، کارواں تو ہے

ریگزاروں میں پاؤں شل میرے
میں ہُرا دشت، سائباں تو ہے

رات دن میں پھروں سرابوں میں
ہر حقیقت کا ترجماں تو ہے

میں درون و برون سے خارج
ذرے ذرے میں ضو فشاں تو ہے

ہفت اقلیم سلطنت تیری
میں ہوں محکوم، حکمراں تو ہے

ریاض حسین چودھری

حمدِ ربِ جلیل

لذتِ غم کو محیطِ داستاں کس نے کیا
دل کی ہر دھڑکن کو پابندِ فغاں کس نے کیا
کس نے مجھ کو بخش دی لوح و قلم کی مملکت
آب و گل کی کشمکش کا ترجماں کس نے کیا
ان ہواؤں کو دیا کس نے تغیر کا نصاب
آبشاروں کو پہاڑوں سے رواں کس نے کیا
ہر کلی کے دامنِ صد چاک میں رکھ کر گلاب
ہر برہنہ شاخ کو رشکِ جناں کس نے کیا
نام کس کا ہے جزیروں کی سحر کے وردِ لب
پھر ہوا کو کشتیوں کا بادباں کس نے کیا
کس نے لکھی ہے درودوں سے کتابِ ارتقا
حور و غلماں کو بھی اپنا ہم زباں کس نے کیا
کس نے مدحت کے چراغوں کو شعاعِ نور دی
ایک شاعر کو حریفِ کہکشاں کس نے کیا
خوشبوؤں کو کس نے بخشا ہے تکلم کا ہنر
تتلیوں کو ملک گل کا حکمراں کس نے کیا
آخرِ شب کون سلجھاتا ہے میری اُلجھنیں
ماسوا اس کے علاجِ دردِ جاں کس نے کیا
ہر قدم پر منزلوں نے نقشِ پا چومے ریاض
اپنی رحمت کو شریکِ کارواں کس نے کیا

شرف الدین ساحل

حمد باری تعالیٰ

حمد ہے آفتاب کا منظر گردشِ انقلاب کا منظر
بادلوں کے سیاہ جھرمٹ میں تیز رو ماہتاب کا منظر
بحرِ پُر شور کے تلاطم میں لہر و موج و حباب کا منظر
تتلیوں کے پروں کی نقاشی حسنِ رنگِ گلاب کا منظر
نرم و نازک ہوا کے کاندھوں پر اُڑتے پھرتے سحاب کا منظر
اُس کی قدرت کا ہی کرشمہ ہے موسمِ لاجواب کا منظر
فرش مخمل پہ کروٹیں لیتا زندگی کے عذاب کا منظر
حالتِ بیکسی میں کانٹوں پر شوقِ کارِ ثواب کا منظر
ظلمتِ شب میں، گھر کے کونے میں شمع کے التہاب کا منظر
عہدِ طفلی سے عہدِ پیری تک نعمتِ بے حساب کا منظر
فکرِ ساحل کو روک دیتا ہے حیرت و استعجاب کا منظر

دُعا

احمد سلمان اشرف

کاش ایسا ہو محبت کا بھرم رہ جائے
اذنِ ربی ہو عبادت کا بھرم رہ جائے
وقت سے قبل سوالات سبھی حل کر کے
سخت بے کل ہوں ذہانت کا بھرم رہ جائے
میرے معبود ترے بس میں ہے سب کچھ، تجھ سے
میری خوش فہمیِ سنگت کا بھرم رہ جائے
کی تو مقدور بھر اپنے ہے مگر میرے قدیر
معجزہ کر کہ اطاعت کا بھرم رہ جائے

شاذ تمکنت

حمد و مناجات

اک حرف تمنا ہوں، بڑی دیر سے چپ ہوں
کب تک مرے مولا؟
اے دل کے مکیں دیکھ یہ دل ٹوٹ نہ جائے
کاسہ مرے ہاتھوں سے کہیں چھوٹ نہ جائے
میں آس کا بندہ ہوں بڑی دیر سے چپ ہوں
کب تک مرے مولا؟
یہ اشک کہاں جائیں گے دامن مجھے دیدے
اے بادِ بہاری مرا گلشن مجھے دیدے
میں شاخ سے ٹوٹا ہوں، بڑی دیر سے چپ ہوں
کب تک مرے مولا؟
اے کاشفِ اسرارِ نہانی ترے صدقے!
اب شاذ کو دے حکمِ روانی ترے صدقے
ٹھہرا ہوں دریا ہوں، بڑی دیر سے چپ ہوں
کب تک مرے مولا؟

صبا اکبر آبادی

حمد باری تعالیٰ

پیش نگاہ خاص و عام ، شام بھی تو، سحر بھی تو
جلوہ طراز اِدھر بھی تو ، روح نواز اُدھر بھی تو
ایک نگاہ میں جلال، ایک نگاہ میں جمال
منزل طور پر بھی تو، مسند عرش پر بھی تو
عجز و نیاز بندگی تیری نوازشوں سے ہے
حاکم ہر دعا بھی تو ، بارگہ اثر بھی تو
پردہء شب میں ہے نہاں، نورِ سحر میں ہے عیاں
آپ ہی پردہ دار بھی، آپ ہی پردہ در بھی تو
تیرا عروج سرمدی ، تیرا بیان زندگی
رفعت لامکاں بھی تو ، عظمت بام و در بھی تو
تو ہی ہے کائناتِ راز، تو ہی ہے رازِ کائنات
تو ہی محیط ہر نظر ، مرکز ہر نظر بھی تو
بندہ ترا نثار ہے ذات و صفات پر تری
قلب صبا تو ہی تو ، جان دل و جگر بھی تو

رفیق راز (سرینگر۔کشمیر)

ایک صراحی بولی قلقل اللہ ہُو
پھر کیا تھا ہر سمت مچا غل اللہ ہُو

میں وہ سوار کہ جس کی رہ میں غبار نہ گرد
میری سواری اسپِ تخیل اللہ ہُو

اپنے وجود میں جھانک کے میں تو ڈر ہی گیا
جز میں یقیناً رہتا ہے کُل اللہ ہو

زادِ سفر سے دوہری ہوئی جاتی ہے کمر
کتنا بھاری ہے یہ توکل اللہ ہُو

بچھا ہوا ہے کب سے مصلا میرا دیکھ
ریت پہ نقشِ پائے دلدل اللہ ہُو

پینے کو ہے دشتِ بلا میں آبِ سناں
کرنے کو ہیں زخم تناول اللہ ہُو

دنیا ایک خرابہ ہے اور اس میں بھی
لوگ کھلائے جاتے ہیں گل اللہ ہُو

یا تو باغ کو دیکھ کے مر ہی جائے گی
یا پھر چیخ اٹھے گی بلبل اللہ ہُو

مجھ کو لگا بغداد یہیں ہے دفن کہیں
ملبہ ہٹایا نکلا کابل اللہ ہُو

رخسانہ جبیںؔ (سرینگر۔کشمیر)

حمد

(1)

ہے میرے دل میں بھی تو ہی مری زباں پر بھی
زمین پہ بھی ہے ترا ذکر آسماں پر بھی

جہاں سجھائی نہ دے اپنے ہاتھ کو بھی ہاتھ
ترا ہی نام سنائی دیا وہاں پر بھی

زماں مکاں ہیں تری سلطنت تری جاگیر
کہ حکم تیرا ہی چلتا ہے لامکاں پر بھی

جو میرا تیر کوئی آج تک خطا نہ ہوا
نشانے پر بھی کرم تیرا ہے کماں پر بھی

وہ چاہے تیرا تصور ہویا تری تصویر
مرے یقیں پہ بھی حاوی ہے تو گماں پر بھی

ہر ایک سانس پہ میری رہے ترا احساں
تو مہرباں ہے مرے حرف رائیگاں پر بھی

(2)

صلاح کار ترا ہے نہ ہی مشیر کوئی
ملا نہیں ترے دربار میں وزیر کوئی

وہ جس کے نام ہزاروں ہیں صفتیں لاکھوں
کہے سمیع الدعا کوئی، البصیر کوئی

براہ راست ہے تجھ سے ہی رابطہ میرا
کوئی فقیر نہیں درمیاں نہ پیر کوئی

تری نظر میں برابر ہیں سب مرے مولا
کوئی کبیر نہیں ہے نہ ہی صغیر کوئی

الٰہی اتنا کرم تو ہمارے حال پہ ہو
کہ رائیگاں نہ کبھی ہو ہمارا تیر کوئی

چراغ راہ گزر ایسا بھیج دے یا رب
ہمارے شہر کا بھٹکے نہ راہ گیر کوئی

عطا ہو بار خدایا متاعِ استغنا
صدائیں دیتا ہے در پر ترے فقیر کوئی

رہے گا اب کے ہمارا مکالمہ تجھ سے
کہ بھیجے گی نہ تری سلطنت سفیر کوئی

پتنگ ڈور سے کٹ کر زمیں پہ گرتی ہے
رہائی مانگے بھلا کیوں ترا اسیر کوئی

ہو تیرے لوح و قلم پر فدا جبیںؔ لیکن
بیان کیسے کرے لذّت صریر کوئی

(3)

کام اِس دل نے بگاڑا تھا سنوارا تونے
بے کسی میں بھی دیا ہم کو سہارا تونے

اپنے دربار سے جو ہم کو بلاوا بھیجا
کس قدر رتبہ بڑھایا ہے ہمارا تونے

ایک ان دیکھے بھنور نے ہمیں آگھیرا تھا
پھر بھی گرداب میں دکھلایا کنارا تونے

ہم تو ظلمات میں بھٹکے تھے نہ جانے کب سے
شکر ہے، ہادیٔ برحق کو اتارا تونے

جب بھی مایوسی میں امید کا دامن چھوٹا
پھر سے جینے کا دیا ہم کو اشارا تونے

مشاہد رضوی

حمدِ باری تعالیٰ

بُطونِ سنگ میں کیڑوں کو پالتا ہے تُو ہی
صدف میں گوہرِ نایاب ڈھالتا ہے تُو ہی

دلوں سے رنج و الم کو نکالتا ہے تُو ہی
نفَس نفَس میں مَسرّت بھی ڈالتا ہے تُو ہی

وہ جنّ و انس و مَلک ہوں کہ ہوں چرند و پرند
تمام نوعِ خلائق کو پالتا ہے تُو ہی

بغیر لغزشِ پا تو ڈبو بھی سکتا ہے
پھسلنے والوں کو بے شک سنبھالتا ہے تُو ہی

تُو ہی تو مُردہ زمینوں کو زندہ کرتا ہے
گُلوں کے جسم میں خوشبوئیں ڈالتا ہے تُو ہی

ترے ذبیح کی نازک سی ایڑیوں کے طفیل
سلگتے صحرا سے زم زم نکالتا ہے تُو ہی

نجات دیتا ہے بندوں کو ہر مصیبت سے
شکم سے مچھلی کے زندہ نکالتا ہے تُو ہی

جو لوحِ ذہنِ مُشاہد میں بھی نہیں یارب
وہ حرفِ تازہ قلم سے نکالتا ہے تُو ہی

حکیم فاروق اعظم سومرو

مناجات

یا رب شجرِ فہم میں گل اور ثمر دے
میں جاہل و بے علم ہوں تو علم و ہنر دے
ہر بات میں ہر لفظ میں کچھ ایسا اثر دے
پتھر کا جگر ہو تو اُسے موم سا کردے
اخلاص سے بے لوث محبت ہو سخن میں
پھر حسنِ فصاحت ہو ،بلاغت ہو سخن میں

***

ناقص ہے مرا فہم تو ناقص مری دانش
اے صاحبِ الطاف و کرم کیا مری کوشش
میں ذرہ بے جان ہوں بس تجھ سے ہے جنبش
ہو جائے اگر مجھ پہ ترے فضل کی بارش
میں سب کی نگاہوں میں سمندر نظر آؤں
اربابِ گلستاں میں سخنور نظر آؤں

***

تو چاہے تو ذرے میں بھی صحرا نظر آئے
قطرے میں بھی انساں کو دریا نظر آئے
کوہوں میں چمکتا ہوا ہیرا نظر آئے
ہرِ کاہ میں اک جلوہ زیبا نظر آئے
رائی کو بھی پربت تُو بنا دے تو عجب کیا؟
مجھ جاہلِ مطلق کو نہ بخشے گا ادب کیا؟

صائمہ جبین مہکؔ

حمدِ باری تعالیٰ

میں کروں کیسے اللہ کی عظمت بیاں
پختگی اتنی میرے بیاں میں کہاں

وہ ہی مالک مرا وہ ہی خالق مرا
ہیں اُسی نے بنائے زمیں آسماں

حکم مجھ کو ہے تسخیر اب میں کروں
جو بنایا مرے رب نے سارا جہاں

دیکھ کر عظمتیں پھر کیا میں کہوں
دیکھ کر دنگ ہی رہ گئی ہے زباں

جانتا سب ہے ظاہر چھپا بھی ہوا
ہے اُسی کا جہاں سب یہ ظاہر نہاں

ہیں یہ شمس و قمر پھول پھل یہ شجر
میرے اللہ کی موجودگی کے نشاں

ذکر سے مجھ کو راحت ملی ہے مہکؔ
اب تو اللہ ہی اللہ ہے وردِ زباں

بابر حسین بابرؔ (مدرس: دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف)

حمدِ ربِّ ذوالجلال

(1)

فلک کو سجایا ہمارے خدا نے
زمیں کو بسایا ہمارے خدا نے

وہ دیتا ہے سب کو سبھی کا خدا ہے
سبھی کو بنایا ہمارے خدا نے

ہے قدرت یہ اس کی کہ خود لا مکاں میں
نبی کو بلایا ہمارے خدا نے

رضائے محمد رضائے خدا ہے
یہ مژدہ سنایا ہمارے خدا نے

دعائے محمد سے سورج کو پھیرا
یہ منظر دکھایا ہمارے خدا نے

اگر تو نہ ہوتا تو کچھ بھی نہ ہوتا
نبی کو بتایا ہمارے خدا نے

خدا ہی کے جلوے ہیں دنیا میں لیکن
ہے خود کو چھپایا ہمارے خدا نے

نبی کے ذریعے عبادت کا ہم کو
طریقہ سکھایا ہمارے خدا نے

کہاں ہیں وہ جھوٹے خدا آج بابرؔ!
سبھی کو مٹایا ہمارے خدا نے

(2)

اے الٰہی تیری قدرت کے ہیں جلوے چار سو
تیری ہستی پر ہے شاہد یہ جہانِ رنگ و بُو
'تُو ہے ظاہر تُو ہے باطن اوّل و آخر ہے تُو
تیرے ہاتھوں میں ہے ذلت تُو ہے دیتا آبرو
لائقِ سجدہ ہے تیری ذات تُو مسجود ہے
تجھ کو زیبا ہے عبادت تُو ہی بس معبود ہے

لفظِ "کُن" سے تُو نے ہر اک چیز کو پیدا کیا
ساری مخلوقات کو ہے رزق تُو نے ہی دیا
ہے فقط تیری عنایت جس نے جو کھایا پیا
جس کو جو چاہا دیا اور جس سے جو چاہا لیا
تُو ہے خالق قادِر و قیُّوم تیری ذات ہے
تیری رحمت کی اے مولا! ہر جگہ برسات ہے

انبیاء آئے تری وحدت بتانے کے لیے
درسِ توحید ابنِ آدم کو سکھانے کے لیے
بھٹکے لوگوں کو ترا رستہ دکھانے کے لیے
راہِ حق پہ ساری دنیا کو چلانے کے لیے
ہر مسلماں کا تری توحید پر ایمان ہے
واحِد و یکتا ہے تُو سب کا یہی اِعلان ہے

تُو سنا سکتا تھا سب لوگوں کو خود اپنا کلام
بھیج سکتا تھا تُو لوگوں کی طرف اپنا پیام

اس کے قابل ہو نہیں سکتا مگر ہر خاص و عام
اس امانت کو اٹھانا تو نہیں آسان کام
اس لیے تُو نے یہ سارے انبیاء پیدا کیے
جو دکھائیں راستہ وہ رہنما پیدا کیے

(3)

تُو ہے خالق اور ہر اک چیز کا پروردگار
تُو ہے مالِک ذرّے ذرّے پر ہے تیرا اقتدار
تُو ہے قادِر اور لامحدود تیرا اختیار
تیری تعریفیں ہیں ساری حمد تیری بے شمار
مالِکِ یومِ قیامت کون ہے تیرے سوا؟
صاحبِ اذنِ شفاعت کون ہے تیرے سوا؟

سچ ہے یہ کہ ذات ہے تیری ہی بس مشکل کشا
یہ بھی ہے تسلیم کہ بس تُو ہی ہے حاجت روا
ہے فقط تُو ہی خدا اور تُو ہی سنتا ہے دعا
رِزْق بھی دیتا ہے تُو اور تُو ہی دیتا ہے شِفا
سلسلہ اسباب کا تُو نے مگر پیدا کیا
تُو نے ولیوں کے دعاؤں میں اثر پیدا کیا

دیکھتا ہے جو بھی اُس کو طاقتیں دیتا ہے تُو
بولتا ہے جو بھی اس کو قوّتیں دیتا ہے تُو
اور جو سنتا ہے اس کو ہمّتیں دیتا ہے تُو
ساری دنیا کو خدایا! نعمتیں دیتا ہے تُو

خاص بندوں کو عطا کچھ خاص فرماتا ہے تُو
اُن کی قوّت اُن کی طاقت خود ہی بن جاتا ہے تُو

چاند، سورج اور ستارے تیری قدرت کے نشاں
حکم سے تیرے سمندر میں ہیں چلتی کشتیاں
یہ جو بادل ہیں زمین و آسماں کے درمیاں
اے الٰہی! تیری قدرت کو ہی کرتے ہیں بیاں
تُو نے مولا! یہ زمین و آسماں پیدا کیے
رات اور دن کے بدلنے میں نشاں پیدا کیے

ایک تیری ذات کو ہی بس عبادت ہے روا
اے الٰہی! کس سے مانگیں ہم مدد تیرے سوا
خود ہی رکھی ہے دوا میں اے خدا! تو نے شفا
رد نہیں کرتا کبھی تو اپنے ولیوں کی دعا
جو چلے نہ تیرے رستے پر وہی ناکام ہے
راستہ ان کا دکھا جن پر ترا انعام ہے

(4)

کبریائی اس کو زیبا سب کا وہ سلطان ہے
سب جہانوں کا خدا ہے خالق و رحمن ہے
وہ نظر آتا نہیں اس پر مگر ایمان ہے
اس کو دیکھا تو نہیں پھر بھی ہمیں عرفان ہے
اس کی ہستی پر ہیں شاہد میرے آقا مصطفی
کس نے دیکھا کس نے دیکھا تجھ کو مولا! چشمِ احمد کے سوا

تنویر پھولؔ (امریکہ)

حمدِ باری تعالیٰ

(مرزا غالب کے مصرعہ طرح پر)

دو عالم پہ تیرا کرم دیکھتے ہیں
بصیرت کی آنکھوں سے ہم دیکھتے ہیں

پکارا تجھے مرکزِ دل سے جس دم
معاً اپنی پلکوں کو نم دیکھتے ہیں

نہیں ہم ہیں مایوس رحمت سے تیری
فلک کی طرف دم بدم دیکھتے ہیں

ترے سامنے جو ہُوا سر فگندہ
اُسی فرد کو محترم دیکھتے ہیں

سکھایا قلم سے ہمیں علم تو نے اے
تو ہم ربطِ علم و قلم دیکھتے ہیں

تُو رزّاق ہے ، اِس زمیں پر بہر جا
ترا خوانِ یغما بہم دیکھتے ہیں

عطا ہیں تری مرغ و ماہی خدایا !
کبھی آگے لحمِ غنم دیکھتے ہیں ۲؎

ہمیں بار بار اُن کے ہمراہ کردے
جو شہرِ شفیع الامم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم دیکھتے ہیں

مقدّم ہے تیری رضا جن کو ہردَم
نہ جو راہ کے پیچ و خم دیکھتے ہیں

جو ہر کام کرنے سے پہلے ہمیشہ
شہ دیں صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا نقشِ قدم دیکھتے ہیں

تری حمد میں پھول؎ رطب اللساں ہے
''خیاباں خیاباں ارم دیکھتے ہیں''

۱؎ سورہ علق، آیت نمبر ۴۔ ۲؎ بکرے یا بھیڑ کا گوشت ، نیز دیکھئے: سورہ واقعہ آیت نمبر ۲۱، سورہ نحل آیت نمبر ۱۴، سورہ طٰہٰ آیت نمبر ۱۸، سورہ یٰسٓ آیت نمبر ۲۷

//

ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے!

ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے
سورج کے اجالے سے فضاؤں سے ، خلا سے
چاند اور ستاروں کی چمک اور ضیا سے
جنگل کی خموشی سے ، پہاڑوں کی انا سے
پرہول سمندر سے ، پر اسرار گھٹا سے
بجلی کے چمکنے سے ، کڑکنے کی صدا سے
مٹی کے خزانوں سے ، اناجوں سے غذا سے
برسات سے ، طوفان سے ، پانی سے ، ہوا سے
ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے
گلشن کی بہاروں سے تو کلیوں کی حیا سے

معصوم سی روتی ہوئی شبنم کی ادا سے
لہراتی ہوئی باد سحر باد صبا سے
ہر رنگ کے ہر شان کے پھولوں کی خبا سے
چڑیوں کے چہکنے سے تو بلبل کی نوا سے
موتی کی نزاکت سے تو ہیرے کی ضیا سے
اوپر سے جھلکتے ہوے فن اور کلا سے
ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے
دنیا کے حوادث سے ، جفاؤں سے وفا سے
رنج و غم و آلام سے دردوں سے ، دوا سے
خوشیوں سے ، تبسم سے ، مریضوں کی شفا سے
بچوں کی شرارت سے تو ماؤں کی دعا سے
نیکی سے عبادات سے ، لغزش سے ، خطا سے
خود اپنے ہی سینے کے دھڑکنے کی صدا سے
رحمت تیری ہر گام پہ دیتی ہے دلاسے
ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے
ابلیس کے فتنوں سے تو آدم کی خطا سے
اوصاف براہیم سے یوسف کی حیا سے
حضرتِ ایوب کی تسلیم و رضا سے
عیسیٰ کی مسیحائی سے ، موسیٰ کے عصا سے
نمرود کے ، فرعون کے انجامِ فنا سے
کعبے کے تقدّس سے تو مروا و صفا سے
تورات سے ، انجیل سے ، قرآن کی صدا سے
یاسین سے ، طٰہٰ سے ، مزمل سے ، نبا سے
ایک نور جو نکلا تھا کبھی غار حرا سے
ہم نے تجھے جانا ہے فقط تیری عطا سے

ڈاکٹر محبوب راہی

حمد رب کریم

رگ و پے میں میری بسا ہے تو ، تری شان جل جلالہ
مجھے پھر بھی ہے تری جستجو ، تری شان جل جلالہ

کبھی مجھ کو وقتِ نماز میں ، نظر آ لباس مجاز میں
اے خدا ، تو جیسا ہے ہو بہو ، تری شان جل جلالہ

ترا ایک بندہ حقیر ہوں ، تیرے در کا ادنیٰ فقیر ہوں
ترے ہاتھ ہے مری آبرو ، تری شان جل جلالہ

جو ہو ذہن میں تری فکر ہو جو لبوں پہ ہو ترا ذکر ہو
شب و روز ہو تری گفتگو ، تری شان جل جلالہ

تو کرم سے اپنے نواز دے ، مجھے ذوق و شوق نماز دے
کروں آنسوؤں سے سدا وضو ، تری شان جل جلالہ

ہے اندھیرا حد نگاہ تک ، نہ سجھائی دے کوئی راہ تک
تری روشنی ہے چہار سو ، تری شان جل جلالہ

کئی موسم آئے گزر گئے ، کئی بگڑے اور سنور گئے
مرا دامن دل نہ ہوا رفو ، تری شان جل جلالہ

وہی دھوپ میں وہی چھاؤں میں وہی شہر میں وہی گاؤں میں
ترے تذکرے تری گفتگو ، تری شان جل جلالہ

ہو جو موقع حساب و کتاب کا ، مرے ہر گناہ و ثواب کا
مجھے رکھیو اس گھڑی سرخرو ، تری شان جل جلالہ

تری آہٹیں ہیں ڈگر ڈگر ، تری رونقیں ہیں نگر نگر
ہیں ترے ہی تذکرے کو بہ کو ، تری شان جل جلالہ

لئے دفتر عصیاں تمام تر ، دل زخم خوردہ بچشم تر
ہوں کھڑا ہوا ترے رو برو ، تری شان جل جلالہ

حمد رب کریم ------------------------------ قاضی روف انجم

اک تو باقی، فانی سب ، میرے اللہ میرے رب
تیری ہر تخلیق عجب ، میرے اللہ میرے رب
راز تھا ہر شے پر طاری ، جسم سے ہر شے تھی عاری
بس تھی تیری ذات ہی تب ، میرے اللہ میرے رب
اللہ، واحد تیری ذات ، بے گنتی ہیں تیری صفات
اور الٰہی تیرا لقب ، میرے اللہ میرے رب
از اول تا آخر تو ، جزو میں کل میں ظاہر تو
تو ہی تو ہے تب اور اب ، میرے اللہ میرے رب
یہ جو چاند ستارے ہیں ، تیرے صرف اشارے ہیں
حکمت تیری ، روز و شب ، میرے اللہ میرے رب
خیر و شر بھی سب تیرے ، علم و ہنر بھی سب تیرے
میں کیا کھولوں اپنے لب ، میرے اللہ میرے رب
حرف اور الفاظ ترے ، قاری اور حفاظ ترے
سب میں ہے ملحوظ ادب ، میرے اللہ میرے رب

افتخار راغب (دوحہ، قطر)

حمدِ پاک

وہی جو خالق جہان کا ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے
جو روح جسموں میں ڈالتا ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے

وہ جس کی حکمت کی سرفرازی، وہ جس کی قدرت کی کارسازی
ہر ایک ذرّے میں رونما ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے

وہ بے حقیقت سا ایک دانہ، جو آب و گِل میں تھا مٹنے والا
جو اُس میں کونپل نکالتا ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے

الگ الگ سب کے رنگ و خصلت، جدا جدا سب کے قدّ و قامت
جو سارے چہرے تراشتا ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے

ہے علم میں جس کے ذرّہ ذرّہ، گرفت میں جس کی ہے زمانہ
جو دل کے بھیدوں کو جانتا ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے

وہ جس نے دی مختلف زبانیں، تخیّل و عقل کی اُڑانیں
جو کشتیِ فن کا ناخدا ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے

کوئی تو ہے جو ہے سب سے اوّل، کوئی تو ہے جو ہے سب سے آخر
جو ابتدا ہے جو انتہا ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے

مصیبت و درد و رنج و غم میں، حیات کے سارے پیچ و خم میں
وہ جس کو راغبؔ پکارتا ہے وہی خدا ہے وہی خدا ہے

فدؔا راجوروی (بہروٹ۔راجوری۔جموں وکشمیر)

حمدِ ربِّ ذوالجلال

حمد تیری خدا، حمد تیری خدا میں ہوں بندہ ترا تو ہے آقا مرا
میرے دل کو ہے تیرا ہی بس آسرا حمد تیری خدا حمد تیری خدا

تو نے بخشا مجھے شرفِ انسانیت تو نے چاہی سدا ہے مری عافیت
جان دے کر مجھے ہے توانا کیا حمد تیری خدا حمد تیری خدا

کام آؤں میں لوگوں کے محنت کروں سب کے دُکھ بانٹ لوں سب کی خدمت کروں
علم کے کھول مجھ پر خزانے سدا حمد تیری خدا، حمد تیری خدا

کوئی نفرت، تعصب، نہ کینہ رہے نورِ ایمان کا دل میں خزینہ رہے
میرا مقصد یہی ہے، یہی مدعا حمد تیری خدا، حمد تیری خدا

صحتِ ایمان و عرفان و ایقان دے اپنی بخشش کا بھرپور فیضان دے
تجھ سے یارب یہی مانگتا ہوں دُعا حمد تیری خدا، حمد تیری خدا

بے بسوں، بے کسوں کا سہارا بنوں گہری منجدھار میں اک کنارا بنوں
گیت گاؤں میں عظمت کے تیرے سدا حمد تیری خدا، حمد تیری خدا

تیرا دائم ہو مجھ پر الٰہی کرم سب کی نظروں میں کردے مجھے محترم
ہر نفس مجھ کو حاصل ہو تیری رضا حمد تیری خدا، حمد تیری خدا

(2)

مناجات

یہ نہ کہتے اگر تو کیا کہتے
کس کو تیرے سوا خدا کہتے

ایک تو ہے بس ایک تو ہی ہے
کس کو کس طرح دوسرا کہتے

چاند سورج ستارے دریا پھول
تیرے مظہر ہیں کیا سے کیا کہتے

سارے جلوے کرم سے تیرے ہیں
کیا ہواؤں کو باصفا کہتے

دل کو ہی آبرو کی بستی کر
عمر گزرے یہی دُعا کہتے

لب پہ آتی نہیں ہے بات فداؔ
مختصر کچھ تو مدعا کہتے

(3)

دُعا

وہ بصیرتوں کی ہوا چلا　　وہ بصارتوں کا چمن کھلا
جہان کلی کلی میں گداز ہو　　جہاں پھول پھول ہو بے ریا

جہاں درد دل کی امانتیں　　ہوں صداقتوں کی زمین پر
جہاں معتبر ہو ردیف دل　　جہاں ہدیۂ جاں ہو بس دُعا

جہاں حرف حرف باوقار ہو　　جہاں خیال با اعتبار ہو
جہاں کلفتوں کا گزر نہ ہو　　وہ زمین ایسی ہو باصفا

تو کرم کی اپنے بہار دے　　ہر ایک لمحہ نکھار دے
دل ناتواں کو وقوف دے　　کہ ترے کرم سے ہو باصفا

جو عنایتوں کی زمین ہے　　اُسے اور بھی تو کشادہ کر
سجیں اس میں اور بھی رونقیں　　وہ گلوں میں تازہ بہار لا

جہاں نفرتوں کا گزر نہ ہو　　جہاں کیف و کم کا الم نہ ہو
جہاں بندگی کا ستم نہ ہو　　وہ محبتوں کی زمیں سجا

تیری کائنات کشادہ میں　　کھلی چاروں جانب بہار ہے
تو یہ ساری خوشبو بکھیر دے　　کہ ہوائیں ساری ہوں عطر زا

مرے دل کو یارب قرار دے　　کہ ابھی یہ دل بے قرار ہے
مجھے اس کا ہی انتظار ہے　　کہ دعائیں ہماری ہوں کیف زا

ڈاکٹر ذوالفقار علی دانش (حسن ابدال - پاکستان) 0314-408-7826

حمدِ باری تعالیٰ

تیری رحمت کی یا رب نظر ہے بہت
تیرے بندوں کو بس تیرا در ہے بہت

ایک آنسو ندامت میں جو بہہ گیا
پیشِ دربارِ رب معتبر ہے بہت

دل خشیّت سے تیری نہ لرزے یہ کیوں
مالکِ دو جہاں ! تیرا ڈر ہے بہت

تیرا اسماء بہت محترم محتشم
اسم تیرا ہر اک پر اثر ہے بہت

تُو ہی خالق ہے ، مالک ہے ، معبود ہے
ذکر تیرا پئے ہر خطر ہے بہت

ہوں گناہوں پہ نادم ، مجھے بخش دے
دل خجل ہے بہت ، چشم تر ہے بہت

ہم غریبوں کا ملجا و ماویٰ ہے تُو
ہم فقیروں کو تیری ڈگر ہے بہت

چاہے بھر دوں گنہ سے زمیں آسماں
تیری اک چشمِ رحمت مگر ہے بہت

تیری رحمت سے مایوس جو ہو گیا
سخت نادان ہے، بے خبر ہے بہت

تیرا دانش تری حمد کہتا رہے
یہ وظیفہ اسے عمر بھر ہے بہت

خان حسنین عاقبؔ

حمد

خدا یا ! مجھ کو ترا لطفِ بے کنار بھی دے
تری عطا کے سمندر پہ اختیار بھی دے

دو گھونٹ میں نے لئے جامِ عبدیت سے مگر
قبول جس سے عبادت ہو ، وہ خمار بھی دے

بہت گھٹن ہے گناہوں کی پاسداری میں
مرے خدا! مجھے اس راہ سے گزار بھی دے

سمندروں کو جو شرمادے ایسی وسعت دے
طوالتوں پہ ہو بھاری وہ اختصار بھی دے

جہاں سے خود کے سِوا کچھ نظر نہ آئے جنہیں
انہیں پھر ایسی بلندی سے تو اُتار بھی دے

ترے کرم نے جسارت بڑھادی ہے اتنی
یہ دل بھرے گا نہیں، تو ہزار بار بھی دے

تو 'کُن' سے دیتا ہے مُردوں کو زندگی کی نوید
اگر تو چاہے تو زندوں کو پَل میں مار بھی دے

اگر ہے شہرتِ بے داغ قسمتِ عاقبؔ
تو عاجزی بھی، طبیعت میں انکسار بھی دے

نعتیہ کلام

علیم صبا نویدی (چینئی - تامل ناڈو)
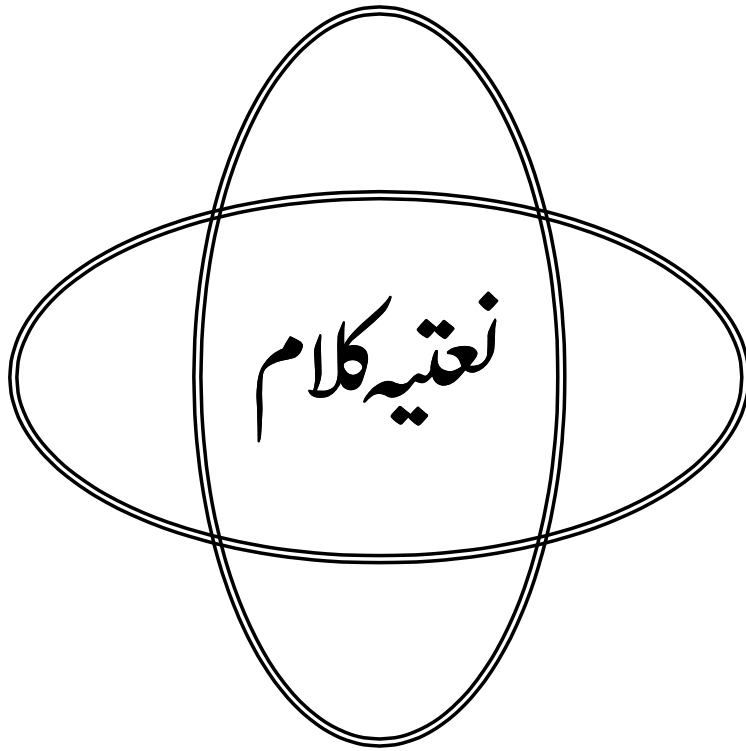
نعتِ سرورِ کونین صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(1)

نعتِ احمدؐ کا سفر شاداب ہے
مل گئے ہیں آپؐ ، سر شاداب ہے

بھیک ہے یہ آپؐ کے دربار کی
دامنِ حسنِ نظر شاداب ہے

ہے معطر جس میں احمدؐ کی شبیہ
وہ وظائف کا شجر شاداب ہے

جس کی منزل آپؐ ہی بس آپؐ ہیں
فکر کی وہ رہگذر شاداب ہے

آپؐ ہی کی دین نعتِ احمدیؐ
آپ سے فن کا ثمر شاداب ہے

(2)

چار سُو نقشِ احمدیؐ ہے نظر — سجدہ گاہِ سکوں بنی ہے نظر
مدّتوں چھِن گئی تھی بینائی — درِ احمدؐ پہ جاگ اٹھی ہے نظر
آپؐ ہی آپؐ جلوہ فرما ہیں — جس طرف بھی مری اُٹھی ہے نظر
مصطفائی زمیں پہ رکھ کے قدم — آرزوؤں کی جھک گئی ہے نظر
سرورِ دیںؐ کی تھی جہاں خوشبو — سر بہ سجدہ وہیں ہوئی ہے نظر
سر خوشی کی اُمید لے کے صباؔ — نیک جھولی میں ڈال دی ہے نظر

(3)

مدینے کی فضا لے کر ہوائی سلسلہ آیا — مبارک خوشبوئیں پھیلیں دعائی سلسلہ آیا
جہانِ جسم کی تہذیب کتنی وحشیانہ تھی — عطائے مصطفائی ہے لگائی سلسلہ آیا
زمیں پر روز و شب یاں کفر و باطل کے مناظر تھے — نبیؐ کا نور لے کر حق نمائی سلسلہ آیا
منور کرنے شعری محفلوں کی قسمتیں دیکھو — نبیؐ کے شہر سے حمد و ثنائی سلسلہ آیا
نگاہِ سرورِ دیںؐ سے بہاروں کو ملی دولت — چمن میں پھول پھل میں دلربائی سلسلہ آیا
دعائے مرشدِ کامل یقیناً با اثر نکلی — جہانِ نعت گوئی میں صباؔئی سلسلہ آیا

(4)

آپؐ کے آگے لہو سجدہ کناں ہر نفس، ہر آرزو سجدہ کناں
سلسلہ در سلسلہ نوری ظہور دست گاہِ آبرو سجدہ کناں
آپؐ کی چشم عنایت کے فیوض کائناتِ رنگ و بو سجدہ کناں
سبز گنبد کا نظارہ کیف زا نور خود ہے کو بہ کو سجدہ کناں
وہ محمدؐ کے وسیلے کا دیار میں ہوں جس کے روبرو سجد کناں
ربِ کعبہ، شاہِ دیں کا ہے کرم آسماں ہے چار سو سجدہ کناں

(5)

یہ دنیا خوبصورت ہوگئی ہے ضیا بارِ رسالت ہوگئی ہے
درِ احمدؐ پہ رونا سر جھکاکر حصولِ نورِ رحمت ہوگئی ہے
نبیؐ جی آپؐ آئے بزم میں تو بڑی نورانی نکہت ہوگئی ہے
اُدھر خیر الوریٰ کا نور پھیلا جدھر چشمِ عنایت ہوگئی ہے
فقیری میں بھی شاہِ دیں کی دیکھو شہنشاہی عدالت ہوگئی ہے
تصور میں جو چوما دستِ اقدس بڑی شاہانہ قسمت ہوگئی ہے
یہ بزم نعتِ احمدؐ کی مہک ہے صبؔا کے حق میں جنت ہوگئی ہے

سلطان الحق شہیدی (سرینگر۔کشمیر)

نعت

وہ جانِ کائنات ہے وہ بے مثال ہے
وہ اشرف البشر ہے خدائی کا لال ہے

اپنائیت کی دوڑ میں سب کو پرو دیا!
نے رنگ و نسل ہے نزاعِ مقال ہے

زاہرابِ زیست چشمۂ حیواں بنادیا
ابرِکرم ہے وہ کہ برستا گلال ہے

خلدِ اماں ہے سب کو جو دیکھیں گے اس طرف
جو پیٹھ پھیر لیں گے تو جنگ و جدال ہے

ہے ضامن حیات فقط ان کی آرزو
باقی تمام وہم و طلسم و خیال ہے

صدقے دیں وہ جو چاہے تو کونین بخش دے
نازاں یوں اپنے آپ پر دستِ سوال ہے

دیوانِ جُز و کُل میں فقط اس کا ذکر خیر
میزان خیر و شر ہے حدِ اعتدال ہے

اس کی اگر نہ مانیو سادہ سی بات بھی
عقل تمام جہلِ مرکب مثال ہے

(2)

سلام علیک

خواجۂ دو جہاں سلام علیک — باعثِ کُن فکاں سلام علیک
مرجع قدسیاں سلام علیک — سرورِ سروراں سلام علیک
فخر آدم ہے آپؐ کی سنت — صدر پیغمبراں سلام علیک
حشر کا اعتبار آپؐ سے ہے — شافع عاصیاں سلام علیک
نہ خدا کا نہ آپ کا ثانی — نورِ حق نورِ جاں سلام علیک
آپؐ کا نام بحر ہستی میں — ناؤ کا بادباں سلام علیک
خوشبوئیں آپؐ کی بکھیرے ہیں — گل ہو یا گلستاں سلام علیک
تازہ کاری ہے علم و عرفان کی — آپؐ سے بے گماں سلام علیک
آپؐ کی یاد سے سجایا ہے — اپنے دل کا مکاں سلام علیک
آپؐ کا ذکر روح کی تسکیں — روحِ ہر انس و جاں سلام علیک
جو ہوا آپؐ کا نہیں اس کو — فکر سود و زیاں سلام علیک
ہے مری زندگی کا سرمایہ — تابہ حدِ گماں سلام علیک
صدق و عدل و حیا جواں مردی — آپؐ کے ترجماں سلام علیک
نکہت و نور اور مٹھاس لئے — آپؐ کا ہر بیاں سلام علیک
کرۂ ارض ہو کہ ہوں افلاک — آپؐ سے ضوفشاں سلام علیک
ظلمت انسان کے دل سے کردی دُور — اے فروغِ جہاں سلام علیک
ہے شہیدیؔ پہ یہ عنایت خاص — ہے جو وردِ زبان سلام علیک

(3)

سلام بہ دربارِ خیرالانام صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

باعثِ تکوینِ عالمؐ — آپؐ پر لاکھوں سلام
تاجدار ہر دو عالم — آپؐ پر لاکھوں سلام

چاہتا ہوں ہر قدم پر — دستگیری آپ کی
بعد اس کے کچھ نہیں غم — آپؐ پر لاکھوں سلام

آپ کی سرکار وہ سرکار — جس کو دیکھ کر
کج کلاہوں کے ہیں سرخم — آپؐ پر لاکھوں سلام

مردہ قوموں کی حیاتِ — جاوداں ہے آپ سے
اے مرے مولا بہر دم — آپؐ پر لاکھوں سلام

جسم و جاں سے بھیجتے ہیں — آپؐ پر لاکھوں درود
کہہ رہی ہے چشم پُرغم — آپؐ پر لاکھوں سلام

ہو زباں پر میری ہر دم — اسم اعظم آپ کا
روح میری نکلے جسدم — آپؐ پر لاکھوں سلام

دل مرا مضطر ہے کتنا — روضۂ اقدس کے پاس
اے مرے زخموں کے مرہم — آپؐ پر لاکھوں سلام

عاشقانِ دل حزیں کے — آپ ہیں بس آپ ہیں

آپ ہیں ہمراز و ہمدم　　آپؐ پر لاکھوں سلام
عرش والے فرش پر پڑھتے　　ہیں روز و شب درود
اور خود خلّاقِ عالم　　آپؐ پر لاکھوں سلام
ہم نے دیکھا نورِ حق　　پیکِ بشر میں آشکار
فخرِ کُل ابنائے آدم　　آپؐ پر لاکھوں سلام
آپ ہی کی ذات سے　　ہے ذاتِ حق پر اعتبار
گو کہ وہ خود ہے نہ کچھ کم　　آپؐ پر لاکھوں سلام
آپ کے ہاتھوں ملی ہم　　کو صراط المستقیم
ورنہ پیچ و ختم نہ تھے کم　　آپؐ پر لاکھوں سلام
یا شفیع المذنبین　　یا رحمۃً للعالمین
ہے وظیفہ اپنا ہر دم　　آپؐ پر لاکھوں سلام
آپ کا اک ذرہ ہے یہ　　چاند سورج کا فروغ
ظلمتیں ہیں جس سے بیدم　　آپؐ پر لاکھوں سلام
لا اِلٰہ کا زیرو بم ہے　　نفی اثبات و وجود
پارہے ہیں خود کو محکم　　آپؐ پر لاکھوں سلام
بس کہ ہے شاداب　　ہر صحرائے اعظم آپ سے
کعبۂ رحمت کے زمزم　　آپ پر لاکھوں سلام
ہم گنہگاروں کی حشمت　　آپ کی رحمت سے ہے
ارحم ارحم ارحم ارحم　　آپ پر لاکھوں سلام

یہ سلام مسجد نبوی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ۱۵؍دسمبر ۲۰۰۵ء کو تخلیق ہوئی اور آپؐ کے روبرو پیش کرنے کا شرف حاصل ہوا۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔(شہیدی)

مسعود ساموں (بانڈی پورہ۔کشمیر)

نعت

(1)

وہؐ جس کی زلفیں سیاہ پُر خم
وہؐ جس کا سب سے بلند پرچم

وہؐ جس کی صحبت تمام رحمت
وہؐ جس کا رتبہ تمام عظمت

وہؐ جس کی باتیں تمام عرفاں
وہؐ خُلق جس کا تمام قرآں

وہؐ جس کے بازو تمام قوّت
وہؐ جس کی ہمّت تمام ہمّت

وہؐ جس کی تعریف عرش پر بھی
وہؐ جس کی توصیف فرش پر بھی

وہؐ جس کی شفقت کمال شفقت
وہؐ جس کی ہے بے مثال الفت

وہؐ جس نے راتوں کی نیند چھوڑی
وہؐ جس نے دن کی لگام موڑی

وہؐ جس نے سارے بتوں کو توڑا
وہؐ جس نے ٹوٹے دلوں کو جوڑا

وہؐ جس کو اپنوں نے بھی ستایا
وہؐ جس کو غیروں نے آزمایا

وہؐ جو یتیموں کا آسرا تھا
ستم رسیدوں کا نا خدا تھا

جو آشتی کا پیام بر تھا
وہؐ جو غریبوں کا چارہ گر تھا

وہؐ آسمانی نظام والا
وہ آبِ کوثر کے جام والا

وہؐ جس کے یاروں کی خاک پا کا
نہ بن سکا خاک پا زمانا

ہے نام لیوا اُسیؐ کا عالم
کہ اسم اُسؐ کا ہے اسم اعظم

اُسیؐ کی منّت سے بستیاں ہیں
اسیؐ کے صدقے میں ہستیاں ہیں

اُسیؐ کی خاطر بنا زمانا
اُسیؐ کی خاطر تمام دنیا

اُسیؐ کا امیّدوار ساموںؔ
اُسیؐ کی خاطر سخن سرا ہوں

(2)

صلح سے جنگ کا ہنگام بجھانے والا
امن کے واسطے تلوار اٹھانے والا

کھیتیاں ظلم کی، نفرت کی، مٹانے والا
پیار کے پھول خرابوں میں اُگانے والا

اُسؐ کے قدموں کی بدولت بنے ادنیٰ اعلیٰ
وہؐ بلندوں کو بلندی سے گرانے والا

فقر و فاقہ سے تھی آراستہ جس کی محفل
نعمتیں سیکڑوں لوگوں کو دلانے والا

اک بشر، خیر بشر، خیر رسالت، پھر بھی
ایک ہی معجزہ قرآن دکھانے والا

ہے زمانے میں وہی نعرۂ حق کا بانی
صفحۂ بود سے باطل کو مٹانے والا

جسؐ کی ہیبت سے سمٰوٰت بھی تھرّاتے تھے
نرم گفتار ، طرح دار ، رجھانے والا

یوں تو کہنے کو ہے وہؐ گنبد خضریٰ کا مکیں
وہؐ زمیں والا، فلک والا، زمانے والا

اُسؐ کی تعریف میں کیا نعت لکھیں گے ساموںؔ
جسؐ کی تعریف کرے آپ بنانے والا

ذوالفقار نقوی (پونچھ۔ جموں و کشمیر)

نعوت

(۱)

ملتی ہے ترے در سے ، کمائی ترے در کی
اللہ نے بخشی ہے رسائی ترے در کی

دنیا کی اُسے کوئی بھی حاجت نہیں رہتی
آقا، جسے مل جائے گدائی ترے در کی

کیا ذکر بصارت کا، بصیرت بھی ملی ہے
آنکھوں میں فقط خاک لگائی ترے در کی

اِن آنکھوں نے ہوتے ہوئے سونا اُسے دیکھا
جو خاک عقیدت سے اُٹھائی ترے در کی

میں لوٹ کے اک بار بھی آیا نہیں خالی
پھر کیوں نہ کروں نغمہ سرائی ترے در کی

بس ایسا لگا خلدِ بریں کے ہوں مقابل
پلکوں پہ جو تصویر سجائی ترے در کی

بے حرف و بیاں میں، تو رفعنا لک ذِکرَک
ادراک میں کیا آئے بڑائی ترے در کی

(۲)

ضیائے آخری بن کر جو نورِ اولیں آیا
ستاروں نے لیے بوسے کہ ایسا مہ جبیں آیا

زمین و آسماں ہیں ہالہء نورِ ہدایت میں
رسالت کا امیں آیا ، نبوت کا نگیں آیا

سرِ محشر صدا آتی ہے یہ رضوانِ جنت کی
گنہگارو چلے آؤ، شفیع المذنبیں آیا

ہزاروں ماہِ کنعاں گم ہیں جس کی اک جھلک میں، وہ
جمیل و اجمل و اکمل، حسین و دلنشیں آیا

شبِ اسراء ز آدم تا بہ عیسیٰؑ ایک ہی صف میں
کھڑے ہیں انبیاء سارے ، امام المرسلیں آیا

(۳)

یہ قیل و قال و این و آں، یہ زمزمہ فضول ہے
جو عشقِ مصطفیؐ نہیں تو فکر تیری بھول ہے

وہ شمعِ شش جہات ہے، شمیم ِ گل فراز ہے
وہ شہرِ علم و آگہی، جو تاز بر جہول ہے

وہ وجہِ خلقتِ جہاں، وہ راہِ حق کا راہنما
طہارتوں کا آئینہ ، وہ والدِ بتول ہے

جو معرفت رسول ؐ کی نصیب میں ترے نہیں
سکوت بھی عتاب ہے، یہ نطق ہے بھی عدول ہے

لبوں پہ ذکرِ مصطفی ؐ ، نفَس نفَس میں تان وہ
قلوب پر بھی رحمتوں کا ہو رہا نزول ہے

مسافتوں ڈر نہیں، صعوبتوں کا غم نہیں
غلامئ رسولؐ میں تو موت بھی قبول ہے

یہ نطق اور سکوت سے معاملہ ہے ماورا
رگِ حیات میں مری وہ عشق یوں حلول ہے

نبیؐ، علیؑ و فاطمہؑ تو کشتیٔ نجات ہیں
درِ حسینؑ، زندگی کا مومنو حصول ہے

ہو ذوالفقارؔ غمزدہ پہ اک نظر کرم کی اب
وفور ِ اضطراب ہے، یہ زندگی ملول ہے

(۴)

کوئی طوفاں ٹِک نہیں پاتا دعا کے سامنے
اسمِ احمدؐ ڈھال ہے ہر ایک بلا کے سامنے

بولے جبریلِ اَمیں ، یہ ہے غلامِ مصطفیٰ ؐ
رکھ دیے اعمال میرے جب خدا کے سامنے

سارے منطق، فلسفے، نطق و بیاں ، سب قیل و قال
ذکر سارے ہیچ ہیں ''صلِ علیٰ'' کے سامنے

کوئی عاصی بر سرِ محشر نہ ہو گا غم زدہ
شافعِ روزِ جزا، خیرالوریٰ کے سامنے

عُزّہ و لات و ھُبل سے مرحب و انتر تلک
کون ٹِک پایا وصیٔ مصطفیؐ کے سامنے

ہو گیا شق ایک انگلی کے اشارے سے قمر
تاب لا پایا نہ نورِ مصطفیٰ ؐ کے سامنے

چاند، سورج، آسماں، تارے، زمیں کچھ بھی نہ تھا
نورِ احمدؐ تھا فقط، ذاتِ خدا کے سامنے

ماند پڑ جاتے ہیں مہر ماہ و انجم ذوالفقارؔ
وجہِ تخلیقِ جہاں، شمس الضحیٰ کے سامنے

(۵)

وفورِ وحشتِ صحرا میں سائباں کے لیے
وہ لامکان سے اُترا ہے ہر مکاں کے لیے

کوئی ہو آپ ؐ سا محراب میں ، مصلے پر
بلال خلد سے آ جائیں پھر اذاں کے لیے

وفورِ شوقِ سجود و قیام کو لے کر
تڑپ رہا ہوں ترے سنگِ آستاں کے لیے

کھڑے ہیں آدمؑ و الیاس ؑ و یونسؑ و عیسیٰ ؑ
نظر ہے سوئے حرم میرِ مرسلاںؐ کے لیے

میرے یقیں کا مصلیٰ ہوا پہ بچھتا ہے
میں جسم و جاں سے نکلتا ہوں جب وہاں کے لیے

وہ جس کے جسم کا سایہ نظر نہیں آتا
وہی تو اصل میں سایہ ہے ہر جہاں کے لیے

ڈاکٹر سیّد شبیب رضوی (سرینگر۔کشمیر)

نعتیں

(1)

رُوئے نبیؐ پہ قطرہ بہ قطرہ وضو کے پھول
اے عشقِ رب یہی ہیں تری آبرو کے پھول

آیات سے مہکتی احادیثِ آنحضورؐ
گویا کہ ہیں کھلے چمنِ گفتگو کے پھول

عزمِ حُسینؑ فقرِ علیؑ صبرِ فاطمہؑ
باغِ رسولؐ میں ہیں سبھی رنگ و بُو کے پھول

خود منزلِ ہدایتِ اُمّت پکار اُٹھی
نقشِ قدم ہیں راہ میں یا جستجو کے پھول

مکّے مدینے میں تو پسینہ بہایا تھا
طائف کے پتھروں پہ بکھیرے لہو کے پھُول

وہ آئنہ ہیں آئنہء حق کے سامنے
پُرنور و پُرکشش ہیں بہت رُوبرو کے پھول

برسا رہا ہوں اشک ، عقیدت کے فیض سے
شاداب ہیں اسی سے مری آرزو کے پھول

تکتا ہوں اُن کے در کو تصور میں اور پھر
چُنتا ہوں چشمِ شوق سے لا تقنطوا کے پھول

(2)

یا نبی خیر البشر صلِ علیٰ بس آپ ہیں
نور حق، شمس الضحیٰ، بدر الدجیٰ بس آپ ہیں

جلوہ فرما آئینہ در آئینہ بس آپ ہیں
آپ سا کوئی اگر ہے دوسرا بس آپ ہیں

تن مصفیٰ ، روح نوری ، دل جری اور ذہن پاک
سب سے برتر ہے جو مخلوقِ خدا بس آپ ہیں

نوع انسان فخر کرتی ہے کہ موجودات میں
سب سے اعلیٰ بندۂ ربِّ عُلا بس آپ ہیں

مصطفےٰ کے ہیں معانی برگزیدہ منتخب
حسبِ قرآں انبیاء میں مصطفےٰؐ بس آپ ہیں

دونوں عالم کو پتہ یہ چل گیا معراج میں
خاصۂ خاصانِ درگاہِ خدا بس آپ ہیں

وقت کے طوفان کو ساحل بنایا آپ نے
کشتئ دینِ خدا کے ناخدا بس آپ ہیں

آپ کے ہوتے ہوئے روزِ جزا سے کیوں ڈروں
کُلِّ رحمت شافعِ روزِ جزا بس آپ ہیں

گرچہ شرمندہ ہوں لیکن سرجھکاکر کیوں چلوں
بعدِ رب بخشندۂ سہو و خطا بس آپ ہیں

(3)

رسولِ اعظم نبی اکرم سلام مکّے مدینے والے
بڑی عقیدت سے کہتے ہیں ہم سلام مکے مدینے والے
میں کیا کہوں کیسی زندگی ہے تمہی سے بس لو لگی ہوئی ہے
عجیب ہے میرے دل کا عالم سلام مکّے مدینے والے
جھکائے سر کو کھڑا ہوا ہوں، خموش، لب بستہ، بے صدا ہوں
بہ قلبِ گریاں ، بہ چشمِ پُرنم سلام مکّے مدینے والے
جو ہے تصور میں سبز گنبد تمہارے روضے کا یا محمدؐ
نظر میں اک نور کا ہے عالم ، سلام مکّے مدینے والے
عقیدتوں سے سجا ہوا دل حضورؐ کب ہے تمہارے قابل
ہر ایک نذرِ خلوص ہے کم ، سلام مکّے مدینے والے
تمہی سے سیراب اہل عرفاں،تمہی سے شاداب اہلِ ایماں
قسیمِ کوثر ، زعیمِ زمزم ، سلام مکّے مدینے والے
کرم کی بارش برائے اُمّت، عمل میں رحمت، دعا میں جنت
لبوں پہ ٹھنڈک نظر میں شبنم سلام مکّے مدینے والے
تمہی ہو ہادی تمہی ہو رہبر ہر اک زمانے کے ہو پیمبرؐ
نبی آخر ، رسولِ خاتم ، سلام مکّے مدینے والے
حقیقتِ لازوال ہو تم کہ آپ اپنی مثال ہو تم
خدا کے اے جلوۂ مجسم سلام مکّے مدینے والے
خدا کی تخلیق میں ہویدا ، ہوا نہ ثانی تمہارا پیدا
تمہی ہو لاریب فخر آدم سلام مکّے مدینے والے
شبیبؔ کی سن لو میرے آقا، مدد کا طالب ہے تم سے شاہا
ہزاروں صدمے ہیں سینکڑوں غم سلام مکّے مدینے والے

پروفیسر سیّد رضا موسوی مرحوم (بڈگام۔کشمیر)

نعت

جیسے محروم تھا میں حرف و نوا سے پہلے
اپنے سرکار کی توصیف و ثنا سے پہلے

اُن سے نسبت مری گھٹی میں پڑی لگتی ہے
جسم میں دل کے دھڑکنے کی صدا سے پہلے

کوئی تخلیق روا ہی نہیں سمجھی جاتی
آمدِ صاحبِ لولاک لما سے پہلے

مجھ کو جنت ملے تو سلسلہ اُس کا بھی کہیں
مل ہی جاتا ہو مدینے کی فضا سے پہلے

❊

بخدا سب ہیں نگوں سار محمدؐ کے لیے
خاک خود بینی و پندار محمدؐ کے لیے

شوق دیدار کا نظروں میں رچائے نہ تھکی
چشم ہستی رہی بیدار محمدؐ کے لیے

وہ رفعنا لک ذکرک کی صدا آنے لگی
سج گیا مدح کا دربار محمدؐ کے لیے

قادر و خالق و قیوم سے معبود سے بھی
ہم کہ رکھتے ہیں سروکار محمدؐ کے لیے

جب بھی دل دھڑکے وہ ہلتی ہوئی زنجیر کہے
رُک گئی وقت کی رفتار محمدؐ کے لیے

یہ جو ہے سلسلۂ کون ازل تابہ ابد
یہ جو ہے گرمیٔ بازار محمدؐ کے لیے

چاندنی، دھوپ، دھنک، جوت چمک سب کے سب
ہیں مچلتے ہوئے انوار محمدؐ کے لیے

شام و شب ایک سیہ یا دو نشانِ وحشت
صبح ہوجائے نمودار محمدؐ کے لیے

❋

ضربِ تارِ نفس و سازِ رگِ جاں مہکے
نغمہ و زمزمۂ صلِّ علیٰ سے پہلے

انبیاء میں جو محمدؐ کو موخر رکھّا
کوئی بارش ہو نہیں آتی گھٹا سے پہلے

کیسے اظہار طلب ہو مرے رحمت فرما
روح کی ہوگئی تسکین عطا سے پہلے

رخسانہ جبیں (سرینگر۔کشمیر)

نعتِ شہہِ ابرار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

(1)

یا رب عطا ہو ہم کو زیارت رسولؐ کی
پہلے نصیب میں ہو اطاعت رسولؐ کی

وردِ زباں ہو کچھ تو بس اسمِ نبیؐ پاک
محفوظ دل میں ہو تو عبارت رسولؐ کی

تقلید ہم قبول کریں کیسے غیر کی
کرسّی و عرش تک ہے امامت رسولؐ کی

اعمال ہیں ہمارے سبب انفعال کا
لیکن ہے اپنے ساتھ شفاعت رسولؐ کی

ہم روزِ حشر ہونگے سرافراز و سُرخرو
امّت کے واسطے ہے ضمانت رسولؐ کی

(2)

محسنِ کائنات آپؐ کی ذات
آسمانِ ثبات آپؐ کی ذات

نااُمیدی کی تیرگی میں بھی
باعثِ انبساط آپؐ کی ذات

ہم کو غم سے رہا کرانے کو
ہے بقیدِ حیات آپؐ کی ذات

ہر بنِ مو ہے میرا شرمندہ
ایک راہِ نجات آپؐ کی ذات

میں جو یہ سر اٹھاکے چلتی ہوں
میری ساری بساط آپؐ کی ذات

حالتِ نزع سے بچا لے گی
دے کے آبِ حیات آپؐ کی ذات

میری آنکھیں ہیں تشنۂ دیدار
کربلا میں فرات آپؐ کی ذات

ذکرِ پاک آپؐ کا سہارا دے
حل کرے مشکلات آپؐ کی ذات

آپؐ کی مدح مجھ سے کیا ہوگی
منبعِ معجزات آپؐ کی ذات

(3)

میرے آقاؐ رحمۃً للعالمینؐ
فخرِ موجودات شاہِ مرسلینؐ

قاضیُ الحاجات در دنیا و دین
والیٔ محشر، شفیع المذنبینؐ

آپ محبوبِؐ خدا، یکتا حسین
منبعِ انوار روئے نازنین

کرسی و لوح و قلم زیرِ نگین
حکمرانی فرش تا عرش برین

آپؐ ہی تو ہیں مرے دل کے مکین
آپؐ ہیں بس میری ہستی کے امین

(4)

میں نعت لکھوں ادب اور احترام کے ساتھ
نہالوں اشکوں سے پہلے میں اہتمام کے ساتھ

مشامِ جاں کو معطر کرے خیال انؐ کا
درود بھیجتے رہنا ہے جنؐ کے نام کے ساتھ

بجا کہ عقل پہ طاری ہے وجد کا عالم
یہ بزم وہ ہے کہ رکھنا ہے کام کام کے ساتھ

کرم ہے مجھ پہ خدا کا مرے کہ جو میں ہوئی
فدا رسول پہ جاں، دل ، بدن تمام کے ساتھ

حبیبؐ میرا مدینے میں ہے یہ جانتی ہوں
عجیب رشتہ ہے مصرو عراق و شام کے ساتھ

حیات اس سے بڑی اور کیا بقا پائے
روانہ کیوں نہ کروں جاں بھی میں سلام کے ساتھ

(5)

قطرۂ شبنم سے کرتا ہے وضو برگِ گلاب
ہر پرندے کی زبان پر ہے درودِ آنجنابؐ

عشق میں سرشار ہے یہ جھومتی بادِ صبا
چومتی ہے روضہ اطہر شعاعِ آفتاب

طالبِ انوارِ روئے پاک ہے یہ آج بھی
اک اشارے پر ہوا دونیم روشن ماہتاب

بن گیا ہے حرزِ جاں میرے لیے ذکرِ رسولؐ
ہوں میں بحرِ بیکراں میں ورنہ مانندِ حباب

خاکِ پا کی بھی کوئی تشبیہہ ہے ممکن کہاں
چاہے نظروں کو میسّر ہوں ہزاروں آفتاب

التجا ہے یہ درِ اقدس پہ میری یا نبیؐ
آپؐ فرمائیں ثنا گوئی کی کوشش مستجاب

تنگ دستی تنگ دامانی مری، میں کم سواد
صاحبِ جود و سخا کی ہیں عطائیں بے حساب

کیا بتاؤں کیوں نہیں ہوتا ہے یارائے سوال
راز ہوجائے گا میرا فاش، جو آئے جواب

کیوں نہ ہوجاؤں فدا سوجان سے اُس پر جبیںؔ
ختم جس پر ہے نبوت کی، رسالت کی کتاب

(6)

دشمن کو بھی معاف کرے خوئے آنحضورؐ
رحمت ہے دو جہاں کے لیے روئے آنحضورؐ

ہے بندگی خدا کی، اطاعت رسولؐ کی
فرمانِ حق یہی ہے، چلیں سوئے آنحضورؐ

سرمہ ہماری آنکھ کا خاکِ مدینہ ہے
جنت ہمارے واسطے ہے کوئے آنحضورؐ

امراض کی شفا ہے یقینی اگر ہمیں
مل جائے ایک قطرۂ پاشوئے آنحضورؐ

ابرِ کرم یہ سرپہ عنایت خدا کی ہے
صحراوں میں مرے ہے رواں جوئے آنحضورؐ

روشن ہمیشہ گلشنِ اسلام میں رہے
صوت و صدا و رنگ و گل و بوئے آنحضورؐ

(7)

بنجروں میں بہار لاتی ہے، آرزوئے مُحمدِ عربیؐ
گُل بیابان میں کِھلاتی ہے جُستجوئے محمدِ عربیؐ

لاج رکھ لی کہاں کہاں آقاؐ ، ہاتھ سے اب نہ چھوٹے گادامن
جان سے بھی عزیز تر ہے ہمیں، آبروئے محمدِ عربیؐ

پھر کوئی اور بات کیوں کرتے،یاکوئی اور بات کیوں سنتے
شہدوشکر سے جب ہے شیریں تر،گفتگوئے محمد ِعربیؐ

ہے بڑایہ کرم،نوازا ہے امتی ہونے کی سعادت سے
یا الٰہی عطا ہو اب ہم کو ،رنگ و بُوئے محمدِعربیؐ

جب یہ طے ہے کہ دونوں عالم کا یہی سرمایہ اور حاصل ہے
کیوں نہ پھرہم بسا لیں آنکھوں میں،خاکِ کوئے محمدِ عربیؐ

مظفر ایرج (سرینگر۔کشمیر)

نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

تُوؐ زمیں میں بھی ہے زماں میں بھی
تیراؐ پر تو ہے آسماں میں بھی

ورع، باطن، ہوا، افق، برزخ!
تُوؐ عیاں میں بھی ہے نہاں میں بھی

مجھ سا عاصی لکھے تو کیا لکھے
مدح تیریؐ کہ ہے قرآں میں بھی

بس درود و سلام کی لذّت
جسم میں بھی ہو میری جاں میں بھی

رب نے ڈالا ہر امتحاں کے بعد
اُنؐ کو امّت کے امتحاں میں بھی

عاصیو! چشمِ مصطفےٰؐ ہی ہے
عفو کا صور آگ داں میں بھی

اُنؐ کی نعتوں کا ایرؔجِ مضطر
ذائقہ ہو مری زباں میں بھی

ڈاکٹر نذیر آزاد (سرینگر۔کشمیر)

تضمین اشعارِ خسروؔ

اے واقفِ اسرارِ کُن اے باعثِ آدم گری
مطلوبِ انس و جاں توی محبوبِ حوران و پری
ارض و سما دشت و جبل میں تو ہی تو ہے عبقری
اے چہرۂ زیبائے تو رشکِ بتانِ آزری
ہر چند وصفت می کنم در حُسن ازاں بالا تری

دیکھے کئی گل روحیں کیا سروقد کیا زُلفِ خم
پیراہنوں میں تھی بسی گو نکہتِ باغِ اِرم
یہ مہر و مہ کیا چیز ہیں افلاک پر رکھے قدم
آفاق ہا گردیدہ ام مہرِ بتاں ور زیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام اما تو چیزے دیگری

اب وہ نہیں پہلے سے دن، نےَ اب وہ پہلی بے حِسی
تیرے جمالِ دل نشیں سے دل میں پھیلی کھلبلی
جتنا کہ ''میں'' تھا گُم ہوا باقی تیری صورت رہی
من تو شدم تو من شدی من تن شدم تو جاں شدی
تاکس نہ گوید بعد ازیں من دیگرم تو دیگری

بادِ صبا کے دوش پر جاتے ہو جاناں یوں کہاں
پیچھے ہیں کتنی نکہتیں آگے ہے پوری کہکشاں
دزدیدہ نظروں سے مگر تکتے ہیں مجھ سے خستہ جہاں
اے راحت و آرامِ جاں با قد چوں سروِ رواں
زیناں مر و دامن کشاں کہ آرامِ جانم می بری

از بس کہ تیری ذات ہے اک مدعائے انبیاء
حسّان سے اقبال تک سب تیرے کوچے کے گدا
آزادؔ کو دیکھا وہیں ہمراہِ پیر باصفا
خسروؔ غریب است و گدا افتادہ در شہر شما
باشد کہ از بہرِ خدا سوئے غریباں بنگری

شبنم میں یہ ٹھنڈک کہاں بے رنگ ہے تجھ بن کلی
واللیل سے راتیں حسیں والشّمس دن کی روشنی
تجھ سے تخیل ہے جواں تجھ سے ہے قائم شاعری
تو از پری چابک تری و ز برگ گُل نازک تری
از ہرچہ گویم بہتری حقا عجائب دلبری

فدؔا راجوروی (راجوری۔جموں وکشمیر)

نعتیہ قطعات

رونقِ بزم ہستی ہیں آپ اے نبیؐ
آپ کے دم سے محفل میں ہے روشنی
صبحِ روزِ ازل سے ہے تابندہ تر
تا اَبد ہے ضیا پاش تابندگی
(دسمبر ۲۰۰۱ء)

آپ کے ہی وجود سے زمزمۂ حیات ہے
ساری یہ رونق چمن تیری ہی کائنات ہے
نور ازل ہے اور کیا تیرا ہی پرتوِ خیال
تیرے حسن سے تابناک یہ بزمِ واردات ہے
تیرا دم حیات ہے توجیہہ نغمہ الست
خاورِ فکر سے پرے تیری تخیلات ہے

خاکِ در رسولؐ میں ہوتا تو خوب تھا
کوئے نبیؐ کی دھول میں ہوتا تو خوب تھا
یعنی وہاں قبول میں ہوتا تو خوب تھا

اللہ مرتبہ ہے کہ ممکن نہیں بیاں
تقدیس آنجنابؐ میں ہیں محو قدسیاں
قرآن میں ہے ذات اللہ خود ہی مدح خواں

جاگیں اگر نصیب مدینے کو جاسکوں
پھر باریابیٔ درِ اقدس کو پاسکوں
ہوجاؤں گر قبول تو واپس نہ آسکوں

سب سے بڑی تو ذات خدا ہی کی ذات ہے
ہر سو خدا کے بعد محمدؐ کی بات ہے
کون و مکان و شرفِ زمین و زمن کا راز
اللہ کے حبیب کی شمع حیات ہے

خاکِ پائے رسول ہو جاؤں
شہر طیبہ کی دھول ہو جاؤں
رات دن واں کروں میں دربانی
در پہ آقا قبول ہو جاؤں
(مارچ ۲۰۱۶ء)

کرم اُس کا ہے میں قسمت پہ اپنی ہوں فدآ نازاں
ثنائے مصطفیٰ میری متاعِ جاودانی ہے

گنبدِ خضریٰ کو پھر آنکھوں سے دیکھوں ایک بار
جان و دل، نور نظر، ہدیہ کروں پھر ایک بار
(دسمبر ۲۰۰۳ء)

مجھے کوئے محمدؐ سے فدا نسبت ہے یہ حاصل
کسی لمحہ مجھے مالک نے لاوارث نہیں رکھا

نعتِ نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

فدا راجوروی

محترم محتشم آپ ابرِ کرم، اب گھٹا اپنی رحمت کی برسایئے
ہر طرف ہے بپا ایک جبر و ستم اپنی نظر کرم اب تو فرمایئے

بکھرا بکھرا ہے شیرازہ امت کا سب کوئی کشتی کا اپنی نگہباں نہیں
دستِ صیاد سے لٹ گیا سب چمن یہ زمین و زماں اب مہرباں نہیں

وقت کی رَو میں سب ناخدا بہہ گئے اب طلاطم میں کوئی کفارا نہیں
کوئی غم خوار و مونس کسی کا نہیں ایک کو دوسرے کا سہارا نہیں

کام آنے کی تدبیر کوئی نہیں، رہبروں میں نہیں جوہر رہبری
اب ہے باطل سیاست کی سب خسروی کوئی تفسیر حق کی نہیں پیروی

عزت وعصمت و مال و زر لٹ گئے زندہ رہنے کی اب بھیک ملتی نہیں
سب چمن لٹ گئے آشیاں شاخ گل اب کہیں کوئی کھلتی نہیں

گھُٹ گیا ساری امت کا ہے آج دم، اب کرم کیجئے سرورِ محترم
آپ کا پھر برس جائے ابرِ کرم اے حبیبِ خدا محترم محتشم

صائمہ جبین مہک

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عطاؤں کا خزینہ ہے یہ پیارا سامدینہ ہے
یہ میرے کملی والے کی تجلی کا نگینہ ہے

عطا اُس کو ہی ملتی ہے جُڑے ہیں جو مدینے سے
محبت کرنے والوں کا مدینہ ہی خزینہ ہے

یہاں پر جو بھی آتے ہیں وہ جھولی بھر کے جاتے ہیں
مدینہ مصطفی کے عاشقوں کا آبگینہ ہے

بھٹکتی جستجو کو وہ کنارے پر لگا دیں گے
مدینہ ہی تو میری زندگی کا اب سفینہ ہے

دلوں کو تازگی دیتی مہکؔ خوشبو وہاں کی ہے
گلابوں سا مہکتا باغ ہی میرا مدینہ ہے

مصطفیٰ دلکش (ممبئی-مہاراشٹر)

نعت

عشق مصطفیٰ میں جو زندگی گذر جائے
دین بھی سنور جائے دنیا بھی سنور جائے

جب قدم ہمارا ہو اے خدا مدینے میں
التجا ہماری ہے زندگی ٹھہر جائے

ہم غلام انُ کے ہیں وہ ہمارے آقا ہیں
امّتِ محمد اب اے خدا کدھر جائے

دوستو الگ سب سے شان ہے محمدؐ کی
مصطفیٰ جدھر جائیں ہر ولی ادھر جائے

خوف کب اسے ہوگا دوستو جہنم کا
عشق میں محمدؐ کے حد سے جو گذر جائے

میں جدھر سے بھی دیکھوں روضۂ محمدؐ کو
ہر طرف نظر آ ئے جس طرف نظر جا ئے

جانے دو انہیں رضواں امّتِ محمدؐ ہیں
لا الہ الا اللہ دل میں جو اتر جا ئے

حشر میں یہ کہد یں گے مصطفیٰ فرشتوں سے
یہ غلام میرا ہے کیوں کسی سے ڈر جا ئے

اس جگہ مرے آقا ایک پل میں پہونچے ہیں
جس جگہ فرشتوں کے اے خدا نہ پر جا ئے

ابوالحسن خاور Cell: +92 321 4435273

نعتِ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

عطا و لطفِ پیمبر بہت ضروری ہے
بہت ضروری ہے خاور، بہت ضروری ہے

میں ایک جھیل ہوں ، پژمردہ و فسردہ جھیل
کوئی مدینے کا کنکر بہت ضروری ہے

مری جگہ پہ کوئی بادشہ نہ آجائے
میں جم کے بیٹھا ہوں در پر! بہت ضروری ہے

اے میری آنکھ مدینے کو جذب کرتی جا
زمینِ دل پہ یہ منظر بہت ضروری ہے

صبائے شہر مدینہ کی نکہتوں میں رہوں
مدینہ رو ہو مرا گھر بہت ضروری ہے

سید اولادِ رسول قدسی مصباحی (امریکہ)

ان کی الفت کو بابِ ارم بولئے

(1)

کس پہ ان کا نہیں ہے کرم بولئے
ان کے دم سے ہیں لوح و قلم بولئے

ملک جنت عطا کی ہے رب نے انہیں
ان کی الفت کو باب ارم بولئے

ہے جو مربوط روحانی تسکین سے
ایسا غم ہے فقط ان کا غم بولئے

ان کی عظمت کا جو بن گیا پہرے دار
سوئے حق اس کا بڑھتا قدم بولئے

یوں چلی شاہ دیں کے تواضع کی تیغ
ہوگیا قتل اعدا کا ہم بولئے

عرش جملہ کمالات و اوصاف کا
سامنے ان کے ہے سر بہ خم بولئے

ان کے اصحاب کے ذوق ایثار پر
ہوگئ چشم اسلام نم بولئے

دیکھ کر جوش ایمان حضرت بلال
پانی پانی ھے مشق ستم بولئے

کر سکے حق سے ہم کو سر مو بھی دور
کون ھے کس میں اتنا ھے دم بولئے

بات چھڑ جائے جب شاہ کونین کی
رب کی ہیں وہ دلیل اتم بولئے

سارا عالم ھے آقا کے زیر نگیں
لا شریک ان کو شاہ امم بولئے

مر مٹے ان کے صبر آزما طرز پر
سخت گیر اہل سب و شتم بولئے
ہے جو ان کی محبت کا روشن مطاف
ایسے دل کو مقدس حرم بولئے

کرتا رہتا ھے نعت شہ دیں رقم
کتنا خوش بخت ھے یہ قلم بولئے

سن کے انگشت سرکار کا معجزہ
"قدسی" بے ہوش ھے جام جم بولئے

(2)

سرورِ دیںؐ کے جو عشاق نظر آتے ہیں

سرور دیں کے جو عشاق نظر آتے ہیں
وہ گل رحمت خلاق نظر آتے ہیں
ایسی بے مثل ھے عشق شہ عالم کی کتاب
اس سے روشن سبھی اوراق نظر آتے ہیں
پڑھئے ایثار صحابہ کے مقدس ابواب
عبرتوں سے بھرے اسباق نظر آتے ہیں
تمغۂ عفو دیا دشمن خونخوار کو بھی
ایسے وہ پیکر اخلاق نظر آتے ہیں
دیکھ کر حسن عمل بول اٹھے ہم سے ملک
صادق وعدۂ میثاق نظر آتے ہیں
ہیں وہ آسودۂ احوال ، جو اس دنیا میں
طالب مرضئ رزاق نظر آتے ہیں
عہد طفلی میں یہ مانا صفحا نے کہ علی
علم و فن میں بڑے مشاق نظر آتے ہیں
جائے گا بس وہی جو صاحب ایماں ھے یہاں
یوں تو سب خلد کے مشتاق نظر آتے ہیں
حیف صد حیف کہاں زہد و ورع کا منظر
اب جدھر دیکھئے فساق نظر آتے ہیں
دور فترت کے موحد کے عقائد "قدسی "
داد و تحسین کے مصداق نظر آتے ہیں

ڈاکٹر ذوالفقار علی دانش (حسن ابدال - پاکستان)

نعتِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

قصیدہ جب بھی لکھوں صرف آپ پر لکھوں
کسی کو آپ سے بڑھ کر نہ معتبر لکھوں

بسوزِ قلب و جگر اور بچشمِ تر لکھوں
نبی کی نعت لکھوں اور عمر بھر لکھوں

قلم اٹھاؤں پئے نعت پر بسا اوقات
سمجھ میں کچھ نہیں آتا میں کیا مگر لکھوں

خیال و فکر سے بالا ہے شانِ مصطفوی
زمیں پہ رہ کے بھلا آسمان پر لکھوں ؟

مرا خیال بھی محدود ، فکر بھی ناقص
کہاں میں لکھنے لائق ہوں ، کچھ اگر لکھوں

یہ سب حضور کی رحمت کا فیض ہے ورنہ
مری مجال کہاں ان کی ذات پر لکھوں

محبت ان سے ہے ہستی کا حاصلِ مقصود
انھی کا عشق تمناؤں کا ثمر لکھوں

ہے قول جن کا حدیث اور ہے عمل سنت
بھلا میں کیسے انھیں عام سا بشر لکھوں ؟

وہ ، جن میں آتی ہے گھر سے صدا درودوں کی
وہی تو لمحے ہیں جن میں ، میں گھر کو گھر لکھوں

سوال پوچھے اگر کوئی خلد کی بابت
اسے جواب ، مدینے کے بام و در لکھوں

فلک کو چھونا زمیں کا رقم کروں میں اگر
حضور ! آپ کے قدموں میں اپنا سر لکھوں

بنا ہو جس کا حوالہ ہی مدحِ شانِ نبی
سخنوروں میں اسے کیوں نہ معتبر لکھوں

جو یادِ سرورِ عالم میں بہہ گئے دانش
تمھی کہو کہ انھیں اشک یا گہر لکھوں ؟

عائشہ ناز

صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ واصحبہ وبارک وسلم

طلوعِ صبح ولادت ہے نور پھیلا ہے
درود پڑھنے کی ساعت ہے نور پھیلا ہے

اتر رہے ہیں ملائک لیے ہوئے پرچم
ورود رحمت و برکت ہے نور پھیلا ہے

قدومِ سرورِ اقدس ﷺ کو آج چومے گی
زمیں کو کیسی مسرت ہے نور پھیلا ہے

فضائے ارض و سما نور میں نہائی ہے
ملائکہ کی وہ کثرت ہے نور پھیلا ہے

اندھیرے کفر و ضلالت کے منھ چھپاتے ہیں
بتوں پہ لرزہ و ہیبت ہے نور پھیلا ہے

جھکا ہے خانۂ کعبہ بھی آج سجدے میں
عظیم وقت سعادت ہے نور پھیلا ہے

کچھ اس طرح سے مقدر میں روشنی جاگی
زباں پہ آپ ﷺ کی مدحت ہے نور پھیلا ہے

کھلے ہیں ناز کے دل میں بھی پھول نعتوں کے
یہ فیضِ حُبِّ رسالت ﷺ ہے نور پھیلا ہے

علی شیدا (مجدون، اسلام آباد۔ کشمیر)

نعتِ رسولِ معظم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

عرش ہے اور تعظیمِ معظّم ، صلی اللہ علیہ وسلم
فرش لئے تکریمِ مکرم ، صلی اللہ علیہ وسلم

منبع مدحت خود اللہ ہے کون زمن نے کی تقلید
حشر تلک ہر لب پر ہر دم ، صلی اللہ علیہ وسلم

آؤ مدینہ دل سے دیکھیں آنکھوں سے جالی کو چومیں
گنبدِ خضرا نور کا پرچم ، صلی اللہ علیہ وسلم

آؤ نبی کے پیارے دیوانو جام بڑھاؤ پیاس بجھاؤ
جاری و ساری عشق کا زمزم ، صلی اللہ علیہ وسلم

آپ ہی اول آپ ہی اعلیٰ یاسیں مزّمل آپ ہی طاہا
اکمل و کامل نورِ مجسم ، صلی اللہ علیہ وسلم

شفقت والے عظمت والے اور شفاعت و رحمت والے
ہادی برحق محسنِ اعظم ، صلی اللہ علیہ وسلم

شہرِ مدینہ شیداؔ جائیں آقا کے دربار سے پائیں
ہجر کا درماں وصل کا مرہم ، صلی اللہ علیہ وسلم

میر امتیاز آفریںؔ (بڈگام-کشمیر)

نعت شریف

دیارِ حبیب میں بسر صبح و شام کرتے
آنکھوں ہی آنکھوں میں ہم کلام کرتے

خرد کی گتھیاں تو ہم سُلجھا چکے
عشقِ مصطفیٰؐ کو ہم اپنا امام کرتے

جب بھی تیری یاد طیبہ ہمیں لے جاتی
تجھ پہ درود پڑھتے تجھے ہی سلام کرتے

اس سے پہلے کہ شمعِ زیست ہماری بجھے
ہم اپنی یہ زندگی تیرے ہی نام کرتے

صلِ علیٰ کے نغمے ہم سدا سناتے
کتاب و سنّت کی روشنی کو عام کرتے

حرم کی فضاؤں میں ہوتی ہماری صبح
سبز گنبد کی چھاؤں میں اپنی شام کرتے

عالمِ خواب میں اک بار ہوں جلوہ گر
ذکر حبیب پہ نثار، ہم اپنا آرام کرتے

لحنِ داؤدیؑ قدسیوں کو ہو عطا
تیری عظمت کا چرچہ ہر خاص و عام کرتے

لب پہ جس کے ہر دم حرفِ دعا ہی آیا
اسی سے عرض اپنی حسرتِ ناتمام کرتے

آرزوئے آفریںؔ ہے کہ مدینے میں ہو قیام
نیچی بھیگی پلکوں سے ہم سلام کرتے

فردوس فاطمہ اشرفی

نعتِ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(1)

گل بداماں ہوگیا لہجہ مرے گفتار کا
نام آیا جس گھڑی لب پر شہِ ابرار کا

طاقِ دل میں کرکے روشن یادِ طیبہ کا چراغ
کر رہی ہوں میں نظارہ گنبد و مینار کا

شمس روشن ہے رخِ شمس الضحیٰ کے نور سے
"چاند صدقہ لے رہا ہے آپ کے رخسار کا"

سوئے شانِ مصطفیٰ پرواز کر پائی نہیں
لاکھ بازو آزمائی طائرِ اظہار کا

تیرے در پر عظمتِ کونین کی خم ہے جبیں
ماورائے عقل ہے رتبہ ترے دربار کا

ہو گئی شاداب قلب و فکر کی بنجر زمیں
ابر برسا جس گھڑی سرکار کے کردار کا

زندگی جب تک وفا کرتی رہے گی میرے ساتھ
گم نہ ہوگا مجھ سے خامہ مدحتِ سرکار کا

معجزہ سرکار کے اصحاب کا یہ دیکھیے
کام شاخوں سے لیا ہے جنگ میں تلوار کا

تیری رحمت کے طلبگاروں میں ہے "فردوس" بھی
لاج رکھنا حشر میں اس عاصی و بدکار کا

(2)

الفاظ کا ہے سارا ذخیرہ تمام شد
لیکن ہوا نہ تیرا قصیدہ تمام شد

اے یاد طیبہ تیری یہ رفتار کو سلام
پل بھر میں ہجر کا کیا رستہ تمام شد

شانِ حبیب حق کا نیا باب ہو شروع
جب باب دہر کا ہو فسانہ تمام شد

لوں کوچۂ رسول کی آغوش میں پناہ
جب روح کا بدن سے ہو رشتہ تمام شد

تقدیر جاگے ،پردہ ہٹے، دیکھ لوں انہیں
ہوگی نہ جانے کب یہ تمنا تمام شد

اصحاب و اہل بیت کی الفت کو چھوڑ کر
عشق شہِ حجاز کا دعوٰی تمام شد

اذنِ خدا سے مدحتِ احمد کا سلسلہ
میری لحد میں بھی نہیں ہوگا تمام شد

سرکار کے بنا ہے مری زیست اس طرح
صحرا میں جیسے ہو کوئی دریا تمام شد

کن کی تسلیوں سے اے "فردوس" ہو گیا
خوفِ خدا سے دل کا لرزنا تمام شد

(3)

نعتیہ سہرا "شفاعت کا سہرا"

پئے شاہِ بطحا شفاعت کا سہرا
ہے انعام رب کا شفاعت کا سہرا

دو عالم کے دولہا کی پیاری جبیں پر
خدا نے سجایا شفاعت کا سہرا

کیا جس گھڑی ورد صلی علی کا
مرے دل میں مہکا شفاعت کا سہرا

سبھی عاصیوں کے لیے حشر کے دن
بنے گا سہارا شفاعت کا سہرا

بنا شانِ محبوبیت کے گلوں سے
نہایت ہی پیارا شفاعت کا سہرا

کیا عاصیوں نے ادا سجدہ ء شکر
تمہارا جو دیکھا شفاعت کا سہرا

سبھی انبیاء جن کا صدقہ لٹائیں
وہ ہے سب میں یکتا شفاعت کا سہرا

شبِ نفسی۔ نفسی کی تاریکیوں میں
بہت جگمگایا شفاعت کا سہرا

ہے فکرِ رسا یہ سمجھنے سے قاصر
حقیقت میں ہے کیا شفاعت کا سہرا

چلو بزم محشر میں "فردوس" اب تم
وہاں دیکھ لینا شفاعت کا سہرا

ازہرمدنی

مدحت

برزمین الحاج حنیف نازش

رحمتِ شاہ کی بہتات ہوئی نعت ہوئی
یوں عطا آپ کی خیرات ہوئی نعت ہوئی

تھا مرے وردِ زباں صلِ علٰی کا نغمہ
لمحہ بھر میں یہ کرامات ہوئی نعت ہوئی

حمدِ خلاّقِ دوعالَم میں زباں کھولی تھی
انہی لمحوں میں عجب بات ہوئی نعت ہوئی

رحمتِ سیدِ کونین کا اعجاز یہ ہے
جب مری واقفِ حالات ہوئی نعت ہوئی

نعت پڑھتے ہوئے برسات ہوئی اشکوں کی
جس گھڑی اشکوں کی برسات ہوئی نعت ہوئی

ذہن جس وقت پراگندۂ حالات ہوا
وجہِ تطہیرِ خیالات ہوئی نعت ہوئی

کلکِ ازہر کی سعادت ہے کہ تحمید کے بعد
مدحتِ سیدِ سادات ہوئی نعت ہوئی

ابوالمیزاب محمد اویس آبؔ

نعت

برزمینِ الحاج حنیف نازش

یادِ سرور میں بسر رات ہوئی، نعت ہوئی
سَحَرِ لطف و عنایات ہوئی، نعت ہوئی

بہرِ تطہیرِ خیالات ہوئی نعت ہوئی
حُسنِ افکار کی بہتات ہوئی نعت ہوئی

روزِ محشر وہ لیے آئے نویدِ بخشش
عفوِ عصیاں کی شروعات ہوئی نعت ہوئی

جب کبھی بزمِ تخیل میں مرے جذبوں کی
فکرِ حساں سے ملاقات ہوئی، نعت ہوئی

صحنِ دل میں ترے گیسوئے کرم کے صدقے
ٹوٹ کر نور کی برسات ہوئی نعت ہوئی

ذوق نے نعرہِ مدحت جو لگایا دل سے
پھر فراوانیِ جذبات ہوئی نعت ہوئی

جب بھی آئی مجھے تسکین ہی پہنچائی ہے
دافعِ گردشِ حالات ہوئی نعت ہوئی

نعت انجیل کے ماتھے کا بنی ہے جھومر
حشمت و زینتِ تورات ہوئی نعت ہوئی

نعت کے دَم سے فروزاں ہیں مضامینِ زبور
اور جو رونقِ آیات ہوئی نعت ہوئی

شب کو نعلین کے ذرّے ترے یاد آئے ہمیں
عید کے دن سے حسیں رات ہوئی نعت ہوئی

لِلّٰہِ الحمد! غزل ہی نہ ہوئی ہم سے، مگر
منقبت، حمد و مناجات ہوئی، نعت ہوئی

روز افزوں ہے تصور کی نمود و بہبود
مرحبا باعثِ برکات ہوئی، نعت ہوئی

بن کے دولہا جو چلا لوحِ عقیدت پہ قلم
ساتھ الفاظ کی بارات ہوئی نعت ہوئی

ہوگیا آپؐ کے گھر بار پہ رحمت کا نزول
دل سے جب خدمتِ سادات ہوئی نعت ہوئی

پرویز اشرفی احمد آبادی (گجرات، ہند)

نعت

برزمینِ الحاج حنیف نازش

جب مصلے پہ کھڑی رات ہوئی، نعت ہوئی
صبح جب طالبِ صلوات ہوئی، نعت ہوئی

پڑھ کے الحمد، ہُوا حمدِ خدا کا آغاز
ختم جب سورہِ حجرات ہوئی، نعت ہوئی

عاجزی، علم، عمل، عشق، عقیدت، عرفاں،
جب بھی تقسیم یہ خیرات ہوئی، نعت ہوئی

رونما، دامنِ کہسارِ سخن پر میرے
جیسے ہی نور کی برسات ہوئی، نعت ہوئی

فکرِ ارضی پہ جب افلاکِ سخن سے نازل
آیتِ اوجِ کمالات ہوئی، نعت ہوئی

سر بسجدہ جو مری چشمِ عقیدت، پیشِ
خالقِ ارض و سمٰوات ہوئی، نعت ہوئی

مدحتِ شاہِ عرب وہ بھی بہ الفاظِ عجم
چھوٹا منہ اور بڑی بات ہوئی، نعت ہوئی

کشتیِ ذکرِ مدینہ جونہی لنگر انداز
بر سرِ ساحلِ گجرات ہوئی نعت ہوئی

من کی محراب میں مدہوش مزاجی میری
مستقل محوِ مناجات ہوئی نعت ہوئی

حرمِ فکر میں جب کعبۂ فن کے آگے
لفظ و معنی کی ملاقات ہوئی نعت ہوئی

دشتِ امکان کی بے جان فضا میں جونہی
زندگانی کی شروعات ہوئی نعت ہوئی

جب سے صحرائے مدینہ تری مہکی ہوئی یاد
زینتِ بزمِ خیالات ہوئی نعت ہوئی

سر کو سجدے سے اٹھاتے ہی قلم بول اٹھا
مرحبا !!! نعت ہوئی، نعت ہوئی، نعت ہوئی

پرورش حمد کے ہاتھوں ہوئی جس کی پؔرویز
وہ فقط، نعت ہوئی، نعت ہوئی، نعت ہوئی

فاضل میسوری

نعت

وہ ہے نور و جوہرِ آگہی صلو علیہ و آلہ
وہ پیمبری میں ہے منتہی صلو علیہ و آلہ

وہ مرے حضور کی رفعتیں سرِ لامکاں وہ ضیافتیں
شبِ دیدِ رب میں وہ نوشہی صلو علیہ و آلہ

یہ ہے فیضِ بعثتِ مصطفیٰ کہ ہدایتوں کا ہے سلسلہ
مٹی ہر جہالت و گمرہی صلو علیہ و آلہ

وہ حبیب ایسا حبیب ہے کہ اسے خدا کی جناب سے
ملی دوجہاں کی شہنشہی صلو علیہ و آلہ

ہمیں اس نے اتنا عطا کیا نہ رہی ضرورتِ ماسوا
نہ ہمارے دست رہے تہی صلو علیہ و آلہ

اسی غیب دان رسول نے ہے بتایا فرق کتاب سے
کہ یہ امر اور یہ ہے نہی صلو علیہ و آلہ

نہیں لن ترانی کا ماجرا یہیں والضحیٰ یہیں من رأ
یہیں زورِ دستِ ید اللہی صلو علیہ و آلہ

رخِ والضحیٰ کے خیال میں اسی کائناتِ جمال میں
مرا ورد و ذکر ہے بس یہی صلو علیہ و آلہ

نجم الامین عروس فاروقی (گجرات، پنجاب، پاکستان)

نعت

ہمیں بے انتہا بخشا گیا ہے
در خیر الورای بخشا گیا ہے

جمال سید خوباں کی صورت
جمال کبریا بخشا گیا ہے

وہ بخشیں گے شفا مجھ کو یقیناً
انہیں دست شفا بخشا گیا ہے

یہی ہے جاءِ کُم نُوٗرٌ کا حاصل
اندھیرے میں دیا بخشا گیا ہے

شب اسرای کسے معلوم کیا کیا
سر عرش عُلا بخشا گیا ہے

ہمیں وہ خوش نصیب امت ہیں جس کو
پیمبر آپ سا بخشا گیا ہے

وہی ہو گا ہمارا ہم سماعت
جسے ذوق ثنا بخشا گیا ہے

جناب اکبر و اصغر کے صدقے
ذرا مانگا بڑا بخشا گیا ہے

عروس ایسا گنہگار و خطا کار
پئے آل عبا بخشا گیا ہے

مشتاق کاشمیری (سرینگر۔کشمیر)

نعت رسول مقبول صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وسلم کے عشق میں مجھ کو فنا کردے
خدائے مصطفیٰؐ مقبول میری التجا کردے

دمِ عیسیٰؑ یدِ بیضیٰ میرے کس کام آئیں گے
منقش میرے دل پر نقش پائے مصطفیٰؐ کردے

رہوں زندہ فقط مدحت سرائے مصطفیٰؐ ہوکر
مروں تو خاکِ راہِ شاہؐ بطحا اے خدا کردے

وہی بازارِ طائف ہے وہی شعب ابی طالب
مقدّر اب مدینے کی نسیمِ جانفزا کردے

ہمارا فکر و فن طاغوت کا ہے ترجماں اب تک
ہمارا فکر و فن حلقہ بگوشِ مصطفیٰؐ کردے

نبیؐ کے سنگِ در کو چوم کر رشکِ ملائک ہوں
جہاں والوں کو میرے مرتبہ سے آشنا کردے

حضورِ مصطفیٰؐ میں ، یا الٰہی سُن دعا میری
غلامی کی سند مشتاقؔ کو آقاؐ عطا کردے

مشتاق فریدی (ڈوڈہ۔جموں وکشمیر) +91 9596959045

نعتیں

(1)

سلام اُس پر خدائے لم یزل، جس پر کہ نازاں ہے
سلام اُس ذات پر جس کی محبت حسنِ ایماں ہے

کیا پیدا زمین و آسماں کو اس کی خاطر ہی
سلام اُس پر کہ جس کا ہر دو عالم نور تاباں ہے

سہارا جو بنا آکر یتیموں، بے سہاروں کا
سلام اُس پر غلاموں، بے بسوں پر جس کا احسان ہے

دیا جینے کا حق جس نے یہاں مظلوم عورت کو
سلام اُس پر جہالت جس کے دم سے خود پریشاں ہے

وہی ہے صاحبِ قرآن، وہی تفسیر قرآن ہے
سلام اُس پر کہ جس کی ذاتِ اقدس خود ہی قرآں ہے

سلام اُس پر کہ جس کے نام سے باطل پہ لرزہ ہے
سلام اُس پر کہ جس کی ہر ادا سے کفر لرزاں ہے

سلام اُس پر کہ جس کا ہے کرم مشتاقؔ عاصی پر
سلام اُس پر کہ جس کا ہر بشر ممنونِ احساں ہے

(2)

جب یاد تیری آقاؐ، ستاتی ہے مدینے میں
تسکین میرے دل کو، دیتی ہے مدینے میں

انجان نہ سودائی، دیوانہ نہیں ہوں میں
حق بات ہے روح میری رہتی ہے مدینے میں

ہے جس کی طلب تم کو اے تشنہ لبو، آؤ
تسنیم کی یہ ندیا، بہتی ہے مدینے میں

ہرگام پہ جنت ہے، اس شہرِ مدینہ میں
زائر کو خوش آمد کہتی ہے مدینے میں

آؤ کہ در رحمت کھلنے کا نظارہ ہے
یہ بادِ صبا آکر، کہتی ہے مدینے میں

یہ پچھلے پہر کس کی آہوں کو بلاوا ہے
یہ بادِ صبا اُن کو لیتی ہے مدینے میں

رحمت کی گھٹا آکر اس شہر مدینہ میں
دھوتی ہے گناہوں کو رہتی ہے مدینے میں

اُس آنکھ کے صدقے ہو، مشتاقؔ یہ بینائی
جو اشکِ ندامت بھی سہتی ہے مدینے میں

(3)

دیدارِ محمدؐ کا جذبہ جب دل میں پنپتا رہتا ہے
پھر قطرہ قطرہ بن کر وہ آنکھوں سے برستا رہتا ہے

ہے قلب پہ گرتی شبنم سی جب نامِ محمد لیتا ہوں
پھر درد کا آبِ زمزم یہ آنکھوں سے چھلکتا رہتا ہے

جب ذوقِ گنہ کے آنگن میں احساس کی بجلی گرتی ہے
پھر ابرِ ندامت کا بادل آنکھوں سے ٹپکتا رہتا ہے

وَرَفعنا لكَ کی ایک جھلک بیتاب دِلوں کی چاہت ہے
سیر آب یہاں پر کون ہوا، ہر شخص ترستا رہتا ہے

پلکوں سے چنوں گا تنکے بھی میں شہرِ مدینہ میں جاکر
اِس دِل کی ویراں بستی میں یہ شوق مچلتا رہتا ہے

جب قلم و زباں بھی رکتی ہے ہر بات اُدھوری رہتی ہے
پھر رات گئے اس عالم میں مشتاقؔ تڑپتا رہتا ہے

احمد جمیل (برہانپور، مدھیہ پردیس) 09977052564

نعتِ سرورِ عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

ان کی سنت کو بنایا جب مدارِ زندگی
کس قدر آساں ہوئی پھر رہگزارِ زندگی

آپ سے پہلے کہاں تھی اس قدر نیرنگیاں
آپ نے جگ کو بنایا گلعذارِ زندگی

پھول وحدت کے کھلائے گرم تپتی ریت پر
دشت کو تم نے بنایا مرغزارِ زندگی

ان کی راہوں پر چلو تو معتبر ہو جاؤ گے
سنتِ احمد ہے بےشک اعتبارِ زندگی

تم نے بازارِ جہاں کو نظم ایسا دے دیا
آج بھی جاری ہے جس پر کاروبارِ زندگی

تیری آمد کے طفیل اے صاحبِ کون و مکاں
چھا گیا اس بوڑھی دنیا پر خمارِ زندگی

مکتبِ اُمّی میں آئے تو سمجھ آئی جمیل
کیا شعورِ زندگی ہے کیا شعارِ زندگی

سجاد بخاری (سعودی عرب) 966580043712

نعت

بعد از ثنائے ربِّ دوعالم نبی کی نعت
زخمِ جگر پہ رکھتی ہے مرہم نبی کی نعت

سرکار کے کمال و شرف پر میں کیا کہوں
پڑھتے رہے بہشت میں آدم نبی کی نعت

عشّاقِ مصطفیٰؐ ہیں معزّز جہان میں
کرتی ہے نعت خواں کو مکرّم نبی کی نعت

اُجلا ہوا ہے حلقہء قلب و نظر مرا
لب پر ہے میرے نورِ مجسّم نبی کی نعت

بڑھتا ہے ذوق وصل کا لیکن اے دوستو
کرتی ہے آگ ہجر کی مدّھم نبی کی نعت

دنیا میں دوں مثال تو کہنا پڑے گا یوں
ذکرِ خدا ہے پھول تو شبنم نبی کی نعت

اللہ اپنے فضل و کرم سے نواز دے
شہرِ نبی میں جا کے پڑھیں ہم نبی کی نعت

محتشم احتشام حسین بٹ:9622154958

نعت

کبھی جو عا صیوں کی التجائیں بات کرتی ہیں
تو سرکارِ دو عالم کی عطائیں بات کرتی ہیں

اِدھر ہوتی ہے یارو ابتداء میری ندامت کی
اُدھر ان کے کرم کی انتہائیں بات کرتی ہیں

عیادت کر کے بتلایا ہے سرکارِ دو عالم نے
میرے دشمن سے بھی میری دعائیں بات کرتی ہیں

ضرورت جب بھی پڑھتی ہے خ دا کے دین کو لوگو
تو بڑھ کر آل احمد کی وفائیں بات کرتی ہیں

ہے دل میں انکا مسکن اورنظر میں انکے جلوے ہیں
خیالوں میں محمد کی ادائیں بات کرتی ہیں

میری سانسیں مہکتی ہیں میری سوچیں معطر ہیں
"مشامِ جاں سے طیبہ کی ہوائیں بات کرتی ہیں"

بشر ہی انکے کلمہ گو نہیں ہیں محتشم سن تو
ہوا ، مٹی ، شجر ، پتھر ، گھٹائیں بات کرتی ہیں

رفیع سرسوی (سرسی-اترپردیش)

نعت

زم زمِ افکارِ جدّت کوثرِ ندرت ملا
نعت گوئی کا صلہ الفاظ کی صورت ملا

بے سر و سامانیوں کو تحفۂ فرحت ملا
موسمِ بارانِ رحمت جب مجھے چھت چھت ملا

اہلِ بیتِ مصطفیٰ میں کون ہیں یہ ہم سے پوچھ
اجتماعِ نورِ حق میں خاک پیکر مت ملا

تو امیرِ عہدِ حاضر میں گدائے مصطفیٰ
لا ذرا اپنے مقدّر سے مری قسمت ملا !

مصطفیٰ کا دَر عروجِ منتہائے عشق ہے
آسمانوں سے نہ میری تو قدوقامت ملا

اللہ اللہ خاکِ بابِ مصطفیٰ کی حیثیت
کوئی کب میرے برابر صاحبِ دولت ملا

منقبت نعت وقصیدہ مرثیہ نوحہ سلام
ان کو عمرِ جاویدانی کے لئے بھارت ملا

اے رفیع آئیں مبارک بادیاں اس نعت پر
جب محمّد سے مجھے پروانۂ جنّت ملا

شمشاد شاد:919767820085

نعت

بحرِ جود و سخا ہیں غنی آپؐ ہیں
بیکسوں کی اماں یا نبی آپؐ ہیں

دونوں عالم میں بکھری ضیا آپ کی
کہکشاؤں کی رخشندگی آپ ہیں

ذرّہ ذرّہ یہ کہتا ہے یا مصطفیٰ
وجہِ ارض و سما سیّدی آپؐ ہیں

سارے عیبوں سے پاک آپؐ کی شخصیت
عابد و پارسا متّقی آپؐ ہیں

کیوں نہ بھیجوں درود و سلام آپؐ پر
میرے دل کے قریں ہر گھڑی آپؐ ہیں

مجھ کو کہنے میں کوئی قباحت نہیں
یا شہِ انبیاء زندگی آپ ہیں

رب کی حمد و ثنا یہ ہوائیں کریں
پر ہوا میں نہاں نغمگی آپؐ ہیں

اک سوا آپ کے کوئی میرا نہیں
ہو کرم مجھ پہ آقا سخی آپ ہیں

ابوالمیز اب محمد اویس رضوی (کراچی) 275472232192

نعتِ نبی محتشم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(1)

جدھر بھی لطف فرماتے نبیِ محتشم نکلے
وہاں کے ذرے ذرے رشکِ صد باغِ ارم نکلے

اگر ان کے مقدس ناخنوں کی دید ہوجائے
ہماری زلفِ جان و دل کا ہر اک پیچ و خم نکلے

سمجھتے تھے نجوم و مہر و مہ ہم دور سے جن کو
جو دیکھا پاس جا کے آپ کے نقشِ قدم نکلے

بتائے راز ہائے دو جہاں اپنے غلاموں کو
لقب اُمّی ہے لیکن واقفِ لوح و قلم نکلے

حیاتِ جاوداں، عیشِ ابد ان کا مقدر ہو
وہ جن کا آپ کی دہلیز پر سجدے میں دَم نکلے

سرِ میزاں اِدھر دل سے اَغثنی کی صدا نکلی
اُدھر سے سیدِ ابرار خود کرنے کرم نکلے

ہزاروں دفترِ عصیاں پہ دَم میں پڑ گئے بھاری
ثنائے شاہ کے نغمے قیامت میں اہم نکلے

فضا میں ہر طرف اک نغمۂ صَلِّ علیٰ گونجا
جو محشر میں وہ حمدِ پاک کا لے کر علَم نکلے

مرے قلب و جگر رہتے ہیں ہر پل منتظر آقا
تبسم آپ فرمائیں تو ہر تیرِ الم نکلے

عطائے مصطفیٰ کی لذتوں سے یہ ہوا ادراک
"بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے"

نہیں نکلا کسی سائل کی خاطر لَا کا کلمہ آبؔ
زبانِ مصطفیٰ سے ہاں مگر حرفِ نَعَم نکلے

(2)

نعتِ پاک در زمینِ غالبؔ

زینتِ لفظ و معانی اور ہے
مصطفیٰ کی نعت خوانی اور ہے

داستانِ لَن ترَانی اور ہے
رمزِ بزمِ لامکانی اور ہے

حُسنِ یوسف کا حسیں ہے تذکرہ
لطفِ ذکرِ مَن رّآنی اور ہے

خوب ہے ملکِ سلیماں بھی مگر
دو جہاں کی حکمرانی اور ہے

اور ہے انصارِ عیسٰی کا بیاں
پر صحابہ کی کہانی اور ہے

مہر و مہ بھی روشن و تاباں سہی
خاکِ در کی ضوفشانی اور ہے

ان کے گیسوئے کرم کی یاد میں
آنکھ سے برسے جو پانی اور ہے

دولتِ مدح و ثنا حاصل ہوئی
فکر و فن کی شادمانی اور ہے

سر بُریدہ ہوکے بھی قرآں پڑھیں
ان کے پیاروں کی نشانی اور ہے

نعت لکھنے کے نہیں قابل مگر
"اپنے جی میں ہم نے ٹھانی اور ہے"

معصیّت سے آب توبہ کیجیے
چار دن کی زندگانی اور ہے

عبدالغنی بیگ اطہرؔ (کپوارہ۔کشمیر)

نعت نبی صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم

(1)

آج کی محفل کا ہے کچھ معجزہ — سن رہا ہوں ہر سمت صلِ علیٰ
ہیں در و دیوار یاں سب عطر بیز — اس قدر مشکین کیونکر ہے فضا
کون سی ہستی کے سب ہیں منتظر — کون ہونگے یاں ابھی جلوہ نما
پر بچھاکے ہیں فرشتے راہ میں — ہر کسی کے لب پہ ہے صلِ علیٰ
دھوکے آئے ہیں سبھی اپنی زبان — کس کا ذکر ہورہا ہے اے خدا

(2)

اک صدا آئی کہ رہیو با ادب — آگئے وہ آگئے خیر الوریٰ
جانتے ہو کون ہیں یہ بادشاہ — یہ نبی ہیں اور امام الانبیاء
وجہ عالم یہ شہہِ لولاک ہیں — لاڈلے رب کے حبیب کبریا
ان کو ہی کوثر ملے گا حشر میں — شافع محشر یہی ہیں باخدا
عزم و ہمت کوئی ان سے سیکھ لے — کوئی ان سے سیکھ لے صدق و صفا
حکمتِ عملی میں بھی ہیں بے مثال — عسکری فن کے بھی ہیں یہ بادشاہ
بادشاہ ہیں پر ہیں پرانے پیرہن — اور بچھونا ہے صرف اک بوریا
خود تو بھوکے ہیں کھلاتے ہیں مگر — کوئی ان کے در سے خالی نہ گیا
یہ وہی ہیں چاند کے ٹکڑے گئے — یہ وہی ہیں احد کو سونا گیا
اوندھے اور کچھ چت گرائے بت سبھی — دیکے نعرۂ لا الٰہ الا اللہ
سب مٹایا دیکھتے ہی دیکھتے — رنگ و نسل و ذات پات کا تفرقہ

(3)

آگئے ہیں ان سے کچھ تو پایئے ان کی سیرت سے اٹھاؤ فائدہ
تم بھی بننا غم زدوں کے غمگسار اور یتیموں بے کسوں کا آسرا
غیر کے آگے نہ جھکنا زینہار خیر امت ہو یہ کرلو فیصلہ
سب فروعی اختلافات چھوڑ کے آگے آؤ سارے مؤمن ایک جا
یہ خلافت اپنی ہی جاگیر ہے ہے ہمت اور حوصلے کا معاملہ

(4)

باغ جنت سا بناکر جس نے بنجر کردیا
ہر گلی کوچے کو جس نے مشکِ عنبر کردیا

ایک صف میں کردیا شاہ و گدا کو لاکھڑا
ایک تسبیح میں پروکر سنگ و گوہر کردیا

فرقِ رنگ و ذات و نسل و قومیت کو لے مِٹا
نیک دل کو ہی اٹھاکر سب سے بہتر کردیا

جن کو بھی آدابِ حکمرانی سکھائی آپ نے
ان غلاموں کو زمانے کا ہی رہبر کردیا

وہ عجب ہی کبریا تھے چھو لیا تو کیا ہوا
مختصر سی آبجوؤں کو سمندر کردیا

خار زاروں میں چلے تو پھول ہر سو کھل گئے
ریگزاروں میں قدم رکھا تو گوہر کردیا

معنیٔ قرآن کی تفہیم کی کچھ اس طرح
ہر لفظ تفسیر میں گویا کہ دفتر کردیا

اس طرف امن و سکون کی کیا چلی ٹھنڈی ہوا
جس طرف حضرت نے اپنا روےِ انور کردیا

پہلے طائف کو بنایا خون دے کر لالہ زار
پھر مدینے جوگئے تو روح پرور کردیا

شاہ تھے شاہِ جہاں تھے وجہ عالم آپؐ تھے
ایک ٹوٹا بوریا پر اپنا بستر کردیا

وہ پیمبر بے مثل تھے اس قدر تھے باکمال
بے پروں کو پر دئے اور باز و شہپر کردیا

جو کہ پیاسے خون کے تھے مدتوں باہم دِگر
ان قبائل کو بھی جوڑا شیر و شکر کردیا

یہ میرے پیارے نبیؐ کا کرم ہے جس نے مجھے
ایک چھوٹے آدمی سے لاکے اطہؔر کردیا

مزمل ابن عبداللہ (ڈانگر پورہ، شوپیان۔کشمیر)

نعت شریف

وہ جس ذات کا مدح خواں خود خدا ہے
نبیوں میں بھی شان اُس کی جدا ہے
وہی مصطفیٰ مصطفیٰ مصطفیٰ ہے

وہ بھٹکے ہوؤں کو ہے جس نے سنبھالا
کیا جس نے تاریکیوں میں اُجالا
سُنو جس کے دَم سے منور جہاں ہے
وہی مصطفیٰ مصطفیٰ مصطفیٰ ہے

وہ آتے اور جاتے ستاتی تھی بڑھیا
جو رستے میں کانٹے بچھاتی تھی بڑھیا
اُسی پر تو دستِ شفاء رکھ دیا ہے
وہی مصطفیٰ مصطفیٰ مصطفیٰ ہے

وہ دشمن کو بھی معاف کرنا سکھایا
رِعایا پہ انصاف کرنا سکھایا
اور درس مساوات جس نے دیا ہے
وہی مصطفیٰ مصطفیٰ مصطفیٰ ہے

ارادہ کیا جب قتل کا عمرؓ نے
بدل ہی دیا اِک دُعا اثر نے
عمرؓ بھی نبی پر فدا ہوگیا ہے
وہی مصطفیٰ مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ ہے

وہ طائف میں پتھر برستے رہے جب
وہ پانی کی خاطر ترستے رہے جب
مگر لب پہ اُن کے لیے بس دُعا ہے
وہی مصطفیٰ مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ ہے

وہ ٹوٹے ہوئے ٹاٹ پر جو تھا سویا
گنہگاروں، کے لیے جس نے رویا
عدو پر بھی جو ہوگیا مہربان ہے
وہی مصطفیٰ مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ ہے

سجی آج پھر سے نبیؐ کی ہے محفل
میں پڑھتا رہوں نعت اُسؐ کی مزمّل
کہ جو ذات باعثِ کُن فکاں ہے
وہی مصطفیٰ مصطفیٰؐ مصطفیٰؐ ہے

خان حسنین عاقبؔ

نعتیں

(1)

یہ جبریلؑ ہیں، یہ نبوّت کھڑی ہے
یہ غارِ حرا اور نزولِ وحی ہے

یہ فرشِ زمیں اور یہ تپلی چٹائی
شہِ دو سَرا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی یہی سادگی ہے

فرشتے یہ کہتے ہیں معراج کی شب
خدا کے قریں کوئی ہے تو یہی ہے

وہ ناقہ سوار صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور مدینے کی گلیاں
صدا دم بدم مرحبا آرہی ہے

محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی اک ذات میں کیا نہیں ہے
بشر ہے، شفیع الامم ہے، نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

وہ فاراں کی چوٹی پہ ماہِ منوّر
جہاں میں اسی کی یہ سب روشنی ہے

ذرا قول سے آگے بڑھ جاؤ عاقبؔ
کہ مضمر اسی میں رضائے نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہے

(2)

نہ زادِراہ نہ کوشش ہے راہبر کے لئے
تری نظر ہی بہت ہے مرے سفر کے لئے

وسیلہ جب بھی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا پیش کرتا ہوں
دعائیں خود ہی نکل پڑتی ہیں اثر کے لئے

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کا عشق تو مومن کا جزوِ ایماں ہے
یہاں جگہ نہیں کوئی اگر مگر کے لئے

یقین ہے کہ شفاعت کا مستحق ہوں میں
بچا رکھا ہے ندامت کو چشمِ تر کے لئے

شہِ اُمم صلی اللہ علیہ وسلم نے اشارہ جو کردیا اس کو
دو نیم ہونا تو لازم ہی تھا قمر کے لئے

خدا کی ذات پہ ایمان اور عشقِ نبی صلی اللہ علیہ وسلم
بہت ہے توشہ یہی عمرِ مختصر کے لئے

نثار نامِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم پہ ذات عاقبؔ کی
کچھ اور سوچا نہیں میں نے عمر بھر کے لئے

بابر حسین بابرؔ (مدرس دارالعلوم محمدیہ غوثیہ بھیرہ شریف)

نعت

ہیں ترے پسینے کی برکتیں جو کہ خوشبوئیں ہیں گلاب میں
تیرے گیسوؤں کی عطا ہے وہ جو ہے حُسن پنہاں سحاب میں

اٹھے جس پہ چشمِ کرم تری اسے جنّتوں کی نوید ہو
ترے آستاں پہ جو آ گیا وہ ہے گویا رب کی جناب میں

جو کہ حُسن ہے ترا اصل میں نہیں میرے وہم و گماں میں وہ
نہیں بلکہ اس کا بیان بھی ترا حُسن ہے جو حجاب میں

کئی چاند جیسے ہیں حُسن میں کئی نازکی میں ہیں پھول سے
ہے مگر جو چہرۂ والضحٰی نہیں کوئی اس کے جواب میں

ترے بس میں نعتِ نبی کہاں یہ بھی دیکھ بابرِؔ ناتواں
یہاں رومیؔ، جامیؔ، رضاؔ سے بھی نہیں لاتے خود کو حساب میں

ریاضؔ انزنو (اسلام آباد۔کشمیر)

نعت

وہؐ اگر کبھی بُلاتے تو کچھ اور بات ہوتی
وہاں زندگی لُٹاتے تو کچھ اور بات ہوتی

کعبہ کی دید ہم کو ہے بہت عزیز لیکن
کوئے مصطفیٰؐ بھی جاتے تو کچھ اور بات ہوتی

طیبہ کی ہر گلی کو پلکوں سے صاف کرکے
نظروں کو ہم بچھاتے تو کچھ اور بات ہوتی

نعتِ نبی یوں پڑھنا ہے خود بڑی سعادت
انہیںؐ رُوبرُو سُناتے تو کچھ اور بات ہوتی

اِس دورِ تیرگی میں پھر اپنی رحمتوں کا
وہ چراغ گر جلاتے تو کچھ اور بات ہوتی

وہؐ ریاضؔ اپنے دِل میں بس تو رہے ہیں لیکن
کبھی خواب میں بھی آتے تو کچھ اور بات ہوتی

تاثرات

نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر

[صلائے عام ہے یارانِ نکتہ داں کے لیے]

مکتوب از: پروفیسر مرغوب بانہالی

دستور" نعت اکادمی" (جموں وکشمیر)

تحقیقی مقالہ برائے Ph.D

نامہ ہائے شوق، رقعاتِ ذوق، نقطہ ہائے نظر

صلائے عام ہے یارانِ نکتہ دان کے لیے

● **پروفیسر مرغوب بانہالی** (عمر کالونی لعل بازار، سرینگر۔ کشمیر)

عزیز القدر قدّوسی صاحب!"

جہانِ حمد ونعت" کی بابرکت اشاعت پر میری طرف سے دِلی مبارکباد اور نیک خواہشات۔ حمد وثنائے ربِ جلیل کے ساتھ مدح وثنائے خیر البشر صلی اللہ علیہ وسلم کی سوغات پیش کرنا، اور وہ بھی ذولسانی، یقیناً آپ جیسی باعزم شخصیت ہی کا کام ہوسکتا ہے۔ آپ کو نعت کے موضوع پر بیسویں صدی کے آخری عشرے میں Ph.D کے لیے شاندار تحقیقی مقالہ لکھنے کی سعادت حاصل ہوئی، جو ریاست میں اپنے موضوع پر اوّلین تحقیقی مقالہ ہے۔ اب آپ "نعت اکادمی" کے توسط سے حمد ونعت سے متعلق اوّلین ادبی وتحقیقی مجلہ شائع کرنے جارہے ہیں۔ اللہ تبارک وتعالیٰ قبول فرمائے، آمین

یہ مسلمہ امر ہے کہ حمد ونعت کے مابین ایک بیّن فرق ہے۔ 'حمد' معبود کی ثنا ہے اور 'نعت' عبد کی منقبت۔ اس سلسلے میں قرآن وحدیث کی تعلیم مسلمانوں کی رہنمائی کے لئے روشنی کا مینار ہے۔ کسی مسلمان کو یہ حق نہیں دیا گیا کہ وہ ان دو ماخذوں سے باہر کی تعلیمات پر اپنے دینی عقائد کی بنیاد رکھے اور کسی دوسری قوم کی تقلید یا تقابل میں قال اللہ وقال الرسول سے تجاوز کرے۔ چونکہ شاعری میں جذبات وتخیلات کی جولانیاں آدمی کو کہیں سے کہیں پہنچا دیتی ہیں، اس لئے اس کی پیش بندی کے طور پر قرآن نے شاعری کی مذمت کی۔ یہ مذمت گو دورِ جاہلی کی شاعری سے مخصوص ہے مگر اس نے مسلمان شاعروں کے لئے اِبلاغ کا راستہ متعین کردیا۔

جب یہ ارشاد ہوا: وَاِنَّهُمْ يَقُوْلُوْنَ مَا لَا يَفْعَلُوْنَ تو ساتھ ہی مومن شاعروں کو یوں مستثنیٰ کردیا: إِلَّا الَّذِيْنَ ءَامَنُوا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَذَكَرُوا اللّٰهَ كَثِيْرًا وَانْتَصَرُوا مِنْ بَعْدِ مَا ظُلِمُوا... سورۃ الشعراء۔ گویا مسلمان شاعروں کو اس بات کی اجازت مل گئی کہ وہ قرآنی تعلیمات کے اندر رہتے ہوئے شاعری کریں اور بے جا غلو سے پرہیز کریں۔ وہ اپنے توسن فکر کو بے لگام نہ ہونے دیں اور قرآنی تعلیمات سے اپنا محاسبہ کرتے رہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حمد ونعت میں بھی حفظِ مراتب کا خیال رکھا

جاتا ہے اور نعت اپنی مخصوص حدوں سے تجاوز نہیں کرنے پاتی۔ اسی بنا پر عرفی کو یہ کہنا پڑا ؎

عرفی مشتاب ایں رہ نعت است نہ صحرا است
آہستہ کہ رہ بردم تیغ است قلم را
ہشدار کہ نتواں بیک آہنگ سرودن
نعت شہ کونین و مدیح کے وجم را

ترجمہ: ''اے عرفی! تو اتنی تیزی نہ دکھا۔ یہ نعت کا راستہ ہے، کوئی صحرا نہیں ہے کہ تو آنکھیں بند کر کے دوڑتا چلا جائے گا۔ یہ راستہ تو بہت کٹھن ہے اور اس کی کیفیت تلوار کی دھار پر چلنے کا نام ہے۔ (یعنی مبالغہ کرو گے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کے برابر درجہ دے دو گے اور اگر اس میں کمی کرو گے تو رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مرتبے سے نعوذ باللہ نیچے لے آؤ گے)

تجھے تو ہوشیار رہنا چاہئے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مدح گوئی اور کئے وجم (بادشاہوں) کے قصیدے کہنے کو ایک ہی آہنگ و انداز نہیں رکھا جا سکتا۔''

مجھے قوی اُمید ہے کہ اللہ کے فضل و کرم سے اِس نئے منصوبے میں بھی آپ کو کامیابی حاصل ہوگی، اِن شاء اللہ۔ کیا ہی بہتر ہوگا، اگر مجلہ کے اوّلین شمارے میں "نعت اکادمی" کا دستور شائع کیا جائے۔

دستور نعت اکادمی (جموں و کشمیر)

دفعہ (۱) نام: اس ادارہ کا نام ''نعت اکادمی'' ہوگا اور اس کا آئین ''دستورِ نعت اکادمی'' کہلائے گا۔

دفعہ (۲) نوعیت: نعت اکادمی ''خالصتاً ایک علمی و ادبی ادارے کی حیثیت سے کام کرے گی اور اس کی نوعیت قطعی طور پر غیر سیاسی ہوگی۔

دفعہ (۳) تاریخ نفاذ: یہ دستور ۱۲ / ربیع الاول ۱۴۱۹ھ بمطابق ۷ جولائی ۱۹۹۸ء سے نافذ العمل ہوگا۔

دفعہ (۴) نصب العین: ''نعت اکادمی'' کا نصب العین مدح و ثنائے نبی رحمت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سیرت طیبہ کا نورِ عرفان عام کرنا ہوگا، جس کا حقیقی محرک صرف اللہ کی رضا اور آخرت کی فلاح کا حصول ہے۔

دفعہ (۵) اغراض و مقاصد: اکادمی کے اغراض و مقاصد حسب ذیل ہوں گے: (الف) سیرت طیبہؐ کے حوالے سے نعت کے فن اور اس کے لوازمات کا شعور

عام کرنا اور اس فن کے ماخذات (قرآن مجید، احادیث نبویؐ، کتب سیر و مغازی، الہامی صحائف و مذہبی کتب اور اسمائے رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم) زبان و بیان اور انداز و اسلوب کی باریکیوں تک رسائی کو آسان بنانا۔ (ب) ماہانہ، دو ماہی یا سہ ماہی نعتیہ نشستیں منعقد کرنا، جن میں بلا لحاظِ زبان نعتیہ کلام پڑھنے کے علاوہ نعت کے فن اور اس کے لوازم و آداب پر مضامین اور نعتیہ کلام پر تبصروں کی شکل میں مقالے پڑھے اور سنے جائیں۔ (ج) سال میں ایک یا ایک سے زائد بار فنِ نعت گوئی پر سیمینار/ کانفرنس منعقد کرنا۔ (د) ایک ماہانہ، سہ ماہی یا ششماہی رسالے کی اشاعت، جس کے صفحات خالص حمد و نعت، نعتیہ کلام اور اس سے متعلق مضامین و موضوعات کو محیط ہوں۔ (ہ) سرینگر میں ایک بڑی نعتیہ لائبریری کا قیام و انصرام، جس میں عربی، فارسی، اردو، کشمیری اور دیگر زبانوں کا مطبوعہ و غیر مطبوعہ نعتیہ کلام و مضامین سے متعلق کتابیں دستیاب ہوں۔

(و) عصر حاضر کی نعتیہ شاعری میں ہیئتی اور موضوعاتی اعتبار سے جو تنوع اور بوقلمونی نظر آتی ہے، اس کی آگہی اور عرفان و شعور عام کرنا (ز) مختلف سطحوں پر تعلیمی اداروں، کالجوں، یونیورسٹیوں اور دیگر اداروں میں طرحی و غیر طرحی نعتیہ مشاعرے اور نعت گوئی و نعت خوانی کے مقابل منعقد کرانا۔ (ح) متعلقہ ماہرین کی رائے حاصل کرنے کے بعد ریاست کے نعت گو شعراء کی نعتیہ شاعری کی تدوین و اشاعت کا انتظام کرنا (ط) عربی، فارسی، اردو، کشمیری اور دیگر زبانوں کے کلاسیکل نعتیہ کلام میں سے چیدہ چیدہ اور معروف نعتوں کا انتخابی سلسلہ شائع کرنا۔ (ی) مختلف زبانوں میں موجود سرمایۂ نعت میں سے ایسے اشعار و ادبیات کا انتخاب و تشہیر جو بے پناہ قوت تاثیر کے حامل ہوں (ک) نعتیہ کلام اور نعت سے متعلق جو گراں بہا سرمایہ مختلف مقامات پر بکھرا پڑا ہے، اس کو حاصل اور محفوظ کرنے کے لیے متعلقہ افراد و اداروں سے رابطہ قائم کرنا اور اصل مسودہ یا اس کی فوٹو کاپی کی دستیابی کو ممکن بنانا (ل) بہترین نعتیہ مجموعوں یا نعتیہ شہ پاروں پر نعت گو شعراء کو ہر سال ماہ ربیع الاول میں اکادمی کی طرف سے انعام و اکرام سے نوازنا۔

دفعہ (٦) رکنیت: ہر کلمہ خوان اکادمی کی رکنیت حاصل کرنے کا اہل ہوگا، بشرطیکہ وہ: (الف) کلمہ طیبہ کے تقاضے پورا کرتا ہو، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین و دنیا کا رہبرِ کامل اور آخری نبی مانتا ہو اور نعت کی

اہمیت وافادیت کا منکر نہ ہو۔ (ب) اکادمی کے نصب العین، مقصد اور طریقِ کار سے کلی طور متفق ہو۔ (ج) اکادمی کے دستور کی پابندی کرنے پر راضی ہو۔ (د) فرائض کو پابندی کے ساتھ ادا کرنے والا اور کبائر سے اجتناب کرنے والا ہو۔ (ہ) اپنا زرِ رکنیت باقاعدگی سے ادا کرے۔

دفعہ (۷) مجلس عام: نعت اکادمی کی رکنیت حاصل کرنے والا ہر شخص اکادمی کی مجلس عام (General Council) کا ممبر ہوگا۔ مجلس عام اکادمی کے نصب العین کے مطابق اکادمی کی سرگرمیوں کو جاری رکھنے میں مجلس منتظمہ کی معاون ومددگار کے طور پر کام کرے گی۔

دفعہ (۸) مجلس منتظمہ: اکادمی کے تاسیسی اراکین (جن کی فہرست اس دستور کے آخر میں دی گئی ہے) اس کی مجلس منتظمہ کے تاحیات اراکین ہوں گے۔ تاہم کسی رکن کی وفات واقع ہونے یا مستعفی ہوجانے یا طویل عرصہ کے لیے ملک سے باہر چلے جانے کی صورت میں تاسیسی اراکین شورائی طریقے پر عمل کرتے ہوئے نئے رکن/ ارکان کا تقرر کریں گے۔

دفعہ (۹) مجلس منتظمہ کے فرائض: اراکین مجلس منتظمہ کے فرائض درج ذیل ہوں گے۔ (۱) نعت اکادمی کے نصب العین اور اغراض ومقاصد کی تکمیل کے لیے سرگرم سے عملی کوشش کرنا۔ (۲) اکادمی کے تمام پروگراموں کو پورے احساس ذمہ داری کے ساتھ چلانا۔ (۳) اکادمی کے طریق کار اور سرگرمیوں کو دستور کے مطابق انجام دینا اور دستور سے انحراف کی صورت میں اس کا مناسب تدارک کرنا۔ (۴) مجلس منتظمہ کے ہر اجلاس میں پابندی سے شرکت کرنا۔ (۵) سال میں تین یا اس سے زائد مرتبہ اجلاس منعقد کرکے ضروری مسائل ومعاملات کو نپٹانا، ہنگامی اجلاس بلانے کا حق اتفاق رائے سے مجلس کے کوئی بھی تین اراکین کو حاصل ہوگا۔

دفعہ (۱۰) مجلس منتظمہ کے اختیارات: مجلس منتظمہ کو مندرجہ ذیل اختیارات حاصل ہوں گے: (۱) مجلس کے مشورہ کے بغیر صدر اکادمی کسی اہم اقدام یا معاملہ کا فیصلہ نہیں کرسکیں گے۔ (۲) مجلس منتظمہ ہر دو سال کے لیے (ماہ ربیع الاول میں) صدر، سیکرٹری اور دیگر عہدیداروں کا انتخاب کرے گی۔ (۳) صدر یا مجلس منتظمہ کے کسی رکن یا عہدیدار کا منصب خالی ہوجانے یا مجلس منتظمہ میں توسیع کی ضرورت پیش آنے کی صورت میں موجودہ اراکین مجلس شورائی طریق کار پر چلتے ہوئے مجلس عام میں سے نئے رکن/ ارکان کا تقرر عمل میں لائیں گے۔ (۴) مجلس منتظمہ کے اراکین ہر سال ذی الحجہ میں بجٹ اجلاس منعقد کرکے نئے ہجری سال کے لیے بجٹ پاس کیا کریں گے۔ (۵) دستور ھذا میں کسی ترمیم کی ضرورت محسوس ہونے پر مجلس منتظمہ شورائی طریقے پر ایسا کرنے کی مجاز ہوگی۔

دفعہ (۱۱) صدر اکادمی: (ا) اکادمی کے صدر کا انتخاب دو سال کی مدت کے لیے ہوا کرے گا اور یہ انتخاب مجلس منتظمہ ہر دو سال بعد ربیع الاول کے آخری ایام میں کیا کرے گی۔ (ب) انتخاب میں آراء کی مجرد اکثریت فیصلہ کن ہوگی۔ تحریری آراء کے ذریعے انتخاب صرف غیر معمولی حالات میں بوقت اشد ضرورت ہو سکے گا۔ (ج) صدر کی حیثیت اکادمی کے آئینی سربراہ کی ہوگی اور ہر معاملے میں اکادمی کے دیگر ذمہ دار اور اراکین صدر اکادمی کے ماتحت کام کرنے کے پابند ہوں گے۔ (د) صدر کے منصب کے لیے ایک ہی شخص کو بار بار منتخب کیا جا سکتا ہے۔ (ہ) صدر کے لیے لازمی ہوگا کہ وہ اس دستور کے خود پابند رہیں اور اس کے مطابق اکادمی کے نظم کو قائم و دائم رکھنے کی پوری کوشش کریں۔

دفعہ (۱۲) نائب صدور: اکادمی کے صدر مجلس منتظمہ سے مشورہ کے بعد ایک یا ایک سے زائد نائب صدور کا تقرر (صوبہ کے لحاظ سے) کریں گے۔ نائب صدر (نائب صدور کی صورت میں سینئر نائب صدر) صدر اکادمی کی غیر موجودگی میں اس کے فرائض انجام دیں گے۔

دفعہ (۱۳) سیکرٹری: (الف) اکادمی کے سیکرٹری کی ذمہ داریاں کلیدی نوعیت کی ہوں گی۔ (ب) اکادمی کے صدر مجلس منتظمہ کے اراکین کے صلاح و مشورہ سے اکادمی کے سیکرٹری کا تقرر عمل میں لائیں گے۔ (ج) صدر کی طرح سیکرٹری (اور دیگر مرکزی منصب داروں) کی مدت کار بھی دو سال ہوا کرے گی۔ (د) مدت کار کے اختتام پر صدر کے انتخاب کے بعد دیگر منصب داروں کا تقرر/انتخاب عمل میں لایا جائے گا۔ (ہ) سیکرٹری اکادمی کے تمام شعبوں اور سرگرمیوں کا نگران ہوگا اور انہیں اطمینان بخش طریقے پر چلانے کا ذمہ دار ہوگا۔ (و) سیکرٹری اپنے فرائض اکادمی کے صدر کی ہدایت کے تحت انجام دے گا اور اس ضمن میں صدر کے سامنے جوابدہ ہوگا۔ (ز) ذرائع ابلاغ عامہ اور دیگر قسم کے اداروں سے رابطہ رکھنے کی ذمہ داری سیکرٹری پر عائد ہوگی۔ (ح) سیکرٹری مجلس منتظمہ کے اجلاسوں کی کاروائی تحریر کر کے اسے محفوظ کرنے کا بھی ذمہ دار ہوگا۔

دفعہ (۱۴) دیگر ذمہ داران: صدر اکادمی مجلس منتظمہ سے صلاح و مشورہ کر کے وقتاً فوقتاً حسب ضرورت دیگر ذمہ داروں کا تقرر کر سکتے ہیں اور اس ضمن میں ان کے عہدوں کے نام بھی مقرر کر سکتے ہیں، بشرطیکہ ایسا کرنے سے اکادمی کے نصب العین، اغراض و مقاصد، طریق کار اور دستور کی کہیں پر خلاف ورزی نہ ہوتی ہو۔

دفعہ (۱۵) مالیات: (الف) اکادمی کو اپنے پیش نظر اہداف کی تکمیل کے لیے جو مالی وسائل درکار ہیں، ان کی فراہمی کے طریقے یہ ہوں گے۔ (ا) اکادمی کی رکنیت حاصل کرنے والے ہر فرد سے سالانہ

زرِ رکنیت کی وصولیابی (۲) اکادمی کے اراکین اور دیگر محبانِ نعت سے عطیات کی وصولیابی۔ (۳) کتب رسائل کی اشاعت وطباعت سے حاصل ہونے والی رقومات۔

(ب) اکادمی کی مجلس منتظمہ ہر سال ذی الحجہ کے مہینے میں اگلے ہجری سال کے لیے اکادمی کی سالانہ بجٹ پاس کیا کرے گی، جس میں وسائل آمدن وحدود اخراجات کا تعین کیا جائے گا۔ اکادمی کے تمام حسابات ہر سال کے اختتام پر باضابطہ آڈٹ کرانے کے بعد مشتہر کئے جائیں گے۔

دفعہ (۱۶) صدر دفتر: اکادمی کا صدر دفتر سرینگر میں رہے گا اور بوقت ضرورت اس کے ذیلی دفاتر مجلس منتظمہ کی منظوری کے بعد دیگر مقامات پر کھولے جاسکتے ہیں۔

نعت اکادمی کے تاسیسی اراکین:

۱۲/ربیع الاول ۱۴۱۹ھ بمطابق ۷ جولائی ۱۹۹۸ء بروز منگل مندرجہ ذیل افراد کشمیر یونیورسٹی میں جمع ہوئے اور ''نعت اکادمی'' کا باضابطہ قیام عمل میں لایا۔ اس طرح سے ان افراد کی حیثیت اکادمی کے تاسیسی اراکین کی ہے:

۱۔ پروفیسر مرغوب بانہالی (سرینگر)
۲۔ جناب مشتاق کاشمیری (سرینگر)
۳۔ ڈاکٹر جوہر قدوسی (ترال)
۴۔ ڈاکٹر حیات عامر (بانڈی پورہ)
۵۔ جناب غلام حسن غمگین (سرینگر)
۶۔ جناب ایڈوکیٹ مظفر احمد (سلر، پہلگام)

O❖O

اُردو میں نعت گوئی: روایت اور ارتقاء

(Ph.D کی ڈگری کے سلسلے میں مدیر کا تحریر کیا گیا تحقیقی مقالہ)

باب اول: نعت: تعریف و لوازم

❖ اُردو زبان میں نعت کا اصطلاحی مفہوم ❖ مدح نبیؐ کے لیے لفظ ''نعت'' کا اوّلین استعمال ❖ اُردو نعت میں موضوعات کی بوقلمونی ❖ نعت گوئی کا فن اور اس کے لوازم ❖ اُردو نعت میں ہیئتی تنوع ❖ رسمی نعت اور حقیقی نعت ❖ اُردو نعت کے مختلف انداز و اسالیب ❖ اُردو میں قدیم اور جدید اسلوب نعت ❖ اُردو نعت کے مضامین اور فن پر ہندوستانی اثرات ❖ حمد، نعت اور منقبت میں فرق۔

باب دوم: اُردو میں نعت گوئی کی روایت

❖ اُردو کا اوّلین نعتیہ نمونہ نئے انکشاف کی روشنی میں ❖ گیارہویں صدی ہجری میں اُردو نعتیہ شاعری ❖ محمد قلی قطب شاہ کا نعتیہ کلام: ایک جائزہ۔

باب سوم: اُردو میں نعت گوئی کا ارتقاء

❖ ولؔی دکنی اور جنوب کے دیگر شعرائے نعت ❖ شمالی ہند میں نعت گوئی کا ارتقاء ❖ نعت گوئی سوداؔ اور میرؔ سے قبل ❖ صوفیائے کرام کے نعتیہ نمونے ❖ ولی دکنیؔ اور شمال کے دیگر شعرائے نعت ❖ عہد سوداؔ اور میرؔ میں نعت گوئی ❖ انشاءؔ اور مصحفیؔ کے دور میں اردو نعت ❖ امام بخش ناسخؔ اور ان کے پیروکاروں کا نعتیہ کلام ❖ اُردو نعت کا تشکیلی دور ❖ عہد امیرؔ و محسنؔ میں نعتیہ شاعری ❖ عصر جدید میں نعت گوئی ❖ نعتیہ گلدستے ❖ عہد حاضر میں نعت گوئی ❖ ۱۹۴۷ء کے بعد پاکستان میں اُردو نعت گوئی ❖ ۱۹۴۷ء کے بعد ہندوستان میں اُردو نعت گوئی ❖ ۱۹۴۷ء کے بعد کشمیر میں اُردو نعت گوئی۔

باب چہارم: مختلف اصنافِ سخن میں نعتیہ عناصر

❖ مثنوی میں نعت ❖ قصیدہ میں نعت ❖ غزل میں نعت ❖ نظم میں نعت ❖ آزاد نظم میں نعت ❖ سانٹ میں نعت ❖ مسدّس میں نعت ❖ رباعی میں نعت ❖ قطعہ میں نعت ❖ مرثیہ میں نعت ❖ سلام میں نعت ❖ گیت اور ترانہ میں نعت ❖ ترجیع بند میں نعت ❖ مثلث میں نعت ❖ مخمس میں نعت

باب پنجم: چند ممتاز نعت گو شعراء

❖ مرزا محمد رفیع سودا کی نعتیہ شاعری ❖ امیر مینائی کی نعتیہ شاعری ❖ محسن کاکوروی کی نعتیہ شاعری ❖ احمد رضا خان فاضل بریلوی کی نعتیہ شاعری ❖ احسان دانش کی نعتیہ شاعری ○ ❖ ○

متفرقات

نعت گوئی اور نعت خوانی --سیّد صبیح رحمانی کا انٹرویو

نعتوں کا وِکی پیڈیا: "نعت کائنات" --ابوالحسن خاور کا انٹرویو

انٹرویو: محمد مہدی

نعت گوئی اور نعت خوانی کے لیے شرعی اور شعری شعور ضروری ہے

جناب صبیح رحمانی سے لیے گئے انٹرویو کے اہم حصّے

پاکستان میں نعت کے فروغ کے لیے جو گراں قدر خدمات نعت گو اور نعت خوان حضرات جاری رکھے ہوئے ہیں ان میں سیّد صبیح الدین رحمانی کا نام نمایاں نظر آتا ہے۔ خوش گلو و خوش آہنگ نعت خواں، نعت گو، ناقد اور محقق سید صبیح الدین صبیح رحمانی 27 جون 1965 / ۲۸ صفر ۱۳۸۵ بروز اتوار کراچی میں سید اسحاق الدین کے گھر پیدا ہوئے۔ لکھنا شروع کیا تو قلمی نام صبیح رحمانی اختیار کیا۔ ڈاکٹر شہزاد احمد آپ کے بارے لکھتے ہیں: "صبیح رحمانی نعت گوئی کے دبستان میں وہ خوش نصیب شاعر ہیں کہ جن کی کہی نعتوں کو اُن کے سامنے ہی شہرتِ دوام حاصل ہو چکی ہے۔ ان کے نعت کہنے کا انداز اور نعت پڑھنے کا سلیقہ دونوں سننے والے کو متاثر کرتے ہیں۔ وہ نعت کہنے کی حقیقی روح سے واقف ہیں۔ ان کے قلب کی دھڑکنیں جب شعری جامے میں ڈھل کر سماعت گوش ہوتی ہیں تو قاری کے قلوب و اذہان میں بھی ہلچل سی مچ جاتی ہے۔ وہ صرف نعت سنتا ہی نہیں بلکہ نعت کے دوامی کیف و سرور کو بھی محسوس کرنے لگتا ہے۔ قلم کی اس دھنک رنگ اور اس قلبی پکار میں صبیح رحمانی کا وجود بھی شامل ہے۔ وہ صرف نعتوں کو قرطاس پر نہیں اُتارتے بلکہ وہ لوگوں کے قلوب میں نعتوں کے سرمائے کو منتقل کر دیتے ہیں۔ اب یہ نعت صرف ایک فرد کی نہیں بلکہ اُمت کی فریاد بن جاتی ہے۔ صبیح رحمانی کی اکثر نعتیں اُمت کی فریاد اور قلبی کیفیات کے طور پر نہ صرف معروف ہیں بلکہ زبان زد خلائق ہیں۔"

رحمانی صاحب کی زندگی لحہ لحہ سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف و توصیف کو عام کرنے میں گزر رہی ہے۔ انہوں نے نعت کے امکانات، نعت کی موزونیت، اور نعت کی ادب آموزی کو عام کر کے عام لوگوں کے شعور میں اضافہ کیا۔ انہوں نے بہ یک وقت نعت گوئی، نعت خوانی، نعت پر ریسرچ کے علاوہ نعتیہ کتب اور نعتیہ رسائل کی اشاعت میں بھی اپنا حصہ ڈالا۔ 1995ء سے "نعت رنگ" جیسا مقبول جریدہ شائع کر رہے ہیں۔ انہوں نے کراچی یونیورسٹی سے اُردو ادب میں ماسٹرز کی ڈگری حاصل کی۔ کم عمری میں ہی نعت خوانی کا آغاز کیا۔ بعد میں نعتیہ کلام بھی لکھا، ان کی لکھی ہوئی نعت "حضورؐ ایسا کوئی انتظام ہو جائے، سلام کے لیے حاضر غلام ہو جائے" نہ صرف مقبول ہوئی بلکہ معروف نعت خوانوں نے بھی پڑھی۔ یہ انٹرویو "دنیا" کے لیے بہت پہلے لیا گیا تھا۔

سوال: ہمارے ہاں نعت گوئی بالخصوص نعت خوانی کا ماحول کیا ہے، اور کیا لوگ آداب نعت اور شعور نعت سے واقف ہیں؟

جواب: نعت سرکار دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت کو عام کرنے کے لیے ایک بہت ہی توانا ذریعہ ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے افکار اور نظریات پیش کرنے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے علم، عمل، صبر اور تحمل اور سیرت کا ہر پہلو اجاگر کرنے میں نعت نے بڑا نمایاں کیا ہے اور جب بھی امت کسی مسئلے سے دو چار ہوئی، نعت نے اس کی دل جوئی کی۔ نعت نے بڑے عزم اور حوصلے سے ہمارے سینوں کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی محبّت سے بھرا ہے، البتہ یہ بات یاد رکھیے کہ جب کسی بھی شعبے میں کثرت سے لوگوں کی آمد شروع ہو جاتی ہے تو اس میں بد احتیاطی کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔ اس لیے مشاعروں اور نعت خوانی کی محافل کا ماحول بھی متاثر ہوا ہے۔ ان میں بہت سے لوگ منفعت کو ذہن میں رکھ کر آتے ہیں۔ چند برس پہلے ایک خاص طبقہ ہی دین کا شرف رکھتا تھا اور نعت کی طرف متوجہ ہوتا تھا۔ ضیاء الحق کے دَور میں نعت کو سرکاری سرپرستی بھی ملی، جس دوران کچھ ایسے لوگ بھی شامل ہو گئے جن میں دینی معاملات کی سمجھ کم تھی اور وہ نعت کے مزاج سے آشنا بھی نہیں تھے، انہیں شریعت کی پاس داری اور اس کے تقاضوں کا احساس بھی نہیں تھا۔ لوگ اس شعبے میں خلوص سے آئے تو سہی لیکن ان کی تربیت نہیں تھی تو نعت کے مقاصد سامنے نہیں آ سکے، اس لیے کئی بے احتیاطیاں ظہور پزیر ہوئیں، خاص کر شاعری میں بہت سارے ایسے تجربات ہوئے جو قابلِ گرفت نظر آئے۔

سوال: الیکٹرونک میڈیا نے نعت کی محافل کے فروغ کے لیے کیا کردار ادا کیا؟

جواب: جہاں تک نعت کا تعلق ہے الیکٹرانک میڈیا پر کچھ غیر ذمے دار اور ناتجربے کار افراد چینلز کی اچانک بہتات کے بعد پروڈیوسر یا ڈائریکٹر کے طور پر سامنے آئے، جن کو نہ تو اُردو تلفظ کا پتا تھا اور نہ ہی فکر کی تفہیم۔ انہوں نے ہر کس و ناکس کو ریکارڈ کرنا شروع کر دیا۔ اگر کوئی بھی چیز عوام میں پسند کر لی جاتی ہے تو وہ چل پڑتا ہے کسی کا بھی ایک البم کام یاب ہوا اُسے شہرت مل گئی۔ اب یہ حال ہے جس کا دل چاہ رہا ہے وہ ٹی وی، ریڈیو پر پڑھ رہا ہے۔ میڈیا کو اس کی کوئی پرواہ نہیں ہے، وہ کیا پڑھ رہا ہے۔ ان کو اس بات سے مطلب ہے کہ پڑھنے والا ان کا وقت پورا کرنے میں ان کی مدد کر رہا ہے اور ان کی نشریات چل رہی ہیں۔ یہ اس شعور سے بھی عاری ہیں کہ وہ کیا پیش کر رہے ہیں بس صرف وقت کا پیٹ بھرا جا رہا ہے۔

سوال: فروغ نعت کے لیے سیرت نگاروں نے کیا کام کیا ہے؟

جواب: اس اہم اور ذمے دار شعبے کو کسی بھی اعتبار سے غفلت کا شکار کرنے کا جو سلسلہ شروع ہوا

اس نے دِلوں کو بہت دکھی کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ 1995ء میں رسالہ ''نعت رنگ'' کے نام سے نکالا، اس کا مقصد یہی تھا کہ نعتیہ شاعری کو تنقید کی کسوٹی پر پرکھا جائے اور شعراء کو بھی اس بات کا احساس دلایا جائے، جس بارگاہ میں وہ اپنا عریضہ پیش کررہے ہیں وہ کوئی عام بارگاہ نہیں۔ بارگاہ میں کچھ کہنے سے پہلے اپنے آپ کو تیار کرنا، اپنی فکر کو تیار کرنا، لب و لہجے کو سجانا ضروری ہے۔ جب میں نے اصلاح کا کام شروع کیا تو بڑی مشکلات رہیں۔ اگر کسی شاعر سے کہیں کہ ان کا کلام قابل توجہ ہے اگر دیکھ لیں تو مزید بہتری ہوسکتی ہے تو وہ ناراض ہوجائے گا۔ اس کے ذہن میں یہ ہوتا ہے یہ عطا ہے اور اگر کسی خامی کی نشان دہی کی جائے تو وہ اس خامی کو اپنے فن میں خامی تصور کرتا ہے۔ انہیں اپنی اصلاح خود کرنا چاہیے شعر لکھیں اور اس پر ہزار مرتبہ غور کریں کسی غلطی کی نشان دہی کی جائے تو اس کی تصحیح کریں۔ میرے نزدیک نعتیہ شاعر کو شریعت اور شعریت پر، پرکھا جانا چاہیے۔ نعت ادب کا بھی حصہ ہے، مذہب کا بھی اس لیے یہ ایسی صنفِ سخن ہے جس میں ہم کوئی کمی نہیں چھوڑ سکتے۔ یہ ہمیں دنیا اور آخرت دونوں کی ضمانت دیتی ہے۔ اس صنف کو اگر ہم ذمے داری اور شعوری طور پر نہیں لیں گے تو اس کی پکڑ دنیا اور آخرت دونوں میں ہوگی۔ میں نے صوفیائے کرام کے یہاں ایسے بھی واقعات پڑھے ہیں، کسی بزرگ نے اپنی کتاب میں ایسا واقعہ لکھا، لکھتے ہی، میں نے نعت لکھی اور کاغذ سوتے وقت سرہانے رکھ دیا۔ خواب میں دیکھا کہ ایک بزرگ تخت پر بیٹھے ہیں، دو آدمی مجھے پکڑ کر ان کے پاس لے گئے تو آپ نے کاغذ مجھے دکھایا اور کہا، نعت ایسے لکھتے ہیں۔ ظاہراً مصرعے، مصرعوں پر چڑھے ہوئے ہیں، لفظ، لفظ پر چڑھے ہوئے ہیں، وہ بارگاہ تو ایسی ہے جس میں حفظِ مراتب کا خیال رکھنا ہی پہلی منزل ہے اس لیے کہ ادب پہلا قرینہ ہے محبت کے قرینوں میں۔

سوال: میڈیا میں پروفیشنل ازم آ گیا ہے۔ محفلوں میں دیکھا گیا ہے کہ جس طرح نوٹ نچھاور کیے جاتے ہیں کیا اُس سے محفل کے آداب متاثر نہیں ہوتے؟

جواب: پروفیشنل ازم بُرا نہیں ہے، کیوں کہ پروفیشنل شخص ہی اپنے کام سے بہت مخلص ہوتا ہے۔ اس کی روزی اس کام سے وابستہ ہوتی ہے، وہ اس کی اہمیت کو سمجھتا ہے۔ اگر ہم کسی مذہبی اجتماع میں جاتے ہیں وقت کی قیمت کا تعین کرکے پیسے لیتے ہیں تو میرے نزدیک وہ جائز ہے۔ لیکن اگر آپ کے ذہن میں یہ ہے وہ پیسے نعت یا قرأت کے لیے ہیں تو وہ گناہ گار ہے۔ البتہ نذر کا جو سلسلہ ہے سماع کی محافل میں یہ روایت آج بھی برقرار ہے، صاحبِ صدر موجود ہو تو اس مجلس میں اس کی اہمیت ہوتی ہے۔ جو نذر پیش کی جاتی ہے وہ جا کر صاحبِ صدر کو دی جاتی ہے اور وہ پھر آگے جس کو بھی دینی ہے، دے دی

جاتی ہے۔ اب صورت حال میں تبدیلی نظر آ رہی ہے کچھ لوگ وڈیو میں نظر آنے کے شوق میں محفل میں نمایاں ہونے کے لیے نعت خوان پر پیسے نچاور کر کے مذہبی تقدس کا احترام نہیں کرتے اور محفل کے آداب کی بھی پرواہ نہیں کرتے۔ یہ طریقہ غلط ہے۔

سوال: آپ تحقیقی کام کے پس منظر میں جائیں خاصا دقیق کام کا بیڑا کیوں کر اٹھایا؟

جواب: 1993ء میں میری کتاب ''جادہ رحمت'' آئی۔ ڈاکٹر ابوالخیر کشفی نے میرے بارے میں ایک مضمون لکھا۔ میں نے ان سے سوال کیا نعت کے کہنے والے شاعر کا تاریخ ادب میں کیا مقام ہوسکتا ہے، میں نے دیکھا ہے نعت کے ادب میں صرف محسن کاکوروی کا ہی ذکر آتا ہے۔ اتنی بڑی اُردو ادب کی تاریخ میں کسی نعت گو شاعر کو اس کا حصہ نہیں سمجھا۔ امیر مینائی کا حوالہ تو زبان و بیان اور غزل کی وجہ سے ہے۔ ان کی نعت موضوعِ گفتگو نہیں بنی۔ اور لوگوں میں نعت کی بجائے ان کے دیگر کام نمایاں ہوئے، ان کا نعت گوئی کا پہلو پسِ پشت رکھا گیا۔ جس سے نعت گو شاعر کے مرتبہ کا تعین نہیں ہوسکتا۔ تنقید کی کسوٹی پر جب کوئی چیز پرکھی نہیں جائے گی، نہ شاعری کا منصب طے ہوسکے گا اور نہ ہی شاعر کا۔ اس خواہش میں، میں نے ''نعت رنگ'' کے پہلے شمارے میں ''تنقید نمبر'' شائع کیا۔ جس میں کوشش کی گئی زبان و بیان کے اعتبار سے شرعی اور شعری دونوں اعتبار سے خامیاں سامنے لائی جائیں تا کہ ان اساتذہ کو دیکھ کر ان کی غلطیوں سے راہ نمائی حاصل کر کے آنے والے لوگ زیادہ بہتر اور محتاط انداز میں لکھ سکیں۔ اس کا فائدہ یہ ہوا کہ بہت سے اعتراضات سامنے آئے۔

سوال: کیا ادارے نعت کے فروغ کے لیے کام کر رہے ہیں؟

جواب: نعت کے فروغ کے لیے قیام پاکستان سے اب تک بہت سے ادارے وجود میں آئے۔ جیسے ضیاء القادری بدایونی نے شعراء کی ایک بہت بڑی کھیپ تیار کی اور نعتیہ مشاعروں کو فروغ دیا۔ اسی طرح نعت خوانی کے ادارے بھی وجود میں آئے لیکن ان کا فوکس صرف نعت خوانی کی محافل کرانے تک ہی رہا۔ اچھا نعت خوان تیار کرنا اور نعت خوانی کا معیار متعین کرنا، ان کی تربیت کے لیے کوئی نصاب مرتب کرنا، اس کا اظہار کہیں نہیں ملتا۔ نعت کو سماع کی چیز سمجھ لیا گیا ہے۔ ہم نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ یہ مطالعہ کی چیز ہے۔ تحقیق کا موضوع بنے، نعت میں پہلے ایک دو پی ایچ ڈی تھے لیکن اب نعت ریسرچ سینٹر کی مدد سے متعدد پی ایچ ڈی ہو چکے ہیں اور مختلف یونیورسٹیز میں کام کر رہے ہیں۔ یہ ادارہ پاکستان اور برطانیہ میں رجسٹرڈ ہے۔ اس میں نعت خوانی کی کلاسوں کا اجراء بھی ہو رہا ہے تا کہ ایسے نعت خوان سامنے آئیں جو نعت کے آداب کا، اس کی حدود کا اور اس کی شرعی اہمیت اور مقاصد کا خیال رکھیں۔ ❍❖❍

انٹرنیٹ سے مستفاد

نعتوں کا "وِکی پیڈیا": "نعت کائنات"

ابوالحسن خاور سے میرا تعارف سوشل میڈیا کی وساطت سے ہوا۔فیس بک پہ شعروادب کے فورم "اردو انجمن" کی دیکھ ریکھ کیا کرتے تھے۔انھیں نعت کہنے کا شوق ہے، بعد میں "اردو انجمن" کو خیر باد کہتے ہوئے "نعت اکیڈمی" کی بنیاد رکھی۔ وہ کچھ عرصہ پہلے کراچی آئے تو "ہم سب" کی تعریف کرنے لگے، کہ "ہم سب" بہت عمدہ ویب سایٹ ہے۔ انھوں نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ بھی ایک ویب سایٹ بنانا چاہتے ہیں، جہاں نعت سے متعلق مواد اکٹھا کیا جا سکے۔انھی کی زبانی اس روداد کا احوال سنیے :

"2005ء میں سفر شروع ہوا۔منزل کا علم تھا، راستہ نا معلوم۔ ہوا یوں کہ والد صاحب نے پردہ فرمایا تو ان کی محبت نے دل میں اسی نخل کی آب یاری کی، جو ان کے دل میں لہلہاتا تھا۔میں نے نعت کے چند اشعار کہے۔ایک دوست کو سنائے تو اس نے کہا، کہ بے وزن ہیں۔ کچھ علم نہ تھا کہ شاعری کیسے اور کہاں سے سیکھ سکتا ہوں۔انٹرنیٹ پر تلاش شروع کی تو استادِ گرامی عبداللہ ناظر مرحوم سے رابطہ ہوا۔ پھر باقی سفر بھی انٹرنیٹ ہی پر جاری رہا۔نعت کہنے کے شوق میں، اردو کے مختلف فورمز جوائن کرتا ہوا، فیس بک تک آ پہنچا۔ یہاں اردو شاعری کا ایک گروپ جوائن کیا جہاں ایک مذہبی بحث کی وجہ سے نکالا گیا، تو در بدر کے دھکے کھانے کے بجائے "اردو انجمن" کے نام سے اپنا فورم بنایا۔سیکھنے کا سلسلہ چلتا رہا۔ جب شعر کی کچھ سدھ بدھ ہوئی تو مالوفِ دل کی طرف واپسی ہوئی اور "نعت اکیڈمی" کے نام سے فورم شروع کیا۔نعتیہ سرگرمیوں پر کام ہوتا رہا لیکن جو کرنا چاہتا تھا، وہ نہیں ہو رہا تھا۔ایک بے قراری تھی۔فیس بک فورم کی محدود آپشنز میری ریکارڈ کیپنگ میں رکاوٹ تھیں۔ ذہن میں ایک ویب سائٹ کا خاکہ تھا۔مختلف ویب ڈویلپرز سے بات چلتی رہی لیکن کچھ صاف ہاتھ اٹھا لیتے اور کچھ اتنے پیسے مانگتے کہ حوصلہ نہ پڑتا۔"

خاور مزید بتاتے ہیں: "میں وکیپڈیا طرز کی ویب سائٹ بنانا چاہ رہا تھا۔وکیپیڈیا پر ہر اہم لفظ کا "نیلا" ظاہر ہونا اور کلک کرنے پر اس کا صفحہ کھل جانا، یہ میرے لیے سحر انگیز تھا۔ایک دن جیسے چھپّر پھاڑ کے عنایات ہوئیں۔ یہ دسمبر کا واقعہ ہے، انھی دنوں سوفٹ ویئر انجینئرنگ کرنے والا میرا بھانجا سعد محمود

میرے پاس بیٹھا ہوا تھا۔ باتوں باتوں میں وکیپیڈیا جیسی ویب سائٹ کا ذکر ہوا تو کہنے لگا، ماموں آپ بریانی کی ایک پلیٹ منگوائیں، جتنی دیر میں وہ آتی ہے، میں آپ کی ویب سائٹ بناتا ہوں۔ میں سمجھا وہ مذاق کررہا ہے، لیکن میرے لیے تو جیسے یہ ایک کرامت ہوئی۔ اس نے سچ میں دو ایک گھنٹوں میں ہوبہو وکیپیڈیا جیسی ویب سائٹ بنا کر دے دی۔ کوئی میری خوشی کا کیا اندازہ کرسکتا ہے۔ اب میں ہوں اور یہ ویب سائٹ: "نعت کائنات"۔

سوال: نعت کائنات کے بارے میں کچھ بتایئے

جواب: نعت کائنات حمد و نعت کا انسائیکلو پیڈیا ہے۔ نعت کائنات میں حمد و نعت سے منسلک شخصیات اور اداروں کی معلومات، کتابوں کا مواد اور ان پر تبصرے اور نعت کے حوالے سے تحقیقی و تنقیدی مباحث و مضامین یک جا کر دیے گئے ہیں۔ (ادارتی نوٹ: اس ویب گاہ کے مرکزی صفحے پر یہ سطور دیکھنے کو ملتی ہیں: " نعت کائنات کا مقصد حمد و نعت کے متعلقہ ہر مواد کو ایک جگہ جمع کرنا ہے۔ نعت کائنات صرف نعت کا انسائکلو پیڈیا ہی نہیں بلکہ اس سے بھی کچھ بڑھ کر ہے۔ جو معلومات درکار ہیں ان سے متعلقہ الفاظ تلاش کریں۔ اگر آپ کسی بھی حوالے سے حمد و نعت کے کسی بھی شعبے مثلا، نعت خوانی، نقابت، محافل، شاعری، تنقید، تحقیق، پبلشنگ وغیرہ سے وابستہ ہیں تو اس ویب سائٹ پر اپنا اور اپنے ادارے کا تعارف ضرور پیش کریں۔ (حمد و نعت نگار شعراء) اپنا تازہ کلام اس نمبر پر وٹس ایپ کریں: 00923214435273۔---مدیر)

سوال: نعت گوئی اور نعت خوانی میں کیا فرق ہے؟

جواب: صنفِ نعت کی دو شاخیں ہیں: ایک نعت گوئی اور دوسرا نعت خوانی۔ "نعت" کی دونوں شاخوں میں رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے شمائل و فضائل، سیرت و پیغام اور تذکار کے ذریعے قارئین و سامعین کی پیاسی روحوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ یہ سرگرمیاں اخبارات سے لے کر سوشل میڈیا تک ہر شعبہ ہائے ابلاغ پر پھیلتی ہوئی نظر آ رہی ہے۔

سوال: اگر آپ سوشل میڈیا سے متعارف نہ ہوتے تو کیا ایسا کوئی خواب بھی دیکھنے کے اہل تھے؟

جواب: سچ تو یہ ہے کہ آج ایک طرف تو سائنس دان توسیع کائنات کے قائل ہیں، کہ فلکی اجسام کا درمیانی فاصلہ بڑھتا جارہا ہے اور کائنات پھیل رہی ہے؛ دوسری طرف "گلوبل ویلج" کا نظریہ ہے کہ تیز ترین ذرائع ابلاغ کی وجہ سے دنیا کے رہنے والے ایک دوسرے کے قریب تر ہوتے جارہے ہیں؛ اتنے قریب کہ اب اس دنیا کو "گلوبل ویلج" یعنی "عالمی گاؤں" کا نام دے دیا گیا ہے۔ ہماری دنیا

"www" کے ایک "net" میں سمٹ آئی ہے؛ یہ انٹرنیٹ ہے، جس نے فاصلے ختم، رابطے تیز اور معلومات کو یک جا کر دیا ہے۔ وہ علم جو پہلے ہزاروں صفحات کی کتاب میں درج ہوتا تھا، اب صرف چند ہزار بائیٹس کی ایک فائل یا ویب سائٹس میں سما جاتا ہے۔ اسکول کے بچے تک وکیپیڈ یا جیسی ویب سائٹس پر جا کر اپنی مطلب کی معلومات اس طرح اکٹھی کر رہے ہوتے ہیں، جیسے اپنے بیگ سے کسی خاص مضمون کی کتاب نکالنے کا عمل ہو۔ علم نعت کے لیے بھی وکیپیڈ یا جیسی ہی ایک ویب سائٹ کی ضرورت تھی، جہاں نعت کے متعلق ہر سرگرمی، تخلیق اور تحقیق چاہے وہ چودہ سو سال پرانے ہو یا آج کی، شیما بنت حلیمہ سعدیہ کی لوری ہو، یا اویس رضا قادری کا پڑھا ہوا "النبی صلوعلیہ"، نعت کے لغوی معنوں پر بحث ہو یا نعت گوئی پر تحقیق کا پی ایچ ڈی مقالہ؛ الغرض ہر پہلو سے نعت کو جان سکیں۔

اللہ رب العزت کا احسان عظیم ہے کہ "نعت ورثہ" کو یہ توفیق حاصل ہوئی اور دسمبر 2016ء انٹرنیٹ کی دنیا میں نعت کے انسائیکلو پیڈیا "نعت کائنات" کو متعارف کرایا گیا۔ نعت کائنات سے مراد نعت کی کائنات لیا جائے یا کائنات ہی کو نعت سمجھا جائے؛ ہر دو معانی اہل نعت کو اپنے طرف کھینچتے ہیں۔ ایسے نام بابرکت لمحات ہی میں تجویز ہوتے ہیں۔

سوال: کیا یہ خواب سب سے پہلے آپ نے دیکھا کہ ایسی ویب سائٹ بنائی جائے؟

جواب: "نعت کائنات" کے بارے کہا جاتا ہے کہ یہ دنیائے نعت میں سید صبیح الدین صبیح رحمانی، ڈاکٹر ریاض مجید اور سید شاکر القادری جیسی فعال ترین ہستیوں کا خواب تھا، جسے "نعت ورثہ، لاہور" نے عملی جامہ پہنایا۔ انٹرنیٹ پر ایک ایسی ویب سائٹ تشکیل دی، جو آنے والے وقتوں میں نعت کا سب سے بڑا انسائکلو پیڈیا ہونے جا رہی ہے۔

سوال: دیکھا گیا ہے کہ نئی نئی بننے والی سائٹس استعمال میں پے چیدہ ہوتی ہیں، یا ان کے پیج کھولنے میں دشواری کا سامنا ہوتا ہے؛ آپ کی یہ سائٹ بھی ایسی ہی تو نہیں؟

جواب: نعت کائنات استعمال کرنے میں عام ویب سائٹس اور فورمز سے قدرے مختلف ہے، اس ویب سائٹ میں مواد بہت تیز اور تلاش تیر بہدف ہے۔ کوئی بھی لفظ تلاش کریں، فوراً اس کے متعلق مواد آپ کی آنکھوں کے سامنے ہوگا۔ سرچ باکس میں علامہ اقبال لکھ کر تلاش کریں، علامہ اقبال کے نام کا صفحہ آپ کے سامنے ہوگا۔ امیجز صرف بوقت ضرورت لگائے جاتے ہیں۔ اس لیے بڑے بڑے آرٹیکلز کا حجم بھی بائٹس کے اعتبار سے بہت کم ہے۔

سوال: سایٹ کی وسعت کے حوالے سے کچھ بتایئے؟

جواب: موضوع کی وسعت کی بات ہو تو شخصیات، ادارے، کتابیں، معلومات؛ ہر وہ شے جو کسی نہ کسی طرح بھی حمد و نعت سے منسلک ہے، اس کا موضوع ہے۔ شخصیات کے پروفائل، اداروں کا تعارف، کتابوں کا مواد اور ان پر تبصرے نیز نعت کے حوالے سے تحقیقی و تنقیدی مباحث و مضامین، اس ویب سائٹ پر اکٹھے کیے جا رہے ہیں۔ اس کی مجلس شوریٰ کا ارادہ یہ ہے، کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پیدائش سے بھی قبل تبان اسعد ابی کرب یا ورقہ بن نوفل کی نعت ہو، یا آج کے کسی نوجوان نعت خواں کا پڑھا ہوا کلام، موضوع نعت پر لکھا ہوا پی ایچ ڈی کا مقالہ ہو، یا کسی اخبار کی کوئی نعتیہ خبر؛ ہر شے کو "نعت کائنات" پر پیش کیا جا سکے۔

سوال: آپ کو اس کار خیر میں کس کس کا تعاون حاصل رہا ہے؟

جواب: اس ویب سائٹ کو اب تک صبیح الدین صبیح رحمانی کے ادارے "نعت ریسرچ سینٹر، کراچی"، ڈاکٹر شہزاد احمد کے ادارے "حمد و نعت فاونڈیشن"، شاکر القادری کے ادارے "فروغِ نعت، اٹک" کا تعاون حاصل رہا ہے۔

سوال: کیا لگتا ہے آپ کو، آپ نعت کے مداحوں کو متوجہ کرنے میں کتنے کام یاب رہے ہیں؟

جواب: اگرچہ "نعت کائنات" کو شروع ہوئے بہت کم عرصہ ہوا ہے، لیکن اس کے قارئین اخبار اور فلم کی ویب سائٹس کے برعکس صرف ایک مخصوص حلقے سے تعلق رکھتے ہیں، پھر بھی یہ ویب سائٹ بہت تیزی سے مقبولیت حاصل کر رہی ہے۔ ویب سائٹس کی درجہ بندی کرنے والی ویب سائٹ Alexa اسے پاکستان کی پہلی دس ہزار ویب سائٹس میں شمار کرتی ہے۔ اس کے موضوع اور عمر کو دیکھا جائے تو یہ کارکردگی بہت شان دار ہے۔ اگر اس کی درجہ بندی موضوع کے اعتبار سے کی جائے تو اردو رسم الخط میں صرف حمد و نعت کے حوالے سے کام کرنے والی یہ ویب سائٹ درجہ بندی کے اعتبار سے سرفہرست ہو گی۔

سوال: کیا آپ کو اس سائٹ سے آمدن بھی ہوتی ہے؟

جواب: نعت کائنات، وکیپیڈیا طرز پر نعت کا فری انسائکلو پیڈیا ہے۔ اس پر کسی قسم کے اشتہار یا منافع کمانے کی سرگرمی نہیں کی جاتی۔ اس ویب سائٹ کو رضا کارانہ طور پر چلایا جا رہا ہے۔ چوں کہ یہ بہت بڑا پراجیکٹ ہے اور اس کے لیے بڑی افرادی قوت درکار ہے، تو نعت کائنات کی انتظامیہ ایسے احباب کو خوش آمدید کہتی ہے، جو حمد و نعت سے متعلق، علمی و تحقیقی کام سے دل چسپی رکھتے ہیں، اور ان شا اللہ اس ہمیشہ جاری رہنے والے پراجیکٹ میں کچھ تعاون کر سکتے ہوں۔ "نعت کائنات" کا لنک: http://www.naatkainat.org

❍❖❍

''اور اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھامے رکھو، اور تفرقہ میں نہ پڑو'...' [آل عمران: ۱۰۳]

اِنتشار نہیں، اِتحاد... اِختلاف نہیں، اِتفاق... منفی تنقید نہیں، اِصلاح... توڑ نہیں، جوڑ...

تمام مسالک کے احترام پر مبنی فرقہ واریت سے پاک دِلوں کی آواز

تنازعات وتضادات وتعصبات وتفرقات کے اِس دورِ ناشاد میں

آیئے ! نفرتوں کے کانٹے ہٹا کر محبتوں کے پھول اُگائیں!

مسلکی، مکتبی، گروہی ونظریاتی تعصب سے بالاتر منفرد دینی جریدہ

ماھنامہ الحیات [Since : 2002]

اغراض ومقاصد: اللہ کی رضا کے حصول کے لیے کوشش

اھداف: ایمان کی تازگی، عقائد کی درستی، افکار کی تطہیر، احوال کی اصلاح

اگر آپ کلمہ گو ہیں تو اللہ کا شکر ادا کیجئے کہ آپ مسلمان ہیں۔ یہ نام خود کو دینا کافی ہے۔ اللہ نے ہمارا یہی نام رکھا ہے: (...هُوَ سَمّٰىكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ... سورۃ الحج: ۷۸)

سُنّی، شیعہ اور شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی، دیوبندی، بریلوی، تبلیغی، سلفی، مقلد، غیر مقلد، اعتقادی اور اس طرح کے دیگر ملحقات والقابات اپنے ساتھ جوڑنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ آپ بحمد للہ مسلمان ہیں، یہی نام اور یہی نسبت کافی ہے۔ کل روزِ محشر کو اہلِ ایمان اِسی نام سے پکارے جائیں گے۔ کسی کو بھی خود کو کسی مسلک یا مکتب یا گروہ یا جماعت یا فرقہ کے ساتھ وابستہ کرنے کی نہ تو اجازت ہوگی اور نہ ہی ہمت۔ اسلام کے قرونِ اولیٰ میں بھی ہر کلمہ گو صرف مسلمان تھا، سُنّی، شیعہ اور شافعی، حنفی، مالکی، حنبلی دیوبندی، بریلوی، سلفی، یا اور کچھ نہ تھا--- خدارا غور کیجئے!

--- آج بھی ہم خود کو صرف اور صرف مسلمان کیوں نہ کہیں اور اِسی نام پر مرنے کو ترجیح کیوں نہ دیں اور اِسی نام سے دُنیا میں پہچانے جانے پر اکتفا کیوں نہ کریں؟

کاش ہم اب بھی جاگیں --- اپنے آپ کو مسلمان کہیں --- صرف مسلمان --- اس کے سوا کچھ نہیں --- کچھ بھی نہیں --- کہ ہمارے اللہ رحیم اور نبی کریم ﷺ کا یہی فرمان ہے اور یہی عطا کیا ہوا نام ہے، اور یہی بڑا اِنعام ہے۔

ادارۂ الحیات-------Idara-e-Al-Hayat

جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم / جل جلالہ - صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وسلم / جل جلالہٗ - صلی اللہ علیہ وسلم

"جہانِ حمد و نعت"
کی اشاعت پر مبارکباد

اِلتجا

رسولِ محترم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے عشق میں مجھ کو فنا کر دے
خدائے مصطفےٰ مقبول میری التجا کر دے

---------------------------- (مشتاق کاشمیری)

منجانب :

محمد اقبال (سابق پرنسپل)

"جہانِ حمد و نعت"
کی اشاعت پر مبارکباد

دُعا

ہمارا فکر و فن طاغوت کا ہے ترجماں اب تک
ہمارا فکر و فن حلقہ بگوشِ مصطفیٰؐ کر دے

-- مشتاق کاشمیری

منجانب :

Pioneer Institute of Learning

Patan

"جہانِ حمد و نعت"
کی اشاعت پر مبارکباد

خاکِ راہِ شاہِ بطحا!

رہوں زندہ فقط مدحت سرائے مصطفےٰ ہو کر
مروں تو خاکِ راہِ شاہِ بطحا اے خدا کر دے

--- مشتاق کاشمیری

منجانب :

digiway Solutions

Rajbagh, Srinagar

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ○

بِسمِ اللّٰہِ وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی رَسُولِ اللّٰہِ○

کاشُرحصہ

Jahan-e-Hamd-o-Naat

جہانِ حمد و نعت

{ریاستِ جموں وکشمیر میں حمدیہ ونعتیہ شعروادب کا اوّلین کتابی سلسلہ}

سرپرست پروفیسر مرغوب بانہالی
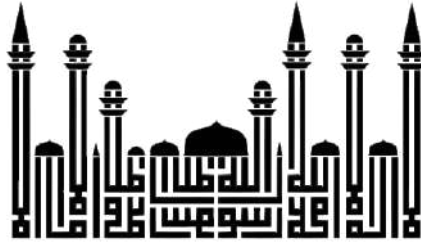
مُدیر ڈاکٹر جوہر قدّوسی

نعت اکادمی جموں وکشمیر صدر دفتر : مدینہ چوک، سرینگر-190001 (کشمیر)

پروفیسر مرغوب بانہالی (صدر نشیں: نعت اکادمی)

حمدِ ربِ ذوالجلال

(1)

تھزر چھُے تھبکان پروردِگارا!
یہِ تھدِ تھۆد آسمان پروردِگارا!

کرورن تارکن یکتِس اندر بند
حُکُم چھُے تھوان پروردِگارا!

کران پڑتھ بۆڈ سۆدِر ، بۆڈ بال ، بۆڈ وَن
بجر چھُے بیان پروردِگارا!

ژےٚ عِلمی دأرِس وُسعت چھےٚ[1] ، تتھُی منز
مکان و لا مکان پروردِگارا!

مَلک پۆشیدہ اَسہِ باسان چھِ لیکن
ژےٚ بروٚنٛہہ کنہِ تم عیاں پروردِگارا!

رگن منز رتھ تہٕ زُوِہ ذأژن اندر زُو
ژےٚ سورُی دِپہ مان پروردِگارا!
نبیؐ وُچھنو تھن جنّت جہنم!
ژےٚ ر وّس کُس غیٖب دان پروردِگارا!

یہُے سہلاب اَسہِ لبنأوِنۍ عِبرت
شِرک بوٚڈ اِمتحان پروردِگارا!

دِ اَسہِ توفیق توحیدُک تہٕ یکتیُک
کر اِسہِ بیٚیہِ کامران پروردِگارا!

چھوکل ترُکی چھےٚ مرغوٗبس تہٕ بسُتی
دِتہٕ اتھ اکھ اردغان[۲] پروردِگارا!

---

[۱]: سورہ اعراف ِکس آیتِ کریمہ ۸۹ ہس منز چھُ اللہ تعالیٰ رسوٗلِ رحمتسؐ ونان زِ ہیٚچھناوِ یوٗکھ پننٕۍ اُمتّی یہِ وُنُن زِسون پروردِگار چھُ پننہِ علمہٕ کِس دأیرس منز پرٚتھ چیزس وٲلِتھ۔

[۲]: رجب طیب اردغان چھُ ترکی ہُند 2003 ءپیٹھہٕ 2014 ء تام وزیراعظم روزنہٕ پتہٕ ووٚنۍ اتھیُک صدر ژارنہٕ آمُت ، امی اردغانن بدلوو مصطفیٰ کمال اتاترُکن غیٖر اسلأمی نِظام تہٕ پوٗرہ اِسلأمی نظامس کُن ہیٚژن ترُکی شاندار پأٹھی انٕۍ۔

(2)

اے خُدائے دُو جہان! اے ذُوالجلال!
اے احَد! اے مرتبہ دانِ بِلال!

ژٕ ی زمین و آسمانن نۄر چھُکھ!
ژٕ ی قریب از شہرگ و دۄر از خیال!

از خجالت زہو مےٚ سمان چھَنہٕ مگر!
بستہٕ دہان ہیٚکہ نہٕ روٗ زِتھ خستہٕ حال؟

یَنہٕ عیأشی و وٚل عرب شیخن دہماغ
تَنہٕ فرنگبن ہٕندی بنان تِم لوٚہی تہٕ شال

کتھ نہٕ مُلکس جعفر و صادق بٕنِتھ
مِلتّٕک سرمایہ پھٔرکاوان چھِ دژال

ییٚتہِ وَ تتہِ وُنہِ یوٗسفٕنٕز بارٕنٕز رٔلِتھ
لوٚت کھسٕوان ٕکنٕز ٕکنٕز چھِ بھاین جان و مال!

گاڑٕہ زأنتھ مُخبرو ٔدسی اہلِ شِرک
رأسہٕ مُسلِم بٔستی ین تژاوان چھِ زال

یا اِلٰہی! قبلۂ اول وُچھان
از وَژھو چشمو زِٹھبن سائبن زوال؟

اَسہِ تہِ گھرٕہ گگرن چھِ لاران پرٕہ گگر!
اَسہِ چھُ واجن منز بٕچھتھ روزُن محال!

یا الٰہی بخٕش لِلّٰہ اَسہِ خطا!!!
در گُزر کر اَسہِ کُنبر مَشنُک وٗبال!

بیٚیہٕ دِ اَسہِ یکتیُک تہٕ اپٕثارُک شعٗور
بیٚیہٕ کر عِزت کُلمہٕ خوانن ہٕنز بحال!

مِلّتِ مرغوٗب رٹناوُن سٗو وتھ
مانٛچھ تُلرٕبن یوٗسہٕ دِوان یکتِیُک جمال!

حمدیہ

لفظ و معنی کیاہ کرن باوتھ چھَ تیٚژاہ چأنٛی شان
کایناتھاہ چأنٛی ، ژٕے کُل کایناتس مہربان
چون چھنہٕ حمد و ثنا ممکن خدائے ذوالجلال
ذاتھ چأنٛی واحد و بے مثلِ صفت و بے مثال

فدا راجوروی

پروفیسر مرغوب بانہالی (صدر نشیں: نعت اکادمی)

نعتِ رسولِ کاینات ﷺ

(۱)

چھُ یُس باعثِ کُن فِکان یتھ جہانس!
چھُ سُی جمعِ کُل وَحیہِ صٕدیَن زمانس!

لچھو منزٕہ رٕبّن تھِوِک اُکی خاص احسان
مَنَ اللّٰہ علی المومنین[۱] سن قُرآنس

کمن مؤمنَن ٹوٹھ زُوہ کھوتہٕ فقط سُی؟
پَرٕ اَولٰی مِن اَنفُس[۲] ہے اِدٕ سام پانس

دِلو! حُبِّ نبیؐ یِک ادب یوٚد ژٕہ پالکھ
قبالا کرکھ ژٕتہٕ صُحابہؓ آیہٕ جانس

ژٕہ دِلہٕ چو اَچھو وُچھ سراجاً مُنیرا
سہل چھا بنُن ہمنوا حض حَسانس[۳]

حتیٰ یحکِمُوک ژٕہ رَچھ عملن اندر
گَری مرحبا خوٚد نبیؐ تیٚلہٕ بیانس

چھُ مرغوٗب ناوُک غلامِ محمدؐ!
پڑ ٹیا سوزِ سلمانؓ[4] أمِس ناتوانس؟

۱: سورۂ اعمران آیت ۱۶۴
۲: سورۂ احزاب، آیت ٦
۳: جلیلُل القدر صحابی تہٕ دربارِ نبُوّتُک ملکُ الشعراء حضرتِ حسان بن ثابتؓ۔
۴: برگُزیدہ صحابی حضرتِ سلمانِ فارسیؓ

(۲)

تہٕ کیٛاہ پیش کرِہ تس بجُز شرمسأری؟
کران یَس خُدا پانہٕ مِدحت نِگأری!

حقن یَس بخِش مُرسلن ہنٛز اِمامت
جمع نیک اوصاف تَسٕی منٛز چھِہ سأری!

ییمِس حملہ آور سپنٛز عالمکی غم
کران غم نصیبن چھُ سُی غمگسأری!

دِوان جلوٕہ اِنسانِ کأمل چھُ تٔمی سٕی
گنان ییٛوٕ ہِ تہٕ پڑھِ سپر تِچ یَس چھبے یأری!

چھُ پڑتھ واقعہٕ اسہِ اکھ سبق تمہِ حیاتُک
حیات النبیؐ نوٗر افشان ژُوپأری

مُبارک اتھو لأج تیٚمہٕ حجرِ اسود
قبیلن تٔمی دوٗر کٔر دٕی تہٕ خوأری

رچھان مِلّتچ دَگ چھِ مرغوبہٕ یم وَچھ
تچھان رگہٕ چھےٚ تِمہٕ نٕی اژھِن بیقرأری

(۳)

بہترین تخلیق ذاتس آنجناب ﷺ
اُسوۂ حَسنہ حیاتس آنجناب ﷺ

غیر معموٗلی تہٕنٛد خُلقِ عظیم!
خیٚر خواہ کُل کائیناتس آنجناب ﷺ

گُلی گوٚڈس تے روٗسی کچہِ تاث دِل رچھان
سوٚکھ چھِ کانٛچھان ذرٕہ ذراتس آنجناب ﷺ

وتہِ چھوٚکُس ییمہِ ژھوٚٹھ خبر ہینہِ لتس تہِ گیٚہ
لتس نہٕ ترٛاوان گال کھاتس آنجناب ﷺ

مارٕہ گرٛھوٕنِن کجن کورِن سٔنِتھ
اوٚش چھِ ہاران رأتی راتس آنجناب ﷺ

پٕژھ گُلالن لوٕہ ترٕژھی چھےٚ یہِ مُفلِسن
توٕہ دِوان ۆوتھبو زکاتس آنجناب ﷺ

کر تہٕنز مرغوٗبہٕ پزٕ دلہِ پیرٔ وی
پلزٕنے تیٚلہِ ژیٚتہِ شِفاعتس آنجنابﷺ

(۴)

شریعت شاہراہِ کامرأنی!
دِلو ! أتھی پٔتھ پکِتھ لب شادمأنی

شرع پالُن زِ اصحابِ نبیؐ ہیٚچھ
چھیے لاثأنی تِمن ہٕنز جانِفشأنی!

کْجا شیٖر و شکر تِم أسی باہم!
کُجا أسی! یِم نہٕ از باہم رَلأنی!

فِرعونی فِتنہِ گٔری گٔری از تہِ مُشرِک
ہدف سِیٖمکی بناوان سینہ سأنی!

گژھان دِیہِ دِتی وسأیِل اَسہِ چھِ برہم
چھُنہٕ اسہِ تیٚلکُ تہِ رُت مصرف تگأنی

کرُن اَسہِ قبلہٕ اول چھُ حأصِل
ایوٗبی[1] وتہِ بحکمتِ اَردغأنی[2]

الٰہی یژھتہٕ مرغوٗبس تہِ ڈیشُن
شُہُل دورِ خلافت بارِ ثأنی!

---

[1]: حضرتِ صلاح الدین ایوٗبیؒ [2]: تُرکی ہُنٛد موجوٗدہ قابلِ صدمرحبا صدر ''رجب طیب اردغان''

(۵)

رۄُحِ دِین اَسہِ چھُ نامِ خاص تہُنٛد!
ڈٔکہٕ بجر اَسہِ نظامِ خاص تہُنٛد!

فرش و عرشُک محمدؐ و احمدؐ
حمد لفظس خرامِ خاص تہُنٛد!

سُلہِ گۄڈھان صادق و امین بنٛس
وحیِہ بڑوٗنٛہہ اِنتظامِ خاص تہُنٛد!

مکَس اندر تہٕ طأیِفس اندر
صبر و شُکرس قوامِ خاص تہُنٛد!

لۆب اِذا تُلنہٕ پتہٕ اولُوالعزمی
شبِ اِسریٰ اِنعامِ خاص تہُنٛد!

'قابَ قوسینؔ' بشانِ اَو 'ادنیٰ'
'لی مع اللہؔ' مقامِ خاص تہُنٛد!

بعدِ معراج ہجرتُک اقدام
توّکل اِنصرامِ خاص تہُنٛد!

شاہِ رؤمس تہٕ شاہِ ایرانس
با جُرات اہتمامِ خاص تہُنٛد!

دعوتٕک دَس گُل عالمس چھُ ٹلان
در مدینہ قیامِ خاص تہُنٛد!

سر بکف غأزِین عطا چھُ کران
خاص کِردار جامِ خاص تہُنٛد

بزم ورزَمس تھزر چھُ لبناوان
در دو عالم پیامِ خاص تہُنٛد!

فتحِ مکہ تہٕ در گُزر مرغوٗب
ظألمن اِنتقامِ خاص تہُنٛد!

(۲)

حُبِّ رِسالت اَسہِ ایمان
یہِ چھُ اَسہِ رٛبّہٕ سُنٛد خاص اِحسان

ختمِ رِسالت نوٗن اِعلان!
یہِ چھُ اَسہِ رٛبّہٕ سُنٛد خاص اِحسان

گو کتہِ کوٗت وحیک سُہ نزوٗل
از آدم تا عیسیٰؑ زوٗل

ختمُ الرُسُل ییژھِ پژھِ ہٕنز شان
یہِ چھُ اَسہِ رٮ۪بّہٕ سُنٛد خاص اِحسان

توحیدُک سرٛ بہہ شرٕعک روٗح
شرٕعچ کِشتی چھُ نبیؐ نوٗح

اولُو العزمو ژھوٗنڈ طوٗفان
یہِ چھُ اَسہِ رٮ۪بّہٕ سُنٛد خاص اِحسان

زِیٛون تہٕ مرُن کیٛا سٕنٛتو بوو
گُلشن سٕنٛتٕک خاصو چھوو!

لسنٕک اۭین پژھ چھُ قرٗآن
یہِ چھُ اَسہِ رٮ۪بّہٕ سُنٛد خاص اِحسان

سُکھ پژتھ ساہٕ گھرس ہمراز
سیٛزِ وتہِ چھُ حدیث اَسہِ دمساز

اُسوۂ حَسنہ پژھِ فیضان
یہِ چھُ اَسہِ رٮ۪بّہٕ سُنٛد خاص اِحسان

دیٖن در عہدِ نبیؐ گوٚو پوٗر
صالح اِنسانو ژھوٚٹ نوٗر

پوٗلُکھ پرٛتھ فرمان ژُکہِ سان
یہِ چھُ اَسہِ رٔبّہٕ سُنٛد خاص اِحسان

بُڈؠ شبہِ مُحدِّث کم؟ ژٕ تہِ سَن
اوٚن مَہ کُنی تحقیقس بن

مرغوٗب صحاحِ سِتہٕ زان
یہِ چھُ اَسہِ رٔبّہ سُنٛد خاص اِحسان

رفیق راز (سرینگر۔ کشمیر)

نعت

سیر خدا اسرارن منز
نور ژٕ چھک انوارن منز

جمال یوسف چأنۍ زکات
سرس ژٕ چھک مہہ پارن منز

سیرت چأنۍ چھےٚ وبڑھنأوتھ
وچھوے ترٚ ہن سپارن منز

یہ نہ لکھ وچھ ہن أنن منز
تم أسۍ وچھاں دیوارن منز

روے زمینن وچھ نہ زنہی
سردارا سردارن منز

شہہ سرخی منز جاے رٹتھ
اسمأنی اخبارن منز

أخرچ کانہہ فکرا ہش
أس نہ دنیا دارن منز

اکھ بالیغ تہ شرٕ ہن اکھ
مردن منز دین دارن منز

کوٚت کوٚت وأتی نہ دنہ پأغام
طأیفکین بازارن منز

کینہہ گے مأیل آیہ ژٕے کن
کھل بلو وژھ کفارن منز

گوڈنبتھ گو مقبول یہ دین
کمزورن نادارن منز

وأنس گزأنس گژِ غارن منز
صدمہ تلن بازارن منز

علی شیؔدا (نجدون-اسلام آباد- کشمیر)

نعت

چانہٕ روٗیک پریوٗ اچھن موٗل آفتابن یا رسول
پرٕدٕ ٹُل گاہن تہٕ مہہ کۆر ماہتابن یا رسول
ژھٕٹ تمو خوشبو تہٕ معنی گو مکمل چانہ سیتۍ
وقتہٕ وقتے حرفہ گُل پھلۍیم کتابن یا رسول
چانٕ کوثری قطرٕ ٹُلۍ فضہن تہ رنزنوٗن جہان
سیر گیے دل تریش ژٕجۍ سیکلئین سرابن یا رسول
نوٗرِ پنہاں آو پوٗرِتھ جامہ اظہارس اندر
دراو معنے عرشہ کٔبن مولاے خوابن یا رسول
عرشہ چھو دعوت ٹُلو تشریف وون جبریلنے
میز بان پانے خدا عالی جنابن یا رسول
تُہندٕ ہستی لوب عمر عثمان صدیقن بجر
تُہندٕ ہستی مشکاو میژ تاں بُو تُرابن یا رسول
موٗل مُشک بادِ صباہن پھول فضا گو عنبریں
بُلبلو کرۍ گتھ تہ روٹ سُے رنگ گُلابن یا رسول
آستاں چونُے تہ کور محور مقرر عرشہ وأٹی
نظرِ تل تھوو سبز گنبد چون کعبن یا رسول
رس براں لفظن تہ نعتس دِس علی شیؔدا ٹُلاں
مس چھُ کورمُت چأنٕ أمی کوثری شرابن یا رسول

اظہآر مبشر

نعتیہ نظم

لیکھُن ہیوت از میے نعتِ مصطفےٰ بس
لیکھن کیا چھم کرنٕی تأریف تمیٕ سند
رگومنز رتھ کڈتھ لوگم لیکھن میے
میے لیوکھ سونچتھ تمس والشّمس رویس
زُلف ڈیشتھ لیکھم والیل تھیکی تھیکی
ڈیکس تیمس ژودأ ہم زون تابان
ووٹھن لیوکھمس ووزُل پھولمُت گولابا
لیوکھم سونچتھ قدس سروِ قدلتس
دندن گوہرتہ چشمن کیاہ بہ لیکھہ لتس
سیٹھاہ سونچتھ پیوس پایس بہ أخر
تہ سونچم چھُم لیکھن کیاہ چھُس لیکھان کیاہ
شوبیاہ تشبہیہ کرنٕی رویس تہ شمس
مشابہت شوبہ کتہ کنہ سیتیٖ زُلفن
ژودأ ہم زون تے گاہ ژورِأنٕی أنٕی
بڈیمژ زن بڈتھ تھچمژ سیٹھاہ از

گولابس تے رنگس رأمژ چھِ رنگت
چھ سروس پست قد گوہرتہ معیوب
میے باسیہ ہیچ یم لفظ سأری
بہ کیاہ لیکھِ نعت لتس حُسن وأِلس
تیمس کرِ نعت خوانی پانہٕ رو بن
مگر شوقس تہ لولس کیاہ زِ کرِ زبس
لیکھن چھُم نعت بس نعتِ نبی چھُم
میے دیوت خط سأرِ نے لفظن تہ لیوُکھم
لفظا اکھ مأرٕی موند لیوکھُم میہ ژأرِتھ
میہ لیوکھ از احتراماً بس محمدؐ
محمدؐ بس محمدؐ بس محمدؐ

نآصر مسرؤر (کروسن، لولاب- کشمیر)

نعتِ نبی ﷺ

(۱)

اِکہ اِکہ تُلی تھۆد سأری بیمار نبی صأبن ﷺ
مسمار گأرِتھ شِرکٕکی دیٖوار نبی صأبن ﷺ

دریاوس پار گأرِتھ یُمہٕ ناوٕ ژھناں زألِتھ
تِتھی پأدٕ گأرِتھ تھأوی سالار نبی صأبن ﷺ

بو بکرؓ و عمرؓ عثمانؓ بیٚیہٕ حیدرؓ اسداللہ
گُمہٕ رٔتی رٔتی تھأوی پٔنٕنی آثار نبی صأبن ﷺ

ییٚلہٕ دعوتِ حقٕ خأطرٕ پیٚو طاقت ازماوُن
قورآنس تابع تھأو تلوار نبی صأبن ﷺ

قوربان کراں سورٕے اکھ بوٚیٕ بیٚیِس بأیِس
دگ للہٕ وٕنی ہیٚچھ نأوی انصارؓ نبی صأبن ﷺ

ییٚلہٕ وعدٕ دِتُن پزٕورُن دوہ راتھ دُمیلس پٹھ
پٔزی پأٹھٕن ہو یکُھت کردار نبی صأبن ﷺ

مکہٕ والین فورموٗن ''لا تثریب علیکم یوم''
آزارس بدلہٕ دِتُے گُلزار نبی صأبن ﷺ

تس تس ژٔلی غم نآصر، ووکھ منزل سہل سپٔدی
یس یس پیٚتہٕ پأنہٕ دِتُے دیٖدار نبی صأبن ﷺ

(۲)

یُس سارِوٕے مُشرو تس غم خار نبی میوٚنؐ
از ابتدا تا انتہا سردار نبی میوٚنؐ

پیٚتہٕ أسی میٚژِ بُزی مأٖلی کراں کورِ عیالس
موصوٗم کورٕن رُت ، شیٚہُل شیٚہجار نبی میوٚنؐ

زُریاتِ آدم روزِ ہے وأناک گٹہٕن منٛز
اُمت اگر نَے آسِہ ہے شاہکار نبی میوٚنؐ

راجُت نبی سُنٛد عأنِہ رحمت روٕپہ زمینٛس
اِلحأدی مندورٕن کراں لُرِ پار نبی میوٚنؐ

تَہُندُ ے چھُ تھکُٕن آدمس تا روزِ قیامت
سیٚکلِس تِہ آناں باگِہ کُس سبزار نبی میوٚنؐ

راتٕچ نٮ۪ندٕر قوربان پٮ۪ٹھ رُکون تِہٕ سُجوٗدن
بیٚپہِ دوہلِہ احزابس اندر سالار نبی میوٚنؐ

ییٚلِہ گرٛند کرن کُس کُس چھُ کوثری ترٛیش چاناوُن
گُنٛزرأوتن اِدِ نأصرٕس حقدار نبی میوٚنؐ

فہیم عرفانی (سرینگر- کشمیر)

خیرالبشر ﷺ

عالمین کِرٕ عنایت خاص تر خیر البشر ﷺ
رحمۃ للعالمین ییٚمی سُنٛد بجر خیر البشرؐ

شش جہاتس منٛز یہِ انساں اوس گوٚمُت بے نوا
بول بوشا گوس دِتھ رُت تے زبر خیر البشرؐ

اوس نار و نار عالم، وَدِ وَدَے عرب و عجم
امن و عدِلکی، اُلفتکی ہٕژران بر خیر البشرؐ

آو ییٚلی منٛز دُنیہس، داغِ یتیمی باگہِ ہیتھ
دژاوٕ أسِس تأبیٚا جِن و بشر، خیر البشرؐ

چین و یوناں، روم و ایراں، مصر و ہندس ہُوی ژوپأری
تِہندِ باعث سر سبز گئے بحر و بر خیر البشرؐ

بے حقیقت فلسفن ہِنٛز لانٛگہ منٛز یِرٕوٕنی حیات
تار دیُت نس یس لقب اُمّی مگر خیر البشرؐ

گُم گرٕھتھ منٛز گٕٹ زلبن، بے اند وتن، چھُکھ گُلی مُران
چھُم نہٕ کانٛہہ غم راوٕنک چھُم راہ بر خیر البشرؐ

چھُے ژہ بزٕم مےٚ تہِ زُول میلادُک کرِتھ سوتھِ تار لوٚب
فاقہٕ فٕقرے بدر و احزابس اندر خیر البشرؐ

تارِ کوٹھن تھان مخملکی وَٕلنٛز ون کُس کمال
ونٛدٕ رأژن پٕٹھ میٚژیے تژاوان لر خیر البشرؐ

غازی محمد شعبان شاہ (باباپورہ، کولگام- کشمیر)

نعت شریف

چھُ نبینؑ مرسلنؑ سرور محمد مصطفیٰ سوئُے
چھُ کامل بس اکُے رہبر محمد مصطفیٰ سوئُے
تمی دِژ عالمس سیٚز وَتھ غلامن تے موٗنڈن عزت
یتیمن کیاہ رٹان دربر محمد مصطفیٰ سوئُے
اتی عرشچ خبر باوان چھُ فرشُک نیابی أنزراوان
سخی تے ساقیٔ کوثر محمد مصطفیٰ سوئُے

یہوئے غزون اندر سالار چھُ رُت تأجر تہِ در بازار
گھرس منز بہترین گوہر محمد مصطفیٰ سوئُے
ربن دیوٚتنس ''لعمرک'' تاج عرش کھأین شہہ معراج
بناوُن سارنی افسر محمد مصطفیٰ سوئُے
مسلمانا ژ ٚے چھے نا گال لوٗکن پتہٕ پتہٕ گوی یژ کال
خدایس پتہ چھُ بس بہتر محمد مصطفیٰ سوئُے
سبٹھاہ چھُم تس غمِ اُمت گنہگارن دلس گژھ ستھ
یتھُے ییہِ شافع محشر محمد مصطفیٰ سوئُے
دِژکھ دعوت بہ عام و خاص اَتی قیصر اتی عداسؓ
چھِو در محراب بر منبر محمد مصطفیٰ سوئُے
عمل ما کینْہہ چھَس پانس یقین محکم چھو شعبانس
دِلس منز شوٗبہِ اکُے دلبر محمد مصطفیٰ سوئُے

منیر سرائے بلی (سرینگر۔ کشمیر)

نعت شریف

ووتھ عاشِقو مدینہٕ سکھر نعت نبیؐ پر
پر حمد و ثنا شام و سحر نعت نبیؐ پر

تَتھ شہرِ پاکس رأچھی ییتہِ دربان ملأیکھ
تتہِ گتھ چھِ کران شمس و قمر نعتِ نبیؐ پر

تتھ روضۂ پاکس نِش چھِ گُل افلاک سرگرداں
سُہ چھُ عرشہٕ وأ لِس ٹوٹھ شہر نعتِ نبیؐ پَر

مولا تہِ پراں بیٚیہِ چھِ ملأیکھ پراں درود
اَتھ نامِ پاکس تھوٚد چھُ بجَر نعتِ نبیؐ پَر

چھُم عشقہٕ تب چھنہٕ غأر طبیبس تہِ خبر کانْہہ
تس بختہٕ بڈِس میأنی خبر نعتِ نبیؐ پر

تتہِ دأدی لدَن، درد مندن ہٕندی دُعا قبول
تَتھ جایہِ اِجابت تہٕ تھزر نعتِ نبیؐ پَر

مُنیرٔہ کُٔمیو حالہٕ ژٕ درمندٕ پریشاں!
یوٚد چھُکھ ژٕ یژھاں قلب و نظر نعت نبیؐ پَر

حاجی بشیر

نعتِ نبی ﷺ

نظامِ مصطفیٰ چھُ پیغامِ رحمت — محمد مصطفیٰ چھُ اِمنٕج ضمانت
چھُ پیغام تٔمسند پیغامِ رحمت — محمد مصطفیٰ چھُ اِمنٕج ضمانت

تٔمِس دوٚن عالمن رَبن دِژ قیادت — دِتُس ذاتِ پاکن اذنِ شفاعت
یُہ موٚن یہِ پیغام سُے روٗد سلامت — محمد مصطفیٰ چھُ اِمنٕج ضمانت

تمہٕ سٕندِ پنہٕ ستی دوٗر گیہِ جہالت — تٔمی علمِ و ادبس عطا کٔر قیادت
تمام عالمین رَبن سوز سُہ رحمت — محمد مصطفیٰ چھُ اِمنٕج ضمانت

غلامن تٔمی کٔر عطا پانہٕ حُریت — یتیمن کلس پٹھ دستِ شفقت
پتھر پنجتن تٔمی عطا کٔر اِمامت — محمد مصطفیٰ چھُ اِمنٕج ضمانت

قلبِ محمدؐ چھُ مخزنِ محبت — دِوان مومنین درسِ اُخوت
چھِ لأزم تہٕ وأجب نبی سٕنز اطاعت — محمد مصطفیٰ چھُ اِمنٕج ضمانت

حاجؔی بشیرس رب سٕنز دِلس سَتھ — دِلس منٛز فقط چھُس نبیؐ سُند محبت
کران روز ہر دم نبیؐ سٕنز اِطاعت — محمد مصطفیٰ چھُ اِمنٕج ضمانت

محمد یوسف عاجز (کوچہ کولگام- کشمیر)

سلام بحضور سرورکائناتﷺ

سلاما تس چھُ بے حد خأر یُم سُند کایناتس
سلاما تس وداں یم أسی سانہِ باپت رأتی راتس
سلاما تس یہِ رِژ وَتھ ہأویم خاصن تہٕ عامن
سلاما تس بخش یم تاج پتھر پیمتین غولامن
سلاما تس یمِس قرآن دیوٚت پروردگارن
سلاما تس خلق یٔمسند اندر ترٕہوٕنی سپارن
سلاما تس یٔمِس چھُنہٕ کانْہہ پتُن غم امتک غم
سلاما تس گرٛھان وٕدی وٕدی یمِس تِم چشمہٕ پرُنم
سلاما تس خدا صأبن بخش یُس خاص عظمت
سلاما تس یٔمِس أندی پکھی تہِ ہرِ بوٚن سایہِ رحمت
سلاما تس لباس یٔمسُند پیوندہ لأ رِگتھ
سلاما تس یمِس مسکین برس تل ڈیرہ ترأوِتھ
سلاماہ تس لگس قوربان ییتھ خلق عظیمس
سلاما تس وندس زُو جان تھٔدِس شانِ کریمی
سلاما تس چھ طٰہٰ بیٚیہِ مدثر بیٚیہِ مزمل
سلاما تس رسولسؐ وچھ وٕنئن یُس نِوان دِل
سلاما تس یمن چھُنہٕ تا قیامت کانْہہ تہٕ ثأنی
سلاما تس چھِ یمسنز خاص و عامس مہربأنی

غلام حسن درویشؔ (کھی پورہ ٹنگمرگ- کشمیر)

نعت شریف

خدا تھٕکان نبیؐ تہٕ نبیؐ اکھ خدا تھٕکان

گُلِس أتھی چھُ لا الٰہ اِلا اللّٰہ پھولاں

گنجن ہٕژن گُنژن چھُ ہٕراواں گُنزا گُنزا

قورُون چھُ سوٚنبراں تہٕ نبیؐ میوٚن بأگران

تمام انبیا چھِ مقتدی نبیؐ اِمام

عظیم پیمبرؐ چھُ جایہٕ جایہٕ گاہ ژھٹاں

بشر چھُ نا سمجھ تہٕ چھُس نہٕ کینٛہہ رٹُن تگاں

تھیٚکِتھ چھُ گردِ پا بُتھِس مَتھان آسماں

اذان پراں پراں مےٚ نظر روٹہٕ گرٛھان چھِم

نبیؐ نہٕ دیدٕمان وُچھِتھ ہوش چھِم رٕساں

چھےٚ یی ژےٚ گُس وُقعت تہٕ بوش کیا تہٕ کمیٚک چھی

نبیؐ ژےٚ بٕستھ چھی نہٕ دِلس چھُکھ ژٕ مسلماں

أچھن أکِس مدینہٕ بیٚیس کعبہٕ بساوُم

یہے نظارٕ نظرٕ میانہِ روزٕہن وُچھان

زمانہٕ ہر زمانہٕ ضمانت چھِ اِطاعت

خدایہِ پاکہٕ سٕنٛز تہٕ شہنشاہِ دو جہاں

عابداشرف

نعت

خدا چھُ متیٚ گرٛھانٕ یمِس وُچھِتھ سُہ روئے والضحیٰ
نبی چھِ گتھ کراں تٔمِس سُہ روئے چھ مرسلن مُدعا
دوہے تہٕ چھُنہٕ ئلے یہِ آفتاب بیٚیہِ تہِ بیٚیہِ کھسان
وُچھُن یڑھان چھ بارہا سُہ کن حُسن تہٕ گُنٕز اَدا
نماز روزہ حج چھ تمسندوے تھواں قبول رۆب
نجات سُے لبان چھِ دل یمِس گرٛھان ژٕرٕ پتھ فدا
دژیُت گرٛھان زِ لیکھ کیا تھزر بجر تہٕ قد وُچھِتھ
وُچھَو تہٕ ظاہراً بشیر قوت چھُبٕ بعدِ از خدا
ہیکان نہٕ کانٛہہ چھِ دِتھ ژٕرٕ رۆس امن تہٕ آبرو لُگن
کریو تہِ یَس یڑھو کرن قیامتکِے دوہن شفا
ازل تا ایں دم چھُ یُس ذکر گٔمُژ کنن نبَس
وَچھَس چھُ خوش کراں ذکر ذکر چھُ ذکر مصطفیٰؐ
چھِ نعت خواں یمن پٹھن چھِ واجباً جنت گرٛھان
چھُ پایہِ بۆڈ تہٕ سُے چھُ یُس خوش لحن تہٕ خوش نوا
گولاب چون روئے وُچھِتھ چھ رنگ رٹان مشک ژھٹان
ؤتھر ؤتھر چھ چانِہِ ذکرِ منٛز پران صلِ علیٰ
اَتُر چھُے نہٕ تیٚوتھ کُہنٕز زہ یُس نہٕ عابدٔن کۆرُے
وں گو مے ستیٚ چھم فقط وَچانہٕ رحمتٕچ ستھاہ

مقبول فایق، ہندوارہ

نعتِ رسول اکرم ﷺ

محمدؐ کایناتُک رُوح محمدؐ جاں تہٕ زوٗ میونُے
محمدؐ رہبرِ کأمل محمدؐ آبرو میونُے

بہٕ کرٕ ہا گتھ ژِھنتھ پہمہٕ ہا تہٕ دِمہٕ ہا زوٗ بہٕ پادن تل
اِلٰہی گژھ تہٕ بوٗزِتھ زار میأنی آرزوٗ میونُے

ژٹان چھُم عقلٕہِ ہٕنٛز ہانکل جنوٗنس منٛز یِوان باضے
گژھان پھیراں چھُ دِل مک و مدینہٕ کوٗ بہٕ کوٗ میونُے

ہتا ہے فایقا زٕہو چھَل محمدؐ پر محمدؐ سر
تہٕ تو پتہٕ وَن تہٕ دعوا سان چھُ سورُے چار سوٗ میونُے

نعتیہ ژُمصرأئے

طٰہٰ پٔری زِہے، تہٕ مرسلات پٔری زِہے
یاسین، محمد تہٕ الحجرات پٔری زِہے
مزمل تہٕ مدثر تہٕ بٔیہٕ صٰفت پٔری زِہے
زٕہو آسہِ مشک بار اَدے نعت پٔری زِہے

بر کرم یِتھ سپُد جلوٕ گر ذُوالجلال
وُژھ چھِ سمیس توَے علیٰ کُلِ حال

از چھِ ووسہٕ دژوس عجب اوَے خأطر
فرشہٕ وأرِس چھُ روٕتلی عرشُک سال

خزانہٕ تِتھی موکلن نہٕ زاثہہ سومبران چھِ چالاک
پوٚز! بیک جُنبشِ نظر گژھان سأری سےٕ چھِ خاک

''اَن تحبط اعمالکم'' حبس کر زِ نعت گو
شژاکہِ پپٹھی پکُن تہٕ کلس پپٹھ تہِ اَلاں شژاکھ

ایم سلطان سالک، لولاب

نعت شریف

وندے نٔوٕ یوٕ پٔژن گرٕ بار یِکھنا
گرٕھن مشکل سٔری مسمار یِکھنا

سپدن سادن ژٕ اتہِ اسہِ روز لادن
وچھے تھلہٕ تہٕ بلہٕ بیمار یِکھنا

وتن روزے مُدَے گٔنڈی گٔنڈی جنابن
ژٕ یتہٕ از سۄن وچھے رخسار یِکھنا

یٖمو چون لول کھٔنٛز کھٔنٛز تھوو جگرس
تِمن گۓ نارسے گلزار یِکھنا

وندے ژُو جان سوٕرے پان ونہٕ ہے
مےٚ بنہِ ہے ژٕ دونن سبزار یِکھنا

پِگاہ اتھ رۄٹ مےٚ چھُم درکار چونےٕ
ژےٚ رۄس نارس لبے ما تار یِکھنا

ژےٚ پۆزلان چھُکھ جہانس تاج برسر
گٔرتھ روشن در و دیوار یِکھنا

بہٕ چھُس سأٖلِک سۭبٹھاہ درمانٛدٕ گۆمُت
ژٕ یتہِ پوشن کرے انبیار یِکھنا

عبدالرشید فدآ راجوروی

نعتیہ قطعات

سبق ٲمی وحدتُگ دیۆت ییتھ جہانس
ٲموٕ پُٔشروو ٔو پچھ ییتھ زمانس
ڈیکس ٲمی لیچھ ینسانن یہٕ عظمتھ
سبٕز ر دیۆت ٲمی حیاتس بٔیہٕ بیانس

خدایس ہٕتی ٲمی سأ دیۆت بندن واٹھ
بجر ہُر روو ٲمی ییتھ کاروانس
تھٕزر بعد از خدا کس ییتہٕ چھُ حأصل
چھُ کس واتاں مکانِ و لا مکانس

بجز ذاتِ محمدؐ کس چھ توفیق
خدایس بعد توہٕز بڈٕ ذات تحقیق

☆

پایہٕ بٔڈ رحمتِ تمام توہیی
کایناتس ٲنٕز امام توہیی
عرش تا فرش نیکنام توہیی
سیّدی سیّد مدام توہیی

☆

نۆر چھُو تُہٕ کایناتٕکۍ یا نبیؐ
تُہٕ پزٕر چھُو حُسنِ ذاتٕکۍ یا نبیؐ
تُہٕ زمانس مرضی رب العُلیٰ
تُہٕ پیامبر چھُو حیاتٕکۍ یا نبیؐ

☆

مزمل ذاتھ تھٕنزے بۆیہٕ مدثر
ؤنِو نا خأِلقن پانٕہ فلکبّر
دِژو توہہِ زندگی سُہ آب و تاب
خداین بخشنو کیأہ ذاتِ اطہر

☆

منتی توہہِ پتھ سپُد حسن و جمال
تُہی گُریو ربِ جلیلن بے مثال
تُہند کتہِ ممکن چھُ کانٛہہ وصف و بیاں
مدح خواں تُہنٛزٕے چھَ ذاتِ ذوالجلال

☆

تسُند گاشی مکانس لا مکانس
تسنٛز ستھ یتھ زمینس آسمانس
یہ وردن کایناتُک بۆیہٕ حیاتُک
نوپنٕے دوہے پُشراون جہانس

☆

اگر أسی چھلَو اکہِ ساسہٕ آبہٕ
سُہ ہتہِ رنگہٕ أستن مشکٕنٛز گولابٕ
ثنا چھُنہٕ توتہِ ممکن تُہنٛد حضرتؐ
خدا زانن چھُ پُزٕی توہندسی حسابٕ

☆

صد بار دہن بشویم اگر ز مُشکِ گلاب
ہنوز نام تو بر لب آوردن کمالِ بے ادبیست

☆

طُفیل شفیع، طالب علم، گورنمنٹ میڈیکل کالج سرینگر

نعت

وِچھ کوٗت تھوٚد چوٗنے بجر
بعد اَز خدا چوٗنے تُھزر
ذاکر تُہندی کأتیاہ شجر
یم بحر و بر شام وسحر

انساں گوٚمُت اوس در بدر
انسانیت نش بےخبر
پیہٕ تس تُہنز حُسنِ نظر
عالم تمس آومو چھِ اندر

سپدے وِتُھی ییٚلہ جلوٕ گر
ظُلمس تہٕ جبرس فُٹ کمر
انصاف وعدلُک پھوٚل سحر
ایزٕ بن خداین گو قہر

ینہٕ تُہندِ پھلی مُشکن عنبر
شاداں سپدی ماہ ومہر
آے بارٕ ئس علم وہُنر
نو آش ہیتھ شام وسحر

اخلاق تُہندُ ے پُر اثر // گفتار تُہندے خوب تر
مأیل ژٕ ے کُن جن وبشر // گرویدہ چھے گام وشہر
واقع سپدی اُحد وبدر // حأصل سپز فتح وظفر
ییٚلہِ پانہ دراٗے خیرُ البشر // ایواں کُفرٕک پیٚیہ پتھر